فتح الجواد
فی معارف
آیات الجہاد
سورۃ البقرۃ
سورۃ آل عمران
سورۃ النساء
سورۃ المائدۃ
۱
مکتبہ عرفان لاہور
پاکستان

کتاب .... فتح الجوّاد فی معارف آیات الجہاد (جلد اوّل)

مؤلف .... مولانا محمد مسعود ازہر صاحب

اشاعت اوّل، دوم ..... تعداد ۴۴۰۰

اشاعت سوم ..... ربیع الاوّل ۱۴۲۸ھ - اپریل ۲۰۰۷ء

صفحات ۵۶۰

تعداد ۲۲۰۰

قیمت .... ۲۶۰ روپے

ہماری مطبوعات ملنے کے پتے

مکتبہ الجمیلؒ دکان نمبر 5 دوسری منزل سبحان اللہ سینٹر، نزد تحصیل والی مسجد فیصل آباد 0321-7828028

مکتبہ الایمان دکان نمبر ۱۳۱، ندیم ٹریڈ سینٹر، محلہ جنگی، عقب قصہ خوانی بازار پشاور 0321-9013592

رحمانی کتاب گھر دکان نمبر 2، نزد نور سبحانی مسجد، لسبیلہ چوک کراچی 0321-2063739

مکتبہ عثمان وعلی، نزد بند حسن شادی ہال، کوثر کالونی بہاولپور 0321-6837145

مکتبہ السلام، اعظم مارکیٹ کمیٹی چوک راولپنڈی 051-51118510

ادارہ اشاعت الخیر، حضوری باغ ملتان، فون 061-4514929

کشمیر نیوز ایجنسی، کوٹلی، آزاد کشمیر 05866042256

مکتبہ الحسن، اردو بازار لاہور 042-7241355

موبائل: 0321-4066827 فون: 042-7324844

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مختصر فہرست

سُورَةُ
البَقَرَة
مَدَنِيَّة

ابتدائیہ

اس تالیف میں ''سورۃ البقرۃ'' کی درج ذیل
پینتیس آیات کے مضامین جہاد کو بیان کیا گیا ہے:

آیت ۱۰۹

آیت ۱۱۴

آیات ۱۵۳تا۱۵۷

آیت ۱۷۷

آیات ۱۹۰تا۱۹۵

آیت ۲۰۷

آیات ۲۱۴تا۲۱۸

آیت ۲۳۹

آیات ۲۴۳تا۲۵۲

آیت ۲۶۱

آیت ۲۶۲

آیت ۲۷۳

آیت ۲۸۶

اور ''سورۃ البقرۃ'' کی درج ذیل پانچ آیات
میں مضامین جہاد کی طرف اشارات موجود ہیں:

۳۰ ۳۶ ۵۸ ۵۹ ۸۹

واللہ تعالیٰ اعلم بالصّواب

پینتیس (۳۵) آیات میں مضامین جہاد کا خلاصہ

آیت (۱۰۹) جہاد امر اللہ (اللہ تعالیٰ کا حکم) ہے اور اس میں باطل کا توڑ ہے۔

آیت (۱۱۴) مساجد اور عبادتگاہوں کی حفاظت جہاد میں ہے۔

آیت (۱۵۳) جہاد صبر کا اعلیٰ ترین درجہ ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے۔

آیت (۱۵۴) جہاد فی سبیل اللہ میں قتل کیے جانے والے زندہ ہیں۔

آیت (۱۵۵) (۱۵۶) (۱۵۷) آزمائشیں آتی ہیں خود کو مضبوط بناؤ۔ صبر و استقامت پر بشارت

آیت (۱۷۷) جہاد ''ابواب البر'' میں سے ہے، صادقین اور متقین میں شامل ہونا ہے تو جہاد میں مضبوط رہو۔

آیت (۱۹۰) ہر وقت جہاد کے لئے تیار رہو اور حملہ آور دشمنوں کو جواب دو۔

آیت (۱۹۱) کفر کی طاقت وقوت کو توڑ دو اگر وہ مسجد حرام میں لڑیں تو وہاں بھی جہاد کرو۔

آیت (۱۹۲) ایسا جہاد کرو کہ کافر کفر و شرک سے باز آ کر توبہ کی طرف متوجہ ہو جائیں۔

آیت (۱۹۳) دین کے غالب آنے اور اسلام اور مسلمانوں کے مکمل محفوظ ہونے تک جہاد کرتے رہو۔

آیت (۱۹۴) حرمتیں بدلے کی چیزیں ہیں۔

آیت (۱۹۵) جہاد میں مال خرچ کرو اور جہاد چھوڑ کر خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

آیت (۲۰۷) فدائی مجاہد کی شان

آیت (۲۱۴) جنت کا راستہ تکلیفوں اور آزمائشوں سے بھرا پڑا ہے۔

آیت (۲۱۵) اپنے اقربا پر مال خرچ کر کے ان کا سامان جہاد پورا کرو۔

آیت (۲۱۶) جہاد فی سبیل اللہ فرض ہے۔

آیت (۲۱۷) جہاد کا حکم ہمیشہ کے لئے ہے اور جہاد فتنہ ارتداد کا علاج ہے۔ (سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ)

آیت (۲۱۸) ہجرت اور جہاد اونچے اور مقبول اعمال ہیں۔

آیت (۲۳۹) جہاد میں نماز (صلوٰۃ خوف کا حکم)

آیت (۲۴۳) موت کے ڈر سے جہاد چھوڑنے والے موت سے نہیں بچ سکتے۔

آیت (۲۴۴) جہاد فی سبیل اللہ فرض ہے اسے ادا کرو۔

آیت (۲۴۵) جہاد میں خوب مال خرچ کرو ضرور واپس ملے گا۔

آیت (۲۴۶) ظلم سے نجات اور کافروں سے آزادی جہاد کے ذریعہ ملتی ہے۔

آیت (۲۴۷) امیر جہاد کی صفات

آیت (۲۴۸) امیر جہاد کی برکات

آیت (۲۴۹) اطاعت امیر لازمی ہے اور شہادت کا سچا شوق اور جذبہ قوت کا ذریعہ ہے۔

آیت (۲۵۰) جہاد میں دعاء

آیت (۲۵۱) جہاد کی برکتیں، فائدے اور حکمت

آیت (۲۵۲) فتوحات کی پیشین گوئی

آیت (۲۶۱) جہاد میں مال خرچ کرنے والوں کے درجات

آیت (۲۶۲) جہاد میں لگایا ہوا مال قبول ہونے کی شرطیں

آیت (۲۷۳) جہاد کے لئے خود کو وقف کرنے والوں کا حق

آیت (۲۸۶) مسلمانو! کافروں پر غالب آنے کی کوشش تمہاری ذمہ داری ہے۔ اس میں کامیابی کے لئے دعاء مانگا کرو۔

پانچ آیات میں اشارات جہاد کا خلاصہ

آیت (۳۰) سفك دماء علم اور دین کے تابع ہو۔ (خلافت)

آیت (۳۶) باہمی عداوت ضرور ہوگی اس سے مفر نہیں، اہل باطل کی عداوت کا جواب اہل حق کو دینا پڑے گا۔

آیت (۵۸)(۵۹) بنی اسرائیل کو حکم جہاد۔

آیت (۸۹) اہل کتاب فتح مانگا کرتے تھے (فی قول)

اشارات لاہوری رحمہ اللہ

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے نزدیک سورۃ بقرۃ کی درج ذیل آیات کا تعلق بھی جہاد سے ہے:

(۱۱۰)(۱۸۷)(۱۹۶)(۲۱۹)(۲۲۰) تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ

سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ مَدَنِیَّۃٌ — آیت ۱۰۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَدَّ كَثِیْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ یَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِكُمْ

اکثر اہل کتاب تو اپنے حسد سے حق ظاہر ہونے کے بعد بھی یہ چاہتے ہیں کہ

كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ

کسی طرح سے تمہیں ایمان لانے کے بعد پھر کفر کی طرف لوٹا کر لے جائیں

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ

سو معاف کرو اور درگزر کرو جب تک اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیجے بیشک اللہ تعالیٰ

شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۹﴾

ہر چیز پر قادر ہے

خلاصہ

❶ اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کو ہوشیار فرمار ہے ہیں اور انہیں متنبہ کر رہے ہیں کہ اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کافر تمہیں مرتد بنانے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔ وہ تمہارے ظاہری اور باطنی دشمن ہیں اور وہ تم سے حسد رکھتے ہیں ❷ مسلمان فی الحال صبر کریں اور نماز اور زکوۃ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلق کو مضبوط بنائیں اور اپنی جماعت کو ان عبادات کے ذریعے قوت دیں ❸ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنے والوں کا علاج...... جہاد فی سبیل اللہ کے حکم کے ذریعے نازل ہونے والا ہے...... جہاد فی سبیل اللہ پورے عالم میں امن کا انتظام کرنے والا قانون ہے ❹ مسلمان اپنی کمزوری اور اپنے دشمنوں کی طاقت سے پریشان نہ ہوں، جب جہاد کا حکم نازل ہوگا اور مسلمان اس پر عمل کریں گے تو وہ اکیلے نہیں ہوں گے اللہ پاک ان کی مدد کرنے اور انہیں غالب کرنے پر قادر ہے ❺ جہاد...... امر اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔

اقوال

❶ یہ آیت یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی ہے ❷ کعب بن اشرف یہودی کے متعلق نازل ہوئی ہے ❸ حی بن اخطب اور ابو یاسر بن اخطب کے متعلق نازل ہوئی ہے ❹ غزوۂ احد میں مسلمانوں کو ظاہری شکست ہوئی تو یہودیوں نے مسلمانوں کو طعنے دینا شروع کر دیئے...... اور انہیں مرتد ہونے کی دعوت دینے لگے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی ❺ اس آیت میں سازشوں اور دشمنیوں سے ستائے ہوئے مسلمانوں کے لئے فتح، نصرت اور

غلبے کی بشارت ہے۔

حوالے

❶ بعض یہود شب و روز مختلف تدبیروں سے دوستی اور خیر خواہی کے پیرایہ (انداز) میں مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنے کی کوششیں کیا کرتے تھے اور باوجود ناکامی کے اپنی دھن سے باز نہ آتے تھے حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس پر متنبہ فرمادیا (بیان القرآن)

❷ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال کان حی بن اخطب وابو یاسر بن اخطب من اشد الیہود للعرب حسداً اذ خصہم اللہ برسولہ صلی اللہ علیہ وسلم، وکانا جاھدین فی رد الناس عن الاسلام ما استطاعا فانزل اللہ فیہما (ابن کثیر) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حی بن اخطب اور ابو یاسر بن اخطب یہودیوں میں سے عربوں پر سخت حسد کرنے والے تھے کہ اللہ پاک نے عربوں میں سے آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم پیدا فرما کر انہیں خصوصیت بخشی۔ یہ دونوں بھرپور کوشش کرتے تھے کہ کسی طرح مسلمانوں کو اسلام سے ہٹادیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں یہ آیت نازل فرمائی۔

❸ شان نزول کے ایک مخصوص واقعہ کی بنا پر عموماً مفسرین نے یہاں اہل کتاب یا احبار یہود کو لیا ہے لیکن لفظ قرآنی عام ہے اور یہود و نصاریٰ دونوں اس کے عموم میں یکساں داخل ہیں، مسیحیوں کی طرف سے جو کھلا ہوا زبردست اور منظم، اور علماء یہود کی طرف سے نسبۃً ہلکا اور مخفی پروپیگنڈہ عقائد اسلام کے خلاف سیاسی، معاشری، تاریخی، جغرافی، تحریروں کے ذریعہ سے اسلامی آبادیوں کے درمیان جاری رہتا ہے وہ سب اسی حقیقت کے مظاہر ہیں، غایت ان ساری سرگرمیوں اور کوششوں کی یہی رہتی ہے کہ مسلمان اگر یہودیت و مسیحیت کو نہ بھی قبول کریں جب بھی کم سے کم اپنے دین کی طرف سے تو ضرور بدگمان اور برگشتہ ہوکر رہیں...... پرانے مفسروں نے بھی کہا ہے کہ اس میں مسلمانوں کو ایک زبردست انتباہ کافروں کی مسلم دشمنی سے متعلق ہے۔ (تفسیر ماجدی)

❹ عن کعب بن مالک ان کعب بن الاشرف الیہودی کان شاعرا وکان یھجو النبی صلی اللہ علیہ وسلم وفیہ انزل اللہ (ابن کثیر) حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کعب بن اشرف یہودی شاعر تھا اور وہ (نعوذ باللہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو بکا کرتا تھا تو اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

حتی یأتی اللہ بأمرہ ان اہل کتاب کو فی الحال چھوڑ دو اور ان سے درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دے...... اللہ تعالیٰ کے حکم سے مراد اکثر مفسرین کے نزدیک جہاد فی سبیل اللہ کا حکم ہے اور اس میں غزوۂ بنی

نضیر اور غزوۂ بنی قریظہ وغیرہ کی طرف بھی اشارہ ہے...... چند حوالے ملاحظہ فرمائیں:

حتی یأتی اللہ بامرہ یعنی قتل بنی قریظۃ واجلاء بنی نضیر (قرطبی) یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے مراد بنی قریظہ کا قتل اور بنی نضیر کی جلاوطنی ہے☆ھو واحد الاوامر والمراد بہ الامر بالقتال (روح المعانی) یعنی امر اوامر کا واحد ہے اور مراد اس سے قتال کا حکم ہے☆ وھو قول اکثر الصحابۃ والتابعین انہ الامر بالقتال (تفسیر کبیر) اکثر صحابہ اور تابعین کے نزدیک اس سے قتال کا حکم مراد ہے۔☆ (بامرہ) فیھم من القتال (جلالین) یعنی اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں اپنا قتال والا حکم لے آئے ☆الذی ھو قتل بنی قریظۃ واجلاء بنی نضیر واذلالھم بضرب الجزیۃ علیھم (کشاف) اللہ کے حکم سے مراد بنی قریظہ کا قتل، بنی نضیر کی جلاوطنی، اور ان پر جزیے کی ذلت کا مسلط ہونا ہے۔☆ (اس آیت میں) اشارۃً بتلادیا کہ انکی شرارتوں کا علاج ''قانون انتظام امن عالم'' یعنی ''قتال وجزیہ'' سے ہم جلدی کرنے والے ہیں (بیان القرآن)

ان اللہ علی کل شی قدیر وفیہ إشعار بالانتقام من الکفار ووعد المومنین بالنصرۃ والتمکین (روح المعانی) اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے یعنی وہ کافروں سے انتقام لینے پر اور مسلمانوں کی نصرت کرنے اور انہیں غالب کرنے پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

فائدہ

فاعفوا واصفحوا علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ھذہ الآیۃ منسوخۃ بقول اللہ عز وجل قاتلوا الذین لا یؤمنون الی قولہ وھم صغرون ...... امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں اور علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے روح المعانی میں اس پر مفصل کلام فرمایا ہے۔ طلبہ علم اس بحث کو ان تینوں تفاسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

نکتہ

اس آیت کے بعد اگلی آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو (وغیرہ)۔ اس سے یہ نکتہ بھی سمجھا جاسکتا ہے کہ اعمال صالحہ میں غلبہ کی تاثیر ہے۔ یعنی نماز، زکوٰۃ اور دیگر اعمال صالحہ کی برکت سے تم جہاد کرنے اور دشمنوں پر غلبہ پانے کے اہل بن جاؤ گے۔ صاحب ترجمان القرآن لکھتے ہیں:

نماز اور زکوٰۃ یعنی قلبی اور مالی عبادت کی سرگرمی ایک ایسی حالت ہے جس سے جماعت کی معنوی استعداد نشو ونما پاتی ہے اور قوی ہوتی ہے، جس جماعت میں یہ سرگرمی موجود ہو وہ نہ تو دین سے برگشتہ (یعنی دور) ہو سکتی ہے اور نہ اس کی اجتماعی قوت میں کمزوری آسکتی ہے۔ (ترجمان القرآن)

چند مماثل آیات

البقرۃ ۱۲۰۔ ۲۱۷، آل عمران ۶۹ ۔ ۷۲ ۔ ۱۰۰، المائدہ ۵۱، التوبہ ۲۹

دعاء

یہود و نصاریٰ کی طرف سے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوششیں اب بھی زوروں پر ہیں اور اللہ تعالیٰ کا حکم قتال فی سبیل اللہ بھی نازل ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو بیداری، شعور...... اور اپنے اوامر پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین یارب العالمین

☆☆☆

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ — آیت ۱۱۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ

اور اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جس نے اللہ تعالیٰ کی مسجدوں میں اس کا نام لینے کی ممانعت کردی

وَسَعٰى فِىْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا

اور ان کے ویران کرنے کی کوشش کی ایسے لوگوں کا حق نہیں ہے کہ ان میں داخل ہوں مگر

خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ

ڈرتے ہوئے ان کیلئے دنیا میں بھی ذلت ہے اور ان کیلئے آخرت میں بہت

عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾

بڑا عذاب ہے

خلاصہ

❶ مساجد اللہ تعالیٰ کی ہیں جو بھی ان کو کسی بھی طرح سے ویران کرنے کی کوشش کرے وہ بہت بڑا ظالم ہے۔ ❷ مسلمانوں کو چاہیے کہ مساجد کو آباد رکھیں، انکی حفاظت کریں اور جہاد کے ذریعہ مساجد کو محفوظ بنائیں ❸ مساجد کو ویران کرنے والوں کو دنیا میں جہاد کے ذریعہ سزا دی جائے اور ان سے حکومت چھین لی جائے اور اگر وہ مساجد کے مقامات پر قبضہ کرلیں تو انہیں جہاد کے ذریعہ خوفزدہ کیا جائے ❹ ماضی میں جس نے بھی مساجد کو ویران کیا اس کو اللہ تعالیٰ نے اس علاقے کی حکومت سے محروم کردیا۔ ❺ ایسے لوگوں کے لئے آخرت میں بہت بڑا عذاب تیار ہے۔

اقوال

❶ اس آیت میں فتح مکہ کی بشارت ہے ❷ بیت المقدس کے آزاد ہونے کی بشارت ہے۔ (یہ دونوں وعدے تو ماضی میں الحمدللہ پورے ہوچکے ہیں) ❸ مسلمانوں کے لئے فتوحات کی بشارت ہے ❹ حضرت امام مہدی علیہ السلام کے خروج کی بشارت ہے۔

شانِ نزول

❶ یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ انہوں نے حدیبیہ والے سال مسلمانوں کو بیت اللہ سے روکا تھا۔ ❷ یہ آیت عیسائیوں کے متعلق نازل ہوئی کیونکہ وہی مساجد کو ویران کرنے کے بانی ہیں۔ ❸ یہ آیت

یہود کے متعلق نازل ہوئی جیسا کہ ماقبل کا ربط بھی اشارہ کرتا ہے کہ یہودی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کررہے تھے جس کا واضح نتیجہ مساجد کی ویرانی ہے ❷ یہ آیت عام ہے جو بھی جب بھی اللہ تعالیٰ کی مساجد کو ویران کرنے کی کوشش کرے وہ اس آیت کا مصداق ہے۔

حوالے:

❶ اور غور کرو اس سے بڑھ کر ظلم کرنے والا انسان کون ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت گاہوں میں اس کے نام کی یاد کو روکے اور انکی ویرانی میں کوشاں ہو۔ جن لوگوں کے ظلم کا یہ حال ہے یقیناً وہ اس لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت گاہوں میں قدم رکھیں بجز اس حالت کے کہ (دوسروں کو اپنی طاقت سے ڈرانے کی جگہ خود دوسروں کی طاقت سے) ڈرے سہمے ہوئے ہوں یاد رکھو ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں بھی سخت عذاب ہے۔ (ترجمان القرآن)

❷ اس کے شان نزول نصاریٰ ہیں کہ انہوں نے یہود سے مقابلہ کر کے توریت کو جلایا اور بیت المقدس کو خراب کیا یا مشرکین مکہ کہ انہوں نے مسلمانوں کو محض تعصب اور عناد سے حدیبیہ میں مسجد حرام (بیت اللہ) میں جانے سے روکا، باقی جو شخص بھی مسجد کو ویران یا خراب کرے وہ اسی حکم میں داخل ہے (تفسیر عثمانی)

❸ یہ لوگ اس لائق ہی نہیں کہ ان (مساجد) میں داخل ہوں مگر ہاں ڈرتے ہوئے مسلمانوں کے رعب اور دبدبہ سے۔ یعنی داخلہ کی اجازت غیر مسلم کو صرف اس حال میں دی جاسکتی ہے کہ وہ مسلمانوں کا محکوم ہو اور اس کا داخلہ سرکشانہ نہیں مطیعانہ ہو...... ایک قول یہ بھی ہے کہ آیت سارے کافروں کے حق میں ہے کہ عبادت سے روکنے والے تو سارے ہی کافر ہیں اور مساجد سے مراد کل روئے زمین ہے، چنانچہ کافروں کو دارالاسلام میں داخلہ کا کوئی حق نہیں بجز اس کے کہ مسلمانوں ہی کی شرط پر ہو (تفسیر ماجدی)

❹ اس میں اس بات کی خوشخبری دی کہ مکہ معظمہ فتح ہوگا۔ جب غلبہ اہل اسلام کا ہو جائے گا تو یہ مشرکین اس میں ڈرتے ہوئے داخل ہوں گے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان کرایا کہ خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک ہرگز حج نہ کرے (انوار البیان)

❺ عذاب آخرت کا تجربہ تو آخرت ہی میں ہوگا باقی دنیا میں ان لوگوں کی ذلت اور رسوائی کا مشاہدہ تو چند روز میں سب کو ہو گیا، یہود، مشرکین، منافقین سارے اعدائے اسلام جزیرہ عرب میں اور اسکی سرحدوں میں دیکھتے ہی دیکھتے نیست و نابود ہو کر رہے اور قرآن مجید کی پیش گوئی لفظ بلفظ پوری ہوئی (تفسیر ماجدی)

---

❻ اولئك ماكان لهم ان يد خلو ها الا خائفين خبر بمعنىٰ الامر اى خيفوهم بالجهاد فلا يد خلها أحد آمناً (جلالين)

ان لوگوں کا حق نہیں کہ وہ ان میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے۔ یہ جملہ خبریہ امر کے معنیٰ میں ہے کہ مساجد کو ویران کرنے والوں کو جہاد کے ذریعہ ڈراؤ تا کہ وہ ان میں امن سے داخل نہ ہوسکیں۔

❼ لهم فی الدنیا خزی قیل القتل للحربی ، والجزیة للذمی ، عن قتادة والسُّدّی: الخزی لهم فی الدنیا قیام المهدی ، وفتح عموریة و رومیةو قسطنطنیه ،وغیر ذلك من مدنهم ...... ومن جعلها فی قریش جعل الخزی علیهم فی الفتح (القرطبی)

مساجد ویران کرنے والوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے۔ یعنی حربی کافر کے لئے قتل اور ذمی کے لئے جزیہ، قتادہ اور سدی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ دنیا میں ان کی (عمومی) رسوائی قیام مہدی سے ہوگی اور ان کے شہروں مثلاً عموریہ رومیہ اور قسطنطنیہ کے مسلمانوں کے ہاتھوں فتح ہونے سے۔ اور جن حضرات کے نزدیک یہ آیت قریش کے بارے میں نازل ہوئی ہے انہوں نے دنیا کی رسوائی سے فتح مکہ مراد لی ہے۔

❽ لهم فی الدنیا خزی ای عظیم بقتل ابطالهم وأقیالهم وکسر اصنامهم وتسفیه احلامهم اوخراجهم من جزیرة العرب التی هی دار قرارهم ومسقط رُءُوسِهم او بضرب الجزیة علیٰ اهل الذمة منهم (روح المعانی)

ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے۔ یعنی بہت بڑی رسوائی کہ ان کے بہادروں اور سرداروں کو قتل کردیا جائے گا، ان کے بت توڑ دیئے جائیں گے اور ان کی عقلوں کی بیوقوفی ظاہر کردی جائے گی۔ اور انہیں ان کے مستقر یعنی جزیرہ العرب سے نکال دیا جائے گا۔ یا ان میں سے جو ذمی ہیں ان پر جزیہ لازم کردیا جائے گا۔

عجیب نکتہ

جب یہ آیت نازل ہوئی تھی تو اس وقت مشرکین مکہ کا بیت اللہ پر قبضہ تھا اور وہ وہاں بے خوف دندناتے پھرتے تھے۔ بیت المقدس پر اہل کتاب کے کافروں کا تسلط تھا اور ان کو کسی طرح کا کوئی خوف اور خطرہ نہیں تھا۔ اور یہودی مدینہ منورہ میں جمے بیٹھے تھے اور بے خوف ہوکر مسلمانوں کو مرتد بنانے اور ان کی مساجد کو ویران کرنے کی تدبیریں کررہے تھے۔ ان حالات میں قرآن پاک کی یہ آیت نازل ہوئی۔ اور اس میں جو پیش گوئی فرمائی گئی اس کے پورا ہونے کے کوئی ظاہری اسباب موجود نہیں تھے۔ مگر کچھ ہی عرصہ بعد...... تمام حالات بدل گئے۔ بیت اللہ مشرکین سے پاک ہوگیا، مدینہ منورہ یہودیوں سے صاف ہوگیا۔ اور بیت المقدس میں اسلامی اذان گونجنے لگی۔ اور مسلمانوں کو خوفزدہ کرنے والے خود خوف اور ذلت کا شکار بن گئے۔ الحمد للہ یہ سب کچھ جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعے ممکن ہوا۔ یہ آیت آج بھی زندہ ہے اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو سمجھ عطاء فرمائے۔

مماثل آیات

جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ ہی مساجد اور عبادت گاہوں کی حفاظت ہوسکتی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے سورۃ الحج آیت (۴۰)

دعاء

اللہ تعالیٰ کرے بابری مسجد کو ویران کرنے والے مشرک، اور مسجد اقصیٰ کو گرانے کا عزم رکھنے والے یہودی...... اور اندلس کی مساجد کو ویران کرنے والے نصاریٰ...... اور ماوراء النہر کی مساجد کو ویران کرنے والے کمیونسٹ بھی...... اپنے انجام سے دوچار ہوں۔ اور مسلمانوں کو توفیق ملے کہ وہ جہاد کے ذریعہ...... مساجد کی حفاظت کا انتظام کریں...... اور مساجد گرانے والوں کو خوف کی سوغات دیں۔

آمین یارب العالمین

☆☆☆

سورۃ البقرۃ مدنیۃ — آیت ۱۵۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اے ایمان والو صبر اور نماز سے مدد لیا کرو بے شک اللہ تعالیٰ

مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

خلاصہ

اے مسلمانو! اگر اللہ تعالیٰ کی نصرت ساتھ لینا چاہتے ہو تو صبر اور نماز میں خود کو مضبوط بناؤ، صبر کے معنی ہیں شریعت پر ڈٹے رہنا اور اس کا اعلیٰ ترین درجہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

حوالے

❶ استعينوا بالصبر على الذكر والشكر وسائر الطاعات من الصوم والجهاد وترك المبالاة بطعن المعاندين فى امر القبلة (روح المعانی)

مدد حاصل کرو صبر سے یعنی ذکر و شکر اور تمام عبادات روزہ جہاد وغیرہ پر ڈٹے رہو اور تحویل قبلہ کے متعلق دشمنوں کے طعنوں کی پرواہ نہ کرو۔

❷ یہاں سے اشارہ ہے کہ جہاد میں محنت اٹھاؤ اور مضبوطی اختیار کرو (موضح القرآن)

❸ اور اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جہاد میں محنت اٹھاؤ، جس کا ذکر آگے آتا ہے کہ اس میں صبر اعلیٰ درجہ کا ہے (تفسیر عثمانی)

❹ ومنهم من حمله على الجهاد لانه تعالىٰ ذكر بعده ولا تقولوا لمن يقتل فى سبيل الله (تفسير كبير) بعض اہل تفسیر نے اس آیت میں صبر کا معنی جہاد کیا ہے کیونکہ اس کے بعد والی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اور ان لوگوں کو مردہ نہ کہو جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل کیے گئے۔

❺ ان الله مع الصبرين بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اس (مع) میں مفہوم نصرت و اعانت کا شامل رہتا ہے۔ يقتضى معنى النصرة (راغب، تفسیر ماجدی)

بعد والی چار آیات سے ربط

یہ ربط دو طرح سے سمجھا جا سکتا ہے:

❶ اللہ تعالیٰ کی مدد، نصرت اور خصوصی معیت صبر اور نماز کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔اور صبر کا اعلیٰ درجہ ’’جہاد فی سبیل اللہ‘‘ ہے پس جو شخص جہاد میں مارا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایسی اونچی مزیدار اور خاص زندگی عطاء فرماتا ہے جس کے سامنے پوری دنیا کی سلطنت اور نعمتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔مگر شہادت تک پہنچنے سے پہلے جہاد میں کافی آزمائشیں آسکتی ہیں، پس کامیاب وہی ہونگے جو استقامت دکھائیں گے۔واللہ اعلم بالصواب۔

❷ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، اس پر سوال ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ ساتھ ہے تو مسلمان جہاد میں مارے کیوں جاتے ہیں، یہ لوگ تو دنیا کی نعمتوں سے محروم ہوجاتے ہیں اور جو مارے نہیں جاتے ان پر بھی تکلیفیں آتی ہیں۔جواب دیا گیا کہ جو مارے گئے وہ تو اصل زندگی پاگئے ایسی مزیدار اور طاقتور زندگی جسے ساری دنیا کے لوگ مل کر بھی نہیں سمجھ سکتے اور جو تکلیفیں اٹھا رہے ہیں وہ بھی رحمت، اجر اور ہدایت کے خزانے جمع کر رہے ہیں۔واللہ اعلم بالصواب۔مماثل آیت:

صبر کا اعلیٰ ترین درجہ جہاد فی سبیل اللہ میں استقامت ہے ملاحظہ فرمایئے سورۃ بقرہ۔آیت (۱۷۷)

دعاء

یا اللہ ہمیں اپنے پسندیدہ صبر اور پسندیدہ نماز پر قائم فرما۔

آمین یارب العالمین

☆☆☆

سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۱۵۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّ

اور جو اللہ کی راہ میں مارے جائیں انہیں مرا ہوا نہ کہا کرو بلکہ وہ تو زندہ ہیں

لٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

لیکن تم نہیں سمجھتے

خلاصہ

❶ حق کے راستہ میں موت، موت نہیں ہے بلکہ تکلیف اور غم سے پاک ایک اعلیٰ زندگی ہے۔ پس اے مسلمانو! موت کے خوف سے اپنے دلوں کو پاک کرلو۔

❷ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں قتل کیے جانے والے ''شہدا'' بلاشبہ زندہ ہیں، مگر تم انکی زندگی کا شعور نہیں رکھتے ہو۔ انکی زندگی بہت طاقتور اور اونچی ہے تمہارا ناقص شعور اس تک نہیں پہنچ سکتا اس لئے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ بتادیا کہ بل احیاء وہ زندہ ہیں۔

❸ جب مسلمانوں کا قبلہ بیت اللہ کو بنایا گیا تو یہودی کھلم کھلا دشمنی پر اتر آئے، مسلمان کمزور تھے اور یہودی بہت طاقتور، پھر انہیں منافقین کی مدد بھی حاصل تھی، ایسے حالات میں خدشہ تھا کہ اس دین کا کیا بنے گا؟ یہ دین تو ابھی اپنے مرکز مدینہ منورہ ہی میں اتنی مشکلات اور دشمنیوں کا شکار ہے۔ اس پر فرمایا گیا کہ ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے اللہ پاک اس دین کو مکمل فرمائے گا جیسے کہ اس نے تم ہی میں سے ایک رسول بھیجے ہیں۔ یہود تو اس بات کو بھی گوارہ نہیں کرتے تھے۔ اب تم صبر، شکر اور ذکر و نماز کے ذریعے پکے مسلمان بن جاؤ اور جہاد کے لئے نکل کھڑے ہو۔ تم میں سے جو جہاد میں مارا جائے گا وہ عظیم الشان زندگی پائے گا۔ اور جو ستایا جائے گا وہ ہدایت اور اجر وثواب پائے گا۔ اس نصاب نے مسلمانوں کو مضبوط چٹان...... اور دین کا فدائی بنادیا...... اور پھر دنیا نے دیکھا کہ یہودیت سمٹ گئی اور اسلام دنیا کے اکثر حصے پر چھا گیا...... پس اللہ تعالیٰ نے موت میں زندگی رکھ کر مسلمانوں کو موت کے خوف سے پاک کردیا...... اور یہ سچ ہے کہ جو موت سے نہیں ڈرتا بلکہ اس کے پیچھے دوڑتا ہے دنیا میں کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

اقوال وحوالے

❶ یہ آیت شہداء بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے (روح المعانی)

یہ چودہ حضرات تھے چھ کا تعلق مہاجرین سے تھا اور آٹھ کا انصار سے حضرات مہاجرین کے اسماء گرامی یہ ہیں۔
حضرت عبیدہ بن الحارث بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت عمیر بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت ذوالشمالین رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت عاقل بن بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت مھجع بن صالح رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت صفوان بن بیضاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

حضرات انصار کے اسماء گرامی یہ ہیں

حضرت سعد بن خیثمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت مبشر بن عبد المنذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت یزید بن الحارث رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت عمیر بن الحمام رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت رافع بن معلّی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت حارثہ بن سراقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت معوذ بن عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضرت عوف بن عفراء رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ (تفسیر کبیر و سیرت المصطفیٰ)

❷ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ جب جہاد شروع ہوا تو کفار و منافقین نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ لوگ (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم) بلا فائدہ اپنی جانیں صرف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خوش کرنے کے لئے ضائع کر رہے ہیں تب یہ آیت نازل ہوئی اور شہداء کرام کا مقام بتا دیا گیا۔ امام رازی فرماتے ہیں: وعن آخرین ان الکفار والمنافقین قالوا: ان الناس یقتلو ن انفسھم طلبالمر ضاۃ محمد (صلی اللہ عیلہ وسلم) من غیر فائدۃ فنزلت ھذہ الایۃ. (تفسیر کبیر)

❸ غزوۂ بدر میں جب کچھ صحابہ شہید ہو گئے تو نافہم کافروں نے کہنا شروع کیا کہ انہوں نے خواہ مخواہ اپنی جوانی گنوا دی اور زندگی کے لطف سے محروم ہو گئے، انہیں جواب مل رہا ہے کہ تم جس معنیٰ میں انہیں مردہ سمجھ رہے ہو اس میں وہ سرے سے مردہ ہی نہیں بلکہ زندوں سے کہیں بڑھ کر ہر لذت سے لذت یاب ہو رہے ہیں۔ برزخی زندگی اپنی عام صورت میں تو سب ہی کے لئے ہے، لیکن شہیدوں کو اس عالم میں ایک خصوصی اور امتیازی زندگی نصیب ہوگی۔ آثار حیات میں دوسروں سے کہیں زیادہ قوی۔ (تفسیر ماجدی)

گذارش

قرآن پاک میں حیات شہداء کا مسئلہ سورۃ آل عمران آیت ۱۶۹ میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس مقام پر اس مسئلہ کی مزید تفصیلات عرض کی جائیں گی۔

نکتہ

مسلمان موت سے بے خوف ہوئے تو اپنے دین کو لیکر پورے عالم میں پھیل گئے۔ چونکہ وہ شہادت سے محبت رکھتے تھے اس لئے دعوت کے راستے میں جو رکاوٹ بھی آئی اس سے بلا خطر ٹکرا گئے۔ وہ موت کے پیچھے دوڑتے گئے اور ان کا دین زندہ ہوتا گیا جبکہ یہودی زندگی بچانے کے لئے اپنے قلعوں اور عمارتوں میں بیٹھے رہے اور ان کا مذہب

سمٹتا گیا۔اب معاملہ برعکس ہے کافروں نے مسلمانوں سے لڑنا اور مسلمانوں نے ان سے گھر بیٹھنا سیکھ لیا ہے،اس لئے وہ طاقتور ہو گئے اور مسلمان کمزور۔اس کمزوری کو ختم کرنے کا نسخہ اسی آیت میں بیان ہوا ہے اللہ تعالیٰ کرے ہم سب مسلمان اس پر عمل کریں اور زندگی پائیں۔

مماثل آیات

قرآن پاک کی دیگر درج ذیل آیات میں بھی شہداء کرام کے فضائل کا بیان ہے۔

البقرۃ :۲۰۷۔ آل عمران ۱۴۰۔۱۵۷۔۱۵۸۔۱۶۹۔۱۷۰۔۱۷۱۔۱۹۵۔النساء ۶۹۔۷۴۔التوبہ :۱۱۱۔ الحج ۵۸۔۵۹۔الزمر ۶۸۔سورہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ۴۔۵۔۶۔الحدید:۱۹۔

دعاء

یا اللہ بے شک آپ کے راستے میں قتل ہونا بڑی سعادت ہے، یا اللہ ہم اس آیت پر اور تیرے پورے کلام پر ایمان لاتے ہیں یا اللہ ہمیں اپنی رضا کے لئے یہ سعادت عطاء فرما اور ہمیں ان مقبول شہدا میں شامل فرما جن کی فضیلت قرآن پاک میں بیان ہوئی ہے۔

آمین یارب العالمین

☆☆☆

سُوْرَۃُ البَقَرَۃِ مَدَنِیَّۃٌ آیات ۱۵۷، ۱۵۶، ۱۵۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ

اور ہم تمہیں کچھ خوف اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے ضرور آزمائیں گے

وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ

اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو وہ لوگ کہ جب انہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو

مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ

کہتے ہیں ہم تو اللہ تعالیٰ کے ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں یہ لوگ ہیں جن پر

صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ان کے رب کی طرف سے مہربانیاں ہیں اور رحمت اور یہی ہدایت پانے والے ہیں

خلاصہ

❶ پہلے تو ان کا ذکر تھا جنہوں نے صبر کا اعلیٰ مرتبہ حاصل کیا یعنی شہداء اب فرماتے ہیں کہ تمہارا علی العموم تھوڑی تکلیف اور مصیبت میں وقتاً فوقتاً امتحان لیا جائے گا اور تمہارے صبر کو دیکھا جائے گا، صابرین میں داخل ہونا کچھ سہل (آسان) نہیں اسی واسطے پہلے سے متنبہ فرمادیا۔ (تفسیر عثمانی)

❷ پہلے جہاد کی طرف اشارہ ہوا پھر شہادت کی فضیلت بیان ہوئی اب بتایا جارہا ہے کہ جہاد و شہادت کا راستہ کچھ آسان نہیں اس میں تکلیفیں اور آزمائشیں آتی ہیں پھر جو لوگ صبر کرتے ہیں اور ڈٹے رہتے ہیں تو ان کے لئے خصوصی بشارتیں، رحمتیں اور ہدایت ہے۔

❸ اہل حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائے جاتے ہیں، یہ آزمائشیں ان پر بطور عذاب الٰہی کے نہیں ہوتیں بلکہ ان کے درجات اور مقامات کی بلندی کے لئے ہوتی ہیں اس لئے ان کو مصیبت میں دیکھ کر باطل پرست لوگ خود کو حق پر نہ سمجھنا شروع کردیں۔

حوالے

❶ والخطاب عام لسائر المؤمنين وقيل للصحابة فقط وقيل لاهل مكة فقط (روح المعانی) ولنبلونکم میں خطاب عام ہے تمام مسلمانوں کے لئے۔ بعض کے نزدیک یہ خطاب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ہے اور بعض کے نزدیک اہل مکہ سے۔ (پہلا قول راجح ہے)

❷ ان هذه المحن لا یجب ان تکون عقو بات لانه تعالیٰ وعد بها المو منین من الرسول و اصحابه۔ان هذه المحن اذا قارنها الصبر افادت درجة عالية فی الدین (تفسیر کبیر) یہ تکلیفیں ضروری نہیں کہ بطور عذاب ہوں کیونکہ ان کا وعدہ تو اللہ پاک نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ سے کیا ہے۔اور جب ان تکلیفوں کے ساتھ صبر مل جاتا ہے تو یہ دینی درجات کی بلندی کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔

❸ من الخوف ای خوف العدو والفزع فی القتال قاله ابن عباس (قرطبی) ہم تمہیں کچھ خوف کے ذریعہ آزمائیں گے خوف سے مراد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نزدیک جہاد کے دوران کی گھبراہٹ اور دشمن کا خوف ہے۔

❹ ونقص من الاموال بسبب الاشتغال بقتال الکفار (قرطبی) اور اموال کی کمی سے مراد وہ مالی نقصان ہے جو کافروں کے خلاف جہاد میں مشغول ہونے کے باعث مسلمانوں کو اٹھانا پڑتا ہے۔

❺ والانفس قال ابن عباس : بالقتل والموت فی الجهاد (قرطبی) حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ (جان کے نقصان سے مراد) جہاد میں قتل ہونا اور انتقال کرنا ہے۔

مماثل آیات

اہل ایمان کو آزمایا جاتا ہے یہ مضمون درج ذیل آیات میں بھی بیان ہوا ہے۔

البقرہ:۲۱۴۔۲۴۹۔ ال عمران: ۱۴۱۔۱۴۲۔۱۴۶۔۱۵۴۔۱۸۶۔۱۹۵۔ التوبہ:۱۶۔ العنکبوت:۲۔۳۔ الاحزاب:۱۱۔محمد :۳۱۔

ملتی جلتی آیات

اس عنوان سے ملتی جلتی چند آیات درجہ ذیل ہیں:

العنکبوت:۱۰۔الحج:۱۱۔

دعاء

صبر کرنا، مشکل حالات میں دین اور جہاد پر ڈٹے رہنا، ناموافق ماحول میں اسلامی نظریات پر جمے رہنا بہت مشکل ہے۔یا اللہ ہمارے ساتھ عافیت کا معاملہ فرما اور صبر واستقامت کو ہمارے لئے آسان بنا۔

(آمین یارب العالمین)

☆☆☆

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۷۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ

یہی نیکی نہیں کہ تم اپنے منہ مشرق اور مغرب کی طرف پھیرو

وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ

بلکہ نیکی تو یہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور فرشتوں اور

الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى

کتابوں اور نبیوں پر اور اس کی محبت میں رشتہ داروں اور یتیموں

وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِي الرِّقَابِ ۚ وَ

اور مسکینوں اور مسافروں اور سوال کرنے والوں کو اور گردنوں کے چھڑانے میں مال دے اور

اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ

نماز پڑھے اور زکوٰۃ دے اور جو اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہیں جب وہ عہد کرلیں

وَ الصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ

اور تنگدستی میں اور بیماری میں اور لڑائی کے وقت صبر کرنے والے ہیں یہی

الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

سچے لوگ ہیں اور یہی پرہیزگار ہیں

خلاصہ

❶ اس آیت میں (سولہ ۱۶) امہات الاحکام (یعنی بنیادی ولازمی احکام) کا بیان ہے جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ میدان جہاد میں ڈٹ کر ثابت قدمی سے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جنگ کی جائے۔

❷ "ابواب البر" یعنی نیکی کا نصاب جہاد میں ثابت قدمی کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔

❸ صادقین اور متقین میں شامل ہونے کے لئے بھی دیگر صفات کے ساتھ ساتھ قتال فی سبیل اللہ میں ثابت قدمی لازمی ہے۔

شانِ نزول

❶ اس میں یہود و نصاریٰ سے خطاب ہے وہ عبادت میں مشرق و مغرب کی طرف منہ کرنے میں شدید اختلاف

رکھتے تھے یہودی مغرب کی طرف منہ کرتے تھے اور عیسائی مشرق کی طرف، اور اسی کو پورا دین اور مکمل کامیابی سمجھتے تھے تو ارشاد فرمایا گیا کہ نیکی یہی نہیں ہے کہ مشرق پرستی کرو یا مغرب پرستی بلکہ وہ نیکی جو ہدایت کا نتیجہ اور مغفرت کی ضمانت ہے وہ چند عقائد، چند اعمال اور چند اخلاق کا نام ہے۔ پھر اس آیت میں ان عقائد، اعمال اور اخلاق کو بیان فرمایا گیا ہے جن کا آغاز اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے اور اختتام میدان جنگ میں ڈٹ کر لڑنے پر ہوتا ہے ان دونوں کے درمیان مزید چودہ چیزوں کا تذکرہ ہے۔

❷ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک صاحب نے رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے ''نیکی'' کے متعلق پوچھا تو یہ آیت نازل ہوئی:

ماحصل

ہر باطل گروہ اور فرقہ چند رسومات، چند علامات اور چند مقامات ہی کو دین سمجھ لیتا ہے اور پھر اپنے عقائد، اعمال اور اخلاق کی اصلاح سے غافل ہوجاتا ہے۔ یہود و نصاریٰ نے یہی ظلم کیا اور اب مسلمانوں کے گمراہ فرقے بھی اسی طرح بعض مقامات، آستانوں اور بعض افراد و رسومات کو ہی پورا دین اور کامیابی کی ضمانت سمجھ بیٹھے ہیں، اس طرح کی گمراہی کے لئے یہ آیت ''نسخۂ اکسیر'' اور حق کا معیار ہے۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ اس آیت کے ایک ایک حکم کو پڑھتا جائے اور پھر اپنا محاسبہ کرتا جائے کہ میرے اندر یہ عقیدہ، یہ عمل اور یہ خلق موجود ہے یا نہیں؟

ماخذ جہاد

اس آیت میں حین البأس کے الفاظ سے جہاد کی اہمیت اور فضیلت پوری صراحت کے ساتھ معلوم ہوتی ہے ملاحظہ فرمایئے چند اقوال:

❶ وحین البأس ای وقت الحرب یعنی جنگ کے وقت ثابت قدم ہیں (قرطبی)

❷ وحین البأس وقت شدة القتال فی سبیل اللہ۔ یعنی قتال فی سبیل اللہ کی شدت کے وقت ثابت قدم رہنے والے ہوں۔ (جلالین)

❸ وحین البأس ای فی حال القتال والتقاء الا عداء قاله ابن مسعود وابن عباس وابو العالیة ومرة الهمدانی ومجاهد وسعیدبن جبیر والحسن وقتادة والربیع بن انس والسدی ومقاتل بن حیان وابو مالك والضحاك وغیرهم۔ یعنی قتال کے وقت اور دشمنوں سے ٹکرانے کے وقت ثابت قدم رہنے والے ہوں یہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور باقی حضرات (جن کے نام عربی عبارت میں آئے ہیں) کا قول ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

❹ وحین البأس ای وقت القتال وجهاد العدو یعنی دشمن سے جہاد و قتال کے وقت ثابت قدم

رہنے والے ہوں (روح المعانی) اس کے بعد علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں وهذا من باب الترقی فی الصبر من الشدید الی الا شدلان الصبر علی المرض فوق الصبر علی الفقر والصبر علی القتال فوق الصبر علی المرض: یعنی اس میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے پہلے فقر پر صبر کا ذکر ہے پھر مرض پر اور پھر قتال پر کیونکہ مرض پر صبر کرنا فقر پر صبر کرنے سے زیادہ مشکل ہے اور قتال پر صبر کرنا یعنی جہاد میں ڈٹ کر لڑنا مرض پر صبر سے زیادہ سخت ہے۔ (روح المعانی)

حوالے

❶ فقال قتادة ذکر لنا ان رجلا سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن البّر فا نزل اللہ هذه الاية ترجمہ: شان نزول میں گذر چکا ہے (قرطبی)

❷ وقال الربیع وقتادة ایضا الخطاب للیهود والنصاریٰ لا نهم اختلفوا فی التوجه والتولیّ الخ ترجمہ: شان نزول میں گذر چکا ہے (قرطبی)

❸ معرکہ قتال کفار میں (ثابت قدم رہیں) یعنی پریشان اور کم ہمت نہ ہوں (بیان القرآن)

فائدہ

وفی الرقاب یعنی وہ مال خرچ کرتے ہیں گردنیں چھڑانے میں۔ اس میں دشمنوں کے ہاتھوں قید ہونے والے مجاہدین اور مسلمان خاص طور پر شامل ہیں۔ چنانچہ امام قرطبی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں لکھتے ہیں۔

قال مالک رحمه الله: یجب علی الناس فداء اسراهم وان استغرق ذلک اموالهم وهذا اجماع ایضا: امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگوں پر اپنے قیدیوں کو فدیہ دے کر چھڑانا واجب ہے اگرچہ اس میں ان کے تمام اموال لگ جائیں اور اس پر اجماع بھی ہے۔ (تفسیر قرطبی) علامہ سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں الرقاب المکاتبین والأسری یعنی مکاتب غلام اور اسیران (جلالین) ہمارے زمانے میں غلام نہیں رہے اس لئے ابواب البر یعنی ایمان واطاعت کے نصاب پر مکمل عمل کرنے کے لئے مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنا مال مظلوم قیدیوں کو چھڑانے میں بھی خرچ کریں اس مسئلے کی تفصیل ان شاء اللہ تعالیٰ آگے دوسرے مقام پر آئے گی۔

نکتہ

شدت قتال یعنی سخت جنگ میں ڈٹ کر لڑنا ایک مختصر سا لفظ ہے مگر اس کے پیچھے ایمان کا ایک پورا باب چھپا ہوا ہے۔ جہاد میں ڈٹ کر لڑنا آسان نہیں ہے، یہ ایک بہت مشکل اور صبر آزما کام ہے، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں اسکی تاکید فرمائی ہے ملاحظہ فرمایئے سورۃ انفال آیت (۴۵) اور ان لوگوں پر سخت وعید فرمائی ہے جو میدان جہاد سے بزدلی کی وجہ سے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے سورۃ انفال آیت (۱۵)(۱۶) اور

میدان جہاد میں ڈٹ کر لڑنے والوں کے ساتھ محبت کا اعلان فرمایا ہے۔ملاحظہ فرمایئے سورۃ صف آیت ۴ اور اسی معاملہ میں منافقین پر سخت نکیر فرمائی ہے ملاحظہ فرمایئے سورۃ احزاب آیت ۱۵، ۱۶ اور پھر باقاعدہ اس مسئلہ کی شرعی تفصیل واضح فرمائی ہے ملاحظہ کیجئے سورۃ انفال آیت ۶۵، ۶۶ اور کافروں اور منافقوں اور شیطان کے جنگ میں پیٹھ پھیرنے کو کئی مقامات پر بیان فرمایا ہے۔ملاحظہ فرمایئے سورۃ آل عمران آیت ۱۱۱ ،حشر ۱۲ ، ۱۴، انفال ۴۸،توبہ ۵۷ ، فتح ،۲۲۔

معلوم ہوا کہ یہ ایک لازمی اور تاکیدی حکم ہے اور قرآن پاک نے اس کے ہر پہلو کو بیان فرمایا ہے مذکورہ بالا تمام آیات کا ترجمہ اور تفسیر پڑھ لیجئے آپ کو خود اس مسئلہ کی اہمیت اور حساسیت کا اندازہ ہو جائے گا،اس لئے ضروری ہے کہ ہر مومن، متقی اپنے اندر یہ صفت اور یہ خلق پیدا کرے اور بزدلی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگے ،میدان جہاد میں ڈٹ کر لڑنے کے لئے درج ذیل صفات کا ہونا ضروری ہے: ❶ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق ہو ❷ جہاد کو اللہ تعالیٰ کا حکم، اسلامی فریضہ اور اہم عبادت مانتا ہو ❸ جہاد کی ضروری تربیت رکھتا ہو ❹ حب دنیا اور بخل سے محفوظ ہو ❺ جنگی ماحول میں آتا جاتا رہتا ہو۔

یہ مسئلہ کافی تفصیل طلب ہے یہ مختصر حاشیہ اس تفصیل کا متحمل نہیں ہے شائقین حضرات کتب جہاد کی طرف رجوع فرمائیں۔

دعاء

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو ابواب البّر پر صفت احسان کے ساتھ عمل کی توفیق عطاء فرمائے اور بوقت جہاد ہمیں ثابت قدمی نصیب فرمائے اور امت میں ایسے صادقین اور متقین اولیاء کرام کی کثرت فرمائے جو جہاد میں ثابت قدم رہنے والے ہوں۔

آمین یارب العالمین

☆☆☆

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ — آیت ۱۹۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ

اور اللہ کی راہ میں ان سے لڑو جو تم سے لڑیں اور زیادتی نہ کرو

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾

بے شک اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا

خلاصہ

اے مسلمانو! اپنے خلاف جنگ کرنے والوں کو منہ توڑ جواب دو اور تم اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑنے کے لئے ہمہ وقت مستعد اور تیار رہو، جس طرح فوج چھاؤنی میں ہر وقت تیار رہتی ہے ہاں لڑائی کے دوران حد سے تجاوز نہ کرو کہ ان لوگوں کو قتل کرنے لگو جن کا جنگ اور لڑائی سے کسی طرح کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اور نہ اپنی نیت میں غلطی اور تجاوز کرو کہ ریاکاری، نام ونمود اور قومیت وعصبیت کی خاطر لڑنے لگو، تمہاری جنگ اور لڑائی صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہونی چاہیے۔

شانِ نزول

ذوالقعدہ ۶ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ہمراہ عمرہ کے لئے تشریف لے گئے۔ مشرکین مکہ نے آپ کو مکہ مکرمہ میں داخل نہ ہونے دیا حدیبیہ کے مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرکین کے ساتھ ایک معاہدہ ہوا جو ’’صلح حدیبیہ‘‘ کہلاتا ہے اور اسی مقام پر موت اور جہاد پر بیعت بھی ہوئی جو ’’بیعت رضوان‘‘ کہلاتی ہے اس معاہدہ کے تحت یہ بھی طے پایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ سال اسی مہینہ میں مکہ مکرمہ تشریف لا کر عمرہ ادا کریں گے اور یہ بھی طے پایا کہ دس سال تک مسلمانوں کی مشرکین مکہ کے ساتھ جنگ بندی رہے گی۔ ذوالقعدہ ۷ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم عمرہ کے لئے جانے لگے تو اندیشہ تھا کہ مشرکین مکہ بدعہدی کر کے حملہ نہ کر دیں مسلمان چونکہ احرام کی حالت میں تھے اور وہ حدود حرم میں جا رہے تھے اور مہینہ بھی ذوالقعدہ کا تھا اور جنگ بندی کا معاہدہ بھی موجود تھا تو کیا مشرکین کے حملے کی صورت میں ان سے لڑنا جائز ہوگا؟ اس آیت میں فرمایا گیا کہ اگر وہ لوگ خود عہد شکنی کریں اور تم سے لڑنے پر آمادہ ہو جائیں تو لڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے، تم بھی ڈٹ کر ان کا مقابلہ کرو اور دل میں کوئی خدشہ نہ لاؤ۔ (قرطبی، ابن کثیر، بیان القرآن، روح المعانی وغیرہ)

عجیب ربط

امام رازی رحمہ اللہ اس آیت کا پچھلی آیت کے ساتھ ربط یوں بیان فرماتے ہیں ثم لماامر بالتقوىٰ امر فی هذه الاية باشد اقسام التقوىٰ و اشقها علی النفس وهو قتل اعداء الله فقال وقاتلوا فی سبیل الله (تفسیر کبیر) پچھلی آیت میں جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا تو پھر اس آیت میں تقویٰ کی اس سب سے اونچی قسم کا جو نفس پر بہت ہی شاق گزرتی ہے، حکم دیا اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے قتال کرنا چنانچہ فرمایا اور تم قتال کرو اللہ تعالیٰ کے راستے میں۔ (معلوم ہوا کہ جہاد فی سبیل اللہ تقویٰ کی سب سے اونچی سخت اور مشکل ترین قسم ہے)

جہاد پر غیرت دلانے کا عجیب انداز

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں: انما هو تهييج واغراء بالاعداء الذين همتهم قتال الاسلام واهله ای کمایقاتلو نکم فا قتلو هم انتم : اس آیت میں الذین یقا تلونکم جو تم سے لڑتے ہیں ان سے لڑو فرما کر مسلمانوں کو جذبہ اور غیرت دلائی گئی ہے کہ تمہارے دشمن تو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف لڑنے کیلئے کھڑے ہوگئے (تو پھر تم اسلام اور مسلمانوں کے حق میں کیوں نہیں لڑتے) یعنی جس طرح وہ تم سے لڑتے ہیں تم بھی ان سے لڑو۔ علامہ ابن کثیر آیت کا یہ مطلب بتا کر ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے جیسا کہ بعض مفسرین کی رائے ہے، منسوخ تب ہوتی جب مطلب یہ ہوتا کہ تم صرف انہیں لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑیں اور خود حملے کی ابتداء نہ کرو حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

ایک قول

بعض متقدمین حضرات کے ہاں یہ جہاد کی اجازت پر نازل ہونے والی پہلی آیت ہے عن ابی العالية قال: هذه اول آية نزلت فی القتال بالمدينة (ابن کثیر۔ قرطبی) لیکن دیگر حضرات کے نزدیک پہلی آیت سورۃ حج کی آیت (۳۹) ہے۔

قاتلو افی سبیل الله قتال کرو اللہ تعالیٰ کے راستے میں۔

فی سبیل الله کی تفسیر میں چند اقوال ملاحظہ فرمائیں:

❶ ای فی طاعته وطلب رضوانه: یعنی اللہ تعالیٰ کی طاعت میں اور اسکی رضا جوئی کے لئے لڑو۔ (تفسیر کبیر)

❷ ای جاهدوا لا عزاز دین الله واعلاء کلمته یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی عزت اور اس کے کلمے کی بلندی کے لئے جہاد کرو۔ (روح المعانی)

❸ ای لا علاء دینہ: یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے جنگ کرو (جلالین)

الذین یقاتلونکم جوتم سے قتال کریں۔ اس کا ترجمہ ان حضرات نے جو اس آیت کو منسوخ مانتے ہیں ینا جزونکم القتال سے کیا ہے یعنی جو لوگ تم سے جنگ کرنے لگیں (ان سے لڑو) مگر چونکہ اکثر مفسرین اس آیت کو محکم مانتے ہیں اس لئے انہوں نے اس کے دو ترجمے کئے ہیں: ❶ الذین ینا صبو نکم القتال یعنی وہ جو تم سے جنگ کرسکیں۔ پس ان کو نہ مارو جو جنگ ہی نہیں کر سکتے اور نہ جنگ میں کسی طرح کا تعاون کرتے ہیں۔ ❷ الکفرۃ کلھم لانھم جمیعا مضادون للمسلمین قاصدون لمقاتلتھم یعنی اس سے مراد تمام کافر ہیں کیونکہ وہ سب مسلمانوں کے مخالف اور ان کے ساتھ لڑنے کے لئے پرعزم رہتے ہیں (کشاف)۔ یہ ترجمہ کرنے میں کئی طرح کے کافروں کو مستثنیٰ کرنا ہوگا مثلاً ذمی، معاہد اور قتال سے لاتعلق وغیرہ۔

ولا تعتدوا اور تجاوز نہ کرو۔ آیت کے محکم ہونے کی صورت میں تجاوز نہ کرنے کے یہ معنیٰ ہیں۔ ❶ ان بچوں، بوڑھوں، عورتوں، راہبوں اور کسانوں کو قتل نہ کرو جن کا جنگ سے کوئی تعلق نہ ہو۔ ❷ بغیر دعوت کے اچانک حملہ نہ کرو ❸ لاشوں کا مثلہ نہ کرو ❹ بغیر کسی جنگی مصلحت کے درختوں کو نہ جلاؤ نہ حیوانات کو قتل کرو (مصلحت ہو تو اجازت ہے)۔ ❺ مال غنیمت میں خیانت نہ کرو۔ ❻ حرم میں اپنی طرف سے لڑائی شروع نہ کرو۔ جن سے جنگ بندی کا معاہدہ ہے ان سے عہد شکنی نہ کرو۔ (قرطبی، تفسیر کبیر ابن کثیر، روح المعانی، عثمانی)

عورتیں اگر لڑائی میں شریک ہوں یا مالی مدد کر رہی ہوں یا مسلمانوں کے خلاف جنگ پر بھڑکاتی ہوں یا اپنے بال کھول کر چیخ و پکار کر کے اپنے لشکر کو فرار پر عار دلاتی ہوں تو انہیں قتل کرنا جائز ہے۔ (تفسیر قرطبی) اگر بچے، بوڑھے، معذور، راہب اور کسان بھی جنگ میں تعاون کرتے ہوں تو ان کا قتل جائز ہے (قرطبی) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کسانوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا کرتے تھے۔ (قرطبی)

بعض مفسرین حضرات نے ولا تعتدوا کا ترجمہ ان الفاظ سے کیا ہے المعنیٰ لاتعتدوا فی القتال لغیر وجہ اللہ کالحمیّۃ وکسب الذکر بل قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم یعنی دیناً واظھاراً للکلمۃ یعنی لا تعتدوا کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا قومیت و عصبیت اور اپنا نام کمانے کے لئے نہ لڑو بلکہ صرف دین کی خاطر اور اللہ تعالیٰ کے کلمے کو غالب کرنے کے لئے لڑو (قرطبی) حق یہ ہے کہ اعتداء کا لفظ زیادتی کے ہر پہلو کو جامع ہے اور ہر طرح کی زیادتیوں کی ممانعت اس سے نکل آئی۔ (تفسیر ماجدی)

فائدہ

عام طور سے (اس آیت کا) یہ ترجمہ کیا گیا ہے کہ جو لڑنے کے لئے آئے اس سے لڑو اور جو لڑنے کے لئے نہ آئے تو خود بخود لڑنے کے لئے نہ جاؤ۔ عقلی طور پر یہ بات مسلّم ہے کہ جو قوم حملہ کرنے کے لئے تیار نہ ہو وہ غالب

نہیں ہو سکتی، اگر اللہ تعالیٰ کو مسلمانوں کا محفوظ رکھنا منظور ہے تو یہ تعلیم ہو ہی نہیں سکتی بلکہ مطلب یہ ہے کہ تم لڑنے کے لئے ہر وقت تیار رہو جس طرح فوج چھاؤنی میں ہر وقت تیار رہتی ہے وہ گویا لڑ رہی ہے، کیونکہ لڑنے پر ہر وقت آمادہ رہنا بھی لڑنا ہے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

فائدہ

فی سبیل اللہ یہ قید کتنی اہم اور دنیا کی تاریخ محاربات میں کیسی انقلاب انگیز ہے! دنیا میں لڑائیاں ہمیشہ لڑی گئیں، اب بھی لڑی جا رہی ہیں، آئندہ بھی لڑی جائیں گی لیکن کاہے کے لئے؟ زر کے لئے، یا زن کے لئے، یا زمین کے لئے، زیادہ سے زیادہ یہ کہ "قوم اور وطن" کے لئے!...... یہ خصوصیت صرف اسلامی جہاد کی ہے کہ جب کبھی اور جن حالات میں شروع ہو اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہو، شرک کو مٹانے اور توحید کو بلند کرنے کے لئے ہو، دین حق کی حمایت اور نصرت میں ہو، انسانی حکومت مٹا کر خدائی حکومت قائم کرنے کے لئے ہو، خودی کے لئے نہیں خدا کے لئے ہو۔ (مظلوموں کی مدد اور فتنہ کے خاتمہ کے لئے ہو)

قتال بائبل میں اس کا ذکر ایک دو جگہ نہیں بیسیوں جگہ موجود ہے اور محاربات یہود سے تو تاریخ کے دفتر رنگین ہیں، رہی مسیحی قومیں اور انکی خونریزیاں اور خون آشامیاں تو انکی نظیر تو دنیا کے پردہ پر کہیں نہیں ملے گی، عیاں راچہ بیاں! اور عملاً جو نمایاں فرق اسلامی فاتحین کی رحم دلی اور مسیحی فاتحین کی سنگ دلی کے درمیان رہا ہے اس کا اعتراف تو خود مسیحی اہل قلم کو ہے۔ (تفسیر ماجدی)

نکتہ

اس آیت کے سیاق وسباق اور مفسرین کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاد حج کا بھی محافظ ہے۔ اور ان دونوں فرائض کے درمیان بہت سی مناسبات ہیں۔

دعاء

یا اللہ کافروں کے لشکر مسلمانوں کے ملکوں میں گھس آئے ہیں، وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کر رہے ہیں یا اللہ، ہم مسلمانوں کو اس آیت کا حکم پورا کرنے کی ہمت اور توفیق عطاء فرما۔ آمین یا ارحم الراحمین

☆☆☆

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۹۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ

اور انہیں قتل کرو جہاں پاؤ اور انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے

اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ

تمہیں نکالا ہے اور غلبہ شرک قتل سے زیادہ سخت ہے اور مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو

الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ

جب تک کہ وہ تم سے یہاں نہ لڑیں پھر اگر وہ تم سے لڑیں تم بھی انہیں قتل کرو

جَزَاۗءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾

کافروں کی یہی سزا ہے

خلاصہ

اسلام کے ایسے مخالفین کو جو ہر وقت تمہیں فنا کرنے کی تیاریاں کرتے رہتے ہیں جہاں پاؤ قتل کردو اور انہیں مکہ مکرمہ اور مسجد حرام سے نکال دو جس طرح انہوں نے تمہیں نکالا۔ یاد رکھو ان لوگوں کا کفر پر ڈٹے رہنا اور دوسروں کو کفر کی ترغیب دینا اور فسادی لوگوں کا طاقتور ہونا یہ تمام جرائم حدود حرم میں قتل و قتال سے زیادہ سخت ہیں۔ بیت اللہ کو کافروں اور مشرکوں سے آزاد کرانا اگرچہ مسلمانوں کی لازمی ذمہ داری ہے مگر وہاں خود جنگ کی ابتداء نہ کرو ہاں اگر وہ لوگ لڑنے پر آجائیں تو پھر تم بھی مسجد حرام (بیت اللہ) میں ان سے جنگ کرو۔ ایسے ضدی، سخت اور ہٹ دھرم کافروں کی یہی سزا ہے۔

تفسیر

واقتلو هم اور انہیں قتل کرو الخطاب فيه واقع علىٰ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن هاجر معه وان كان الغرض به لا زماً بكل مسلم۔ اس میں خطاب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ ہجرت کرنے والوں سے ہے اگرچہ یہ حکم تمام مسلمانوں کے لئے لازم ہے۔ (تفسیر کبیر)

واقتلو هم اور انہیں قتل کرو هم ضمیر کے بارے میں امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں عائد الى الذين امر بقتلهم فی الآية الاولىٰ وهم الكفار من اهل مكة فامر اللہ تعالىٰ بقتلهم حيث كانوا فی الحل والحرم وفی الشهر الحرام، یہ ضمیر ان لوگوں کی طرف راجع ہے جن کے ساتھ پچھلی آیت میں قتال کا حکم دیا گیا

تھا۔ یعنی کفار اہل مکہ پس اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان کے ساتھ ہر جگہ اور ہر وقت قتال کیا جائے حل ہو یا حرم اور خواہ حرمت والا مہینہ ہو۔ (تفسیر کبیر)

حیث ثقفتموھم یعنی جب تم ان پر غلبہ پاؤ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں الثقف وجود ہ علی وجہ الاخذ والغلبۃ (کبیر) ثقفتموا ثقف سے (ہے) جس کے معنیٰ کسی چیز کے پانے اور اس پر کامیاب ہونے کے ہیں (لغات القرآن نعمانی) پھر چونکہ اس میں پکڑنے اور باندھنے کے معنیٰ بھی آتے ہیں اس لئے امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں وفی ھذا دلیل علی قتل الا سیر یعنی اس میں قیدی کو قتل کرنے کی دلیل بھی ہے۔ (قرطبی)

من حیث اخرجوکم جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا (تم بھی وہاں سے انہیں نکالو) ای مکۃ یعنی مکہ سے (قرطبی) علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں والمراد افعلوا کل ماتیسر لکم من ھذین الامرین فی حق المشرکین: یعنی ان دونوں کاموں کی تمہیں اجازت ہے کہ مشرکین کو قتل کرو یا مکہ مکرمہ سے نکال دو ان دونوں کاموں میں سے جو بھی تمہارے لئے ممکن ہو۔

والفتنۃ اشد من القتل کافروں کا طاقتور ہونا اور زور آور ہونا یہ قتل سے زیادہ سخت ہے۔ فتنہ کی مکمل تفسیر ان شاء اللہ تعالیٰ آگے آئے گی۔

اقوال

❶ کفار کے ساتھ جبکہ شرائط جواز کے پائے جاویں ابتداءً قتال شروع کرنا درست ہے۔ (بیان القرآن)

❷ جزیرۂ عرب کے اندر، جس میں حرم بھی آ گیا کفار کو وطن بنانے کی اجازت نہیں اگر بزور رہنا چاہیں تو غیر حرم میں تو قتال کر کے بھی دفع کر دینا جائز ہے۔ اور حد حرم کے اندر اولاً قتال نہ کریں گے بلکہ ان کو دوسری طرح تنگ کر دیں گے جس میں وہ خود چھوڑ دیں اور اگر کسی طرح نہ چھوڑیں اور دفع کرنے سے آمادہ قتال ہو جائیں تو اس وقت قتال جائز ہے۔ (بیان القرآن)

❸ جمہور ائمہ دین کا اجماع ہے کہ اشہر حرم (محرم، رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ) میں اب قتال جائز ہے اور جن آیات سے ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ منسوخ ہیں لیکن افضل اب بھی یہی ہے کہ اشہر حرم میں ابتدا بالقتال نہ کرے (بیان القرآن)

❹ کفار عرب اگر اسلام نہ لاویں تو ان کے لئے صرف قتل کا قانون ہے اگر وہ جزیہ دینا چاہیں تو نہ لیا جاوے گا۔ (بیان القرآن)

فائدہ

گذشتہ آیات سے دو باتیں ثابت ہو گئیں:

(الف) کوئی جگہ قتال فی سبیل اللہ سے مستثنیٰ نہیں ہو سکتی۔

(ب) کوئی مسلم اپنے آپ کو جہاد سے مستثنیٰ خیال نہیں کرسکتا۔

جولوگ بیت اللہ میں گوشہ گیر ہوں، ذکر الٰہی ان کا مقصد وحید ہو اور شب وروز اسی کی عبادت میں مصروف ہوں، تزکیہ نفس وتہذیب اخلاق ان کے پیش نظر ہو وہ بھی جنگ کی شرکت سے مستثنیٰ نہیں ہوسکتے کیونکہ جب خود بیت اللہ ہی میں جنگ شروع ہو جائے گی تو کون انکی اعانت کے لئے آئے گا، بلکہ انہیں خود اس کے لئے تیاری کرنی پڑے گی۔ پچھلے اوراق میں تم پڑھ آئے ہو کہ حضرت عبداللہ بن مبارک نے فضیل بن عیاض کو جو اشعار لکھ کر بھیجے تھے تو وہ رو پڑے تھے اور مان گئے تھے کہ عبداللہ سچ کہتا ہے۔ اگر یہ بھی تمہارے اطمینان کے لئے کافی نہ ہو تو خود لسان الٰہی اپنی غیر مشتبہ آواز میں اعلان کرتی ہے۔

اجعلتم سقاية الحاج وعمارة المسجد الحرام كمن أمن بالله واليوم الآ خر وجاهد في سبيل الله لا يستون عند الله والله لا يهدى القوم الظالمين (توبہ ۱۹)

(ترجمہ: کیا تم نے حاجیوں کا پانی پلانا اور مسجد حرام کا آباد کرنا اس کے برابر کر دیا جو اللہ تعالیٰ پر اور آخرت کے دن پر ایمان لایا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑا۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ برابر نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا) اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ جہاد فی سبیل اللہ کی تیاری سے کسی مسلمان کو مفر نہیں (تفسیر الفرقان)

❷ پس یہ تمام تصریحات واضح کرتی ہیں کہ جہاد کی اصلی غرض وغایت صرف اعلاء کلمۃ اللہ ہو مگر جنگ صرف ان لوگوں سے ہو، جن سے مخالفت کا اندیشہ ہے یا جو اسلام کو تباہ کرنے کی تیاریاں کر رہے ہیں، ایسے لوگوں کو فوراً قتل کر دینا چاہیے، اگر انہیں مہلت دی اور وہ اس درمیان میں آلات حرب سے مسلح ہو گئے تو پھر کامیابی کی کوئی صورت نہ ہو گی۔ (تفسیر الفرقان)

❸ بیت اللہ الجلیل کے اصلی وارث مسلمان تھے، اس لئے کہ یہی ابراہیمی ملت کے پابند تھے: ان اولى الناس با براهيم للذين اتبعو ه وهذاالنبي والذين امنوا (ال عمران ۹۱) مگر کفار نے ان کو وہاں سے نکال دیا اور خود اس پر غاصبانہ قبضہ کر لیا اب مسلمانوں کا فرض ہے کہ اس مرکز سے ان کو الگ کر دیں اور اس جگہ کو واپس لے لیں مگر مسلمانوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ صرف بیت اللہ پر قبضہ کر کے ان کا فرض نہیں ختم ہو جاتا وہ شهداء على الناس کے درجہ پر فائز کئے گئے ہیں، وما ارسلنك الا كافة للناس بشيرا ونذيرا ان کا طغرائے امتیاز ہے۔ خير امة اخرجت للناس انکی خصوصیت کبریٰ ہے، دنیا میں جس قدر انبیاء علیہم السلام آئے ان کے وارث اصلی اب مسلمانوں کے سوا اور کوئی نہیں ان رسولوں نے اپنی امتوں کے لئے مراکز قائم کئے مگر کچھ مدت کے بعد ناخلف ان پر قابض ہو گئے اس لئے بیت اللہ کو اپنے قبضہ میں لینے کے بعد ان کا دوسرا فرض یہ ہو گا کہ دنیا بھر میں جس قدر مذہبی مرکز ہیں ان پر بھی قبضہ کر لیں تا کہ صحیح معنیٰ میں شهداء على الناس کا

مصداق بن سکیں۔ (تفسیر الفرقان فی معارف القرآن)

فائدہ

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

یعنی بذلک صلوٰت اللہ وسلامہ علیہ قتالہ اھلہ یوم فتح مکۃ فانہ فتحھا عنوۃ وقتلت رجال منھم عند الخندقہ : یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اجازت مرحمت فرمائی اور آپ نے فتح مکہ کے دن مکہ والوں سے قتال فرمایا اور مکہ کو بزور تلوار فتح فرمایا اور بعض مشرکین کو قتل بھی کیا۔ (ابن کثیر)

صحیح بخاری کی روایت ہے:

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم دخل مکۃ وعلیہ المغفر فقیل ان ابن خطل متعلق باستار الکعبۃ فقال : اقتلوہ (بخاری، مسلم، قرطبی)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے اور آپ نے جنگی ٹوپی پہن رکھی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا کہ ابن خطل (مشرک) کعبہ کے پردوں سے چمٹا ہوا ہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اسے قتل کردو۔ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولھذا السبب اجلی رسول اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کل مشرک من الحرم ثم اجلا ھم ایضاً من المدینۃ وقال علیہ الصلوٰۃ والسلام لا یجتمع دینان فی جزیرۃ العرب (تفسیر کبیر)

ان تمام اقوال کا اور ان جیسے دیگر بہت سے اقوال کا خلاصہ یہ ہوا کہ مکہ مکرمہ جہاد کی برکت سے فتح ہوا، بیت اللہ شریف جہاد کے ذریعہ مسلمانوں کو نصیب ہوا، جزیرۃ العرب جہاد کے ذریعہ کفر و شرک سے پاک ہوا اور دنیا میں پہلی اسلامی سلطنت کا قیام جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ عمل میں آیا۔ وللہ الحمد والمنّۃ۔

☆☆☆

سُورَةُ البَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۹۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾

پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ بڑا بخشنے والا نہایت رحم والا ہے

خلاصہ

پھر اگر وہ کفر و شرک سے باز آجائیں اور ایمان لے آئیں تو (ان سے کوئی لڑائی نہیں) اللہ پاک بخشنے والا مہربان ہے، (مشرکین عرب کے علاوہ باقی کافر اگر لڑائی چھوڑ کر اسلام اور مسلمانوں کی بالادستی قبول کر لیں اور جزیہ دیں تو ان کے ساتھ قتال نہ کیا جائے گا)

حوالے

❶ قال ابن عباس : فان انتهوا عن القتال وقال الحسن فان انتهوا عن الشرك : حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ فان انتهوا یعنی اگر وہ قتال سے باز آجائیں اور حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں فان انتهوا کہ اگر وہ شرک سے باز آجائیں۔ (تفسیر کبیر)

❷ فان انتهوا عن الكفر بالتوبة منه كماروى عن مجاهد وغيره اوعنه وعن القتال كما قيل (روح المعانی)

❸ فان انتهوا اى عن قتالكم بالايمان فان الله يغفر لهم جميع ماتقدم وير حم كلا منهم بالعفو عما اجترم : یعنی اگر وہ تم سے لڑنے سے باز آجائیں ایمان لانے کے ذریعہ تو اللہ تعالیٰ ان کے تمام پچھلے گناہ بخش دے گا اور ان میں سے ہر ایک پر رحم فرما کر ان کے جرائم کو معاف فرمائے گا۔ (قرطبی)

❹ پھر اگر بعد شروع قتال کے بھی وہ لوگ اپنے کفر سے باز آجائیں اور اسلام قبول کر لیں تو ان کا اسلام بے قدر نہ سمجھا جاوے گا بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے گذشتہ کفر کو بخش دیں گے اور مغفرت کے علاوہ انواع نعم دیگر ان پر مہربانی بھی فرمادیں گے۔ (بیان القرآن)

❺ یعنی اس سب پر اگر اب بھی مسلمان ہوں تو توبہ قبول ہے (موضح القرآن)

❻ فان انتهوا پھر اگر باز آجائیں محض جنگ سے نہیں جسے انہوں نے شروع کیا تھا بلکہ عقائد کفر و شرک سے جو محرک اور باعث بنے ہوئے تھے جنگ و قتال کے۔ جن مفسرین جدید نے انتھوا سے صرف جنگ سے باز آجانا مراد لیا ہے انہوں نے بہت کمزور پہلو اختیار کیا ہے (تفسیر ماجدی)

دعاء

یا اللہ ہم مسلمانوں کو ایسے جہاد کی توفیق عطاء فرما کہ جس کی شوکت کے سامنے کفر کی طاقت ٹوٹ جائے اور کفار کفر وشرک سے توبہ کر کے ایمان قبول کرنے کی طرف متوجہ ہوں بے شک آپ غفور رحیم ہیں۔

آمین یارب العالمین

☆☆☆

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۹۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۖ فَاِنِ

اور ان سے لڑو یہاں تک کہ فساد باقی نہ رہے اور اللہ کا دین قائم ہوجائے پھر اگر

انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

وہ باز آجائیں تو سوائے ظالموں کے کسی پر سختی جائز نہیں

خلاصہ

تم ان مشرکوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ ان کی قوت وشوکت ٹوٹ جائے شرک کے اقتدار کا خاتمہ ہوجائے اور اللہ تعالیٰ کا دین قائم ونافذ ہوجائے پھر اگر وہ باز آجائیں تو ظالموں کے سوا کسی پر سختی نہیں۔

ربط

اکثر مفسرین حضرات ماقبل کی تین آیات کے ساتھ ربط جوڑتے ہوئے اس آیت کو جزیرۃ العرب کے ساتھ خاص مانتے ہیں اور فتنہ کا ترجمہ شرک سے کرتے ہیں۔ یعنی ان مشرکین مکہ سے لڑتے رہو یہاں تک کہ جزیرۃ العرب میں کسی طرح کا شرک نہ رہے اور یہ خطہ اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کے لئے خاص ہوجائے، چنانچہ صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں:

قاتلو هم میں هم کی ضمیر کس کی طرف ہے؟ جنگ جاری رکھنے کا حکم کس کے مقابلہ میں دیا جارہا ہے ظاہر ہے کہ مراد کفار مطلق صورت میں بھی ہوسکتے ہیں اور مشرکین عرب بھی سمجھے جاسکتے ہیں لیکن فقہاء حنفیہ اور بکثرت تابعین نے مراد مشرکین مکہ ہی سے لی ہے: ومن راها غير ناسخة قال المعنىٰ قاتلوا هولاء الذين قال الله فيهم فان قاتلوكم (قرطبی) وهم كفار مكة والفتنة ههنا الشرك ولا يسن بهم سنة اهل الكتاب فی قبول الجزية قاله ابن عباس وقتادة والربيع والسدی (بحر) عطف علیٰ قاتلو الذين يقاتلو نكم ويويده ان المشركين العرب ليس فی حقهم الا الاسلام اوالسيف (روح) وهذه الآية خاصة فی المشركين دون اهل الكتاب (جصاص)

اسلام ایک عالمگیر مذہب ہے، اس لئے ضروری تھا کہ اس کا ایک جغرافیائی مرکز ہو، مستقر ہو اور روئے زمین پر کم از کم ایک خطہ تو ایسا ہو جو شرک وکفر سے قطعاً پاک اور اہل توحید کے لئے صحیح معنیٰ میں "پاکستان" ہو اور اس غرض کے لئے مولد رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مہبط "قرآن" سے بڑھ کر سرزمین اور کونسی ہوسکتی ہے؟ قدرۃً انتخاب اس کے لئے

سرزمین عرب کا ہوا۔ کفار عرب اگر اسلام نہ لائیں تو ان کے لئے صرف قتل کا قانون ہے اگر وہ جزیہ دینا چاہیں تو نہ لیا جائے گا۔ (تفسیر ماجدی)

دوسری رائے

بعض دوسرے مفسرین حضرات کے نزدیک یہ آیت عام ہے چنانچہ علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقاتلو هم امر بالقتال لكل مشرك فی كل موضع علیٰ من رآها ناسخة اس آیت میں ہر مشرک سے ہر جگہ قتال کا عام حکم ہے ان حضرات کے نزدیک جو اس آیت کو ناسخ مانتے ہیں۔ (قرطبی) اس قول کے مطابق فتنہ کے معنیٰ کفر کے لئے گئے ہیں (قرطبی) یعنی جہاد اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کفر کی کمر نہ ٹوٹ جائے اور اس کی قوت اور اقتدار ختم نہ ہو جائے، اس قول کے مطابق اس آیت کا بھی وہی معنیٰ ہوگا جو سورۃ انفال کی آیت (۳۹) کا ہے، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: وقاتلو هم حتى لاتكون فتنة ويكون الدين كله لله فان انتهوا فان الله بما يعملون بصير (الانفال ۳۹) یہ آیت تو مفسرین کے نزدیک اقدامی جہاد کی مشروعیت کے لئے بالکل صریح، واضح، عام اور نص قطعی ہے چنانچہ اس آیت میں مذکور لفظ فتنہ کی تشریح میں صاحب تفسیر عثمانی لکھتے ہیں:

"یعنی کافروں کا زور نہ رہے کہ ایمان سے روک سکیں یا مذہب حق کو موت کی دھمکی دے سکیں جیسا کہ تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی کفار کو غلبہ ہوا مسلمانوں کا ایمان اور مذہب خطرہ میں پڑ گیا، اسپین کی مثال دنیا کے سامنے ہے کہ کس طرح قوت اور موقع ہاتھ آنے پر مسلمانوں کو تباہ کیا گیا یا مرتد بنایا گیا بہر حال جہاد و قتال کا اولین مقصد یہ ہے کہ اہل اسلام مامون و مطمئن ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں اور دولت ایمان و توحید کفار کے ہاتھوں سے محفوظ ہو۔ چنانچہ فتنہ کی یہی تفسیر ابن عمر وغیرہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کتب حدیث میں منقول ہے"۔ (تفسیر عثمانی)

اور يكون الدين كله لله کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"یہ جہاد کا آخری مقصد ہے کہ کفر کی شوکت نہ رہے حکم اکیلے اللہ تعالیٰ کا چلے، دین حق سب ادیان پر غالب آجائے (ليظهره على الدين كله) خواہ دوسرے باطل ادیان کی موجودگی میں جیسے خلفائے راشدین وغیرہم کے عہد میں ہوا یا سب باطل مذاہب کو ختم کر کے جیسے نزول مسیح کے وقت ہوگا بہر حال یہ آیت اسکی واضح دلیل ہے کہ جہاد و قتال خواہ ہجومی ہو یا دفاعی مسلمانوں کے حق میں اس وقت تک برابر مشروع ہے جب تک یہ دونوں مقصد حاصل نہ ہو جائیں" (تفسیر عثمانی)

خلاصہ یہ ہوا کہ آیت کو خاص مانا جائے یا عام، ہر حال میں جہاد کے حکم کی تاکید معلوم ہوتی ہے اور جہاد کی غرض و غایت کا بھی پتہ چلتا ہے لفظ فتنہ کی مکمل تحقیق و تفسیر ان شاء اللہ تعالیٰ سورہ انفال میں بیان کی جائے گی۔ یہاں صرف امام رازی رحمہ اللہ کی ایک تحقیقی عبارت پر اکتفا کیا جاتا ہے جس میں اس لفظ کی حقیقت تک پہنچنے کا کافی سامان موجود ہے۔

فی المراد بالفتنة ههنا وجوه: احدها: انها الشرك والكفر قالوا كانت فتنتهم انهم كانوا

یضربون ویوذون اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بمکۃ حتی ذھبوا الی الحبشۃ ثم واظبوا علیٰ ذلک الایذاء حتی ذھبوا الی المدینۃ وکان غرضھم من اثارۃ تلک الفتنۃ ان یترکوا دینھم ویرجعوا کفارا فانزل اللہ تعالیٰ ھذہ الآیۃ والمعنیٰ قاتلوھم حتی تظھر واعلیھم فلا یفتنوکم عن دینکم فلا تقعوا فی الشرک

یعنی فتنہ کا معنیٰ بعض حضرات کے نزدیک شرک وکفر ہے یہ حضرات کہتے ہیں کہ مشرکین مکہ کا فتنہ یہ تھا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مکہ میں مارا اور ستایا کرتے تھے یہاں تک کہ انہیں حبشہ کی طرف ہجرت کرنی پڑی، مگر مشرکین نے ستانے کا سلسلہ برابر جاری رکھا یہاں تک کہ مسلمان مدینہ منورہ چلے گئے، مشرکین مکہ کی غرض اس فتنے سے یہ تھی کہ مسلمان اپنا دین چھوڑ دیں اور کفر کی طرف لوٹ آئیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی جس کا مطلب یہ ہے کہ ان مشرکین سے لڑتے رہو یہاں تک کہ ان پر غالب آجاؤ اور وہ (مغلوب وکمزور ہوکر) تمہیں دین اسلام کے بارے میں فتنے میں نہ ڈال سکیں اور تم شرک میں مبتلا نہ ہو جاؤ۔ (التفسیر الکبیر)

اس کے بعد امام رازی رحمہ اللہ فتنہ کا دوسرا مطلب ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

وثانیھا قال ابو مسلم معنی الفتنۃ ھھنا الجرم قال :لان اللہ تعالیٰ امر بقتالھم حتی لا یکون منھم القتال الذی اذا بدؤا بھا کان فتنۃً علی المو منین لما یخافون عندہ من انواع المضار

یعنی دوسرا قول ابو مسلم رحمہ اللہ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ فتنہ سے مراد اس آیت میں ''جرم'' (یعنی مسلمانوں کے خلاف جنگ کی جرأت کرنا) ہے وہ اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان کافروں اور مشرکوں سے لڑتے رہو تا کہ وہ تم سے لڑ نہ سکیں کیونکہ ان کا مسلمانوں سے قتال کرنا مسلمانوں کے لئے ایک فتنہ ہوگا جس سے انہیں نقصان پہنچ سکتا ہے۔ (التفسیر الکبیر)

یعنی کافروں کی ہر وہ طاقت توڑ دی جائے جس کے ذریعہ وہ مسلمانوں کو مار سکیں، پکڑ سکیں، گمراہ کر سکیں اور دین کے بارے میں فتنہ میں ڈال سکیں۔

سبحان اللہ...... اللہ تعالیٰ نے اسلام اور مسلمانوں کی حفاظت کا کیسا زبردست بندوبست کیا مگر ہم مسلمانوں نے اپنی غفلت، کم ہمتی اور بزدلی کی وجہ سے اس بندوبست سے فائدہ نہ اٹھایا۔ اب جبکہ کفر وشرک کے پجاری حکومتی، عسکری، اقتصادی اور ثقافتی طاقتوں سے مالا مال ہیں تو وہ کس طرح سے مسلمانوں کو ستا رہے ہیں اور کس طرح سے گمراہی پھیلا رہے ہیں۔ فالی اللہ المشتکیٰ

دعاء

یا اللہ، یا قوی، یا قادر، یا مقتدر، یا قیوم ہمیں ہمت، قوت اور توفیق عطاء فرما کہ ہم تیرے راستے میں قتال کریں یہاں تک کہ فتنہ ختم ہو جائے اور دین خالص اللہ تعالیٰ کا قائم ہو جائے۔ آمین یا ارحم الراحمین

سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ مَدَنِیَّۃٌ　آیت ۱۹۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی

حرمت والے مہینے کا بدلہ حرمت والا مہینہ ہے اور سب قابل تعظیم باتوں کا بدلہ ہے پھر جو تم پر زیادتی کرے

عَلَیْکُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَیْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰی عَلَیْکُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی کہ اس نے تم پر زیادتی کی اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ ﴿۱۹۴﴾

اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے

خلاصہ

❶ پچھلے سال انہوں نے تمہیں حرمت والے مہینے ذوالقعدہ ۶ھ میں حرم شریف میں داخل ہونے سے روکا تھا اب اس سال ذوالقعدہ ۷ھ میں اللہ پاک نے تمہیں حرم میں داخل فرمادیا ہے اس طرح یہ حرمت والا مہینہ اس حرمت والے مہینہ کا بدلہ ہوگیا۔

❷ کفار مکہ جانتے تھے کہ مسلمان حرمت والے مہینوں میں جنگ کی ابتدا نہیں کرتے چنانچہ انہوں نے عمرہ کے دوران مسلمانوں پر حملے کا ارادہ کیا مسلمان اس صورت حال سے پریشان تھے تو انہیں فرمایا گیا کہ جب مشرکین اپنے کفر کی خاطر حرم کی حرمت پامال کررہے ہیں تو تمہیں بھی اسلام کی خاطر ان سے اس مہینے میں جنگ کرنے میں کوئی اندیشہ اور پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔

❸ مشرکین مکہ بلد حرام میں شرک کرتے ہیں اور انہوں نے پچھلے سال ذوالقعدہ کی حرمت کو پامال کرکے تم سے جنگ کی تو اب ان کے خلاف جنگ کرنے میں کوئی برائی نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر)

دو اقوال

❶ اکثر علماء امت کے نزدیک اشہر حرم محرم، رجب، ذوالقعدہ اور ذوالحجہ میں جنگ کرنے کی حرمت اب باقی نہیں رہی چنانچہ حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: جمہور ائمہ دین کا اجماع ہے کہ اشہر حرم میں اب قتل وقتال جائز ہے اور جن آیات سے ممانعت معلوم ہوتی ہے وہ منسوخ ہیں لیکن افضل اب بھی یہی ہے کہ اشہر حرم میں ابتداء بالقتال نہ کرے۔ (بیان القرآن)

❷ اس بارے میں ایک دوسری رائے اس عبارت میں ملاحظہ فرمایئے:

’’عام طور پر مشہور ہے کہ مہینے حرام کے منسوخ ہیں یہ صحیح نہیں ہے بلکہ حرمت باقی ہے۔ تین مہینے حج کے لئے حرام ہیں اور رجب عمرہ کے لئے اگر کوئی قوم ہماری مقدس اشیاء کو تباہ کرے گی تو ہمیں بھی انکی مذہبی مقدس اشیاء کو تباہ کرنا چاہیے‘‘۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ) تفسیر کبیر میں ہے کہ یہ قول حضرت عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کا ہے۔

والحرمات قصاص حرمتیں تو ادلہ بدلہ کی چیزیں ہیں، فریق مخالف اگر ان کا لحاظ رکھے گا تو ہم بھی لحاظ رکھیں گے اور اگر وہ باطل پر ہونے کے باوجود حرمتوں کو پامال کرے گا تو ہمیں بھی حق کی خاطر پورا جواب دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑنی چاہئے۔ حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یعنی اگر کوئی کافر ماہ حرام کو مانے کہ اس مہینے میں وہ تم سے نہ لڑے تو تم بھی اس سے نہ لڑو اور مکے کے لوگ اسی ماہ میں ظلم کرتے رہے مسلمانوں پر۔ پھر مسلمان ان سے کیوں قصور کریں (یعنی کیوں ہاتھ روکے رکھیں) بلکہ سفر حدیبیہ میں ماہ ذی قعدہ تھا عمرے کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم گئے اور کافر لڑنے کو موجود ہوئے یہ آیت اس واسطے اتری کہ مسلمان خطرہ کرتے تھے کہ اگر ماہ حرام میں کافر لگیں لڑنے تو ہم کیا کریں۔ (موضح القرآن)

فمن اعتدیٰ علیکم یہاں زیادتی کے بدلے کو زیادتی کہا گیا حالانکہ زیادتی کا بدلہ لینا انصاف ہے تو ایسا مشاکلۃً فرمایا گیا ہے، یہ عربی زبان کا اسلوب ہے کہ کسی بھی عمل کے بدلہ کو اسی عمل والا نام دے دیا جاتا ہے مکر کے بدلہ کو مکر، خداع کے بدلہ کو خداع، کید کے بدلہ کو کید، سیءہ کے بدلہ کو سیءہ اور اعتداء کے بدلہ کو اعتداء۔

اہم نکتہ

پچھلی آیات سے معلوم ہوا تھا کہ جہاد سے کوئی مقام مستثنیٰ نہیں ہے اور نہ کوئی مسلمان فرد اس سے مستثنیٰ ہے (سوائے ان کے جن کو اللہ پاک نے خود مستثنیٰ قرار دے دیا ہے) اب اس آیت سے معلوم ہوا کہ جہاد سے کوئی وقت بھی مستثنیٰ نہیں ہے جہاد ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ (مستفاد من تفسیر الفرقان) جہاد دراصل اسلام کا حفاظتی نظام ہے اور اتنے عظیم دین اور اتنی عظیم امت کی حفاظت کا کام کس طرح سے بند یا موقوف کیا جا سکتا ہے۔

فائدہ

پیچھے جو چار آیات گزری ہیں یہ فتح مکہ سے کچھ پہلے نازل ہوئی ہیں، ان میں ایک طرف تو یہ اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ اب جزیرۃ العرب عموماً اور مکہ مکرمہ خصوصاً شرک و مشرکین سے پاک ہونے والا ہے اور دوسری طرف یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ مسلمانوں کے دل میں بیت اللہ کی حرمت، اشہر حرم کی حرمت اور احرام کی حرمت بہت زیادہ تھی اور وہ طبعاً ان مقامات و اوقات میں قتال کو ناگوار سمجھتے تھے۔ اگر صورتحال اسی طرح رہتی تو مکہ مکرمہ کیسے فتح ہوتا؟ چنانچہ ان آیات کے ذریعے انکی ذہن سازی کی جا رہی ہے اور انہیں سمجھایا جا رہا ہے کہ حرم کو شرک اور مشرکین سے پاک کرنا ہی اسکی اصل حرمت ہے اور یہ حرمت حاصل کرنے کے لئے مسجد حرام میں لڑنا اور حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنا بھی جائز

ہے۔الغرض جب ان کے دل وذہن اس کے لئے آمادہ ہوگئے اور انہوں نے فتح مکہ کے لئے بھر پور جنگی تیاری کر لی تو اللہ پاک نے زیادہ خونریزی نہ ہونے دی اور مکہ مکرمہ فتح ہوگیا۔واللّٰہ تعالیٰ اعلم بالصواب وعلمہ اتم۔

واعلموا ان اللّٰہ مع المتقین اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔

’’اللہ تعالیٰ کا پہلا انعام جو لوگوں پر ہوتا ہے وہ ہے ارادہ کا جزم واستحکام جب تک کسی قانون چلانے والی قوم کی ہمت مضبوط ہوگی کوئی قوم اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گی اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ہے یعنی تمہارے ارادوں کو مستحکم رکھے گا واللہ تعالیٰ اعلم‘‘(حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

☆☆☆

سُورَۃُ البَقَرَۃِ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۱۹۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ ۖۛ

اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو

وَاَحْسِنُوْا ۚۛ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۹۵﴾

اور نیکی کرو بے شک اللہ نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے

خلاصہ

جہاد فی سبیل اللہ میں اپنا مال خرچ کرو اور جہاد چھوڑ کر خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور دل کی رغبت شوق اور جذبے کے ساتھ نیکی کرو کہ اللہ تعالیٰ محسنین سے محبت رکھتا ہے۔

تفسیری اقوال:

وانفقو افی سبیل اللّٰہ اور خرچ کرو اللہ تعالیٰ کے راستے میں

❶ **وسبیل اللّٰہ ھنا "الجھاد"** یہاں سبیل اللہ سے مراد جہاد ہے۔ (قرطبی)

❷ **الا ان الاقرب فی ھذہ الآیۃ وقدتقدم ذکر الجھاد انہ یرادبہ الانفاق فی الجھاد:** یہاں زیادہ اقرب یہ ہے کہ جہاد میں خرچ کرنا مراد لیا جائے کیونکہ پہلے سے جہاد ہی کا تذکرہ چل رہا ہے۔ (تفسیر کبیر)

❸ **طاعتہ، الجھاد وغیرہ۔** اللہ تعالیٰ کی طاعت یعنی جہاد وغیرہ میں خرچ کرو (جلالین)

ولاتلقوا باید یکم الی التھلکۃ اور اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

❶ **بالا مساک عن النفقۃ فی الجھاد اوترکہ لانہ یقوی العدو علیکم۔** یعنی اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں ڈالنے کا معنیٰ جہاد میں خرچ کرنے سے رکنا یا جہاد چھوڑنا ہے کیونکہ اس سے تمہارا دشمن تم پر غالب آجائے گا۔ (الجلالین)

❷ **ان الالقاء بالید الی التھلکۃ ھو ترک الجھاد فی سبیل اللّٰہ** یعنی جہاد فی سبیل اللہ کو چھوڑ دینا اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ (قرطبی)

❸ **ان لا ینفقو ا فی مھمات الجھاد اموالھم فیستولی العدو علیھم ویھلکھم وکانہ قیل ان کنت من رجال الدین فانفق مالک فی سبیل اللّٰہ وفی طلب مرضاتہ وان کنت من رجال الدنیا فانفق مالک فی دفع الھلاک والضررعن نفسک۔**

یعنی اپنے ہاتھوں سے خود کو ہلاکت میں ڈالنے کا ایک مطلب مسلمانوں کا جہادی مہمات میں مال خرچ نہ کرنا ہے جس کی وجہ سے دشمن ان پر غالب آجائے اور انہیں ہلاک کردے گویا کہ آیت میں یوں کہا گیا کہ اے مسلمان اگر تو دیندار آدمی ہے تو اپنا مال اللہ تعالیٰ کے راستے میں اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے خرچ کر اور اگر تو دنیادار ہے تو ہلاکت سے بچنے اور اپنے آپ کو (کافروں کے) ضرر سے بچانے کے لئے مال خرچ کر۔

❹ یعنی چھوڑ کر جہاد نہ بیٹھو اسی میں تمہارا ہلاک ہے۔ (موضح القرآن)

❺ جہاد ترک کردینا تباہی و بربادی ہے، صرف روپیہ دے کر اپنی جان چھڑا لینا کافی نہیں ہے، بلکہ روپیہ دینے کے ساتھ ساتھ خود جنگ کی تیاری اور جہاد میں شرکت ضروری ہے ایسے موقع پر جبن بزدلی اور بخل سے کام لینا اپنے آپ کو ضعیف و کمزور اور مخالف کو قوی و طاقتور بنانا ہے۔ پس جان و مال دونوں کو حاضر کرو (تفسیر الفرقان)

❻ جو لوگ جہاد کی راہ میں مال خرچ نہیں کرتے وہ اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال دیتے ہیں، کیونکہ جہاد سے اعراض کا نتیجہ قومی زندگی کی ہلاکت ہے۔ (ترجمان القرآن)

❼ اور تم لوگ جان کے ساتھ مال بھی خرچ کیا کرو اللہ تعالیٰ کی راہ میں یعنی جہاد میں اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو کہ ایسے مواقع میں جان و مال خرچ کرنے سے جبن (بزدلی) یا بخل (کنجوسی) کرنے لگو جس کا نتیجہ تمہارا ضعیف اور مخالف کا قوی ہو جانا ہے جو کہ عین تباہی ہے۔ (بیان القرآن)

❽ انصار نے خیال کیا کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں اسلام کی کافی خدمت کی اور جہاد میں شریک رہے اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مسلمان مہاجر بکثرت جمع ہوگئے ہیں لہذا ہمیں اب جہاد میں شرکت کی ضرورت نہیں ہے اور بہتر ہے کہ اب ہم کھیتی باڑی سنبھال لیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جہاد سے جی چرانا ہلاکت ہے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

❾ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں یعنی جہاد وغیرہ میں اپنے مال کو صرف کرو اور اپنی جان کو ہلاکت میں نہ ڈالو یعنی جہاد کو چھوڑ بیٹھو یا اپنے مال کو جہاد میں صرف نہ کرو اس سے تم ضعیف اور دشمن قوی ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

❿ یہاں اصل مخاطبت امت سے بہ حیثیت مجموعی ہے اور بیان یہ حقیقت ہو رہی ہے کہ افراد امت نے اگر جہاد و قتال سے جان چرائی اور مجاہدین کو مالی امداد دینے میں بخل کیا تو نتیجہ لازمی طور پر ساری امت کی تباہی، بربادی، ہلاکت کی صورت میں ظاہر ہوگا۔ (تفسیر ماجدی)

تنبیہ

یہ دس عبارات نقل کرنے کے چند مقاصد ہیں:

❶ آیت کی تفسیر واضح ہو جائے

❷ جولوگ ابھی تک جانی اور مالی جہاد سے دور ہیں ان کو سمجھ آجائے کہ وہ خود کو اور پوری امت مسلمہ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔

❸ امت کی موجودہ پستی کا راز معلوم ہو جائے گا۔

❹ ان دس عبارتوں میں سے اکثر میں الگ الگ جہادی نکات بیان ہوئے ہیں باریک بینی سے پڑھیں تو بہت سی وہ باتیں سمجھ آجائیں گی جن کی آج امت مسلمہ کو ضرورت ہے۔

❺ اس آیت کی اصل تفسیر یہی ہے جبکہ باقی اقوال ثانوی درجہ رکھتے ہیں۔

عجیب نکتہ

اللہ تعالیٰ کی باتیں سچی ہیں اور حکمت سے بھرپور ہیں، کوئی سمجھے یا نہ سمجھے۔ دیکھیں! جہاد میں مارے جانے کو دنیا کے لوگ ہلاکت کہتے ہیں اللہ پاک نے فرمایا جہاد میں مارے جانے والے زندہ ہیں جیسے سورۃ بقرہ کی آیت (۱۵۴) میں گذرا ہے۔ اسی طرح جہاد سے جان بچا کر ظاہری امن سے بیٹھنے والے لوگ کہتے ہیں کہ ہم بچ گئے تو اللہ پاک سمجھاتا ہے یہ لوگ ہلاک ہو گئے۔ جن کے دل کی آنکھیں کھلی ہیں ان کو تو اللہ تعالیٰ کی بات بالکل سچی اور برحق نظر آتی ہے مگر جو لوگ دل کی آنکھوں سے محروم ہیں وہ تاریخ کا مطالعہ کر کے دیکھ لیں یقیناً وہ بھی بے اختیار بول اٹھیں گے کہ واقعی جہاد میں جان گنوانے والوں نے زندگی پالی اور بزدلی سے جان بچانے والے ہلاک ہو گئے، برباد ہو گئے، اللہ پاک ہمیں سمجھ عطاء فرمائے۔

ربط آیات

اعلم ان تعلق هذه الآية بما قبلها من وجهين الخ اس آیت کا ماقبل سے تعلق دو طرح سے ہے (تفسیر کبیر)

❶ پچھلی آیات میں اللہ پاک نے قتال کا حکم صادر فرمایا ہے اور یہ بات یقینی ہے کہ قتال کے لئے بہت سے آلات و اسباب کی ضرورت ہوتی ہے جو کہ مال ہی کے ذریعہ حاصل کئے جاتے ہیں اور کئی بار ایسا بھی ہوتا ہے کہ مال والے لوگ جنگ نہیں کر سکتے اور جنگ کرنے والے بہادروں کے پاس مال نہیں ہوتا تو اس لئے اللہ تعالیٰ نے مال والوں کو حکم دیا کہ وہ اپنا مال ان مجاہدین پر خرچ کریں جن کے پاس مال نہ ہو۔

❷ روایت میں آیا ہے کہ جب پچھلی آیات (جن میں قتال کا ذکر ہے) نازل ہوئیں تو حاضرین میں سے ایک صاحب نے عرض کیا کہ ہمارے پاس تو جہاد کے لئے زاد راہ (توشہ) نہیں ہے اور کوئی ہمیں کھلاتا نہیں تو اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال داروں کو خرچ کرنے کا حکم دیا اور خرچ نہ کرنے پر ہلاکت کی وعید سنائی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (التفسیر الکبیر)

شان نزول

❶ وروی الترمذی عن اسلم ابی عمران فقال :كنا بمدنية الروم فاخر جوا الينا صفا

عظیماً من الروم فخرج الیھم من المسلمین مثلھم او اکثر وعلیٰ اھل مصر عقبة بن عامر وعلی الجماعة فضالة بن عبید فحمل رجل من المسلیمن علیٰ صف الروم حتی دخل فیھم فصاح الناس وقالو اسبحان اللّٰہ ! یلقی بیدیه الی التھلکة فقام ابو ایوب الانصاری رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه فقال یا ایھا الناس انما تتأولون ھذہ الایة ھذا التاویل وانما انزلت فینا معاشر الانصار لما اعزّ اللّٰہ الاسلام وکثر ناصروہ فقال بعضنا لبعض سرّا دون رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه وسلم ان اموالنا قد ضاعت وان اللّٰہ قد اعز الاسلام وکثر ناصروہ فلو اقمنا فی اموالنا فاصلحنا ماضاع منھا فانزل اللّٰہ علیٰ نبیه صلی اللّٰہ علیه وسلم یردُّ علیه ماقلنا وانفقوا فی سبیل اللّٰہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکة فکانت التھلکة الاقامة علی الاموال واصلاحھا وترکنا الغزو۔فمازال ابو ایوب شاخصاً فی سبیل اللّٰہ حتی دفن بارض الروم قال ابو عیسیٰ ھذا حدیث حسن غریب صحیح۔(القرطبی)

یعنی ترمذی کی روایت ہے کہ اسلم ابی عمران رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ہم روم کے کسی شہر میں تھے کہ رومیوں کا ایک بہت بڑا لشکر ہمارے مقابلہ کے لئے نکلا مسلمانوں کی طرف سے بھی ویسا ہی یا اس سے بھی بڑا لشکر نکلا اس وقت شہر کے گورنر حضرت عقبہ بن عامر تھے۔ جبکہ لشکر کے امیر حضرت فضالہ بن عیاض تھے اسلامی لشکر میں سے ایک شخص نے رومیوں کے لشکر پر اکیلے حملہ کردیا اور (انکی صفوں کو الٹتا ہوا) ان کے اندر تک گھس گیا۔ یہ صورتحال دیکھ کر لوگ چیخ پڑے اور کہنے لگے سبحان اللہ اس شخص نے تو خود کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں ڈالا ہے اس پر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہوگئے اور فرمانے لگے اے لوگو تم اس آیت کا یہ مطلب بناتے ہو حالانکہ یہ آیت تو ہم انصار کے بارے میں نازل ہوئی (وہ اس طرح کہ) جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ عطاء فرمایا اور اس کے مددگار خوب زیادہ ہوگئے تو ہم انصار نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ چھپ کر ایک دوسرے سے کہا ہمارے اموال برباد ہو چکے ہیں اور اب جبکہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت عطاء فرمادی ہے اور اس کے مددگار زیادہ ہو چکے ہیں تو ہم لوگ اپنے اموال (وجائیداد) میں ٹھہر کر انکی اصلاح کرلیں اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرما کر ہماری بات کی تردید فرمادی پس اس آیت میں ہلاکت کا معنیٰ اپنے اموال میں ٹھہر کر انکی دیکھ بھال کرنا اور جہاد چھوڑ بیٹھنا ہے۔ (راوی فرماتے ہیں) حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ برابر جہاد میں لگے رہے یہاں تک کہ سرزمین روم میں دفن ہوئے امام ترمذی نے اس روایت کی تحسین وتصحیح فرمائی ہے۔ (قرطبی)

❸ وقول ثالث قاله ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما وذلك ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم لما امر الناس بالخروج الی الجهاد قام الیه اناس من الاعراب حاضرین بالمدینة فقالو ابما ذا نتجھز!فو اللّٰہ مالنا من زاد ولا یطعمنا احد فنزل قوله تعالیٰ وانفقوا فی

سبیل اللہ یعنی تصدقوا یا اھل المیسرۃ فی سبیل اللہ یعنی فی طاعۃ اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ یعنی ولاتمسکوا بایدیکم عن الصدقۃ فتھلکوا

یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جہاد میں نکلنے کا حکم دیا تو مدینہ میں آئے ہوئے کچھ دیہاتی حضرات کھڑے ہوگئے اور کہنے لگے ہم کس طرح سے سامان جہاد برابر کریں اللہ تعالیٰ کی قسم ہمارے پاس تو زادِ سفر ہی نہیں ہے اور نہ اور لوگ ہمیں دیتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نازل ہوا و انفقوا فی سبیل اللہ یعنی اے مالدار و اللہ تعالیٰ کے راستے یعنی اسکی طاعت میں صدقہ کرو ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ یعنی اپنے ہاتھ صدقہ سے نہ روکو ورنہ تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

ای لا تمسکو عن النفقۃ علی الضعفاء فانھم ان تخلفوا عنکم غلبکم العدو فتھلکوا یعنی فقیر لوگوں پر خرچ کرنے سے نہ رکو کیونکہ اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ جہاد میں نہ جاسکے تو دشمن تم پر غالب آجائے گا اور تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ (قرطبی)

نکتہ

مال کی محبت دل سے نکلے گی تو جہاد میں جانا آسان ہوگا اور مال جیب سے نکلے گا تو جہاد لڑنا آسان ہوگا اس کے برعکس اگر دل میں مال کی محبت بھری رہی تو بزدلی پیدا ہوگی تب دشمن غالب آجائیں گے اور اگر مسلمان مال جمع کرتے رہے اور جہاد میں لڑنے والے اللہ تعالیٰ کے شیر اسباب کو ترستے رہے تو پوری امت مسلمہ کو نقصان پہنچے گا۔ اس آیت میں مال کے بارے میں پورا نصاب موجود ہے کہ مال کو اسلام کی خاطر جہاد میں خرچ کرو اور اپنے دل بھی مال کی محبت سے پاک کرو اور خود بھی شوق سے جہاد میں نکلو ممکن ہے واحسنوا سے اسی کی طرف اشارہ ہو۔ واللہ اعلم بالصواب۔

نکتہ

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنہم نے اس حکم پر عمل کیا، ان کے پاس باقی دنیا کے مقابلے میں بہت تھوڑا مال تھا وہ انہوں نے جہاد میں لٹا دیا اللہ پاک نے روم وفارس کے خزانے ان کے قدموں میں ڈال دیئے اور دنیا کے مالداران کو جزیہ دینے لگے مگر جب مسلمانوں نے مال بچانے اور مال بنانے کا نعرہ لگایا تو آج انہیں سانس لینے کے لئے بھی کافروں کو ٹیکس دینا پڑتا ہے خود دیکھ لیجئے جہاد میں جان و مال لگانے والے ہلاک ہوئے یا جہاد سے جان چرانے والے ذلت کے ساتھ ہلاک ہو رہے ہیں۔

فائدہ

کئی مفسرین حضرات مثلاً امام قرطبی رحمہ اللہ اور امام رازی رحمہ اللہ نے اس آیت کے ذیل میں فدائی حملے کے جواز پر بحث فرمائی ہے۔ (تفسیر قرطبی اور تفسیر کبیر میں ملاحظہ فرمائیں)۔

فائدہ

اس آیت کی تفسیر میں مزید اقوال بھی ہیں مثلاً:

❶ المعنیٰ لاتلقوا بایدیکم بان تترکوا النفقة فی سبیل اللّٰہ وتخافوا العیلة فیقول الرجل لیس عندی ماانفقه والی هذا المعنیٰ ذهب البخاری رحمه اللّٰہ (قرطبی) اس معنیٰ کے اعتبار سے بھی اس کا تعلق جہاد کے ساتھ ہوگا۔ ❷ وقال زید بن اسلم المعنیٰ لا تسا فرو ا فی الجهاد بغیرزاد (قرطبی) اس معنیٰ کے اعتبار سے بھی اس کا تعلق جہاد کے ساتھ ہوگا۔ ❸ الرجل یصیب الذنب فیلقی بیدیه ویقول قد بالغت فی المعاصی ولا فائدة فی التوبة فییأ س من اللّٰہ فینهمك بعد ذلك فی المعاصی فالهلا ك الیأ س من اللّٰہ (قرطبی) علامہ آلوسی نے روح المعانی میں اس معنیٰ کو بعید قرار دیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ یہ کل پانچ اقوال ہوگئے۔

مماثل آیات

جہاد فی سبیل اللہ میں مال خرچ کرنے کی فضیلت اور نہ خرچ کرنے پر وعید درج ذیل آیات میں بھی مذکور ہے۔

البقرہ (۲۱۵،۲۴۵،۲۶۱،۲۶۲،۲۷۳،۲۷۴) التوبہ (۳۴،۳۵) محمد (۳۸) الحدید (۱۰)

دعاء

یا اللہ ہمیں اپنی رضاء کی خاطر جہاد میں مال خرچ کرنے کی توفیق عطاء فرما اور ہمیں جہاد چھوڑنے کی ہلاکت سے بچا اور ہمیں مقام احسان عطاء فرما۔ آمین یارب العالمین

☆☆☆

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۰۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ

اور بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کیلئے اپنی جان بھی بیچ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ

رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

بندوں پر بڑا مہربان ہے

خلاصہ

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنی جان تک بیچ دیتے ہیں۔یعنی مالک کی رضا کے لئے فداء ہوجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے حال پر نہایت مہربان ہے (کہ اس نے انہیں جہاد کی توفیق بخشی اور انکی جان کو قبول فرما کر انہیں شہداء کا مقام نصیب فرمایا)

تفسیر

یشری نفسہ بیچ دیتا ہے اپنی جان کو۔

❶ أی یبیعها ببذلها فی الجهاد علیٰ ما روی عن ابن عباس والضحاك رضی الله تعالیٰ عنهما ان آلایة نزلت فی سریة الرجیع۔(روح المعانی)

یعنی اپنی جان کو جہاد میں خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کو بیچ دیتا ہے۔اس قول کی بنیاد اس پر ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور ضحاک رحمہ اللہ کے نزدیک یہ آیت سریۃ الرجیع کے متعلق نازل ہوئی۔

❷ واما الاکثرون فحملوا ذلك علیٰ انهانزلت فی کل مجاهد فی سبیل الله الخ۔ یعنی اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیت ہر مجاہد فی سبیل اللہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جیسا کہ دوسری آیت بھی اسی مضمون کی ہے ان الله اشتریٰ من المؤمنین انفسهم واموالهم بان لهم الجنة یقاتلو ن فی سبیل الله فیقتلون ویقتلون وعدا علیه حقا فی التورا ة والانجیل والقرآن ومن اوفیٰ بعهده من الله فاستبشروا ببیعکم الذی بایعتم به وذلك هو الفوزالعظیم (التوبه۔۱۱۱)

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے انکی جان اوران کا مال اس قیمت پر خرید لئے ہیں کہ ان کے لئے جنت ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں پھر قتل کرتے ہیں اور قتل بھی کیے جاتے ہیں یہ تورات اور انجیل اور قرآن میں سچا وعدہ ہے جس کا پورا کرنا اسے ضروری ہے اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ وعدہ پورا کرنے والا کون ہے پس جو سودا تم نے

اس سے کیا ہے اس پر خوش رہو اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

❸ ولماحمل هشام بن عامر رضی الله تعالیٰ عنه بین الصفین انکر علیه بعض الناس فرد علیهم عمر بن الخطاب وابو هریرة وغیرهما وتلو اهذه الایة ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله والله رؤف بالعباد (البقره ۲۰۷)

اور جب حضرت ہشام بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دشمنوں کے لشکر پر اکیلے حملہ کر دیا تو بعض لوگوں نے ان پر اعتراض کیا حضرت عمر بن خطاب اور حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہما نے ان لوگوں کی تردید کی اور یہی آیت تلاوت فرمائی۔

ترجمہ: اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اپنی جان بیچ دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت مہربان ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

یعنی حضرت ہشام بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس آیت پر عمل کرنے والا بتایا

❹ یشری نفسه یبیعها ای یبذ لها فی الجها د

یعنی اپنی جان کو بیچ دیتا ہے یعنی جہاد میں خرچ کر دیتا ہے۔ (کشاف)

❺ یہ حال صاحب ایمان کا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر جان دیوے (موضح القرآن)

شانِ نزول

آیت کے شان نزول میں حضرات متقدمین کے کئی اقوال ہیں، چند ایک ملاحظہ فرمائیں:

❶ نزلت فی صهیب رضی الله تعالیٰ عنه یعنی یہ آیت حضرت صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی (قرطبی، کبیر، روح المعانی، البحرالمحیط وغیرہ) یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اور حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ کا قول ہے۔

❷ وقیل نزلت فیمن یقتحم القتال، حمل هشام بن عامر علیٰ الصف فی القسطنطنیة فقاتل حتی قتل فقرأ ابو هریرة ومن الناس من یشری نفسه ابتغاء مرضات الله ومثله عن ابی ایوب۔ یعنی ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت اس مجاہد کے بارے میں ہے جو (اکیلا) دشمنوں میں گھس کر لڑتا ہے چنانچہ حضرت ہشام بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قسطنطنیہ میں جب دشمنوں کے لشکر پر اکیلے حملہ فرما دیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیت تلاوت فرمائی (قرطبی)

❸ وفی الکواشی انها نزلت فی الزبیربن العوام و صاحبه المقدادبن الاسود لما قال علیه الصلوٰة والسلام من ینزل خبیباعن خشبته فله الجنة فقال انا وصاحبی المقداد وکان

خبیب قد صلبه اهل مكة یعنی الکواشی میں ہے کہ یہ آیت حضرت زبیر بن العوام اور ان کے ساتھی حضرت مقداد بن اسود کے بارے میں نازل ہوئی جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جو خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سولی سے اتارے گا اس کے لئے جنت ہے اس پر حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں اور میرے ساتھی مقداد رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ کام کریں گے۔ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اہل مکہ نے سولی دے دی تھی۔ (روح المعانی)

❹ نزلت فی سرية الرجيع (روح المعانی) یہ پہلے گذر چکا ہے۔

❺ وقيل نزلت فيمن امر بالمعروف ونهى عن المنكر یعنی یہ آیت اس مسلمان کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا ہوا مفسدین کے ہاتھوں شہید ہو جائے (قرطبی)

❻ وقال الحسن: اتدرون فيمن نزلت هذه الاية نزلت فی المسلم لقی الكافر الی آخره یعنی حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کیا تم جانتے ہو کہ یہ آیت کس کے بارے میں نازل ہوئی؟ یہ اس مسلمان کے بارے میں ہے جس کا کسی کافر سے مقابلہ ہوا اس نے کافر سے کہا لا الہ الا اللہ کا اقرار کر لو اور اپنی جان اور مال مجھ سے بچا لو کافر نے انکار کر دیا تب اس مسلمان نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم اب میں اپنی جان اللہ پاک کو بیچتا ہوں اور پھر وہ اس کافر سے لڑتے ہوئے شہید ہو گیا۔ (البحر المحیط)

والله رؤف بالعباد اور اللہ تعالیٰ بندوں پر بہت مہربان ہے۔

❶ حيث كلفهم الجهاد فعرضهم لثواب الشهداء کہ اس نے بندوں کو جہاد کا مکلّف بنایا اور اس کے ذریعہ انہیں شہداء کے اجر و ثواب کا مستحق بنا دیا۔ (کشاف)

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شان

قال قتادة اما والله ماهم باهل حروراء المراق من الدين ولكنهم اصحاب رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم من المهاجرين والانصار لما رأوا المشركين يدعون مع الله الها اخر قاتلوا على دين الله وشروا انفسهم غضباً لله وجهادا فی سبیله.

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (اس آیت کے بارے میں) فرمایا اللہ تعالیٰ کی قسم اس میں اہل حروراجو دین سے نکلے ہوئے ہیں کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مہاجرین اور انصار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ انہوں نے جب مشرکوں کو دیکھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کی خاطر قتال کیا اور اپنی جانیں اللہ تعالیٰ کی خاطر غیرت اور اس کے راستے میں جہاد کرنے میں بیچ دیں۔ (التفسیر الکبیر)

مماثل آیت

التوبہ (۱۱۱)

دعاء

اللہ پاک ہم سب کو اپنی خاطر ایسی ہی غیرت نصیب فرمائے اور ہمیں توفیق عطاء فرمائے کہ ہم بھی اسکی رضاء کی خاطر اپنی جانوں کو بیچ کر اسے پالیں۔ (آمین یاارحم الراحمین)

☆☆☆

سورۃ البقرۃ مدنیۃ — آیت ۲۱۴

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

أَمْ حَسِبْتُمْ أَن تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُم مَّثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا

کیا تم خیال کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تمہیں وہ (حالات) پیش نہیں آئے جو ان لوگوں کو پیش آئے

مِن قَبْلِكُم ۖ مَّسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّىٰ يَقُولَ

جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں انہیں سختی اور تکلیف پہنچی اور ہلا دیئے گئے یہاں تک کہ

الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَىٰ نَصْرُ اللَّهِ ۗ أَلَا إِنَّ نَصْرَ

رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے تھے بول اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب ہوگی سنو بے شک اللہ تعالیٰ

اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿٢١٤﴾

کی مدد قریب ہے

خلاصہ

اگر کامیابی اور جنت چاہتے ہو تو آزمائشوں کے لئے تیار رہو اور ان آزمائشوں کی وجہ سے کم ہمت نہ بنو۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت قربانی کے بعد آتی ہے۔

شانِ نزول

① نزلت فی غزوۃ الخندق حین اصاب المسلمین ما اصابھم من الجھد والشدۃ والخوف والبرد وسوء العیش وانواع الاذیٰ حتی بلغت القلوب الحناجر.

یہ آیت غزوۂ خندق کے موقع پر نازل ہوئی جب مسلمانوں کو بہت تکلیف، مشقت، خوف، سردی، معاشی پریشانی اور طرح طرح کی اذیتوں کا ایسا سامنا ہوا کہ کلیجے منہ کو آنے لگے۔ (روح المعانی)

وقال قتادہ والسدی: نزلت فی غزوۃ الخندق حین اصاب المسلمین ما اصابھم من الجھد والحزن۔ یعنی امام قتادہ رحمہ اللہ اور امام سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت غزوہ خندق کے موقع پر نازل ہوئی جب مسلمانوں کو سخت تکلیف اور غم نے آلیا (تفسیر کبیر)

② وقیل نزلت فی حرب احد لما قال عبد اللہ بن ابی لاصحاب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الیٰ متیٰ تقتلون انفسکم وترجون الباطل ولو کان محمد نبیا لما سلط اللہ علیکم الاسر والقتل، فانزل اللہ تعالیٰ ھذہ الایة.

یعنی ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت غزوۂ احد کے بارے میں نازل ہوئی جب عبداللہ بن ابی (منافق) نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے کہا تم لوگ کب تک خود کو مرواتے رہو گے اور باطل کو چاہتے رہو گے اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہوتے تو اللہ تعالیٰ تم لوگوں پر قید و بند اور قتل و غارت کی تکلیفیں نہ ڈالتا اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔(التفسیر الکبیر)

وقیل فی غزوة احد: یعنی ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت غزوۂ احد کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔(روح المعانی)

❸ قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنه لما دخل رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم المدینة، اشتد الضرر علیهم، لا نهم خرجو ابلا مال، وترکوا دیارهم واموالهم فی ایدی المشرکین واظهرت الیهود العداوة لرسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم فانزل اللہ تعالیٰ تطییبا لقلوبهم: یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے رفقاء پر کافی تکالیف آئیں کیونکہ یہ حضرات اپنے شہر مکہ سے بغیر مال کے نکلے تھے اور اپنے گھر اور اموال مشرکین کے ہاتھ چھوڑ آئے تھے اور مدینہ منورہ میں یہودیوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کا اعلان کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلی اور اطمینان کے لئے یہ آیت نازل فرمائی (التفسیر الکبیر) (وکذافی روح المعانی بزیادة)

آیت کا مقصود

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ والمقصود من هذه الایة ماذکرنا ان اصحاب الرسول علیه الصلوٰة والسلام کان ینالهم الامر العظیم من البأساء والضراء من المشرکین والمنافقین والیهود ولما اذن لهم فی القتال نالهم من الجراح وذهاب الاموال والنفوس الخ.

یعنی اس آیت کا مقصد وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کو مشرکوں، منافقوں اور یہودیوں سے بہت بڑی تکلیفیں اور پریشانیاں پہنچیں اور جب اللہ تعالیٰ نے انہیں قتال فی سبیل اللہ کی اجازت دی تو اس میں بھی انہیں جان و مال کی قربانی اور زخموں کا سامنا کرنا پڑا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تسلی دی اور بیان فرمایا کہ ان سے پہلے لوگوں پر بھی دین کی خاطر ایسے حالات آ چکے ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ مصیبت جب عام ہو جائے تو آسان ہو جاتی ہے۔(التفسیر الکبیر)

سات آیات کا جہادی ربط

اس آیت اور اس کے بعد والی چار آیات کی بلند جہادی شان سمجھنے کے لئے تھوڑا سا پیچھے کی طرف چلیں آیت (۲۱۲) (زین للذین کفروا) میں بتایا گیا کہ مادہ پرست کافر دنیا کے لوگوں کو مال و دولت کی محبت اور نام نہاد ترقی

کی طرف بلاتے ہیں کیونکہ انکی نظر میں یہی کامیابی ہے اور وہ اپنی اس کامیابی کی راہ میں مسلمانوں کو رکاوٹ سمجھ کر ان کا مذاق اڑاتے ہیں اور انکی شان اور حیثیت کو رسوا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ اسلام کی دعوت کمزور پڑ جائے اور وہ اس آخرت کو بھول جاتے ہیں جس میں مسلمانوں کا درجہ بہت اونچا ہوگا۔ الغرض دولت پسند کافر مسلمانوں کو رسوا کریں گے۔ اور مسلمانوں نے اپنی دعوت کو پھیلانے کے لئے اس رسوائی کا مقابلہ کرنا ہے گویا جنگ یقینی ہوگئی۔ آیت (۲۱۳) میں سمجھایا گیا کہ سب انسان توحید پر قائم تھے اللہ تعالیٰ نے کتابیں اور انبیاء بھیجے پھر باطل پرست لوگوں نے حق سے اختلاف کیا اور زمین کو ضد اور اختلاف سے بھر دیا اب اللہ تعالیٰ نے اس امت کو بھیجا ہے اور انہیں حق کی ہدایت عطاء فرمائی ہے۔ اب اس امت نے زمین پر سے ضد اور اختلاف کو ختم کر کے سب کو راہ ہدایت پر لانے کی محنت کرنی ہے۔ ظاہر ہے ضدی اور اختلاف پسند لوگوں کے سرغنے اور سردار اس بات کو کہاں برداشت کریں گے گویا جنگ یقینی ہوگئی۔ کیونکہ مسلمانوں نے سرمایہ دار مادہ پرستوں کا بھی مقابلہ کرنا ہے اور دنیا بھر کے باطل فرقوں کا بھی۔ آیت (۲۱۴) میں سمجھایا گیا کہ جہاد اور مقابلہ کے لئے پہلی صفت صبر اور استقامت ہے اس لئے ماضی کے کامیاب لوگوں کے واقعات یاد کر کے خود کو بزدلی اور کم ہمتی سے بچاؤ اور جنت اور کامیابی تک پہنچنے کے لئے ایسے پرعزم ہو جاؤ کہ ہر چیز کی قربانی دینا آسان ہو جائے۔ آیت (۲۱۵) میں سمجھایا گیا کہ ساری دنیا سے مقابلہ ہے اور پورے عالم میں نور ایمان پھیلانا ہے تو اس کے لئے دوسری صفت یعنی مال کی قربانی کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرو اور یہ حقیقت دل میں بٹھا لو کہ مال جمع کرنے کی نہیں خرچ کرنے کی چیز ہے۔ آیت (۲۱۶) عزم اور ہمت پیدا ہوگئی اور جان مال کی قربانی کا جذبہ پیدا ہو گیا تو اب تم فریضہ قتال کے قابل ہو گئے اس لئے تمہیں یہ نعمت دے دی گئی کہ جہاد فرض کر دیا گیا (اب پورا عالم تمہارا ہے) آیت (۲۱۷) یہ جہاد ہمیشہ جاری رہے گا اس لئے کہ تمہارے دشمن تمہیں ہر وقت مرتد بنانے کی کوشش میں لگے رہیں گے اور تم سے لڑتے رہیں گے اس لئے تم بھی ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی کے لئے لڑتے رہو تا کہ ذاتی اور اجتماعی ارتداد سے بچ سکو یاد رکھو جو مرتد ہو جائیگا وہ دنیا و آخرت میں برباد ہو جائے گا۔ آیت (۲۱۸) آزمائشیں منظور، مال کی قربانی حاضر، ہر وقت جہاد میں مصروف اے ہمارے رب ہمیں ملے گا کیا؟ فرمایا اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بڑھ کر دنیا و آخرت میں اور کیا کامیابی ہو سکتی ہے۔

تائیدی عبارت

مذکورہ بالا ربط آیات کی تائید میں یہ عبارت ملاحظہ فرمائیے:

”پہلا مقصد تو یہ تھا کہ تمسخر کرنے والوں کو روکا جائے اور دوسرا یہ ہوا کہ (گمراہ) اہل کتاب سے کتاب کو بچایا جائے جو اسے بگاڑنا چاہتے ہیں اب حاصل یہ نکلا کہ سب فرقوں کے ساتھ لڑنا پڑے گا، کیونکہ دوسرے فرقے اہل کتاب سے کم دشمن نہیں ہوں گے تو ایک طرح سے مسلمانوں کو ساری دنیا کے مقابلے کے لئے تیار کیا جا رہا ہے۔

ممکن ہے اس خیال سے مسلمانوں کے دلوں پر برا اثر پیدا ہو جس کی اصلاح آئندہ آیت ام حسبتم والی میں ہے“ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

وزلزلوا اور وہ ہلا دیئے گئے۔

❶ خوفاً من الاعداء زلزالاً شدیدًا وامتحنوا امتحاناً عظیما یعنی دشمنوں کے خوف سے سخت ہلا دیئے گئے اور بڑے امتحان میں ڈال دیئے گئے (تفسیر ابن کثیر)

❷ والمراد خوفوا: یعنی ہلائے جانے سے مراد یہ ہے کہ خوب ڈرائے گئے (تاکہ اپنے دین، نظریئے اور کام سے پھسل جائیں) (تفسیر ابن کثیر)

❸ بأسا اور ضرا بیرونی تکالیف ہیں اور زلزال ہمتوں، ارادوں کے ضعف اور اضمحلال کو کہتے ہیں کم ہمت لوگ پریشانی میں پھسلنے لگتے ہیں (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

متیٰ نصر اللّٰہ : ای یستفتحون علی اعدائھم وید عون بقرب الفرج و المخرج عند ضیق الحال والشدۃ یعنی رسول اور ان کے ساتھی اللہ تعالیٰ سے اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں فتح مانگتے تھے اور سخت تنگی اور شدت میں کشادگی اور خلاصی کی دعاء کرتے تھے۔ (ابن کثیر)

فائدہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے دو مختلف اصول بیان کئے ہیں پہلا قاعدہ یہ ہے کہ راہِ حق میں تکالیف کا آنا ضروری ہے، اس کے بغیر کامیابی نہیں ہوسکتی، سورۃ عنکبوت میں فرمایا (ترجمہ) کیا لوگ خیال کرتے ہیں کہ (صرف) یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے چھوڑ دیئے جائیں گے اور انکی آزمائش نہیں کی جائے گی اور جو لوگ ان سے پہلے گذر چکے ہیں ہم نے انہیں بھی آزمایا تھا پس اللہ تعالیٰ انہیں ضرور معلوم کرے گا جو سچے ہیں اور ان کو بھی جو جھوٹے ہیں (عنکبوت ۲،۳)

ایک اور جگہ آیا ان اللّٰہ اشتریٰ الآیۃ (ترجمہ) بے شک اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے انکی جان اور ان کا مال اس قیمت پر خرید لئے ہیں کہ ان کے لئے جنت ہے اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں پھر قتل کرتے ہیں اور قتل کئے جاتے ہیں۔ (التوبہ۔۱۱۱)

دوسرے یہ حقیقت واضح کردی کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت کس وقت نازل ہوا کرتی ہے؟ جب تک ایک شخص اپنی تمام قوتوں کو اسکی راہ میں وقف نہ کردے مدد نہ آئے گی اسی قانون کی طرف سورۃ یوسف میں اشارہ کیا حتی اذا استیاٴس الرسل وظنوا انھم قد کذبوا جآء ھم نصرنا (ترجمہ) یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہونے لگے اور خیال کیا کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا تب انہیں ہماری مدد پہنچی (یوسف ۱۱۰) سورۂ آل عمران کے آخر میں گناہوں کے کفارہ کی نسبت فرمایا کہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ راہ حق میں ہر چیز قربان کردیتے ہیں۔

فالذین ھاجروا الآیۃ :(ترجمہ) پھر جن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور انہوں نے قتال کیا اور مارے گئے یقیناً میں ان سے ان کی برائیاں دور کردوں گا۔(آل عمران ۱۹۵)

پس فرزندان اسلام کے لئے ضروری ہے کہ وہ محض دعاء کے بھروسہ پر قناعت نہ کربیٹھیں، بلکہ (دعاء کے ساتھ ساتھ) زور بازو سے بھی کام لیں، لوگوں کے جھوٹے وعدوں پر نہ جائیں، اپنی قوت کا اظہار کریں اس لئے کہ دنیا میں اسی قوم نے دائمی زندگی حاصل کی ہے جس نے اپنے ہاتھ پاؤں سے کام لیا ہو قدرت بھی اسی کو زندہ رکھتی ہے جو اصلح واشل ہو۔(تفسیر الفرقان)

دعاء

یا اللہ یا حافظ یا حفیظ یا ناصر یا کریم ہماری اور تمام اہل اسلام کی نصرت فرمادے۔

آمین یاارحم الراحمین

☆☆☆

سُورَةُ البَقَرَةِ مَدَنِيَّة — آیت ۲۱۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ

آپ سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں کہہ دو جو مال بھی تم خرچ کرو وہ ماں باپ

وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا

اور رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور مسافروں کا حق ہے اور جو نیکی تم کرتے ہو

مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

سو بیشک اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے

خلاصہ

مال خرچ کرنے والے بنو اور اس کا آغاز اپنے اقرباء سے کرو (تاکہ وہ بھی جہاد میں شریک ہو سکیں) اور مال خرچ کرنے میں اخلاص کو ملحوظ رکھو جس کی رضا کے لئے تم خرچ کر رہے ہو وہ خوب جانتا ہے۔

تشریح

یعنی مال اللہ تعالیٰ کے لئے صرف کریں۔ تو کہاں اور کس مصرف میں صرف کریں؟ (فللوالدین الخ) جو لوگ تمہارے گردو پیش ہیں اور انہیں جہاد کے لئے تیاری کی ضرورت ہے انہیں دے دو (وما تفعلوا من خیر) تم نے جس کام کے لئے روپیہ دیا تھا اگر اس نے اس کام پر صرف نہیں کیا تو اس پر تمہیں مواخذہ نہیں ہوگا بلکہ تم نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ جملہ معترضہ عمرو بن جموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کتنا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں اس پر جواب ملا کہ جو مال خرچ کرو اس کے مصارف یہ ہیں۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

نکتہ

جہاد کا جذبہ اور صبر کی صفت اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب دل مال کی محبت سے محفوظ ہو۔ اور مال کی محبت کم ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنے سے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

دعاء

یا اول یا آخر حبِ دنیا سے ہماری حفاظت فرما اور ہمیں فکر آخرت نصیب فرما۔

آمین یارب العالمین

☆☆☆

سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۲۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا

تم پر جہاد فرض کیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناگوار ہے اور ممکن ہے تم کسی چیز کو ناگوار سمجھو

وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ

اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ممکن ہے تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے مضر ہو

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾

اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

خلاصہ

جہاد یعنی قتال فی سبیل اللہ مسلمانوں پر فرض ہے۔ چونکہ یہ فریضہ مشکل ہے اس لئے نفس کو طبعی طور پر گراں اور بھاری معلوم ہوتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس میں خیر ہی خیر رکھی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اور تم نہیں جانتے کہ کس چیز میں خیر ہے اور کس میں شر۔

امام رازی رحمہ اللہ کی تقریر عجیب

ومعنى الآية انه ربما كان الشى شاقا عليكم فى الحال الخ

آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ بسا اوقات کوئی چیز تمہیں ''حال'' میں بھاری اور شاق معلوم ہوتی ہے حالانکہ وہ ''مستقبل'' میں بہت عالیشان فوائد کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ مثال کے طور پر کڑوی دوا پینا ایک اچھا کام ہے کیونکہ مستقبل میں اس سے صحت ملنے کی توقع ہوتی ہے، تجارتی سفر کے خطرات کو برداشت کرنا اچھا سمجھا جاتا ہے کیونکہ اس سے مستقبل میں نفع ملنے کی امید ہوتی ہے، علم حاصل کرنے کی مشقت برداشت کرنا اچھا ہے کیونکہ اس سے مستقبل میں دنیا و آخرت کی عظیم سعادتیں نصیب ہوتی ہیں، اس آیت میں بالکل یہی منظر ہے اور وہ اس طرح کہ جہاد کے چھوڑنے میں فی الحال یہ فائدہ نظر آتا ہے کہ جان خطرے میں نہیں پڑتی اور مال خرچ ہونے سے بچ جاتا ہے مگر آگے چل کر اس میں بہت سے نقصانات ہیں مثلاً دشمن کو جب پتا چلے گا کہ تم لوگ عیش و سکون کی رغبت میں پڑ گئے ہو تو وہ تمہارے شہروں پر حملے کرے گا اور تمہیں ختم کرنے کی کوشش کرے گا پھر یا تو تم پر غالب آ کر تمہارا خون بہائے گا اور تمہارے اموال چھین لے گا۔ یا تم مجبوراً بغیر تیاری اور سامان کے اس کا مقابلہ کرو گے۔ یہ ایسا ہی ہو گا جس طرح کوئی شخص مرض کی ابتداء میں صرف کڑوی دوا سے بچنے کے لئے اس کا علاج نہ کرے اور پھر وہ مرض اتنا بڑھ جائے کہ اسے کڑوی دوا پینے سے

کئی گناہ زیادہ تکلیف اور مشقت اٹھانی پڑے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ قتال فی سبیل اللہ ''امن'' پانے کا ذریعہ ہے اور یہ وقتی سلامتی کے مزے لوٹنے سے بہت بہتر ہے۔ اس کے چند ایک فائدے یہ ہیں:

(۱) مال غنیمت کا ملنا۔ (۲) دشمنوں پر غلبے کی عظیم الشان خوشی کا ملنا اور اس کے دینی فائدے تو بہت زیادہ ہیں مثلاً (۱) اگر جہاد کو عبادت سمجھ کر خالص اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جائے اور کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جو اسکو خراب کر دے تو یہ بہت بڑے اجر و ثواب کا ذریعہ ہے۔ (۲) جہاد کی وجہ سے تمہارا دشمن اس بات سے ڈرے گا کہ تم پر حملہ کرے یوں تم تکلیف اٹھانے اور مرتد ہونے سے بچ جاؤ گے۔ (۳) دشمن جب تمہیں جہاد کرتا دیکھے گا کہ تم اپنے دین کو کتنا اونچا سمجھتے ہو اور کس طرح سے اسکی خاطر اپنی جان و مال کو لٹاتے ہو تو اس کے دل میں تمہارے دین کی عظمت آئے گی۔ اور وہ تمہارے دین کی طرف مائل ہوگا اور مسلمان ہو جائے گا تو اس پر تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجر عظیم کے مستحق قرار پاؤ گے۔ (۴) جب تک کسی انسان کو اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کا یقین نہ ہو۔ اور اس بات کا یقین نہ ہو کہ اللہ پاک محسنین کے عمل کو ضائع نہیں کرتا اور اس بات کا یقین نہ ہو کہ دنیا کی لذتیں فانی اور باطل ہیں اس وقت تک وہ اپنے آپ کو میدان جہاد میں شہادت کے لئے پیش نہیں کرتا پس جب کسی شخص نے خود کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے میدان جہاد میں شہادت کے لئے پیش کر دیا تو یہ شخص یقین کے اس (اعلیٰ) درجہ پر فائز ہے اور یہی ایک انسان کیلئے سب سے بڑی سعادت ہے، پس ہماری اس تقریر سے یہ بات ثابت ہوئی کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے قتال کرنا اگرچہ طبیعت پر بھاری معلوم ہوتا ہے مگر اس میں بہت زیادہ خیر ہے۔ (التفسیر الکبیر)

اقوال و حوالے

مستند مفسرین حضرات نے اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس میں سے کچھ اقوال اور حوالے ملاحظہ فرمائیے:

(۱) کتب علیکم القتال تم پر قتال فی سبیل اللہ فرض کر دیا گیا ہے۔ ای قتال الکفار وھو فرض عین ان دخلوا بلادنا و فرض کفایة ان کانوا ببلادھم یعنی کافروں سے لڑنا یہ فرض عین ہے اگر وہ کافر ہمارے شہروں میں داخل ہو جائیں اور فرض کفایہ ہے اگر وہ اپنے شہروں میں ہوں۔ (روح المعانی)

(۲) وھذا ایجاب من اللہ تعالیٰ للجھاد علی المسلمین ان یکفوا شر الاعداء عن حوزة الاسلام وقال الزھری الجھاد واجب علی کل احد غزا او قعد فالقاعد علیه اذا استعین ان یعین واذا استغیث ان یغیث واذا استنفر ان ینفر وان لم یحتج الیه قعد وقلت ولھذا ثبت فی الصحیح من مات ولم یغز ولم یحدث به نفسه بالغزو مات میتة جاھلیة۔

یعنی اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں پر جہاد فرض کیا جا رہا ہے کہ وہ دین اسلام سے دشمنوں کے شر کو دور کریں اور امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جہاد ہر ایک مسلمان پر فرض ہے خواہ وہ لڑائی میں مصروف ہو یا گھر بیٹھا

ہو گھر بیٹھنے والے پر اس طرح فرض ہے کہ جب اسے جہاد میں تعاون کے لئے بلایا جائے تو وہ تعاون کرے۔ جب اس سے مدد کی فریاد کی جائے تو فوراً مدد کو پہنچے اور جب مسلمانوں کا خلیفہ یا امیر اسے جہاد میں نکلنے کے لئے کہے تو فوراً نکل کھڑا ہو اور اگر اسکی ضرورت نہ ہو تو گھر بیٹھا رہے میں کہتا ہوں اسی لئے حدیث صحیح میں آیا ہے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) جو شخص اس حال میں مرا کہ نہ تو اس نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑائی کی اور نہ اس کے دل میں اس کا شوق ابھرا تو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

❸ فقال قوم انها تقتضی وجوب القتال علی الکل وعن مکحول انه کان یحلف عند البیت بالله ان الغزو واجب.

یعنی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ آیت سب مسلمانوں پر جہاد کی فرضیت ثابت کرتی ہے مکحول رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ کعبۃ اللہ کے پاس اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر فرمایا کرتے تھے کہ جہاد فرض ہے۔ (التفسیر الکبیر)

❹ کتب فرض علیکم القتال للکفار کتب یعنی تم پر فرض کیا گیا ہے القتال للکفار کافروں سے قتال کرنا۔ (تفسیر جلالین)

❺ وظاهر قوله کتب انه فرض علی الاعیان کقوله کتب علیکم الصیام وکتب علیکم القصاص ان الصلوٰة علی المومنین کتاباً موقوتاً وبه قال عطاء قال فرض القتال علی اعیان اصحاب محمد صلی الله علیه وسلم فلما استقر الشرع وقیم به صار علی الکفایة.

یعنی اللہ تعالیٰ کے فرمان کتب سے ظاہری طور پر جہاد کا فرض عین ہونا معلوم ہوتا ہے جیسے کتب علیکم الصیام وغیرہ آیات میں ہے اور یہی عطاء رحمہ اللہ کا مسلک ہے کہ قتال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر ''فرض عین'' تھا پھر جب شریعت اسلام کو قوت مل گئی اور وہ قائم ہو گئی تو جہاد فرض کفایہ ہو گیا۔ (تفسیر البحر المحیط)

اس کے بعد علامہ ابو حیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ثم استقر الاجماع علی انه فرض کفایة الی ان نزل بساحة الاسلام فیکون فرض عین.

یعنی اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے یہاں تک کہ اسلامی علاقوں تک دشمن پہنچ جائے تب یہ فرض عین ہو جاتا ہے۔ (البحر المحیط)

❻ هذا هو فرض الجهاد بین سبحانه ان هذا مما امتحنوا به وجعل وصلة الی الجنة والمراد بالقتال قتال الاعداء من الکفار (القرطبی)

یعنی یہ ہے وہ فریضہ جہاد جسے اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے (اس آیت میں) بیان فرمایا ہے اور یہی وہ چیز ہے جس سے مسلمانوں (کے ایمان) کا امتحان لیا گیا اور اس جہاد کو جنت تک پہنچنے کا ذریعہ قرار دیا گیا۔ اور القتال سے مراد کافر دشمنوں سے جنگ کرنا ہے۔

❼ وقال سعيد بن المسيب ان الجهاد فرض علىٰ كل مسلم فى عينه ابدا حكاه الماوردى قال ابن عطيه :والذى استمر عليه الاجماع ان الجهاد على كل امة محمد صلى الله عليه وسلم فرض كفاية۔(تفسير الامام القرطبى)

یعنی حضرت سعید بن میتب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جہاد ہمیشہ ہر مسلمان پر فرض عین ہے یہ قول ماوردی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ابن عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر اجماع چلا آتا ہے کہ جہاد امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرض کفایہ ہے۔

❽ جہاد فرض ہے جبکہ اس کے شرائط پائے جاویں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں اور فرض دو طرح کا ہوتا ہے فرض عین اور فرض کفایہ سو اعداء دین جب مسلمانوں پر چڑھ آویں تب فرض عین ہے ورنہ فرض کفایہ۔(بیان القرآن)

❾ یعنی دین کے دشمنوں سے لڑنا فرض ہوا (فائدہ) جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقاتلہ کی اجازت نہ ہوئی جب مدینہ ہجرت فرمائی تو مقاتلہ کی اجازت ہوئی مگر صرف ان کفار سے جو خود اہل اسلام سے مقاتلہ کریں اس کے بعد علی العموم کفار سے مقاتلہ کی اجازت ہوگئی اور جہاد فرض ہوا۔(تفسیر عثمانی)

❿ سوال پیدا ہوا تھا کہ جہاد کا حکم کب تک رہے گا اس کا جواب ہے کہ امن تمہارے لئے مضر نتائج پیدا کرے گا اس لئے جہاد کا حکم دوامی ہے۔حیلہ ساز آدمی اگر جہاد سے بچنے کا حیلہ سوچنا چاہیں تو ان کے لئے جواب ہے کہ قتال سب کے لئے اور ہمیشہ کے لئے لازم ہے اگر چہ امن پھیلانا ضروری ہے لیکن اگر قتال کے لئے ہمیشہ تیار نہیں رہو گے تو بدنظمی پھیلے گی۔(حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

⓫ جب تیاریاں اس زور شور سے ہوں تو خود بخود سوال پیدا ہوتا ہے کہ جنگ کب تک جاری رہے گی اور یہ قتل و قتال کب ختم ہوگا؟ اس کے جواب میں فرمایا کہ لڑنے بھڑنے میں تکلیف تو ضرور ہوتی ہے، بال بچوں سے دور رہنا پڑتا ہے اور چین سے بیٹھنا نصیب نہیں ہوتا مگر یاد رہے کہ جس چیز کو تم اپنی کوتاہ بینی سے باعث تکلیف خیال کر رہے ہو، وہی تمہارے لئے خیر و برکت کا سبب ہے اس لئے کہ تم زندہ رہو گے، اور تمہاری قوم کو دائمی زندگی نصیب ہوگی، آرام طلبی اور عیش پرستی بظاہر دلفریب ہیں مگر ان کا انجام تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تمہاری انفرادی و اجتماعی حیات کا راز اسی میں پوشیدہ ہے، سورۃ انفال میں اسکی نسبت فرمایا یاایھاالذین امنو استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم (الانفال ٢٤)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ تعالیٰ اور رسول کا حکم مانو جس وقت تمہیں اس کام کی طرف بلائے جس میں تمہاری زندگی ہے۔(تفسیر الفرقان)

جہاد کی فرضیت کا مسئلہ درج ذیل قرآنی آیات میں بھی بیان ہوا ہے:

البقرہ(۱۹۰،۲۴۴،۲۵۱،) التوبہ(۵،۲۹،۳۶،۳۸،۴۱) الحج(۴۰) محمد(۴)

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ — آیت ۲۱۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ

آپ سے حرمت والے مہینے میں لڑائی کے متعلق پوچھتے ہیں کہہ دو اس میں لڑنا بڑا (گناہ) ہے

وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ

اور اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکنا اور اس کا انکار کرنا اور مسجد حرام سے روکنا

وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ

اور اس کے رہنے والوں کو اس میں سے نکالنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بڑا گناہ ہے اور فتنہ انگیزی تو

الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ

قتل سے بھی بڑا جرم ہے اور وہ تم سے ہمیشہ لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اگر

اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ

ان کا بس چلے اور جو تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے پھر کافر ہی مر جائے پس

كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ

یہی وہ لوگ ہیں کہ ان کے عمل دنیا اور آخرت میں ضائع ہو گئے

وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

اور وہی دوزخی ہیں جو اسی میں ہمیشہ رہیں گے

خلاصہ

مشرکین مکہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی طرف سے رجب کے (حرمت والے) مہینے میں جہاد پر شور مچا رہے تھے، ان کو بتایا گیا کہ ذرا اپنے جرائم پر نظر ڈالو ❶ لوگوں کو دین برحق سے روکنا ❷ کفر و شرک میں مبتلا ہونا ❸ مسجد حرام سے روکنا اور اس کو کفر و شرک کا اڈہ بنانا ❹ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جو مسجد حرام کے اصلی ولی وارث تھے وہاں سے نکالنا ❺ دین اسلام اور مسلمانوں کے خلاف فتنہ بازی کرنا اور طاقت و تشدد کے زور پر لوگوں کو مشرک بنانا۔ اللہ پاک کے نزدیک یہ جرائم بہت زیادہ سخت ہیں۔ اور اے مسلمانو! اس بات کو یاد رکھو کہ یہ کافر تمہیں دین اسلام سے ہٹانے کے لئے ہمیشہ لڑتے رہیں گے اور اگر ان میں طاقت و استطاعت ہو تو یہ تمہیں فوراً کافر بنا دیں۔ اب جو تم میں سے ان کی مانے گا اور ان سے ڈر کر یا دب کر مرتد ہو جائے گا

اور پھر اسی کفر وارتداد کی حالت میں مر جائے گا تو ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

سائل کون تھا؟

یسئلونک عن الشھر الحرام قتال فیہ وہ آپ سے حرمت والے مہینے میں قتال کے بارے میں پوچھتے ہیں، یہ پوچھنے والے کون تھے؟ چند اقوال ملاحظہ فرمائیں:

❶ اختلفوا فی ان ھذا السائل اکان من المسلمین او من الکافرین : یعنی اس بارے میں اختلاف ہے کہ سوال کرنے والے مسلمان تھے یا کافر۔ پھر اگر مسلمان تھے تو اس میں دو قول ہیں پہلا یہ کہ جب جہاد کی فرضیت کا حکم نازل ہوا تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم چونکہ پہلے سے مسجد حرام اور اشہر حرام میں قتال کو برا سمجھتے تھے تو ان کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوا کہ اب جو یہ قتال فرض ہوا ہے تو کیا ہر جگہ اور ہر وقت ہوگا یا کچھ مقامات اور مہینے اس سے مستثنیٰ ہونگے۔ تب انہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر) اور مسلمانوں کو سمجھایا گیا کہ جہاد کا حکم کتنے بڑے جرائم اور کتنے بڑے مجرموں کے خلاف ہے، ایسے مجرم کہ جو تمہیں اسلام سے ہٹانے کے لئے ہر وقت جنگ کرتے رہتے ہیں۔

❷ الفریق الثانی وھم اکثرون الخ : یعنی اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت سریہ عبداللہ بن جحشؓ کے بارے میں نازل ہوئی جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جحشؓ اور ان کے رفقاء سے ناخوشی کا اظہار فرمایا کہ آپ لوگوں نے رجب میں کیوں قتال کیا یہ حضرات بہت زیادہ پریشان اور غمگین تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت بھی قبول نہیں فرمایا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور ان حضرات کا غم بھی دور ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت بھی قبول فرمالیا۔ (ملخص از تفسیر کبیر وغیرہ)

❸ والقول الثانی ان ھذا السؤال کان من الکفار...... الخ ایک دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سوال کفار کی طرف سے تھا وہ چاہتے تھے کہ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بتایا کہ حرمت والے مہینوں میں قتال حلال ہے تو وہ مسلمانوں پر حملہ کر کے انکو نقصان پہنچائیں چنانچہ ولایزالون یقاتلونکم میں اسی طرف اشارہ ہے تب الشھر الحرام بالشھر الحرام فرما کر بتا دیا گیا کہ اگر انہوں نے لڑائی کی تو مسلمانوں کی طرف سے مکمل جواب دیا جائے گا۔ (ملخص از تفسیر کبیر)

ترجیح

تمام مفسرین حضرات اس بات کو ترجیح دیتے ہیں کہ سوال مسلمانوں کی طرف سے تھا اس پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک صریح روایت بھی موجود ہے:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما :قال مارایت قوما خیرا من اصحاب محمد صلی

الله تعالیٰ علیه وسلم ماسئلوه الاعن ثلاث عشره مسئلة کلهن فی القرآن (قرطبی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے بہتر کوئی قوم نہیں دیکھی انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف تیرہ (۱۳) باتوں کے بارے میں سوال کیا اور وہ تمام قرآن پاک میں ہیں۔ان میں سے ایک یسئلونک عن الشهر الحرام بھی ہے۔

یہ آیت منسوخ ہے یا نہیں؟

قل قتال فیه کبیر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرما دیجئے کہ حرمت والے مہینوں میں جہاد کرنا بڑا گناہ ہے۔ یہ حکم باقی ہے یا منسوخ؟ اس بارے میں مشہور قول تین ہیں:

پہلا قول

فالجمهور علی نسخها وان قتال المشرکین فی الاشهرالحرم مباح۔(قرطبی)

یعنی جمہور کا قول یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اشہر حرم میں جہاد کا آغاز کرنا جائز ہے۔ بیان القرآن میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

روح المعانی اور کبیر میں اس آیت کے ذیل میں اور بیضاوی میں سورۃ برأت کے پہلے رکوع کی تفسیر میں اشہر حرم میں حرمت قتال کے منسوخ ہونے پر اجماع امت کا نقل کیا ہے (بیان القرآن)

یعنی امت کا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ اب ان مہینوں میں اقدامی جہاد کی حرمت باقی نہیں رہی۔ جبکہ دفاعی جہاد کے جائز ہونے میں تو کسی کا کوئی اختلاف ہی نہیں ہے خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ کے موقع پر ذوالقعدہ کے حرمت والے مہینے میں اپنے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جہاد اور موت پر بیعت لی تھی۔

قال ابو عبید والناس بالثغور الیوم جمیعاً علیٰ هذا القول یرون الغزو مباحا فی الشهور کلها ولم اراحدامن علماء الشام والعراق ینکره علیهم کذلك احسب قول اهل الحجاز والحجة فی اباحته قوله تعالیٰ فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموهم یعنی ابو عبید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ محاذوں اور سرحدوں پر جنگ میں مصروف تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ جہاد تمام مہینوں میں جائز ہے اور میں نے شام اور عراق کے علماء میں سے کسی کو ان پر اعتراض کرتے ہوئے نہیں پایا اور میرا خیال ہے کہ اہل حجاز کا بھی یہی مسلک ہے اور تمام مہینوں میں جہاد کے جائز ہونے کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموهم (تفسیر کبیر)

دوسرا قول

وکان عطاء رحمه الله یقول الآیة محکمة ولایجوز القتال فی الاشهرالحرم اور عطاء رحمہ اللہ (تابعی) فرماتے ہیں کہ یہ آیت محکم ہے اور اشہر حرم میں (اقدامی) قتال جائز نہیں ہے (قرطبی) علامہ آلوسی

رحمہ اللہ حضرت عطاء رحمہ اللہ کا یہ قول نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: والامة علیٰ خلافه فی سائر الامصار یعنی امت کا عمل آج تمام شہروں میں اس کے خلاف ہے۔ (یعنی اس قول پر کوئی عمل نہیں کرتا) (روح المعانی)

اس قول کی دلیل

روی جابر قال لم یکن رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم یغزو فی الشهر الحرام الاان یغزی: یعنی حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہر حرام میں جہاد نہیں کرتے تھے مگر اس وقت جب آپ کے خلاف حملہ کیا جاتا (تفسیر کبیر)

تیسرا قول

امام رازی رحمہ اللہ کا ہے وہ فرماتے ہیں کہ جہاد تمام مہینوں میں جائز ہے اور کسی مہینے میں اسکی عام حرمت نازل ہی نہیں ہوئی اس لئے آیت کو منسوخ قرار دینے کی ضرورت نہیں ہے جہاں تک اس آیت کا تعلق ہے تو اس میں صرف ایک مخصوص واقعہ کا بیان ہے چنانچہ قتالٌ نکرہ سیاق اثبات میں ہے اس لئے وہ ایک فرد پر مشتمل ہوسکتا ہے نہ کہ تمام افراد پر۔ والذی عندی ان قوله تعالیٰ قل قتال فیه کبیرهذه نکرة فی سیاق الاثبات فیتناول فرداًواحداً ولا یتناول کل الافراد فهذه الآیة لادلالة فیهاعلی تحریم القتال مطلقا فی الشهرالحرام فلا حاجةالی تقدیر النسخ فیه (التفسیر الکبیر)

بیان القرآن میں بھی امام رازی رحمہ اللہ کی اس تحقیق کو اختیار کیا گیا ہے اور ترجمہ میں بھی اس کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ (بیان القرآن)

اعراب

قتال فیه بدل اشتمال ہے الشهر سے جیسے اعجبنی زید علمه اور والمسجد الحرام کا عطف سبیل اللّٰه پر ہے اور وہ مجرور ہے عن کا مدخول ہونے کی وجہ سے جبکہ بعض کے نزدیک اس کا عطف به کی ضمیر مجرور پر ہے پہلی صورت میں تقدیر یوں ہوگی وصد عن المسجد الحرام اور دوسری صورت میں وکفر بالمسجدالحرام۔

صد عن سبیل اللّٰه اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکنا یعنی:

❶ صد عن الایمان باللّٰه وبمحمدعلیه السلام یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے روکنا۔ ❷ صد للمسلمین من أن یهاجروا الیٰ الرسول علیه السلام یعنی مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت سے روکنا۔

❸ صد المسلمین عام الحدیبیة عن عمرة البیت : یعنی حدیبیہ والے سال مسلمانوں کو بیت اللہ

کا عمرہ کرنے سے روکنا۔ اس پر یہ اشکال ہوگا کہ یہ آیت غزوۂ بدر سے پہلے سریہ عبداللہ بن جحشؓ کے موقع پر نازل ہوئی جبکہ حدیبیہ کا واقعہ کافی بعد یعنی ۶ ھ میں ہوا۔ اس کا جواب یہ ہوسکتا ہے کہ چونکہ یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کے علم کے مطابق ہونے والا تھا اس لئے وہ ایسا ہی تھا جیسے واقع ہو چکا ہے۔ (التفسیر الکبیر)

صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں: صد عن سبیل اللہ مطلب ہے دین سے روک ٹوک کرنا ولم یحمل علی صد المسلمین عام الحدیبیة لان الحدیبیة بعد بدر وھذہ الایة قبل بدر۔ یعنی اس آیت کو حدیبیہ کے واقع پر محمول نہیں کیا جاسکتا (اس میں مشرکین نے مسلمانوں کو بیت اللہ سے روکا تھا) کیونکہ حدیبیہ بدر کے بعد ہے اور آیت کا نزول بدر سے پہلے ہوا ہے۔ (بیان القرآن)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اس آیت میں سبیل اللہ کے معنیٰ میں چار اقوال بیان فرمائے (۱) اسلام۔ یہ مقاتل رحمہ اللہ کا قول ہے (۲) حج۔ یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سدی رحمہ اللہ کا قول ہے۔ (۳) ہجرت (۴) ہر وہ طاعت اور نیکی جو بندے کو اللہ تعالیٰ سے جوڑتی ہے۔

مشرکین مکہ مسلمانوں کو ان چاروں چیزوں سے روکا کرتے تھے۔ (روح المعانی)

والفتنة اکبر من القتل اور لوگوں کو دین سے گمراہ کرنا قتل سے بہت بڑھ کر بدترین جرم ہے۔ یہ گمراہ کرنا زور زبردستی وظلم وتشدد سے ہو یا قوت، شوکت اور مال کے ذریعے یا فحاشی، بے حیائی اور ثقافتی یلغار کے ذریعے۔ حضرت امام رازی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں لفظ فتنہ کی مکمل تحقیق پیش فرمائی ہے اہل علم تفسیر کبیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

مسلمانوں کو لازمی تنبیہ

ارشاد فرمایا گیا ولا یزالون یقاتلونکم حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا۔ یہ کافر تم مسلمانوں سے برابر لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اگر ان کا بس چلے۔

(۱) والمقصود الاخبار بدوام عداوة الکفار بطریق الکنایة تحذیر اللمومنین عنھم وایقاظالھم الی عدم المبالاة بموافقتھم فی بعض الامور (روح المعانی)

یعنی اس جملے کا مقصد مسلمانوں کو اس بات کی خبر دینا ہے کہ کافر ان سے ہمیشہ کی دشمنی رکھتے ہیں اور اس میں کنایۃً مسلمانوں کو ہوشیار اور بیدار کیا جا رہا ہے کہ اگر کافر بعض چیزوں میں ان سے موافقت بھی کرنے لگیں تو مسلمان اس کو اہمیت نہ دیں اور کافروں کی دشمنی سے غافل نہ ہوں۔

(۲) ونظیرہ قولہ تعالیٰ ولن ترضی عنك الیھود ولا النصاریٰ حتی تتبع ملتھم (کبیر)

اس آیت کی نظیر یہ آیت ہے۔

ترجمہ: اور آپ سے نہ یہودی راضی ہوں گے اور نہ نصرانی جب تک کہ آپ ان کے مذہب کی پیروی نہ کریں۔

ان استطاعوا میں استبعاد ہے یعنی مسلمانوں کو ان کے دین سے ہٹالینا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ استبعاد لاستطاعتھم (تفسیر کبیر)

بحث ارتداد

اس آیت کے ذیل میں تمام بڑے مفسرین حضرات نے مسئلہ ارتداد پر مفصل کلام فرمایا ہے اور مرتد کے احکام ذکر فرمائے ہیں۔ شائقین حضرات رجوع فرمالیں۔

فائدہ

ان آیات میں بتلادیا کہ مخالفین اسلام ہمیشہ بغض وعداوت کا اظہار کرتے رہیں گے اور انکی برابر یہ کوشش رہے گی کہ تم کو دین حق سے برگشتہ کردیں اس لئے مسلمانوں کو بھی جنگ کے لئے ہمیشہ تیار رہنا پڑے گا پس معلوم ہوگیا کہ جنگ ہمیشہ رہے گی اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا (اوکما قال)

قرآن حکیم میں دوسری جگہ آیا کہ جنگ ختم ہونے کا وقت یہ ہے حتی تضع الحرب اوزارھا (سورۃ محمد ۵) لڑتے رہو یہاں تک کہ لڑائی موقوف ہوجائے یعنی جب تک جنگ کرنے والی ظالم وحریص قومیں باقی ہیں، عالمگیر صلح وامن کے حصول کی کوئی توقع نہیں اس لئے پہلے ان قوموں کو پامال کردو اور دوسری جگہ آیا حتی اذا اثخنتموھم (سورۃ محمد ۵) یہاں تک لڑو کہ جنگ آزما دشمن چور چور ہوجائیں، قاتلوں کا جب تک خون نہ بہایا جائے، مقتولوں کا خون بہنا بند نہ ہوگا پس جب تک دنیا جنگ اور بواعث جنگ سے باز نہ آئے گی مسلمانوں کو بھی جنگ کرنی پڑے گی جنگ صرف اسی وقت ختم ہوگی جب تمام دنیا اسلام کی دعوت امن واخوت کے آگے جھک جائے گی۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون (الصف۔ ۹)

ترجمہ: وہی تو ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچا دین دے کر بھیجا تا کہ اس کو سب دینوں پر غالب کرے اگرچہ مشرک ناپسند کریں۔ (تفسیر الفرقان)

نکتہ

اس آیت میں ارشاد فرمایا گیا کہ کافر تم سے ہمیشہ اس لئے لڑتے رہیں گے تاکہ تمہیں دین اسلام سے ہٹا کر مرتد بنادیں اس کے فوراً بعد فرمایا گیا کہ جو تم میں سے مرتد ہوجائے گا اور کفر کی حالت میں مرے گا تو اس کے تمام اعمال دنیا، آخرت میں ضائع ہوجائیں گے اور وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں جائے گا۔ اس میں اس بات کی طرف واضح اشارہ ہے کہ اگر کافروں کی لڑائی کا جواب جہاد سے نہ دیا گیا تو مسلمانوں میں ارتداد پھیل سکتا ہے چنانچہ مسلمانوں نے جب بھی جہاد سے منہ موڑا ہے ان میں کفر وارتداد تیزی سے پھیلایا گیا ہے۔ افریقہ سے لے کر

سوویت یونین تک اور برصغیر سے لیکر اسپین تک اس سلسلے کی ایک المناک تاریخ موجود ہے۔ جبکہ بعض مفسرین کا خیال یہ بھی ہے کہ جب مسلمان جہاد و قتال چھوڑ دیتے ہیں تو وہ بزدلی اور دنیا پرستی میں اس قدر آگے بڑھ جاتے ہیں کہ العیاذ باللہ کفر کی حدود تک جا پہنچتے ہیں۔ اور عیش پرستی اور الحاد کے فتنوں کا شکار ہو کر ارتداد کی طرف نکل جاتے ہیں۔ العیاذ باللہ العیاذ باللہ۔ (واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم)

دعاء

یا حی یا قیوم ہم تمام مسلمانوں کو دین اسلام پر مکمل استقامت عطاء فرما اور ہمیں اس دین سے شوشہ برابر منحرف ہونے سے بچا۔

اللهم يا مقلب القلوب ثبت قلو بنا علىٰ دينك۔

(آمین یا ارحم الراحمین)

☆☆☆

سریہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ

تعارف

سورۃ البقرہ کی آیت ۲۱۷ اور ۲۱۸ سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئیں۔ اس مبارک جہادی معرکے کی کچھ تفصیل حاضر خدمت ہے:
(ماخوذ از سیرت المصطفیٰ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ)

غزوہ سفوان سے واپسی کے بعد ماہ رجب ۲ ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مقام نخلہ کی طرف روانہ فرمایا اور گیارہ مہاجرین کو آپ کے ہمراہ کیا جن کے نام حسب ذیل ہیں:

1. ابوحذیفہ بن عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
2. عکاشہ بن محصن رضی اللہ تعالیٰ عنہ
3. عتبہ بن غزوان رضی اللہ تعالیٰ عنہ
4. سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ
5. عامر بن ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
6. واقد بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
7. خالد بن بکیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
8. سہیل بن بیضاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ
9. عامر بن ایاس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
10. مقداد بن عمرو رضی اللہ تعالیٰ عنہ
11. صفوان بن بیضاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ

یہ گیارہ مہاجرین آپ کے ہمراہ تھے اور بارہویں خود امیر سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایک سریہ میں بھیجنے کا ارادہ کیا اور یہ فرمایا کہ تم پر ایسے مرد کو امیر بناؤں گا کہ جو تم میں سب سے زیادہ بھوک اور پیاس پر صابر ہوگا۔ بعد ازاں عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہمارا امیر بنایا یہ اسلام میں پہلے امیر تھے معجم طبرانی میں باسناد حسن، جندب بجلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب عبداللہ بن جحش کو روانہ فرمایا تو ایک خط لکھ کر دیا اور یہ حکم کیا کہ جب تک دو دن کا راستہ نہ قطع کر لو اس وقت تک اس خط کو کھول کر نہ دیکھنا دو روز کا راستہ طے کرنے کے بعد اس خط کو دیکھنا

جو اس میں لکھا ہو اس پر عمل کرنا اور اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو مجبور نہ کرنا۔
چنانچہ دو روز کا راستہ طے کرنے کے بعد عبداللہ بن جحش ؓ نے آپ کا والا نامہ کھول کر دیکھا تو اس میں یہ تحریر تھا کہ تم برابر چلتے جاؤ یہاں تک کہ مکہ اور طائف کے مابین مقام نخلہ میں جا کر اترو، اور قریش کا انتظار کرو اور ان کی خبروں سے مطلع کرتے رہو۔
عبداللہ بن جحش نے اس تحریر کو پڑھ کر یہ کہا سمعاً وطاعۃً میں نے آپ کے حکم کو سنا اور اطاعت کی اور تمام ساتھیوں کو اس مضمون سے آگاہ کیا اور یہ بھی کہہ دیا کہ میں تم میں سے کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ جس کو شہادت عزیز ہو وہ میرے ساتھ چلے۔ چنانچہ سب نے طیب خاطر سے آپ کی مرافقت کو منظور کیا اور آپ کے ساتھ ہوئے۔
راستہ میں سعد اور عتبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا اونٹ بھٹک کر کہیں چلا گیا اس لئے یہ دونوں حضرات اونٹ کی تلاش میں پیچھے رہ گئے اور گم ہو گئے اور بقیہ حضرات نے مقام نخلہ پہنچ کر قیام کیا۔ (فتح الباری ص ۱۴۳، ج ۱ باب مایذکرفی المنا ولۃ وکتاب اھل العلم الی البلدان ۱۲ وعیون الا ثر و زر قانی ص ۳۹۷، ج ۱)

اسلام میں پہلی غنیمت!

قریش کا ایک تجارتی قافلہ شام سے مکہ واپس آ رہا تھا اس دن رجب الحرام کی آخری تاریخ تھی (اس مہینہ میں قتل وقتال حرام تھا) غرہ شعبان کے اشتباہ میں اس قافلہ پر حملہ کر دیا۔ واقد بن عبداللہ ؓ نے قافلہ کے سرکردہ عمرو بن الحضرمی کے ایک تیر مارا جس سے وہ مر گیا۔ اس کے مرتے ہی قافلے والے سراسیمہ اور پریشان ہو کر بھاگ اٹھے اور مسلمانوں نے قافلے کے تمام مال واسباب پر قبضہ کر لیا اور عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کو گرفتار کر لیا۔ اس وقت تک تقسیم غنائم کے متعلق کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا۔ عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے محض اپنے اجتہاد سے چار خمس غانمین پر تقسیم کر دیئے اور ایک خمس (پانچواں حصہ) رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رکھ چھوڑا جب مدینہ پہنچے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی آپ نے فرمایا میں نے تم کو شہر حرام میں قتال کا حکم نہیں دیا تھا۔ خیر جب تک کوئی وحی نازل نہ ہو اس وقت تک مال غنیمت اور قیدیوں کو حفاظت سے رکھو۔ اس پر عبداللہ بن جحش اور ان کے رفقاء بہت نادم اور پشیمان ہوئے ادھر مشرکین اور یہود نے یہ کہنا شروع کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے اصحاب نے شہر حرام میں قتل وقتال کو حلال کر لیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (سورۃ البقرہ، ۲۱۷)

ترجمہ :

''آپ سے ماہ حرام میں قتال کرنے کی بابت دریافت کرتے ہیں۔ آپ جواب میں کہہ دیجئے کہ بے شک ماہ حرام میں قصداً قتال کرنا بڑا گناہ ہے لیکن خدا کے راستے سے کسی کو روکنا اور خدا کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور اہل حرم کو حرم سے نکالنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ جرم سب جرموں سے زیادہ سخت اور بڑا ہے اور کفر اور شرک

کا فتنہ اس قتل سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے اور یہ کافر ہمیشہ تم سے جنگ کرتے رہیں گے تاکہ تم کو تمہارے دین سے ہٹا دیں اگر ان میں طاقت ہو۔‘‘

خلاصہ یہ کہ کسی اشتباہ اور التباس کی بنا پر نادانستہ طور پر شہر حرام میں قتل وقتال کا واقع ہو جانا کوئی بڑی چیز نہیں البتہ کفر وشرک کا فتنہ اور مسلمانوں کو مسجد حرام سے دیدہ ودانستہ روکنا ایک عظیم فتنہ ہے جس سے بڑھ کر کوئی جرم نہیں۔

اس آیت شریفہ کے نازل ہونے کے بعد آپ نے خمس قبول فرمالیا اور باقی مال غنیمت مجاہدین پر تقسیم کر دیا عبداللہ بن جحش اور ان کے رفقاء اس آیت کو سن کر خوش ہو گئے اب اس کے بعد عبداللہ بن جحش اور ان کے رفقاء کو اجر اور ثواب کی طمع دامن گیر ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم اس غزوہ پر کچھ اجر کی امید رکھ سکتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (سورۃ البقرہ، ۲۱۸)

ترجمہ:

’’تحقیق جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کیا ایسے لوگ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید کر سکتے ہیں اور کیوں نہیں اللہ تعالیٰ تو بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔‘‘

یہ اسلام میں پہلی غنیمت تھی اور عمرو بن حضرمی پہلا مقتول تھا جو مسلمانوں کے ہاتھ سے مارا گیا۔ قریش نے عثمان بن عبداللہ اور حکم بن کیسان کا فدیہ بھیجا۔ آپ نے فرمایا جب تک میرے ساتھی سعد اور عتبہ واپس نہ آجائیں اس وقت تک میں تمہارے قیدیوں کو نہ چھوڑوں گا۔ اس لئے کہ مجھ کو اندیشہ ہے کہ تم ان کو قتل نہ کر دو اگر تم میرے ساتھیوں کو قتل کرو گے تو میں بھی تمہارے آدمیوں کو قتل کروں گا۔

اس کے چند دن بعد سعد اور عتبہ واپس آگئے آپ نے فدیہ لے کر عثمان اور حکم کو چھوڑ دیا۔ عثمان تو رہا ہوتے ہی مکہ واپس ہو گیا اور مکہ ہی میں جا کر کافر مرا۔ اور حکم بن کیسان مسلمان ہو گئے اور مدینہ ہی میں رہے یہاں تک غزوہ بئر معونہ میں شہید ہوئے۔

اور اسی بارے میں عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اشعار کہے

تَعُدُّوْنَ قَتْلًا فِی الْحَرَامِ عَظِیْمَةً

وَاَعْظَمُ مِنْهُ لَوْ یَرَی الرشدرَا شِدٗ

صدودُکُمْ عَمَّا یقول مُحَمَّدٗ

وَکُفْرٌ بِہٖ واللّٰہُ رَاءٍ وشَاھِدٗ

تم لوگ شہر حرام یعنی رجب کے مہینہ میں قتل وقتال کو بڑی شئے خیال کرتے ہو حالانکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو ارشاد فرماتے ہیں اس سے روکنا اور ان کے ساتھ کفر کرنا اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ کاش کوئی سمجھدار ذرا خیال کرے اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھنے والا اور مشاہدہ کرنے والا ہے۔

واخــرا جــکــم مــن مســجــد اللّٰــــه اَهْــلَــهٗ

لِــئَلّاَیُــرٰیْ فــیِ الْبَیْــتِ لِــلّٰــــہِ سَــــاجِــدٗ

اور تمہارا اللہ تعالیٰ کے گھر سے اللہ والوں کو نکالنا تا کہ اللہ تعالیٰ کا سجدہ کرنے والا کوئی نظر نہ آئے یہ بھی شہر حرام میں قتال کرنے سے کہیں بڑھ کر ہے۔

فــانــاوان عیــر تُــمُــوْ نَــا بِــقَــتْلِــه

وَاَرْجَفَ بِــالاسـلام بـاغٍ وحـاسدٌ

سَــقَــیْــنَــا مِنِ ابْنِ الحضرمی رِمَاحَنَا

بِــنَــخْــلَةَ لمـا اوقـد الـحـربَ وَاقِـدٌ

دمــاوا بـن عبـد اللّٰہ عثمـان بیننـا

یـنــازعــه غـدٌّمـن الـقـیـدعَــانِـدٌ

تم اگرچہ ہم کو اس قتل پر عار دلاؤ اور حاسد لوگ اسلام کے متعلق کتنی ہی جھوٹی خبریں اڑائیں لیکن ہم کو پرواہ نہیں بے شک ہم نے عمرو بن الحضرمی کے خون سے مقام نخلہ میں اپنے نیزوں کو سیراب کیا جبکہ واقد بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لڑائی کی آگ بھڑکائی اور عثمان بن عبد اللہ ہمارے مابین قید تھا جس کو طوق وسلاسل اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔

الحاق

حضرت مصنف رحمہ اللہ نے اس معرکے کا رجب کی آخری تاریخ میں ہونا اختیار فرمایا ہے جبکہ دیگر کئی مفسرین ومورخین حضرات کے نزدیک اس سریے کی روانگی جمادی الآخرہ میں ہوئی تھی اور اشتباہ یہ تھا کہ رجب کا آغاز ہوا یا نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّة آیت ۲۱۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا

اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾

وہی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا نہایت رحم والا ہے

خلاصہ

ایمان کے بعد ہجرت اور جہاد بہت اونچی نعمتیں ہیں جن کو یہ نعمتیں نصیب ہوجائیں وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار ہیں اوران کے لئے رب غفور کی طرف سے بخشش اور بڑی رحمت ہے۔اس لئے سریہ عبداللہ بن جحش ؓ کے مجاہدین کو جہاد کی سعادت حاصل ہونے پر خوش ہونا چاہیے ناامید نہیں۔

شانِ نزول واقوال

❶ اخرج ابن ابی حاتم والطبرانی فی الکبیر من حدیث جندب بن عبداللہ انہا نزلت فی السریة لما ظن بھم انھم ان سلموا من الاثم فلیس لھم اجر (روح المعانی)

یعنی یہ آیت بھی سریہ عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی جب ان مجاہدین پر یہ گمان کیا گیا کہ اگرچہ وہ گناہ سے تو بچ گئے ہیں مگر ان کو اجر نہیں ملے گا۔(اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور اجر کا وعدہ فرمایا گیا)

❷ ان عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال یا رسول اللہ ھب انہ لاعقاب علینا فیما فعلنافھل نطمع منہ اجرًا و ثوابا فنزلت ھذہ الآیة لان عبد اللہ کان مومنا وکان مھاجرا وکان بسبب ھذ ہ المقاتلة مجاھدًا (التفسیر الکبیر) یعنی حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ بات تو ہوگئی کہ ہم پر اس لڑائی کے بارے میں کوئی گناہ نہیں مگر کیا ہم اس سے جہاد کے اجر وثواب کی امید رکھیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی تو عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ مومن بھی تھے اور مہاجر بھی تھے اور اس لڑائی کی برکت سے مجاہد بھی بن گئے۔

❸ انہ تعالیٰ لما اوجب الجھاد الخ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے کتب علیکم القتال فرما کر جہاد کو فرض فرمایا اور بیان کیا کہ اس کا چھوڑنا وعید کا باعث ہے تو اس کے فوراً بعد اس آیت میں ان لوگوں کا اجر بتادیا جو اس حکم (جہاد) کو مانیں گے اور اس پر عمل کریں گے قرآن پاک میں جہاں بھی وعید آتی ہے تقریباً ہر جگہ اس کے فوراً

بعد وعدہ بھی بیان کیا جاتا ہے۔ (تفسیر کبیر)

(۴) واخبران لهم ثواب من هاجرو غزا۔ (القرطبی)

یعنی سریہ عبداللہ بن جحشؓ میں شرکت کرنے والے حضرات بہت پریشان تھے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعہ انکے غم کو دور کر دیا اور بتلا دیا کہ انہیں ہجرت اور جہاد کا ثواب ملے گا۔

نکتہ

ان دونوں آیات میں ہجرت اور جہاد کا معنیٰ بالکل واضح ہے سیاق وسباق اور شان نزول مکمل طور پر اسی معنیٰ کی تعیین کرتے ہیں۔ اگر جہاد سے صرف جہد، محنت اور مشقت مراد لی جائے تو وہ امنوا اور ھاجروا میں بھی آ گئی، ایمان اور ہجرت دونوں میں سخت محنت اور مشقت تھی پھر الگ سے جاھدوا کہنے کی کیا حاجت رہی (پس تفسیر ماجدی کی تقریر سے اتفاق ممکن نہیں ہے) (واللہ اعلم بالصواب)

مماثل آیات قرآن مجید کی ان آیات میں بھی ہجرت اور جہاد کو اکٹھا بیان فرمایا گیا ہے۔ آل عمران (۱۹۵) الانفال (۷۲،۷۴،۷۵) التوبة (۲۰،۱۱۷) النحل (۱۱۰) الحج (۵۸)

☆☆☆

سُورَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۳۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ

پھر اگر تمہیں خوف ہو تو پیادہ یا سوار ہی (پڑھ لیا کرو) پھر جب امن پاؤ تو اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرو

كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾

جیسا اس نے تمہیں سکھایا ہے جو تم نہ جانتے تھے

خلاصہ

جہاد اور خوف میں جس طرح سے ممکن ہو کھڑے کھڑے یا سوار نماز ادا کر لیا کرو پھر جب امن مل جائے تو حالت اطمینان والی نماز میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جیسا کہ اس نے تمہیں سکھایا ہے۔

جہاد سے تعلق

امّا القتال الواجب فهوكالقتال مع الكفار وهو الاصل فى صلوٰة الخوف وفيه نزلت الآية (التفسير الكبير)

یعنی اس آیت کا اصل نزول فرض جہاد کے بارے میں ہوا ہے (جیسے قتال مع الکفار)۔

اقوال وحوالے

(۱) فان خفتم اگر تمہیں خوف ہو قال الواحدی رحمه الله معنیٰ الآية فان خفتم عدوا فحذف المفعول لاحاطة العلم به:

یعنی اس کا مطلب ہے اگر تمہیں دشمن کا خوف ہو عدوا مفعول کو معلوم ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔

(۲) فان كان بكم خوف من عدو أوغيره :یعنی اگر تمہیں دشمن یا کسی اور چیز کا خوف ہو۔

(۳) فان خفتم فوات الوقت ان اخرتم الصلوٰة الى أن تفرغوا من حربكم:

یعنی تم کو اس بات کا ڈر ہو کہ اگر تم نے جنگ سے فارغ ہونے کا انتظار کیا تو تمہاری نماز فوت ہو جائے گی تو پھر جس طرح سے بن پڑے ادا کر لو۔ (هذاالقول يوافق مذهب الامام الشافعی رحمه الله)

یہ تینوں اقوال امام رازی رحمہ اللہ نے تفسیر کبیر میں نقل فرمائے ہیں۔

فائدہ

نہ جہاد کی وجہ سے نماز معاف ہے اور نہ نماز کی وجہ سے جہاد معاف ہے دونوں کو ادا کرنا ہے اور دونوں

کو جوڑنا ہے۔ اسی لئے "صلوۃ الخوف" کے مفصل احکامات قرآن پاک میں بیان ہوئے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے سورۃ النساء آیت (۱۰۱ تا ۱۰۳) واللہ اعلم بالصواب۔

فائدہ

غزوۂ خندق کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کئی نمازیں رہ گئی تھیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو اذان اور اقامت کے ساتھ باجماعت قضاء فرمائیں (تفسیر روح المعانی)

امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

الصلٰوۃ اصلها الدعاء وحالة الخوف اولیٰ بالدعاء فلهذا لم تسقط الصلٰوۃ بالخوف الخ (قرطبی) یعنی نماز حقیقت میں دعا ہے اور خوف کی حالت تو دعا کے لئے زیادہ موزوں ہے اس لئے خوف کی وجہ سے نماز ساقط نہیں ہوتی۔ اور جب خوف کی وجہ سے ساقط نہیں ہوتی تو مرض وغیرہ کی وجہ سے تو بطریق اولیٰ ساقط نہیں ہوگی۔

☆☆☆

سُورَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۴۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکلے حالانکہ وہ ہزاروں تھے

الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو فرمایا کہ مرجاؤ پھر انہیں زندہ کردیا بیشک اللہ تعالیٰ لوگوں پر

فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾

فضل کرنے والا ہے لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے

خلاصہ

مسلمانوں کو جہاد یعنی قتال فی سبیل اللہ کا حکم دینے سے پہلے ایک واقعہ سنایا گیا کہ ماضی میں کچھ لوگ جان بچانے کیلئے بھاگے مگر سب مر گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرمایا۔ پس معلوم ہوا کہ موت سے بھاگنے کا کوئی فائدہ نہیں اللہ پاک چاہے تو بچنے کی جگہ مار دے اور مرنے کی جگہ بچالے، بندوں کو چاہیے کہ جان بچانے کی فکر کرنے کی بجائے اللہ پاک کے حکم جہاد کو پورا کریں تاکہ اسکے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے فضل کو حاصل کرسکیں مگر اکثر لوگ قدر دان نہیں ہیں۔

مختصر قصہ

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یہ پہلی امت میں ہوا ہے کہ کئی ہزار شخص گھر بار لے کر اپنے وطن کو چھوڑ نکلے ان کو ڈر ہوا غنیم (یعنی حملہ آور دشمن) کا اور (انہوں نے) لڑنے سے جی چھپایا (یعنی جہاد سے بچنے کیلئے بھاگے) یا ڈر ہوا وبا کا اور یقین نہ ہوا تقدیر کا پھر ایک منزل میں پہنچ کر سارے مر گئے پھر سات دن کے بعد پیغمبر کی دعا سے زندہ ہوئے کہ آگے کو توبہ کریں۔ یہاں اس واسطے فرمایا جہاد سے جی چھپانا (اور بھاگنا) عبث (یعنی بے کار) ہے موت نہیں چھوڑتی (موضح القرآن)

اقوال وحوالے

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بارے میں کئی روایات ہیں:

❶ قال السدی رحمہ اللہ کانت قریۃ وقع فیہا الطاعون الخ: اس روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک بستی میں ایک بار طاعون کی وبا آئی کچھ لوگ بھاگ گئے اور کچھ رہ گئے۔ جب وبا ختم ہوگئی اور بھاگے ہوئے لوگ واپس آگئے تو پیچھے رہ جانے والے مریض لوگوں نے کہا کاش ہم بھی بھاگ جاتے اور بیمار نہ ہوتے اگلی بار جب

طاعون آیا تو اکثر بھاگ گئے جن کی تعداد تیس ہزار سے زائد تھی اللہ پاک نے دو فرشتے بھیجے جنہوں نے موتوا (مرجاؤ) کا اعلان کیا تو سب مر گئے اور ان کے جسم بوسیدہ ہو گئے اللہ تعالیٰ کے ایک نبی جن کا نام حزقیل علیہ السلام بتایا جاتا ہے وہاں سے گذرے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کو دکھاؤں کہ میں مردوں کو کس طرح سے زندہ کرتا ہوں انہوں نے عرض کیا جی ہاں اس پر اللہ تعالیٰ نے انکی ہڈیاں دوبارہ جوڑ کر انہیں زندہ فرمادیا پھر ان لوگوں نے اپنی مدت زندگی پوری کی۔ (تفسیر کبیر)

❷ قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان ملکا من ملوك بنی اسرائیل امر عسکرہ بالقتال فخافو االقتال الخ۔

دوسری روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ نے اپنے لشکر کو جہاد کا حکم دیا وہ لوگ قتال سے ڈر گئے اور کہنے لگے جہاں ہمیں جہاد کے لئے جانا ہے وہاں تو وبا پھوٹی ہوئی ہے جب تک وہ وبا ختم نہیں ہوتی ہم نہیں جائیں گے اس پر اللہ تعالیٰ نے ان سب کو موت دے دی وہ آٹھ دن تک مرے رہے یہاں تک کہ ان کے جسم پھول گئے پھر آٹھ دن بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرمادیا مگر ان کے جسموں میں بو کا اثر باقی رہا اور وہ آج تک ان کی اولاد میں موجود ہے۔

❸ ان حزقیل النبی علیہ السلام ندب قومہ الی الجھاد فکرھوا وجبنوا فارسل اللہ علیھم الموت الخ۔

یعنی حضرت حزقیل علیہ السلام نے اپنی قوم (بنی اسرائیل) کو جہاد کی دعوت دی ان لوگوں نے اسے ناپسند کیا اور بزدلی دکھائی اللہ پاک نے ان پر موت بھیج دی جب وہ کثرت سے مرنے لگے تو موت کے ڈر سے اپنا علاقہ چھوڑ کر بھاگنے لگے جب حضرت حزقیل علیہ السلام نے یہ صورتحال دیکھی تو یوں دعا فرمائی: اے ہمارے پروردگار اے یعقوب علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے رب آپ نے اپنے ان بندوں کی نافرمانی دیکھ لی پس آپ انہیں خود انکی جانوں میں اپنی ایسی کوئی نشانی دکھائیں جو انہیں سمجھا دے کہ آپ کی قدرت نافذ ہو کر رہتی ہے اور یہ لوگ آپ کے قبضۂ قدرت سے بھاگ نہیں سکتے۔ (یہ دعا قبول ہوئی)

اللہ تعالیٰ نے ان پر موت طاری کر دی۔ پھر حضرت حزقیل علیہ السلام کو انکی موت سے صدمہ پہنچا تو آپ نے دوسری بار دعاء فرمائی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ فرمادیا۔ (تفسیر کبیر)

جامع قول

امام قرطبی رحمہ اللہ اس آیت کے بارے میں کئی اقوال ذکر کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں وانما اللازم من الآیۃ ان اللہ تعالیٰ أخبر نبیہ محمدا صلی اللہ علیہ وسلم اخبارًا فی عبارۃ التنبیہ الخ یعنی اس

آیت میں جو اصل اور ضروری بات ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسی قوم کے افراد کی خبر دی ہے جو اپنے گھروں سے موت کے خوف سے نکلے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مار دیا اور پھر انہیں زندہ کر دیا تاکہ وہ اور ان کے بعد والے لوگ اس بات کو جان لیں کہ ہر کسی کو موت دینا صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھوں میں ہے۔ اسلئے کسی خوف دلانے والے کا خوف اور کسی دھوکے باز کا دھوکا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔

اور اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو جہاد کا حکم دینے سے پہلے بطور مقدمہ کے ذکر فرمایا ہے یہ طبری کا قول ہے اور یہی اس آیت کا محکم مفہوم ہے۔ (تفسیر القرطبی)

علامہ سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: والقصد من ذکر ھولآء تشجیع المومنین علی القتال (جلالین)

ان لوگوں کا قصہ ذکر کرنے کا مقصد مسلمانوں کو قتال فی سبیل اللہ پر ابھارنا اور مضبوط کرنا ہے۔

’’یعنی لوگ جہاد سے اس لئے بھاگتے ہیں کہ اس میں موت نظر آتی ہے تو ایک ایسا قصہ جو عربوں میں معروف تھا اور اہل کتاب بھی اسکی خبر رکھتے تھے سنایا گیا اور یہ بات دل میں بٹھائی گئی کہ مارنا اور زندہ کرنا سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور موت سے کوئی نہیں بچ سکتا یہ اپنے وقت پر ضرور آتی ہے اس لئے جہاد جیسے اہم فریضہ اور عبادت کو موت کے خوف سے چھوڑ بیٹھنا کہاں کی عقلمندی ہے؟‘‘

’’حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو موت اور زندگی کے سوال میں الجھنا نہیں چاہیے۔ بلکہ کام کرنا چاہئے موت اور زندگی تو اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے جب چاہے مار دے اور جب تک چاہے زندہ رکھے‘‘۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

بستی کا نام

جس آبادی سے یہ لوگ فرار ہوئے تھے اس کے بارے میں امام قرطبی فرماتے ہیں کہ اس بستی کا نام داوردان تھا (قرطبی) جبکہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں وقال سعد بن عبدالعزیز کانو امن اھل اذرعات۔ یعنی یہ ’’اذرعات‘‘ کے رہنے والے تھے (تفسیر ابن کثیر)

ھم الوف وہ ہزاروں کی تعداد میں تھے، انکی اصل تعداد کے بارے میں مفسرین کے بہت سے اقوال ہیں چار ہزار، آٹھ ہزار، نو ہزار، چالیس ہزار، تیس ہزار سے کچھ زائد۔ ستر ہزار، دس ہزار وغیرہ۔ لیکن مستند مفسرین فرماتے ہیں کہ الوف جمع کثرت ہے جس کا اطلاق دس ہزار سے اوپر پر ہی ہو سکتا ہے۔

وھو جمع الکثرۃ ولا یقال فی عشرۃ فمادونھا ألوف (قرطبی)

اس آیت کا پچھلی آیات سے عجیب ربط

پہلے اللہ تعالیٰ نے جہاد کا حکم دیا (جیسا کہ پچھلی آیات میں گذر چکا ہے) اور یہ بات ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جماعت بن کر مخالف سے جہاد کرنے کے لئے مسلمانوں کا آپس میں اتفاق بہت ضروری ہے۔ اور اتفاق میں خلل

ڈالنے والی زیادہ تر چیزوں کا تعلق نکاح، طلاق کے جھگڑوں اور میراث و وصیت کے معاملات سے ہوتا ہے چنانچہ بیچ میں چند احکام ان جھگڑوں کے دفع فرمانے والے بیان کر کے پھر جہاد کی ترغیب شروع کی جارہی ہے اور اس کا آغاز بنی اسرائیل کے ایک واقعہ سے عبرت دلا کر کیا جارہا ہے۔ (ملخص از تفسیر حقانی)

❷ امام ابوحیان نے اس آیت کی ماقبل کے ساتھ مناسبت میں یہ قول بھی نقل کیا ہے لما بین الله تعالیٰ حکم النکاح بین حکم القتال لان النکاح تحصین للدین والقتال تحصین للدین والمال والروح۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جب نکاح کا حکم فرمایا جس میں دین کی حفاظت ہے تو اسکے بعد قتال کا حکم بیان فرمایا جس میں دین، مال اور روح سب کی حفاظت ہے۔ (البحر المحیط)

اس واقعہ میں تین سبق

❶ موت کا وقت مقرر ہے کوئی حیلہ کر و وہ ٹلتی نہیں پھر نامردی اور بزدلی کرنا عبث (بے کار) ہے۔ ❷ بزدلی اور بھی جان کو ہلاکت میں ڈالتی ہے آدمی سمجھتا ہے کہ میں بزدلی سے بچ جاؤں گا مگر اس سے دشمن کو اور بھی قتل کرنے میں جرأت ہوتی ہے ❸ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ بہت زیادہ ہے اس کے نزدیک تو گلے ہوئے مردوں کو زندہ کرنا کوئی بات ہی نہیں ہے تو اے مسلمانو! تم کیوں اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے مخالفوں سے جنگ نہیں کرتے اور ظاہری اسباب پر کیوں سہارا کرتے ہو۔ (ملخص از تفسیر حقانی)

نکتہ

جو خوش نصیب مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائیوں کو جہاد کی دعوت دینا چاہتا ہو تو وہ اس قرآنی اسلوب سے دعوت دینے کا طریقہ سیکھے سورۃ بقرہ آیت ۲۴۳ سے لیکر آیت ۲۵۲ تک پر غور کریں ان شاء اللہ تعالیٰ یہ پورا اسلوب اچھی طرح سے سمجھ میں آجائے گا۔ علامہ ابوحیان رحمہ اللہ بنی اسرائیل کے اس قصہ کے بارے میں لکھتے ہیں

وأتت هذه القصة بين يدى الامر بالقتال تشجيعاً للمومنين وحثاً على الجهاد والتعريض للشهادة واعلاماً ان لامفر مماقضى الله تعالىٰ (تفسير البحر المحيط)

دعاء

یا الله یا لطیف یا ودود ہمیں اپنی ملاقات کا شوق نصیب فرما اور ہمیں بزدلی سے بچا۔ اور ہمیں اس حقیقت کا یقین عطاء فرما کہ موت کا وقت مقرر ہے اور ہمارے دل میں یہ بات بٹھا کہ قرآن پاک اور جہاد فی سبیل اللہ میں ہماری زندگی ہے۔

آمین یارب العالمین

☆☆☆

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۴۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۴﴾

اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑو اور سمجھ لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا جاننے والا ہے

خلاصہ

اے مسلمانو! پچھلے قصہ میں غور کرو اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتال کرو اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔ یعنی موت سے نہ ڈرو اور بے خوف ہو کر جہاد فی سبیل اللہ کا حکم پورا کرو۔

اقوال وحوالے

❶ هذا خطاب لهذه الامة بالجهاد في سبيل الله وتقدمت تلك القصة كما قلنا تنبيها لهذه الامة ان لا تفر من الموت كفرار هولاء وتشجيعالها وتثبيتاً.

اس آیت میں امت محمدیہ (على صاحبها الف تحيات) کو جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیا جارہا ہے اور پچھلے قصے میں اس امت کے لئے تنبیہ تھی کہ وہ بنی اسرائیل کے ان لوگوں کی طرح موت سے نہ بھاگے اور جہاد میں شجاعت اور ثابت قدمی کا ثبوت دے۔ (تفسیر البحر المحیط)

❷ هذا خطاب لامة محمد صلى الله عليه وسلم بالقتال في سبيل الله في قول الجمهور وهو الذي ينوىٰ به ان تكون كلمة الله هي العليا.

جمہور علماء کے نزدیک اس آیت میں امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتال فی سبیل اللہ کا حکم دیا جارہا ہے وہ قتال جو اعلاء کلمۃ اللہ کی نیت سے کیا جائے (القرطبی)

❸ أن هذا الخطاب للذين أحيوا قال الضحاك رحمه الله احيا هم ثم امرهم بان يذهبوا الى الجهاد لانه تعالىٰ انما اماتهم بسبب ان كرهوا الجهاد.

اس آیت میں قاتلوا قتال کرو کا خطاب بنی اسرائیل کے ان لوگوں سے ہے جن کو زندہ کیا گیا تھا ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کیا پھر انہیں حکم فرمایا کہ جہاد پر جاؤ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مارا ہی جہاد نہ کرنے کی وجہ سے تھا (تفسیر کبیر) حضرات مفسرین نے اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے۔ (قرطبی، البحر المحیط)

آیت کی تفسیر میں دو عمدہ عبارتیں

❶ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

ای کما ان الحذر لا یغنی من القدر کذلک الفرار من الجھاد و تجنبہ لا یقرب اجلا و لا یبعدہ الخ. یعنی جس طرح موت سے بھاگنا تقدیر کو نہیں ٹال سکتا اسی طرح جہاد سے بھاگنا اور اسے چھوڑنا بھی موت کو قریب یا دور نہیں کرسکتا بلکہ موت کا مقرر وقت اور لکھی ہوئی روزی یہ وہ مقدرات ہیں جن میں کمی یا زیادتی نہیں ہوسکتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ترجمہ:

یہ (منافق) وہ لوگ ہیں جو اپنے (مجاہد) بھائیوں سے کہتے تھے حالانکہ خود (جہاد سے) بیٹھ رہے تھے اگر وہ ہماری بات مانتے تو قتل نہ کئے جاتے کہہ دو اگر تم سچے ہو تو اپنی جانوں سے موت کو ہٹا دو (آل عمران ۱۶۸) اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (ترجمہ) پھر جب انہیں لڑنے کا حکم دیا گیا اس وقت ان میں سے ایک جماعت لوگوں سے ایسا ڈرنے لگی جیسا اللہ تعالیٰ کا ڈر ہو یا اس سے بھی زیادہ ڈر اور کہنے لگے اے رب ہمارے تو نے ہم پر لڑنا کیوں فرض کیا کیوں نہ ہمیں تھوڑی مدت اور مہلت دی ان سے کہہ دو دنیا کا فائدہ تھوڑا ہے اور آخرت پرہیزگاروں کے لئے بہتر ہے اور ایک تاگے کے برابر بھی تم سے بے انصافی نہیں کی جائے گی تم جہاں کہیں ہوگے موت تمہیں آ ہی پکڑے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہی ہو۔ (النساء ۷۷،۷۸)

اور ہم اسلامی لشکروں کے امیر، سپہ سالار، اسلامی سرحدوں کے محافظ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں پر اللہ تعالیٰ کی کھلی تلوار ابوسلیمان حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت بیان کرچکے ہیں کہ انہوں نے اپنی موت کے وقت فرمایا میں نے اتنے محاذوں پر جنگ کی اور میرے جسم کا کوئی عضو ایسا نہیں جس پر تیر، تلوار یا نیزے کا زخم نہ ہو اور ہائے افسوس میں اونٹ کی طرح بستر پر جان دے رہا ہوں پس بزدلوں کی آنکھیں نہ سوئیں۔ یعنی وہ اس بات پر دکھ، درد اور افسوس کا اظہار کررہے تھے کہ وہ جہاد میں شہید نہیں ہوئے اور بستر پر وفات پارہے ہیں (تفسیر ابن کثیر)

❷ ان تمام مسائل کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینے اور مال دینے کی تاکید شروع ہوتی ہے کیونکہ دنیا میں کوئی قوم "قوم" نہیں رہ سکتی تاوقتیکہ اس قوم میں اپنے ناموس اور مذہب محفوظ رکھنے کی قدرت نہ ہو خاص کر وہ مذہب جو تمام دنیا پر پھیلنے والا ہو۔ جس کی توحید اور روشن احکام دنیا بھر کے شریروں کے خلاف ہوں جس سے نہ صرف احتمال بلکہ یقین ہو کہ اس مذہب کے لئے اس کے گھر اور ملک میں بھی سخت رکاوٹیں پیش آنا شروع ہونگی بلکہ ہوگئیں پھر آگے چل کر تو کیا کچھ نہ ہوگا؟ اس لئے حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑو جو رکاوٹ پیش آئے اس کو تلوار کی دھاروں سے مٹا دو مگر نیک نیت اور دلی اخلاص بھی ملحوظ رکھو صرف خوں ریزی اور بنی نوع کا قتل کرانا ہی مقصود نہیں،

بلکہ یہ جہاد ایسا ہے جیسا مریض کے لئے فصد و فاسد مادہ کا اخراج و قطع برید۔ ایسے معاملات میں دلی اخلاص و نیک نیتی ضروری ہے اس لئے فرمایا اللہ تعالیٰ سنتا جانتا ہے۔ (تفسیر حقانی)

واعلموا ان اللّٰہ سمیع علیم خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے۔

❶ أی هو يسمع كلامكم فی ترغيب الغير فی الجهاد وفی تنفير الغير عنه وعليم بمافی صدوركم من البواعث والاغراض وان ذلك الجهاد لغرض الدين او لعاجل الدنيا.

یعنی وہ تمہاری ان باتوں کو سنتا ہے جو تم دوسروں کو جہاد کی ترغیب دینے کے لئے یا دوسروں کو جہاد سے متنفر کرنے کے لئے کہتے ہو اور تمہارے دلوں میں جو اغراض و مقاصد ہیں ان کو خوب جانتا ہے کہ تمہارا جہاد دین کے لئے ہے یا دنیا کے وقتی نفع کے لئے۔ (تفسیر کبیر)

❷ پس جب موت و حیات کسی انسان کے قبضہ میں نہیں اور جنگ میں بھی مرنا یقینی نہیں تو اٹھ کھڑے ہو اللہ تعالیٰ کا قانون بلند و برتر کرنے کے لئے جہاد و قتال کرو کہ اسلام کو غلبہ واقتدار حاصل ہو، کرہ ارض امن کا گہوارہ بن جائے اور چونکہ تم محض اللہ تعالیٰ کی رضا مندی حاصل کرنے کے لئے جنگ کرو گے اس لئے (بطور احسان) ضروری ہے کہ وہ تمہاری ہر دعا کو سنے، اسکو اجابت بخشے اور تمہیں مخالفین کے مقابلہ میں کامیابی نصیب کرے (تفسیر الفرقان)

ربط

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والجهاد لما كان ذروة سنام الدين وكان من اشق التكاليف حرضهم عليه من طرق شتیٰ مبتدئاً من قوله سبحانه ولا تقولوا لمن يقتل فی سبيل الله اموات (البقرة ١٥٤) منتهيا الى هذا المقال الكريم مختتماً بذكر انفاق فی سبيله للتتميم.

یعنی جہاد چونکہ اسلام کی چوٹی کی بلندی ہے اور احکامات میں سے مشکل ترین عمل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے مختلف طریقوں سے اس پر (مسلمانوں کو) (اس سورۃ بقرہ میں) ابھارا ہے اس ترغیب کا آغاز ولا تقولو الآیة سے ہوا اور اسکی انتہا اس آیت وقاتلوا پر ہوئی اور پھر اس ترغیبی نصاب کو مکمل کرنے کے لئے اس کا اختتام جہاد میں خرچ کرنے کے حکم پر ہوا۔ (جو کہ اگلی آیت میں ہے) (روح المعانی)

دعاء

یا اللہ آپ نے ہمیں اپنے راستے میں قتال کا حکم دیا ہے، یا اللہ ہم اس پر یقین رکھتے ہیں یا اللہ آپ ہمیں اپنا یہ حکم پورا کرنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔

آمین یارب العالمین

☆☆☆

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۴۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا

ایسا کون شخص ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے پھر اللہ تعالیٰ اس کو کئی گنا

كَثِيْرَةً ؕ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

بڑھا کر دے اور اللہ تعالیٰ ہی تنگی کرتا ہے اور کشائش کرتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے

خلاصہ

جہاد میں مال خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کو اچھا قرضہ دو وہ اسے کئی گنا بڑھا دے گا، رزق کی تنگی اور کشادگی سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اور تم نے تو لوٹ کر اس کی طرف واپس جانا ہے۔ پس جو کچھ اسے دو گے اس کے پاس جا کر اس سے کئی گنا زیادہ پالو گے۔

ربط

❶ اس مقام پر اصل مقصد قتال فی سبیل اللہ کی زیادہ سے زیادہ ترغیب ہے بنی اسرائیل کا قصہ اسی کی تمہید ہے انفاق کا مضمون اسی کی تائید ہے۔ آگے طالوت و جالوت کا قصہ اسی کی تاکید ہے۔ (ملخص از بیان القرآن)

❷ جہاد و قتال کا حکم ابھی ملا ہے قدرتاً سامان جنگ کے لئے امت اسلامی کو بڑے سرمایہ کی ضرورت ہوگی اس لئے پہلے ہی نمبر پر امرائے ملت کو اس میں حصہ لینے کی ترغیب دی جا رہی ہے قرضًا حسنًا اصطلاح قرآنی میں اس لفظ سے مراد ہر وہ رقم ہے جو دین کی کسی مد میں خرچ ہو سکے یہاں مراد مصارف جہاد ہیں (تفسیر ماجدی)

❸ لما امر الله تعالىٰ بالجهاد والقتال على الحق. حرض على الانفاق فى ذلك یعنی جب اللہ تعالیٰ نے حق کی خاطر جہاد و قتال کا حکم دیا تو پھر (اس آیت میں) جہاد پر خرچ کرنے کی ترغیب دی۔ (القرطبی)

❹ أن هذه الاية متعلقة بما قبلها والمراد منها القرض فى الجهاد خاصة فندب العاجز للجهاد ان ينفق على الفقير القادر على الجهاد وامر القادر على الجهاد ان ينفق على نفسه فى طريق الجهاد.

یعنی ایک قول یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق پچھلی آیت کے ساتھ ہے اور یہاں قرض سے مراد خاص جہاد میں مال خرچ کرنا ہے پس اس شخص کو جو عملی جہاد سے عاجز ہو ترغیب دی گئی کہ وہ اپنا مال جہاد کی قدرت رکھنے والے فقراء پر خرچ کرے اور جہاد کی طاقت رکھنے والوں کو ترغیب دی گئی کہ جہاد میں خود اپنا خرچہ اٹھائیں یعنی اپنی جان و مال دونوں

سے جہاد کریں (تفسیر کبیر)

والله یقبض ویبسط اللہ تعالیٰ روزی تنگ کرتا ہے اور وہی روزی کشادہ کرتا ہے۔

❶ اس کے بعد یہ بھی سنا دیا کہ تنگدستی وفراخ دستی سب ہمارے قبضہ میں ہے، جو ہماری راہ میں صرف نہیں کرتے وہ اس بات پر گھمنڈ نہ کریں کہ ہماری دولت باقی رہے گی اللہ تعالیٰ ہزاروں مصیبتیں بھیج کر تنگدست کرسکتا ہے منجملہ ان کے ایک یہ بلا نازل ہوگی کہ مخالفین غالب آ کر تمام ملک ودولت چھین لیں گے اور جو صرف (یعنی خرچ) کرتا ہے وہ تنگدستی سے نہ ڈرے، دنیا میں غنائم اور فتوحات ملک ان کے حصہ میں آئیں گے، آخرت میں جو کہ سامنے کھڑی ہے جس کو الیه ترجعون سے تعبیر کیا بے شمار نعمتیں ملیں گی جیسا کہ صحابہ کو ملیں (تفسیر حقانی)

❷ محض جان قربان کرنا کافی نہیں، بلکہ روپیہ خرچ کرنے کی بھی سخت ضرورت ہے، سامان حرب خریدو، دوسروں کو تیاری میں مدد دو۔ میدان جنگ میں جاتے ہی تمہیں فتح وکامرانی نصیب ہوگی اس قدر مال غنیمت ملے گا کہ سمیٹ نہ سکو گے اور جس قدر تم نے اسلام کی بقاء وقیام کے لئے صرف کیا تھا اس سے کئی گنا زیادہ مل جائے گا، صدہا ممالک پر ہلالی جھنڈا اڑے گا اور ہزاروں مشرک دائرہ اسلام میں داخل ہونگے، تم غربت اور افلاس کا خیال نہ کرو کہ قبض وبسط اور تنگدستی اور کشائش اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے یہ بالکل ممکن ہے کہ تمہارے پاس لاکھوں روپیہ ہو مگر اللہ تعالیٰ ایسے سامان پیدا کردے کہ تمام دولت تمہارے لئے بے کار ثابت ہو اور ناداری اور تہی دستی کی زندگی بسر کرو اور یہ بھی اس کے اختیار میں ہے کہ غربت کے ایام میں تمہیں ایسی فرحت شادمانی نوازش کرے کہ بڑے بڑے دولتمندوں کو بھی نصیب نہ ہو (تفسیر الفرقان)

کلام برکت

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کو قرض دے یعنی جہاد میں خرچ کرے اس طرح فرمایا مہربانی سے۔ اور تنگی کا اندیشہ نہ رکھے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کشائش ہے" (موضح القرآن)

دعاء

یاالله یا غنی یا مغنی ہمیں اپنا مال جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرنے کی ہمت اور توفیق عطاء فرما اور پھر اسے قبول فرما۔

آمین یاارحم الراحمین

☆☆☆

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۴۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ

کیا تم نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو موسیٰ کے بعد نہیں دیکھا جب

قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ

انہوں نے اپنے نبی سے کہا ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کردو تاکہ ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑیں

قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ۭ قَالُوْا

پیغمبر نے کہا کیا یہ بھی ممکن ہے کہ اگر تمہیں لڑائی کا حکم ہو تو تم اس وقت نہ لڑو انہوں نے کہا

وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَ

ہم اللہ تعالیٰ کی راہ میں کیوں نہیں لڑیں گے حالانکہ ہمیں اپنے گھروں اور

اَبْنَآئِنَا ۭ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ

اپنے بیٹوں سے نکال دیا گیا ہے پھر جب انہیں لڑائی کا حکم ہوا تو سوائے چند آدمیوں کے سب پھر گئے

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾

اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے

خلاصہ

(جہاد کے فوائد، اسکی شرائط اور اس کے آداب کو سمجھنے کے لئے) بنی اسرائیل کے اس واقعہ کو تم نے دیکھا؟ جب جالوت کے مظالم سے چھٹکارا پانے اور آزادی حاصل کرنے کیلئے انہوں نے قتال شروع کرنے کا ارادہ کیا اور وقت کے نبی سے ایسا ''امیر'' مقرر کرنے کی درخواست کی جس کی قیادت میں وہ جہاد کرسکیں۔ نبی نے فرمایا کہیں ایسا نہ ہو کہ تم جہاد سے منہ موڑلو انہوں نے کہا یہ کیسے ممکن ہے؟ ہمارے گھر اور بچے دشمن کے قبضہ میں ہیں ایسے حالات میں بھی ہم جہاد سے منہ موڑیں یہ نہیں ہوسکتا۔ مگر نبی علیہ السلام کا خدشہ درست نکلا جب ان کو جہاد کا حکم دے دیا گیا تو ان میں سے اکثر جہاد سے محروم رہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

ربط

❶ ذكر في التحريض على القتال قصة أخرى جرت في بني اسرائيل (تفسیر قرطبی)

جہاد پر ابھارنے کے لئے بنی اسرائیل کا ایک اور قصہ (ان آیات میں) اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔

زمانہ

قرآن پاک نے واضح فرمایا ہے کہ مِن بعدِ موسیٰ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کے زمانے کا ہے۔اس زمانے کی تعیین میں مفسرین کے چند اقوال ملاحظہ فرمائیں:

❶ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوئی تین صدی بعد اور حضرت داؤد علیہ السلام سے کچھ ہی قبل کے زمانہ کا ہے۔سن مسیحی کے آغاز میں ابھی کوئی ہزار، گیارہ سو سال کی مدت باقی تھی۔(تفسیر ماجدی)

❷ ان آیات میں اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کا دوسرا قصہ سناتا ہے جو عیسیٰ علیہ السلام سے تخمیناً گیارہ سو برس پہلے گذرا ہے اس قصہ میں اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو جہاد میں ثابت قدمی اور استقلال اور مصائب پر برداشت کرنے کی رغبت دلاتا ہے۔(تفسیر حقانی)

❸ صاحب بحر المحیط نے اس زمانہ کی تعیین میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام بنی اسرائیل میں ان کے خلیفہ بنے انہوں نے تورات کو نافذ رکھا ان کے انتقال کے بعد حضرت حزقیل علیہ السلام ان کے جانشین بنے ان کے انتقال کے بعد بنی اسرائیل میں بدعات اور بت پرستی پھیل گئی۔اللہ تعالیٰ نے انکی طرف حضرت الیاس علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔حضرت الیاس کے بعد حضرت الیسع علیہ السلام نبی ہوئے انکے انتقال کے بعد بنی اسرئیل میں بہت زیادہ خرابیاں پیدا ہوگئیں۔تب ان کے دشمن عمالقہ کی قوم جالوت ان پر غالب آگئی یہ لوگ بحر روم کے ساحل پر مصر اور فلسطین کے درمیان رہنے والے تھے انہوں نے بنی اسرائیل کے شہروں پر قبضہ کرلیا اور ان کے سرداروں کے بیٹوں کو قید کرلیا اور بنی اسرائیل سے تورات چھین لی اور ان پر جزیہ نافذ کر دیا۔تب انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ ان کے لئے نبی مبعوث فرمائے جس کے ساتھ مل کر وہ جہاد کریں تب حضرت شموئیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔جب انہیں نبوت ملی تو انہوں نے بنی اسرائیل کو دعوت دی بنی اسرائیل نے ان سے کہا کہ اگر آپ واقعی نبی ہیں تو ہمارے لئے کوئی امیر (حکمران) مقرر کر دیں۔بنی اسرائیل کا طریقہ کار یہی تھا کہ وہ حکمران کے زیر سایہ جمع ہوتے تھے اور جنگ کرتے تھے اور حکمران نبی کا تابع ہوتا تھا، نبی حکمران کو چلاتے اور حکمران قوم کو چلاتا تھا۔(تفسیر البحر المحیط)

نبی کا نام

اس آیت میں جس نبی کا ذکر ہے اکثر و بیشتر بڑے مفسرین حضرات نے ان کا اسم گرامی حضرت شموئیل علیہ السلام لکھا ہے۔ملاحظہ فرمائیں (تفسیر قرطبی، تفسیر کبیر، تفسیر البحر المحیط وغیرہ)

تولوا الا قلیلاً منھم جب جہاد کا حکم آگیا تو تھوڑے سے لوگوں کو چھوڑ کر باقی پیٹھ پھیر گئے۔

❶ ھذا شان المترف المنعم متی کان متلبسا بالنعمة قوی عزمه وانف فاذا ابتلی بشئی

من الخطوب كع وذل۔

مالدار اور عیش پرست لوگوں کا یہی طریقہ ہوتا ہے کہ جب تک نعمتیں ملتی رہیں ان کے عزائم اور غیرت بلند ہوتی ہے مگر جب کچھ تکلیفوں سے انکی آزمائش کی جاتی ہے کمزوری اور پسپائی میں جا گرتے ہیں۔(البحر المحیط)

❷ الا قليلاً منهم مگر تھوڑے سے لوگ ڈٹے رہے فهم الذين عبروا النهر وسياتی ذكر هم وقيل كان عدد هذا القليل ثلاثمائة وثلاثه عشر علىٰ عدد أهل بدر.

یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے دریا کو عبور کرلیا ایک قول یہ ہے کہ انکی تعداد اصحاب بدر کی طرح تین سو تیرہ تھی۔(تفسیر کبیر)

والله عليم بالظلمين اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

❶ فيه وعيد وتهديد لمن تقاعد عن القتال بعد أن فرض عليه بسؤاله ورغبته.

اس میں سخت وعید اور تنبیہ ہے اس کے لئے جو جہاد سے بیٹھ جائے جب کہ اللہ تعالیٰ نے خود اس کے چاہنے اور مانگنے پر جہاد فرض فرمایا ہو۔(تفسیر البحر المحیط)

❷ وهذا هو الذی يدل علىٰ تعلق هذه الاية بقوله قبل ذلك

وقاتلوا فی سبيل الله ...... الخ آیت کا یہ حصہ یعنی والله عليم بالظلمين اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس آیت کا پیچھے گذری ہوئی آیت وقاتلوا فی سبيل الله سے تعلق ہے گویا کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کی فرضیت کو مزید تاکید سے سمجھانے کے لیے بنی اسرائیل کے جہاد کا قصہ ذکر فرمایا اور اس کے آخر میں جہاد چھوڑنے والوں کو ظالم قرار دیا اور یہ بات واضح ہے کہ جو آئندہ بھی جہاد چھوڑے گا وہ اس وعید کا مستحق ہوگا پس اس آیت میں جہاد کی ترغیب بھی ہوگئی اور یہ بات بھی کہ مسلمان ہمیشہ ہمیشہ جہاد کو قائم رکھیں۔واللہ اعلم (تفسیر کبیر)

اسباق

❶ ثابت ہوا کہ مظلوموں کے لیے ظلم اور ظالموں سے نجات کا فطری راستہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

❷ جہاد امیر کی اطاعت میں ہو تو کامیابی ملتی ہے۔

❸ جہاد سے پیٹھ پھیرنا ”ظلم“ ہے۔(واللہ اعلم)

دعاء

یا اللہ ہم آپ کی پناہ چاہتے ہیں اس بات سے کہ ہم ظالموں میں سے ہوں۔

آمین یا اکرم الاکرمین

☆☆☆

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۴۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا

ان کے نبی نے ان سے کہا بے شک اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ مقرر فرمایا ہے انہوں نے کہا

اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ

اس کی حکومت ہم پر کیونکر ہوسکتی ہے اس سے تو ہم ہی سلطنت کے زیادہ مستحق ہیں اور اسے

يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَ

مال میں بھی کشائش نہیں دی گئی پیغمبر نے کہا بے شک اللہ تعالیٰ نے اسے تم پر پسند فرمایا ہے اور

زَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ

اسے علم اور جسم میں زیادہ فراخی دی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنا ملک جسے

يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾

چاہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کشائش والا جاننے والا ہے

خلاصہ

بنی اسرائیل نے جہاد کے لئے امیر مقرر کرنے کی درخواست کی تو نبی علیہ السلام نے فرمایا۔اللہ تعالیٰ نے ''طالوت'' کو تمہارا امیر وحکمران مقرر کردیا ہے اس پر بنی اسرائیل کے سردار بگڑ گئے اور کہنے لگے طالوت ہمارے امیر کس طرح سے ہوسکتے ہیں؟ ان سے زیادہ تو ہم اس ذمہ داری اور منصب کے مستحق ہیں۔جبکہ طالوت تو غریب و مفلس آدمی ہیں۔نبی علیہ السلام نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب ہے۔اللہ تعالیٰ نے طالوت کو خود منتخب فرمایا ہے اور انہیں علمی وجسمانی طور پر اس عہدے کا اہل بنایا ہے۔اور اللہ تعالیٰ کی مرضی جسے چاہے حکومت دے اللہ تعالیٰ علم ووسعت کا مالک ہے۔

طالوت

❶ طالوت بن کش تاریخ میں قوم اسرائیل کے پہلے بادشاہ تسلیم کئے گئے ہیں۔ان کا زمانہ حکومت ۱۰۲۸ق م تا ۱۰۱۲ق م ہے یہ وہی ہیں جن کا ذکر تورات میں ساؤل کے نام سے آیا ہے (تفسیر ماجدی)

❷ بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کی بارہ اولادوں کی نسل ہیں، نسلی بنا پر بارہ (۱۲) فرقوں یا قبیلوں

میں بٹے ہوئے تھے ان میں سب سے چھوٹا قبیلہ بنی یامین کا تھا اور توارت میں تصریح ہے کہ طالوت اسی قبیلہ سے تھے۔ (تفسیر ماجدی)

❸ کان طالوت اسمه بالعبرانية ساؤل فسمى طالوت لطوله (معالم۔ماجدی) طالوت کا نام عبرانی میں ساؤل تھا انہیں طالوت ان کے طول یعنی لمبے قد کی وجہ سے کہتے ہیں۔

❹ طالوت کی قوم میں آگے (پہلے) سلطنت نہ تھی اور کسب (محنت مزدوری) کرتا تھا انکی نظر میں حقیر لگا نبی نے فرمایا کہ سلطنت حق کسی کا نہیں اور بڑی لیاقت ہے عقل۔ اور بدن کی کشائش یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے ان پیغمبر کو ایک عصا بتایا کہ جس کا قد اس کے برابر ہو سلطنت اسکی ہے۔ اس کے برابر قد اسی کا آیا (موضح القرآن)

❺ کان دباغا أو راعيا یعنی طالوت چمڑے کا کام کرنے والے یا چرواہے تھے (جلالین)

❻ وكان طالوت سقاء (قرطبی) وكان عالماً فلذلك رفعه الله یعنی وہ عالم تھے اس لئے اللہ پاک نے ان کو یہ بلند مقام دیا (قرطبی)

بنی اسرائیل کا اعتراض

❶ وكان من سبط بنيامين ولم يكن من سبط النبوة ولا من سبط الملك وكانت النبوة في بني لاوى والملك في سبط يهودا فلذلك انكروا (قرطبی) یعنی طالوت خاندان بنیامین میں سے تھے نبوت اور حکومت والے خاندان سے نہیں تھے بنی اسرائیل میں نبوت قبیلہ بنی لاوی میں اور حکومت قبیلہ یہودا میں سے ہوتی تھی۔

❷ فأتت عظماء بني اسرائيل نبيهم مستغرب بين ذلك حيث لم يكن من بيت النبوة ولا الملك (روح المعانی) نبی نے جب طالوت کی امارت کا اعلان کردیا تو بنی اسرائیل کے بڑے لوگ اس انتخاب پر حیرت وتعجب میں ڈوبے ہوئے نبی کے پاس آئے، کیونکہ طالوت نہ تو خاندان نبوت سے تھے اور نہ خاندان حکومت سے۔

❸ نسل وخاندان کی اہمیت جب جائز حدود سے بڑھ جاتی ہے تو ہندوؤں کی طرح ذات پات کی حیثیت اختیار کرلیتی ہے، اسرائیلیوں کا بھی اب یہ عقیدہ ہوگیا تھا کہ نبوت حق مخصوص ہے قبیلہ بنی لاوی کا اور حکومت حق مخصوص ہے قبیلہ بنی یہودا کا۔ (تفسیر ماجدی)

❹ دنیا نے ہمیشہ اپنے خاندان اور نسلی امتیازات کی پرستش کی ہے نسل وقوم کے بت کے آگے برابر سربسجود رہی ہے۔ اسلام نے آتے ہی ان قومی اور نسلی امتیازات کو مٹا کر ہمیشہ کے لئے صرف انسانیت کی بے قید وعام عظمت کو قائم کردیا۔ اور عمل کے قانون الٰہی پر زور دیا، اس نے اپنی دعوت کی سب سے پہلی اور کاری ضرب اسی غرور نسل وقوم کے

بت پر لگائی اور اعلان کر دیا کہ یاایھاالناس انا خلقنکم من ذکروانثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (الحجرات ۳) یعنی ہر طرح کی فضیلت اور بزرگی کی بنیاد صرف عمل ہے اور کوئی شئے نہیں۔ قوموں اور خاندانوں کی تفریق صرف اس لئے ہے کہ باہم دگر (ایک دوسرے کے ساتھ) پہچان اور تمیز کا ذریعہ ہو، سب سے بڑا انسان وہی ہے جو سب سے زیادہ متقی ہو۔ (تفسیر الفرقان)

بسطۃ فی العلم والجسم اللہ تعالیٰ نے طالوت کو علم اور جسم میں فوقیت اور وسعت عطاء فرمائی ہے۔

❶ علم سے مراد یہاں وہی علوم وفنون ہیں جن کا تعلق ملک گیری (جہاد) اور ملک داری (دینی سیاست) سے ہے ای علم الحرب یعنی جنگ کا علم (ابن عباس رضی اللہ عنہما) (تفسیر ماجدی)

❷ جسمانی وسعت سے مراد بہادری ہے (تفسیر کبیر)

اگر چہ قد میں بہت لمبا ہونا کوئی کمال نہیں ہے ورنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کمال دیا جاتا مگر چونکہ بنی اسرائیل کا مقابلہ قوم عمالقہ سے تھا جو بہت لمبے چوڑے تھے اس لئے ایسے امیر کی ضرورت تھی جو ظاہری طور پر بھی کافی لمبا ہو۔ (روح المعانی)

اسباق

❶ امیر کے انتخاب میں خاندان، مال ودولت اور قوم قبیلے کا اعتبار نہ کیا جائے بلکہ اہلیت کو مد نظر رکھا جائے۔

❷ جہاد میں کامیابی کے لئے زیادہ سے زیادہ علمی اور جسمانی صلاحیت حاصل کرنی چاہیے۔

❸ اہل ایمان کی مضبوطی اور کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ وہ نسلی، خاندانی اور لسانی نفرتوں کو اپنے اندر سے نکال کر ایک ''امت'' اور ایک ''جماعت'' بن جائیں۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۴۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ

اور بنی اسرائیل سے ان کے نبی نے کہا کہ طالوت کی بادشاہی کی یہ نشانی ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق واپس آئے گا جس میں

سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ

تمہارے رب کی طرف سے اطمینان ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں ان میں سے جو موسیٰ اور ہارون کی اولاد چھوڑ گئی تھی

تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾

اس صندوق کو فرشتے اٹھا لائیں گے بیشک اس میں تمہارے لیے پوری نشانی ہے اگر تم ایمان والے ہو

خلاصہ

نبی نے فرمایا طالوت کے امیر برحق ہونے کی علامت یہ ہے کہ تمہارا وہ گمشدہ تابوت تمہیں واپس مل جائے گا جس میں تمہارے لئے تسکین واطمینان کا سامان اور بڑے انبیاء کی چھوڑی ہوئی چیزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فرشتے یہ تابوت تم تک پہنچائیں گے۔ اس میں ایمان والوں کے لئے بڑی نشانی ہے۔

التابوت: اس خاص صندوق کا اصطلاحی نام تابوت ''سکینہ'' ہے یہ بنی اسرائیل کا اہم ترین ملی وقومی ورثہ تھا، اس کے اندر اصل نسخہ تورات مع تبرکات انبیاء محفوظ تھا، اسرائیلی اس کو انتہائی برکت وتقدس کی چیز سمجھتے تھے اور اس کے ساتھ برتاؤ انتہائی احترام کا رکھتے تھے، سفر وحضر جنگ وامن ہر حال میں اسے بڑی حفاظت سے اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ (تفسیر ماجدی)

مذکورہ بالا عبارت ان تمام اقوال کا خلاصہ ہے جو اس بارے میں حضرات مفسرین نے تحریر فرمائے ہیں۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''بنی اسرائیل میں ایک صندوق چلا آتا تھا اس میں تبرکات تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کے۔ لڑائی کے وقت سردار کے آگے لے چلتے اور دشمن پر حملہ کرتے تو اسکو آگے دھر کر۔ پھر اللہ تعالیٰ فتح دیتا۔ جب یہ بدنیت ہوگئے وہ صندوق ان سے چھینا گیا، غنیم (دشمن) کے ہاتھ لگا۔ اب جو طالوت بادشاہ ہوا وہ صندوق خود بخود رات کے وقت اس کے گھر کے سامنے آموجود ہوا۔ سبب یہ (ہوا) کہ غنیم (دشمن) کے شہر میں جہاں رکھا تھا ان پر بلا پڑی پانچ شہر ویران ہوئے۔ انہوں نے دو بیلوں پر لاد کر ہانک دیا۔ پھر فرشتے بیلوں کو ہانک کر یہاں لے آئے۔'' (موضح القرآن)

وبقیة مما ترک علامہ آلوسی لکھتے ہیں اس تابوت میں یہ چیزیں تھیں:

تورات کی تختیوں کا چورا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے، حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ وہ سونے کی تھالی جس میں انبیاء علیہم السلام کے قلوب دھوئے جاتے تھے اور تنگی اور پریشانی دور کرنے والا یہ کلمہ لا الـــــہ الا اللّٰہ الحلیم الکریم وسبحان اللّٰہ رب السموت السبع ورب العرش العظیم والحمد للّٰہ رب العلمین۔ (روح المعانی)

فائدہ

امیر پر عوام اور لشکر کا مطمئن اور متفق ہونا ضروری ہے۔ بنی اسرائیل نے جب گناہوں سے توبہ کی اور سچے دل سے جہاد کی نیت کی تو اللہ پاک نے ان پر اپنی نعمتوں کو بحال فرمانا شروع کر دیا۔ پہلی نعمت یہ ملی کہ ایک امیر اور شرعی حکمران نصیب ہوا جو قوم کو جوڑے، کھڑا کرے، سنبھالے اور آگے بڑھائے۔ امیر کا ملنا لاکھوں نعمتوں سے بڑی نعمت اور اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہوتا ہے۔ بنی اسرائیل کے مظلوم اور بکھرے ہوئے لوگوں کو امیر ملا تو غلام قوموں کی طرح خاندانی ولسانی عصبیت جاگ اٹھی۔ اللہ تعالیٰ نے اسے دور فرمانے کیلئے ایک ایسی نشانی دکھائی کہ پوری قوم امیر پر متفق ہوگئی۔

فائدہ

امیر کے ملتے ہی آسمانی برکات کا نزول شروع ہوگیا اور وہ نعمتیں جو چھن چکی تھیں واپس ملنا شروع ہوگئیں۔ یہاں تک کہ تورات کا آسمان سے نازل ہونے والا نسخہ بھی واپس آ گیا۔ اور اتفاق واتحاد اور اجتماعیت کی برکتیں اور قوت ظاہر ہوگئی۔

اسباق

❶ جہاد میں کامیابی کے لئے امیر جہاد پر متفق اور مطمئن ہونا ضروری ہے۔

❷ جہاد میں کامیابی کے لئے دلوں میں اطمینان وسکون اور جذبے کا ہونا لازمی ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی کتاب سے دلوں کو مضبوط کیا جائے۔

❸ اللہ تعالیٰ کی غیبی امداد کی دعاء کی جائے تاکہ مظلوموں کو جہاد میں ظالموں پر کامیابی ملے۔ جو اللہ تعالیٰ کی نصرت کے بغیر ممکن نہیں ہوتی۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۴۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ

پھر جب طالوت فوجیں لیکر نکلا کہا بیشک اللہ تعالیٰ ایک نہر سے تمہاری آزمائش کرنے والا ہے جس نے

شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ

اس نہر کا پانی پیا تو وہ میرا نہیں ہے اور جس نے اسے نہ چکھا تو وہ بے شک میرا ہے مگر جو کوئی

اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ

اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے (تو اسے معاف ہے) پھر ان میں سے سوائے چند آدمیوں کے سب نے اس کا پانی پی لیا

فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا

پھر جب طالوت اور ایمان والے اس کے ساتھ پار ہوئے تو کہنے لگے آج ہمیں

الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا

جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑنے کی طاقت نہیں جن لوگوں کو خیال تھا کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے ملنا ہے

اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ

وہ کہنے لگے بارہا بڑی جماعت پر چھوٹی جماعت اللہ تعالیٰ کے حکم سے غالب ہوئی ہے

وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾

اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

خلاصہ

پھر جب بنی اسرائیل نے طالوت کو بادشاہ تسلیم کرلیا اور جالوت کے مقابلہ کیلئے لوگ جمع ہوگئے اور طالوت فوجوں کو لے کر اپنے مقام یعنی بیت المقدس سے عمالقہ کی طرف چلے تو انہوں نے اپنے مجاہدین سے کہا کہ اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان کریں گے ایک دریا کے ذریعہ سے۔ پس جو اس میں سے پانی پی لے گا وہ میرے ساتھ جہاد پر نہیں جا سکے گا اور جو بالکل نہیں پئے گا یا صرف ایک چلو بھر پانی پئے گا تو وہ میرے ساتھ اس معرکہ میں شریک ہوگا۔ جب یہ لشکر دریا پر پہنچا تو تھوڑے سے افراد کے علاوہ باقی سب نے پانی پی لیا۔ چنانچہ وہ پیچھے رہ گئے۔ اور طالوت اور ان کے پختہ ایمان والے وہ ساتھی جنہوں نے اس شرط کو نہیں توڑا تھا دریا سے پار ہو کر میدان جہاد میں پہنچ گئے۔ جب انہوں نے طالوت کے بڑے لشکر اور اپنی تھوڑی تعداد کو دیکھا تو کہنے لگے کہ آج ہم جالوت اور اس کے لشکر کا مقابلہ کرنے کی طاقت اپنے

اندر نہیں پاتے۔ تب ان مجاہدین نے جنہیں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا یقین تھا کہا کہ کئی بار ایسا ہو چکا ہے کہ چھوٹی چھوٹی جماعتیں اللہ تعالیٰ کے حکم سے بڑے بڑے لشکروں پر غالب آ گئیں ہیں اور جو لوگ ثابت قدم رہتے ہیں اللہ پاک ان کے ساتھ ہے۔

اقوال

الجنود: یعنی لشکر

❶ اس لشکر کی تعداد مفسرین نے اسی ہزار لکھی ہے وکان عدد الجنود فی قول السدی ثمانین الفاً (قرطبی)

❷ قال وھب بن منبہ لم یخلف عنہ الا ذو عذر من صغر او کبر او مرض۔ یعنی وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بچپن، بڑھاپے اور بیماری کے عذر والوں کے علاوہ سب لوگ ان کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے (قرطبی)

❸ بعض روایات میں ہے کہ لوگ بہت جوش اور شوق میں تھے چنانچہ بہت زیادہ افراد نکلنے کو تیار ہو گئے تب طالوت نے اعلان کیا کہ صرف جوان، چست اور فارغ افراد میرے ساتھ چلیں تب اسی ہزار افراد ان کے ساتھ چلے امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ولا ابغی الا الشاب النشیط الفارغ فاجتمع الیہ ممن اختار ثمانون الفاً (تفسیر کبیر)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”طالوت کے ساتھ نکلنے کو سب تیار ہوئے ہوس سے۔ اس نے تقید کیا (یعنی شرط لگائی) کہ جو شخص جوان اور بے فکر ہو وہی نکلے، ایسے بھی اسی ہزار نکلے اس نے چاہا کہ ان کو آزمائے۔ ایک منزل پانی نہ ملا۔ بعد اس کے ایک نہر ملی اس نے تقید کیا کہ ایک چلو سے زیادہ جو کوئی پیوے وہ میرے ساتھ نہ آوے، تین سو تیرہ آدمی رہ گئے باقی سب موقوف ہوئے (یعنی پیچھے رک گئے)“ (موضح القرآن)

ان اللہ مبتلیکم بے شک اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان لے گا۔ یہ امتحان کس مقصد سے تھا چند اقوال ملاحظہ فرمائیں:

❶ اس امتحان کی حکمت اور توجیہ احقر کے ذوق میں یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایسے مواقع پر جوش وخروش میں بھیڑ بھڑکا بہت ہو جایا کرتا ہے لیکن وقت پر جمنے والے کم ہوتے ہیں اور اس وقت ایسوں کا اُکھڑ جانا باقی لوگوں کے پاؤں بھی اُکھاڑ دیتا ہے اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کا علیحدہ کرنا منظور تھا اس کا یہ امتحان مقرر کیا گیا جو کہ نہایت مناسب ہے کیونکہ قتال میں ضرورت استقلال وجفاکشی کی ہوتی ہے سو شدت پیاس کے وقت بے منت پانی ملنے پر ضبط کرنا دلیل استقلال کی اور اندھے باؤلوں (پاگلوں) کی طرح جا گرنا دلیل بے استقلالی کی ہے۔ (بیان القرآن)

❷ فی حکمۃ ھذا الابتلاء وجھان خلاصہ یہ ہے کہ اس امتحان کی کیا حکمت تھی اس میں دو قول ہیں پہلا یہ کہ بنی اسرائیل ہمیشہ سے انبیاء علیہم السلام اور اپنے امراء کی نافرمانیاں کرنے کے عادی تھے اور بڑی بڑی علامات

دیکھ کربھی اس سے باز نہیں آتے تھے اس لئے اس عظیم جہادی معرکے سے پہلے انہیں آزمانا ضروری تھا تاکہ اطاعت کرنے والوں اور بھاگ جانے والوں میں جنگ سے پہلے پہلے علیحدگی ہوجائے۔دوسرا قول یہ ہے کہ یہ امتحان بطورتربیت کے تھا کہ مشکلات پر صبر کرنے کی صلاحیت ان میں پیدا ہوجائے۔(تفسیر کبیر)

النھر یہ دریا کونسا تھا؟

❶ انه نهر بین الاردن وفلسطین وهو قول قتاده والربیع یعنی یہ دریا اردن اور فلسطین کے درمیان ہے(تفسیر کبیر)

❷ انه نهر فلسطین یعنی یہ دریائے فلسطین ہے یہ قول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب ہے۔(تفسیر کبیر)

❸ مراد اس سے دریائے اردن ہے(تفسیر ماجدی)

فلیس منی جو پانی پی لے گا وہ میرے ساتھ نہیں جاسکے گا۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما: ان من شرب لم یزده الاعطشا وفی روایة ان الذین شربوا اسودت شفاههم وغلبهم العطش یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جوبھی پانی پیتا تھا اسکی پیاس بڑھتی جاتی تھی اور ایک روایت میں ہے کہ جنہوں نے (حکم نہ مان کر) پانی پیا ان کے ہونٹ سیاہ ہوگئے اور پیاس نے انہیں بے حال اور مغلوب کردیا۔(تفسیر روح المعانی)

الا قلیل منهم ان میں سے تھوڑے سے افراد نے حکم مانا اور پانی نہیں پیا۔

❶ وکانو ثلثمائة وثلاثة عشر عدة اهل بدر علی ما اخرجه البخاری عن البراء رضی اللہ تعالیٰ عنه (روح المعانی)

یہ تین سو تیرہ حضرات تھے اہل بدر کی تعداد اس روایت کے مطابق جو امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بیان کی ہے۔

❷ القلیل الذی لم یشرب قیل انه اربعة آلاف والمشهور وهوقول الحسن انهم کانوا علی عدد اهل بدر ...... الخ یعنی ایک قول یہ ہے کہ انکی تعداد چار ہزار تھی مگر مشہور قول حسن بصری رحمہ اللہ کا ہے کہ انکی تعداد اصحاب بدر جتنی تھی یعنی تین سودس سے کچھ اوپر اور وہ سب ایمان والے تھے اور اس قول کی دلیل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن اپنے صحابہ کرام سے فرمایا آج تمہاری تعداد طالوت کے ان ساتھیوں جتنی ہے جنہوں نے دریا عبور کیا تھا اور ان کے ساتھ صرف ایمان والوں نے ہی دریا عبور کیا تھا حضرت براء بن عازب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم اس (بدر کے) دن تین سو تیرہ مرد تھے۔(تفسیر کبیر)

فدائی حضرات

جب بعض لوگوں نے کہا کہ ہم میں آج جالوت اور اس کے اتنے بڑے لشکر سے لڑنے کی طاقت نہیں ہے تو ان لوگوں نے جنہیں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا یقین تھا پورے لشکر کو جوڑا اور تسلی دی قال الذین یظنون انھم ملاقو اللّٰہ یظنون بمعنیٰ یوقنون ہے کہ ان کو ’’یقین‘‘ تھا (تفسیر کبیر) اور ان المراد من لقاء اللّٰہ الموت. لقاء اللّٰہ سے مراد ’’موت‘‘ ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کیلئے جان دینے کا پکا عزم کر چکے تھے۔ (تفسیر کبیر) پس ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی نصرت اترتی ہے۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں ویحتمل ابقاء الظن علی معناہ والمراد یظنون انھم یستشھدون عما قریب ویلقون اللّٰہ تعالیٰ یعنی یہ بھی ممکن ہے کہ ظن کو اپنے اصل معنیٰ ’’گمان غالب‘‘ پر رکھا جائے اور مراد یہ ہے کہ ان لوگوں کو گمان غالب تھا کہ وہ عنقریب شہید ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ سے جا ملیں گے۔ (روح المعانی)

کم من فئة قلیلة وہ لوگ جن کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ مرنے کے بعد زندہ کرنے پر قادر ہے تو ان کو اس بات کا بھی یقین تھا کہ اس کے لئے کمزوروں کو غالب کر دینا کون سا مشکل کام ہے چنانچہ انہوں نے پورے لشکر کی ہمت بندھائی۔ (مستفاد من روح المعانی)

واللّٰہ مع الصابرین المراد منہ المعیة بالنصر والاحسان یعنی اللہ تعالیٰ اپنی نصرت اور احسان کے ساتھ استقامت دکھانے والوں کے ساتھ ہے۔ (روح المعانی)

اسباق

❶ جہاد کیلئے تربیت اور تیاری ضروری ہے۔

❷ حب دنیا اور نفس پرستی جہاد کے لئے زہر قاتل ہے۔

❸ نفسانی خواہشات کو دبا کر مقصد کی خاطر تکلیف برداشت کرنے والے مجاہدین کامیاب ہوتے ہیں۔

❹ فتح قلت و کثرت سے نہیں اللہ تعالیٰ کی مدد سے ملتی ہے۔

❺ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا شوق یعنی جان قربان کرنے کا جذبہ اور شوقِ شہادت مجاہدین کو بہت طاقتور بنا دیتا ہے۔

❻ امیر لشکر کو چاہیے کہ جنگ سے پہلے چھانٹی کرے اور ان لوگوں کو نکال دے جو عین جنگ کے وقت بددلی پھیلا سکتے ہوں۔ اور کچھ ایسے لوگ مقرر کرے جو سفر جنگ کے دوران اور عین جنگ کے وقت لشکر کا حوصلہ، ہمت اور شوق شہادت بڑھاتے رہیں۔

❼ جب اہل ایمان جہاد کے لئے نکلتے ہیں تو راستے میں بہت سے پرکشش فتنے آتے ہیں، مجاہدین کو چاہیے کہ ان میٹھے دریاؤں میں منہ نہ ماریں اور منزل کی طرف بڑھتے رہیں۔

☆☆☆

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۵۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا

اور جب جالوت اور اس کی فوجوں کے سامنے ہوئے تو کہا اے رب ہمارے ہمارے دلوں میں صبر ڈال دے

وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾

اور ہمارے پاؤں جمائے رکھ اور اس کافر قوم پر ہماری مدد کر

خلاصہ

جب سب کے دل مضبوط ہوگئے اور وہ میدان جہاد میں جالوت اور اس کے لشکر کے سامنے صف آراء ہوئے تو دعاء کرنے لگے اے ہمارے رب ہمارے دلوں پر صبر واستقلال بارش کی طرح برسا اور ہمیں جنگ میں مضبوطی عطاء فرما اور کافروں پر ہمیں غلبہ عطاء فرما۔

تفسیری اقوال

ولما برزوا الجالوت وجنوده اور جب طالوت اور ان کے مجاہدین جالوت اور اسکی فوجوں کے سامنے ہوئے ای ظهروا لقتالهم وتصافوا یعنی جب قتال کے لئے سامنے آئے اور انہوں نے صف بندی کی۔ (جلالین)

المبارزة فی الحروب هی ان یبرز کل واحد منهم لصاحبه وقت القتال یعنی جنگوں میں مبارزہ کا مطلب قتال کے وقت مدمقابل کے سامنے آنا ہے۔ (تفسیر کبیر)

نکتہ

احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ یہ وقت خصوصی طور پر دعاء کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔

دعاء کے تین اجزاء

اس دعاء کے تین اجزاء ہیں، دراصل جنگ میں کامیابی کیلئے ثابت قدمی کی ضرورت ہوتی ہے اور ثابت قدمی حاصل ہوتی ہے ثابت قلبی یعنی دل کی مضبوطی سے اس لئے انہوں نے پہلے دل کی مضبوطی مانگی۔ پھر انہوں نے ثابت قدمی مانگی جس کا معنیٰ ہے مضبوطی اور بہادری سے لڑنے کی توفیق۔ یہ معنیٰ نہیں کہ پاؤں اپنی جگہ سے نہ ہٹیں۔ پھر آخر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت مانگی کیونکہ صرف دل کی مضبوطی اور جنگ میں بہادری سے بھی کام نہیں چلتا، جب تک اللہ تعالیٰ کی نصرت نہ ہو غلبہ نہیں ملتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ سے نصرت اور غلبے کی التجاء کی۔ (المستفاد من التفاسیر)

نکتہ

دل شوقِ شہادت سے لبریز تھے، اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوق نے دل سے ہر کمزوری دور کردی تھی۔ انسان کی کمزوری اس دنیا میں رہنے کا جذبہ ہے اس کمزوری میں بے شمار کمزوریاں چھپی ہوئی ہیں۔
پھر دشمن کے سامنے صف آراء ہوگئے تو یہ وقت دعاء کی قبولیت کا خاص لمحہ ہے۔ پاک اور شائق دل سے قبولیت کی گھڑی میں دعاء نکلی تو فوراً قبول ہوگئی اور اللہ پاک نے فتح عطاء فرمادی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اسباق

❶ مجاہدین کو اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع رکھنا چاہیے

❷ جنگ شروع کرنے سے پہلے دعاء کرنی چاہیے۔

❸ جب دشمن سامنے آئے تو اسکی طاقت سے مرعوب ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی طاقت پر نظر رکھ کر اس کے سامنے آہ وزاری اور دعا کرنی چاہیے۔

❹ جہادی تربیت میں تین باتوں کو مدنظر رکھا جائے:

(الف) ہمت کیسے بلند ہو تاکہ ثابت قلبی نصیب رہے۔ (ب) بہادری کیسے پیدا ہو، تاکہ ثابت قدمی حاصل ہو۔
(ج) ایسی نیت اور ایسے اعمال کا التزام ہو جن سے اللہ تعالیٰ کی نصرت نازل ہوتی ہے۔

☆☆☆

سُورَةُ البَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ — آیت ۲۵۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ۫ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰهُ اللّٰهُ

پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے مومنوں نے جالوت کے لشکروں کو شکست دی اور داؤد نے جالوت کو مار ڈالا اور اللہ تعالیٰ نے

الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۭ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ

سلطنت اور حکمت داؤد کو دی اور جو چاہا اسے کو سکھایا اور اگر اللہ تعالیٰ کا بعض کو بعض کے ذریعے سے دفع

النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ

کرا دیتا نہ ہوتا تو زمین فساد سے پر ہوجاتی لیکن اللہ تعالیٰ

فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾

جہان والوں پر مہربان ہے

خلاصہ

(از حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ)

تین سو تیرہ آدمیوں میں حضرت داؤد علیہ السلام کے والد اور یہ (یعنی خود حضرت داؤد علیہ السلام) اور ان کے چھ بھائی تھے ان کو (یعنی حضرت داؤد علیہ اسلام) کو راہ میں تین پتھر ملے اور بولے ہم کو اٹھا لے جالوت کو ہم ماریں گے۔ جب مقابلہ ہوا جالوت خود باہر نکلا۔ (اور اس نے) کہا تم سب کو میں (اکیلا) کفایت (کافی) ہوں میرے سامنے آتے جاؤ۔ پیغمبر نے حضرت داؤد علیہ السلام کے والد کو بلایا کہ اپنے بیٹے مجھ کو دکھا اس نے چھ بیٹے دکھائے جو قد آور تھے حضرت داؤد کو نہ دکھایا وہ قد آور نہ تھے اور بکریاں چراتے تھے پیغمبر نے ان کو بلوایا اور پوچھا کہ تو جالوت کو مارے گا؟ انہوں نے کہا (جی ہاں) ماروں گا۔ پھر اس کے سامنے گئے وہ تین پتھر فلاخن میں رکھ کر مارے اس (جالوت) کا ماتھا کھلا تھا اور تمام بدن لوہے میں غرق تھا (پتھر) ماتھے کو لگے اور پیچھے نکل گئے۔ (موضح القرآن)

فائدہ

بعد اس کے طالوت نے اپنی بیٹی ان (یعنی حضرت داؤد علیہ السلام) کو نکاح کر دی۔ بعد طالوت کے یہ بادشاہ ہوئے۔ (موضح القرآن)

فائدہ

نادان لوگ کہتے ہیں لڑائی کرنا نبیوں کا کام نہیں۔ اس قصہ سے معلوم ہوا کہ جہاد ہمیشہ رہا ہے اور اگر جہاد نہ ہو تو مفسد لوگ ملک کو ویران کر دیں۔ (موضح القرآن)

تفسیری اقوال

فھزموھم باذن اللّٰه اہل ایمان نے جالوت اور اس کے لشکر کو اللہ تعالیٰ کے حکم سے شکست دے دی۔

المعنیٰ ان اللّٰہ تعالیٰ استجاب دعاء ھم وافرغ الصبر علیھم وثبت اقدامھم ونصرھم علی القوم الکافرین جالوت وجنودہ وحقق بفضلہ ورحمتہ ظن من قال کم من فئۃ قلیلۃ الخ

یعنی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی دعاء قبول فرمائی اور ان پر صبر و استقامت کی فراوانی فرمائی۔ اور ان کو بہادری اور مضبوطی عطاء فرمائی اور انہیں جالوت اور اس کے عساکر کافروں پر غلبہ عطاء فرمایا اور اس نے اپنے فضل اور اپنی رحمت سے ان لوگوں کے گمان کو سچا فرما دیا جنہوں نے کہا تھا کم من فئۃ الخ (تفسیر کبیر)

وقتل داؤد جالوت اور حضرت داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا۔

❶ قال ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما ان داؤد علیہ السلام کان راعیاً ولہ سبعۃ اخوۃ مع طالوت یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام چرواہے تھے اور ان کے سات بھائی طالوت کے لشکر میں شامل تھے۔ (تفسیر کبیر)

❷ ھو ابن ایشا یعنی ان کے والد کا نام ایشا تھا۔ (القرطبی)

❸ عن وھب بن منبہ قال لما برز طالوت لجالوت الخ وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب طالوت اور جالوت کا آمنا سامنا ہوا تو جالوت نے کہا اسے نکالو جو مجھ سے لڑے۔ اگر اس نے مجھے قتل کر دیا تو میرا ملک تمہارا اور اگر میں نے اسے قتل کر دیا تو تمہارا ملک میرا۔ طالوت کے پاس حضرت داؤد علیہ السلام کو لایا گیا طالوت نے ان سے معاہدہ کیا کہ اگر انہوں نے طالوت کو قتل کر دیا تو وہ اپنی بیٹی کا نکاح ان سے کر دیں گے اور اپنے مال میں انہیں اختیار دے دیں گے۔ پھر طالوت نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اسلحہ پہنانا چاہا تو انہوں نے ناپسند کیا اور فرمایا اگر اللہ تعالیٰ نے اس کے مقابلے میں میری نصرت نہ فرمائی تو یہ اسلحہ میرے کچھ کام نہیں آئے گا۔ پھر حضرت داؤد علیہ السلام اپنا فلاخن اور لاٹھی اور کچھ پتھر لیکر جالوت کے مقابلے پر اترے تو جالوت نے کہا کیا تم مجھ سے لڑو گے؟ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: ہاں جالوت نے کہا تم پر ہلاکت ہو تم تو میرے مقابلے میں یوں فلاخن اور پتھر لیکر نکلے ہو جس طرح کتے کے مقابلے میں نکلا جاتا ہے میں آج تمہارے ٹکڑے کردوں گا اور تمہارا گوشت پرندوں اور درندوں کو کھلا دوں گا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے فرمایا: تم اللہ تعالیٰ کے دشمن کتے سے بھی بدتر ہو (اس کے بعد مقابلہ ہوا اور جالوت حضرت داؤد علیہ السلام کے پتھروں سے مارا گیا) (روح المعانی)

یہ واقعہ اسی طرح کی دیگر اسرائیلی روایات میں بھی کچھ کمی زیادتی کے ساتھ آیا ہے۔

❹ داؤد بن یسی بن عوبید (۱۰۲۴ق م تا ۹۶۳ق م) ایک پیغمبر برحق ہوئے ہیں قرآن مجید میں آپ کا ذکر سولہ مقام پر آیا ہے طالوت کی فوج میں محض ایک نوجوان کی حیثیت سے شامل تھے اس وقت تک نہ نبوت سے سرفراز ہوئے

تھے نہ ملک وسلطنت سے (ماجدی)

واٰتٰـه الله الـملك والـحكمة اور اللہ تعالیٰ نے داؤد کو بادشاہت اور حکمت عطاء فرمائی۔ جامع خلاصہ اس عبارت میں ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نسل اسرائیلی کے دوسرے بادشاہ ہیں تاجدار اوّل طالوت تھے آپ علیہ السلام ان ہی کے داماد تھے طالوت جب مع اپنے بڑے فرزند کے میدان جنگ میں کام آگئے (روح المعانی میں ہے کہ طالوت اپنے دس بیٹوں کے ساتھ جہاد میں نکلے اور لڑتے لڑتے شہید ہوگئے) تو قبیلہ یہودا نے داؤد علیہ السلام کو اپنا بادشاہ منتخب کیا اور دو سال کی کشمکش کے بعد باقی قبیلوں نے بھی آپ ہی پر اتفاق کر لیا سات سال تک آپ نے اپنا پایہ تخت (یعنی دارالحکومت) حبرون (یعنی الخلیل) کو رکھا اس کے بعد یروشلم کو دشمنوں کے قبضہ سے نکال کر اسے دارالسلطنت بنایا۔ آپ نے اپنے گرد وپیش کے حکمرانوں کو مسخر ومغلوب کیا اور اپنے حدود سلطنت کو خوب وسیع کیا آپ کا عہد حکومت تاریخ اسرائیل میں فتوحات اور حسن انتظام دونوں کے لئے یادگار ہے۔ (تفسیر ماجدی)

الحکمة:

حکمت سے مراد نبوت ہے جو حکمت کا بلند ترین مقام ہے۔ (تفسیر ماجدی)

❷ فاجتمع الملك والنبوة فيه یعنی حضرت داؤد علیہ السلام میں بادشاہت اور نبوت دونوں جمع ہوگئیں حالانکہ آپ سے پہلے بنی اسرائیل میں یہ دونوں الگ الگ ہوتی تھیں (تفسیر کبیر)

ولم يجتمع الملك والنبوة لا حد قبله بل كانت النبوة فى سبط والملك فى سبط (روح المعانی)

وعلمه مما يشاء اور اللہ تعالیٰ نے انہیں سکھایا جو کچھ چاہا۔

❶ كصنعة اللبوس ومنطق الطير وكلام الدواب یعنی زرہیں بنانے کا فن، پرندوں کی بولی اور جانوروں کی زبان وغیرہ (روح المعانی)

❷ ففيه وجوه الخ اس میں کئی اقوال ہیں۔ زرہیں وغیرہ بنانا سکھایا جیسا کہ قرآن پاک کی کئی آیات میں ہے۔ پرندوں اور چیونٹیوں کی بولی سکھائی، دنیوی اور حکومتی معاملات کی سمجھ عطاء فرمائی، کیونکہ وہ خاندانی طور پر بادشاہ نہیں چرواہے تھے۔ علم دین سکھایا کیونکہ وہ لوگوں پر حاکم تھے چنانچہ ان کو فیصلے وغیرہ کرنے کا طریقہ سکھانا ضروری تھا۔ خوبصورت آواز دی اور دلکش لہجے سکھائے۔ امام رازی یہ پانچ اقوال ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

ولا يبعد حمل اللفظ على الكل. یعنی ان الفاظ علمه مما يشاء سے یہ تمام معانی مراد لئے جاسکتے ہیں (تفسیر کبیر)

ولو لا دفع اللّٰہ الناس بعضهم ببعض لفسدت الارض اور اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض لوگوں کے ذریعہ دفع نہ کرتا رہتا تو زمین پر فساد برپا ہو جاتا۔

❶ وقال ابن عباس ولولا دفع اللّٰہ العدو بجنود المسلمین لغلب المشرکون فقتلوا المومنین و خربو البلاد والمساجد یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں (آیت کا مطلب یہ ہے کہ) اگر اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لشکروں کے ذریعہ دشمن کو دفع نہ فرماتا رہے تو مشرکین غالب آ کر مسلمانوں کو قتل کر دیں اور ان کے شہروں اور مسجدوں کو تباہ و ویران کر دیں (القرطبی)

❷ ای لولا یدفع عن قوم بآخرین کمادفع عن بنی اسرائیل لمقاتلة طالوت وشجاعة داؤد لهلکوا۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ بعض قوموں سے بعض کو دفع نہ فرماتا رہے جیسا کہ اس نے بنی اسرائیل سے طالوت کے جہاد اور حضرت داؤد کی بہادری کے ذریعہ دشمن کو دفع فرمایا تو لوگ ہلاک ہو جائیں۔ (ابن کثیر)

❸ لفسدت الارض بغلبة المشرکین وقتل المسلمین وتخریب المساجد۔ یعنی اگر (جہاد کا سلسلہ نہ ہو) تو زمین میں فساد برپا ہو جائے وہ اس طرح کہ مشرکین غالب آ جائیں، مسلمان شہید کئے جائیں اور مساجد ویران کر دی جائیں (جلالین)

ثابت ہوا کہ زمین پر کفر و شرک کا اقتدار ہی اصل فساد ہے۔

❹ اس سے معلوم ہو گیا کہ حکم جہاد ہمیشہ سے چلا آ رہا ہے اور اس میں بڑی رحمت اور احسان ہے نادان کہتے ہیں کہ لڑائی نبیوں کا کام نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

❺ دنیا میں اگر لڑائی کا سلسلہ بند ہو جاتا تو تمام کرہ ارضی شر و فساد کا گھر بن جاتا مگر اللہ تعالیٰ کو ابھی اس کا باقی رکھنا منظور ہے اس لئے کفر و ارباب کفر کی باطل پرستارانہ سعی و کوشش کو فنا کرنے کے لئے سرفروشوں کو کھڑا کر دیا جاتا ہے۔ (تفسیر الفرقان)

ولکن اللّٰہ ذوفضل علی العٰلمین لیکن اللہ تعالیٰ تو جہان والوں پر بڑا فضل رکھنے والا ہے۔

❶ یدفع عنهم ببعضهم بعضا کہ وہ بعض کو بعض کے ذریعے دفع کر کے اپنا فضل فرماتا ہے۔ (ابن کثیر)

فائدہ

بنی اسرائیل ہلاکت اور تباہی کے آخری کنارے پر پہنچ چکے تھے اللہ پاک نے جہاد کے ذریعہ دشمن کو شکست دی اور بنی اسرائیل میں نبوت، حکومت، علم اور ترقی کی برکتیں جاری فرما دیں۔ پس جہاد کا یہ سلسلہ زمین کو فساد سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جاری فرما دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ جہاد رحمت ہے فساد نہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے

بندوں پر خاص فضل ہے۔ مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے: رسالہ جہاد رحمت یا فساد۔

نکتہ

ممکن ہے کوئی حیران ہو کہ اتنا طاقتور دشمن اتنی معمولی سی لڑائی سے کیسے ختم ہوگیا؟ جواب یہ ہے کہ جب اہل ایمان ”فدائی جذبہ“ سے سرشار ہوں تو انکی قوت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے اور ان کے حوصلوں کی بلندی کا نفسیاتی اثر مد مقابل پر پڑتا ہے اور اس پر خوف طاری کر دیتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حدیبیہ کے موقع پر اپنے صحابہ کرام سے موت کی بیعت لی اور یہ چھوٹا سا لشکر اللہ تعالیٰ کو جان دینے کے پکے جذبے سے سرشار ہوگیا تو مشرکین مکہ پر رعب طاری ہوگیا اور اپنا علاقہ ہونے کے باوجود وہ مسلمانوں کا کچھ نہ بگاڑ سکے بلکہ صلح پر آمادہ ہوئے۔ فتح مکہ کے موقع پر مسلمانوں کے جذبات اور حوصلے اتنے بلند تھے کہ عرب کے جنگجو مشرک جو لڑائی کے شوقین اور ماہر تھے مقابلے پر اتر ہی نہ سکے، دراصل مسلمانوں کے فدائی جذبے نے مشرکین کے حوصلے ختم کر کے رکھ دیئے تھے۔

یہی صورتحال اس جنگ میں نظر آرہی ہے طالوت کے ساتھ تین سو تیرہ کا یہ لشکر آزمائشوں سے گذر کر کندن بن چکا تھا اور لقاء اللہ یعنی اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے سچے شوق نے انہیں ایسی قوت بنا دیا تھا جس کے مقابلے میں ٹھہرنا تو در کنار دشمنوں کی رہی سہی ہمت نے بھی جواب دے دیا۔ اصل بات یہی ہے کہ جنگ ایمان اور حوصلے سے لڑی جاتی ہے باقی چیزوں کا درجہ ثانوی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

اسباق

1. دشمنوں پر جلدی فتح پانے کے لئے کفر کے سرداروں کو نشانہ بنایا جائے۔
2. جہاد میں آنے والے نوجوانوں کی قدر دانی اور حوصلہ افزائی کی جائے۔
3. جہاد کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل سمجھا جائے۔
4. امیر جہاد اپنے بہادر مجاہدین کو انعامات اور قرب سے نوازے۔

☆☆☆

سورۃ البقرۃ مدنیۃ — آیت ٢٥٢

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٢٥٢﴾

یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں ہم تمہیں ٹھیک طور پر پڑھ کر سناتے ہیں اور بے شک تو ہمارے رسولوں میں سے ہے

خلاصہ

یہ تمام واقعات اللہ تعالیٰ کی محکم آیات میں آپ کو ٹھیک ٹھیک پڑھ کر سنائے جارہے ہیں۔ اور آپ یقیناً اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں سے ہیں۔ (پس آپ کو بھی جہاد کے ذریعہ اسی طرح اپنے طاقتور دشمنوں پر غلبہ ملے گا اور دنیا بھر کے لوگ قرآن پاک کی حقانیت اور آپکی رسالت پر ایمان لائیں گے)۔

تلك آيات الله یہ اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں۔

اشارة الى ماسلف من حديث الالوف وموتهم واحيائهم وتمليك طالوت واظهاره بالاية واهلاك الجبابرة على يد صبي: تلك میں اشارہ ہے ان واقعات کی طرف جو پیچھے گذرے ہیں۔ ہزاروں افراد کا موت سے بچنے کے لئے نکلنا ان کا مرجانا، پھر زندہ کیا جانا، طالوت کا بادشاہ بننا، اسکی بادشاہت کے لئے نشانی کا ظاہر ہونا اور طاقتور دشمن کا بچے کے ہاتھ سے ہلاک ہونا۔ (روح المعانی)

ربط

❶ (اے نبی) آپکی ضروریات پوری کرنے کے لئے یہ قصہ سنایا جاتا ہے آپ کے لئے بھی اسی طرح سلطنت قائم کردی جائے گی جس طرح بنی اسرائیل کے لئے قائم کردی گئی گویا اس آیت میں سلطنت کے عطا ہونے کا وعدہ ہے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

❷ یہ تمام قصہ اس لئے بیان کیا گیا تھا کہ جس طرح بنی اسرائیل نے اپنی حکومت قائم کی ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں پیش گوئی کی گئی ہے کہ آپ کو بھی مخالفین ومعاندین اسلام سے جنگ کرنا پڑے گی انجام کار آپ غالب رہیں گے اور آپ کو امت مسلمہ کے بقاء وقیام کے لئے سلطنت قائم کرنے کی ضرورت محسوس ہوگی، اس لئے آپکی آئندہ ضروریات کو پیش نظر رکھ کر یہ قصہ اس وقت بیان کیا جاتا ہے اور اس قصہ میں ان تمام سیاسی امور کی تعلیم دی گئی ہے جو قیام حکومت میں پیش آئیں گے اور آپ آسانی سے انکی بناء پر تنظیم مملکت کرسکیں گے حضرت داؤد علیہ السلام انبیاء مرسلین میں سے تھے ان کو جہانگیری وجہانداری کے علوم نوازش کئے گئے آپ بھی نبی مرسل ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ان نوازش ہائے گوناگوں سے آپ بھی سرفراز کئے جائیں۔ (تفسیر الفرقان)

نکتہ

غزوۂ بدر میں جہادِ طالوت جیسے واقعات کچھ ہی عرصہ بعد پیش آ گئے۔ کم تعداد اور بے سروسامان مسلمانوں نے مشرکین کے مسلح لشکر کو شکست دی اور ابو جہل جیسا جنگجو بہادر بچوں کے ہاتھوں پچھاڑا گیا (واللہ اعلم بالصواب)

دعاء

یا اللہ ہم مسلمانوں کو اس قصہ سے سبق لیکر متحد ہونے اور جہاد کرنے کی توفیق عطاء فرما ہمیں بھی جہاد کا اہل شرعی امیر عطاء فرما۔ ہمارے بکھرے ہوئے شیرازے کو مجتمع فرما اور ہمیں فتح اور برکات عطاء فرما۔

آمین یا رب المستضعفین

☆☆☆

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ — آیت ۲۶۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ

ان لوگوں کی مثال جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال خرچ کرتے ہیں ایسی ہے کہ جیسے

اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ

ایک دانہ کہ اگائے سات بالیں ہر بال میں سو سو دانے اور اللہ تعالیٰ

يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾

جس کے واسطے چاہے بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا جاننے والا ہے

خلاصہ

❶ جہاد میں مال خرچ کرنا بہت اجر وثواب اور برکت کا ذریعہ ہے۔

❷ جہاد میں خرچ کئے گئے مال کو اللہ تعالیٰ بڑھا دیتا ہے۔اور خوب بڑھا چڑھا کر اس کا اجر عطاء فرماتا ہے۔

ربط

لماقص اللہ سبحانہ مافیہ من البراھین حث علی الجهاد واعلم ان من جاھد بعد ھذا البرھان الذی لایأتی بہ الا نبی فلہ فی جهادہ الثواب العظیم۔

پچھلی آیات میں جب اللہ تعالیٰ نے وہ قصے ذکر فرمائے جن میں دلائل ہیں (مردوں کے دوبارہ زندہ ہونے پر) تو اب ان آیات میں جہاد کی ترغیب دی جو شخص ان دلائل کو جنہیں نبی کے سوا کوئی بیان نہیں کر سکتا سنکر جہاد میں جائے گا تو اسے اپنے جہاد پر ثواب عظیم ملے گا۔ (القرطبی)

یعنی پچھلی آیات میں یہ بیان کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے تو اس کے فوراً بعد جہاد کی ترغیب دی گئی اور اس میں خرچ کرنے کا اجر عظیم بتایا گیا۔تا کہ جہاد کے ذریعے انسان اپنی آئندہ زندگی کو کامیاب بنا سکے اور جہاد میں خرچ کر کے آخرت کی زندگی کے لئے ذخیرہ جمع کر سکے۔اس میں اسطرف بھی اشارہ ہے کہ جہاد میں ظاہری طور پر موت اور ہلاکت نظر آتی ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں زندگی رکھی ہے بے شک زندگی اور موت کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے۔جہاد میں لگایا ہوا مال بظاہر خرچ ہو جاتا ہے مگر حقیقت میں وہ محفوظ ہو جاتا ہے۔

(واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

شانِ نزول

❶ روی ان هذه الاية نزلت فی شان عثمان بن عفان وعبدالرحمن بن عوف وذلك الخ:

روایت یہ ہے کہ یہ آیت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی اور وہ اس طرح کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ تبوک میں تشریف لے جانے لگے تو آپ نے مسلمانوں کو خرچ کرنے کی ترغیب دی حضرت عبدالرحمٰن بن عوف چار ہزار درہم لائے اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس کل آٹھ ہزار تھے چار ہزار میں نے اپنے اور گھر والوں کے لئے رکھ لئے اور چار ہزار اپنے رب کو قرضہ دے رہا ہوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں برکت دے اس میں جو تم نے رکھا ہے اور اس میں جو تم نے دیا ہے۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہر اس مجاہد کا سامان میرے ذمے ہے جس کے پاس سامان نہیں ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی (القرطبی)

❷ وقال مكحول :يعني به الانفاق فی الجهاد من رباط الخيل واعداد السلاح وغير ذلك۔

کہ اس آیت میں وہ مال مراد ہے جو جہاد میں خرچ کیا جائے گھوڑے اور اسلحہ وغیرہ برابر کرنے کے لئے۔ (ابن کثیر)

❸ عن ابن عباس الجهاد والحج يضعف الدرهم فيهما الى سبعما ئة ضعف ولهذاقال تعالىٰ كمثل حبة الآية.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جہاد اور حج میں خرچ کیا ہوا درہم سات سو گنا بڑھ جاتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کمثل حبة (یعنی یہی آیت تلاوت فرمائی) (تفسیر ابن کثیر)

❹ بعض مفسرین نے اس آیت میں فی سبیل اللہ سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت والے ہر کام میں خرچ کرنا مراد لیا ہے اس پر علامہ قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

وسبل الله كثيرة واعظمهاالجهاد لتكون كلمة الله هی العليا یعنی اللہ کے راستے بہت سے ہیں اور ان میں سے سب سے بڑا جہاد ہے جو اس لئے لڑا جائے تا کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو جائے (القرطبی)

واعظمها واعناها الجهاد لاعلاء كلمة الله وقيل المراد بسبيل الله هنا الجهاد خاصة (البحر المحيط)

فائدہ

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں وہ احادیث جمع فرمائی ہیں جن میں جہاد میں خرچ کرنے پر سات

سوگنا اضافے کا بیان ہے۔ان احادیث سے بھی اس بات کی ترجیح معلوم ہوتی ہے کہ آیت کا زیادہ تعلق جہاد ہی کے ساتھ ہے۔(واللہ تعالیٰ اعلم)

فائدہ

مگر قرآن حکیم بتاتا ہے کہ ایک مسلم قانت جہاد فی سبیل اللہ کے لئے دیتا ہے تو وہ سات سو گنا بڑھتا ہے اور اس سے زیادہ کی حد نہیں صحابہ کرام نے اس وعدہ کو دیکھ لیا کہ سینکڑوں خرچ کر کے کروڑوں کے مالک بن گئے (تفسیر الفرقان)

فائدہ

اس آیت کی تفسیر میں علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں وعن معاذ بن جبل رضی الله عنه ان الغزاة المنفقين قد خبأالله تعالىٰ لهم من خزائن رحمتهٖ ماينقطع عنه علم العباد(روح المعانی)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان مجاہدین کے لئے جو جہاد میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں اپنی رحمت کے ایسے خزانے چھپا رکھے ہیں جن کا احاطہ بندوں کا علم نہیں کر سکتا۔

دعاء

یا اللہ آپ نے حضرات صحابہ کرام کو توفیق عطاء فرمائی تو انہوں نے جہاد فی سبیل اللہ میں دل کھول کر مال خرچ کیا اور آپ کو راضی کیا یا اللہ ہمیں بھی بخل اور ناجائز ذخیرہ اندوزی سے بچا کر زیادہ سے زیادہ اپنا مال جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرنے کی توفیق عطاء فرما۔

آمین یاذاالقوۃ المتین

☆☆☆

سورۃ البقرۃ مدنیۃ — آیت ۲۶۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ

جو لوگ اپنے مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد

مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ

نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں انہیں کیلئے اپنے رب کے ہاں ثواب ہے اور ان پر

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾

نہ کوئی ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے

خلاصہ

جولوگ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اخلاص اور خوشدلی سے مال خرچ کرتے ہیں اور خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں اور نہ ایذاء پہنچاتے ہیں وہ اجر وثواب کے مستحق اور خوف اور غم سے محفوظ ہیں۔

شانِ نزول

قیل انها نزلت فی عثما ن بن عفان رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه الخ

روایت ہے کہ یہ آیت حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوہ تبوک کے وقت ایک ہزار دینار لاکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں ڈال دیئے میں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان میں اپنے ہاتھ ڈال کر انہیں الٹتے پلٹتے تھے اور فرماتے تھے۔آج کے بعد ابن عفان کو کوئی عمل نقصان نہیں پہنچا سکتا اے میرے پروردگار آج کے دن کو عثمان کیلئے یاد رکھئے اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں میں نے دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھ اٹھا کر عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے دعاء فرما رہے تھے اور کہہ رہے تھے اے میرے رب میں عثمان سے راضی ہوں آپ ان سے راضی ہوجائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر دعاء کرتے رہے یہاں تک کہ فجر طلوع ہوگئی تو یہ آیت نازل ہوئی الذین ینفقون اموالھم الآیۃ (تفسیر القرطبی)

تفسیر روح المعانی میں بھی حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت اسی آیت کی تفسیر میں بطور شان نزول مذکور ہے۔

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّة — آیت ۲۷۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا

خیرات ان حاجت مندوں کیلئے ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں رکے ہوئے ہیں ملک میں

فِي الْاَرْضِ ۫ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ

چل پھر نہیں سکتے ناواقف ان کے سوال نہ کرنے سے انہیں مالدار سمجھتا ہے تو ان کے چہرے سے

بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ

پہچان سکتا ہے لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے اور جو کام کی چیز تم خرچ کرو گے

فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾

بے شک وہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے

خلاصہ

اور اپنا مال خرچ کرو ان ضرورت مند لوگوں پر جو جہاد وغیرہ میں مشغول ہونے کی وجہ سے مال کمانے کے لئے چل پھر نہیں سکتے۔ چونکہ وہ لوگوں سے نہیں مانگتے اس لئے انجان لوگ انہیں مالدار سمجھتے ہیں۔ اے مسلمانو! تم انہیں ان کے چہروں سے پہچان لوگے وہ بھیک مانگتے نہیں پھرتے، اور تم جو کچھ بھی خرچ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔

تفسیری اقوال

❶ وهم اهل الصفة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنهم قاله ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه ومحمد بن كعب القرظي۔ وكانوانحوامن ثلثمائةويزيدون وينقصون من فقراء المهاجرين يسكنون ثقيفةالمسجد يستغرقون اوقاتهم بالتعلم والجهاد وكانو ايخرجون فی كل سرية يبعثها رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ عليه وسلم. یعنی یہ حضرات اہل صفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے، یہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور محمد بن کعب کا قول ہے۔ یہ حضرات فقراء مہاجرین میں سے تین سو کے لگ بھگ تھے انکی تعداد میں کمی زیادتی ہوتی رہتی تھی یہ حضرات مسجد میں چبوترے پر رہتے تھے ان کا سارا وقت علم سیکھنے اور جہاد کرنے میں گزرتا تھا اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے ہر سریہ (جنگی مہم) میں نکلتے تھے (روح المعانی)

حبسوا انفسهم علی الجهاد (جلالين)

❷ وعن سعید بن جبیر ھم قوم اصابتھم الجراحات فی سبیل اللہ تعالیٰ فصاروا زمنیٰ۔ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یہ وہ لوگ تھے جو جہاد میں زخمی ہونے کی وجہ سے معذور ہوگئے تھے (روح المعانی)

❸ حبسوا انفسھم عن التصرف فی معایشھم خوف العدو اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو دشمنوں کے خوف سے روزی وغیرہ نہیں کما سکتے۔ (القرطبی)

❹ وکانوا من المھاجرین الذین یقاتلون مع رسول اللہ غیر مرضی ولا عمیان۔ یہ وہ مہاجرین حضرات تھے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر جہاد کیا کرتے تھے ان کو بیماری یا اندھے پن وغیرہ کا کوئی عذر نہیں تھا (قرطبی) یعنی صحتمند تھے خود کما سکتے تھے مگر جہاد میں مشغولیت کی وجہ سے نہیں کماتے تھے ایسے افراد پر مال خرچ کرنا بہت بڑے اجر و ثواب کا باعث ہے۔

❺ وقال قتادۃ حبسوا انفسھم للغزو و منعھم الفقر من الغزو قتادہ فرماتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو جہاد کے لئے وقف کر دیا اور پھر فقر فاقہ نے انہیں جہاد سے روک دیا (البحر المحیط)

فائدہ

جہاد جیسے اہم اور ضروری کام کو جاری رکھنے کے لئے کچھ افراد خود کو بالکل وقف کر دیں اور باقی مسلمان بن مانگے ان کی دیکھ بھال کریں اور انکی ضروریات کو پورا کرنے میں مال خرچ کریں۔ یوں جہاد کو قوت ملے گی اور مسلمان مضبوط ہونگے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

دعاء

یا اللہ امت مسلمہ پر رحم فرما اور اس میں قرآن پاک کے یہ احکامات زندہ فرما اور جہاد کی قرآنی ترتیب امت مسلمہ میں جاری فرما۔

آمین یا ارحم الراحمین

☆☆☆

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۸۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا

اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت کے سوا تکلیف نہیں دیتا نیکی کا فائدہ بھی اسی کو ہوگا اور برائی کی زد بھی

اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا

اسی پر پڑے گی اے رب ہمارے! اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کریں تو ہمیں نہ پکڑ اے رب ہمارے!

تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا

اور ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر رکھا تھا

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا

اے رب ہمارے! اور ہم سے وہ بوجھ نہ اٹھوا جس کی ہمیں طاقت نہیں اور ہمیں معاف کردے اور ہمیں بخش دے

وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

اور ہم پر رحم کر تو ہی ہمارا کارساز ہے کافروں کے مقابلہ میں تو ہماری مدد کر

خلاصہ

اے ہمارے مولیٰ ہمیں کافروں پر غلبہ عطاء فرمائیے یا اللہ آپ ہی ہمارے یار و مددگار ہیں۔

تفسیری اقوال

❶ ای الاعداء فی الدین المحاربین لنا یعنی ہمیں اپنے دین کے ان دشمنوں پر غلبہ عطاء فرما جو ہم سے جنگ کرتے ہیں (روح المعانی)

❷ فمن حق المولیٰ ان ینصر عبیدہ، یعنی مولیٰ کا حق ہے کہ وہ اپنے غلاموں کی مدد فرمائے (پس آپ مولیٰ ہیں اور ہم غلام آپ ہماری نصرت فرمائیے) (کشاف)

❸ باقامۃ الحجۃ والغلبۃ فی قتالھم فان من شان المولی ان ینصر موالیہ علی الأعداء۔ ہماری نصرت فرمائیے کافروں پر ہماری دلیل کو مضبوط فرما کر اور جہاد میں ان پر غالب فرما کر بے شک مولی کی شان ہے کہ وہ اپنے موالی کو دشمنوں پر غلبہ دیتا ہے (جلالین)

❹ ای اظھرنا علیھم بما تحدث فی قلو بنا من الجرأۃ والقوۃ وفی قلوبھم من الخور والجبن

یعنی ہمیں ان کافروں پر غالب کر دیجئے اس طرح کہ ہمارے دلوں میں جرأت اور قوت ڈال دیجئے اور ان کے دلوں میں کمزوری اور بزدلی ڈال دیجئے۔ (البحر المحیط)

فائدہ

سورۃ بقرہ سنام القرآن ہے اس میں اسلام کے تمام اہم عقائد اور احکامات تفصیل سے بیان فرمائے گئے ہیں۔ اب مسلمانوں کے لئے ان تمام احکامات پر عمل کرنا تبھی پوری طرح ممکن ہے جب انہیں اپنے دشمنوں پر غلبہ نصیب ہو۔ چنانچہ سورت کا اختتام اسی جامع دعاء پر کیا گیا ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

فائدہ

اس سورۃ میں مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کے ظاہری و باطنی انعامات کا تذکرہ ہے اور نعمتوں کے بقاء کی صورت کافروں پر غلبہ ہے ورنہ وہ تو مسلمانوں کو مرتد بنانے پر تلے رہتے ہیں اور کافروں پر غلبہ جہاد کے ذریعہ ہوتا ہے۔ گویا سورۃ کے آخر میں پھر جہاد کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

فائدہ

اس حسن خاتمہ کے قربان جایئے جس میں اسلام کے انتہائی نصب العین اور غایت الغایات کو نہایت ہی واضح اور روشن الفاظ میں بیان کر دیا کہ فرزندان توحید دنیا کی تمام اقوام وملل اور مذاہب وادیان پر حاکم بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ اور شھداء علی الناس اسی صورت میں بن سکتے ہیں جبکہ اس قانون پر عمل کریں جو رسول عربی کی معرفت انہیں نوازش کیا گیا ہے۔ صبر واستقامت، عزم واستقلال اور ولولہ دینی وحب مذہبی اپنے اندر پیدا کریں جہاد فی سبیل اللہ کے لئے ہمیشہ تیار رہیں اور اللہ تعالیٰ سے فتح وکامرانی کی دعاء مانگیں۔ (تفسیر الفرقان)

نکتہ

یہ دعاء سکھا کر یہ بات یاد دلائی جا رہی ہے کہ اس بات کی محنت کرنا کہ دنیا بھر میں اللہ تعالیٰ کا دین اور کلمہ بلند ہو اور کفر وشرک کی طاقت مغلوب ہو جائے یہ مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ ظاہر بات ہے یہ کام آسان نہیں بہت مشکل ہے تو اس کے لئے نصرت مانگنے اور غلبہ پانے کی دعاء سکھلا دی۔ قرآن پاک کی اتنی اہم سورۃ کی آخری آیت میں یہ دعاء یاد کرائی گئی کہ یا اللہ تعالیٰ ہمیں جہاد میں فتح ونصرت عطاء فرما کر کافروں پر غلبہ دیجئے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

دعاء

واعف عنا، واغفرلنا، وارحمنا، انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین۔

آمین یا ارحم الراحمین

۲۶/ ذوالحجہ ۱۴۲۶ھ بمطابق ۲۷/ جنوری ۲۰۰۶ء
یوم الجمعة بعد صلوٰة الظهر۔
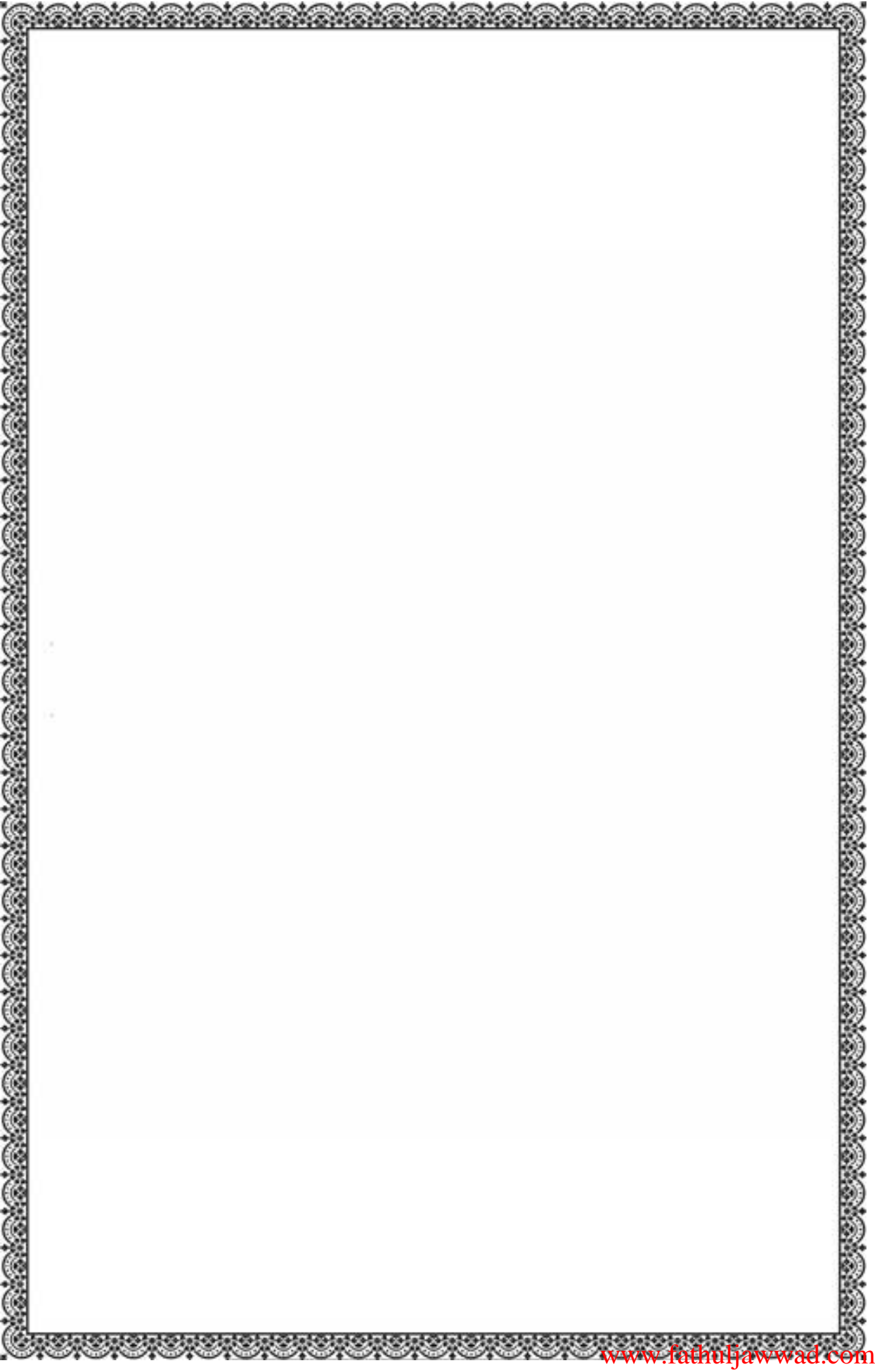
سُوْرَةُ
آلِ عِمْرَان
مَدَنِيَّة

ابتدائیہ

اس تالیف میں ’’سورۃ آل عمران‘‘ کی درج ذیل باسٹھ آیات کے مضامین جہاد کو بیان کیا گیا ہے:

آیت ۱۲

آیت ۱۳

آیت ۲۸

آیات ۱۱۰ تا ۱۱۲

آیات ۱۱۸ تا ۱۲۹

آیات ۱۳۹ تا ۱۷۵

آیات ۱۹۴ تا ۲۰۰

اور درج ذیل اٹھارہ آیات میں مضامین جہاد کی طرف اشارات موجود ہیں:

۱۴ ۱۵ ۱۹ ۲۶ ۲۷ ۵۵ ۵۶ ۸۱

۱۰۰ تا ۱۰۴ ۱۳۰ تا ۱۳۴

واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

باسٹھ آیات میں مضامین جہاد کا خلاصہ

آیت (۱۲)-اسلام کے دشمن کافروں کو بتادیا جائے کہ تم دنیا میں عنقریب مغلوب ہوجاؤ گے اور آخرت میں جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے۔

آیت (۱۳)-فتح کثرت سے نہیں اللہ تعالیٰ کی مدد سے ملتی ہے جیسا کہ غزوۂ بدر میں ہوا، غزوۂ بدر میں بہت رہنمائی ہے۔

آیت (۲۸)-مسلمان کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں، جو کافروں سے یاری رکھے گا اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں۔

آیت (۱۱۰)-یہ امت ''خیر امت'' ہے اس لئے کہ جہاد کرتی ہے۔

آیت (۱۱۱)-مسلمانوں نے اگر ''خیر امت'' ہونے کی شرط پوری کی تو یہود و نصاریٰ ان کے مقابلہ میں نہ ٹھہر سکیں گے۔

آیت (۱۱۲)-یہودیوں پر ذلت اور پستی مسلط کردی گئی ہے۔

آیت (۱۱۸)-اے ایمان والو! کافروں کو اپنا ہمراز اور خصوصی دوست نہ بناؤ۔ وہ ہرگز مسلمانوں کے خیر خواہ نہیں ہیں۔

آیت (۱۱۹)-کافروں سے مسلمانوں کی دوستی ہمیشہ یک طرفہ ہوتی ہے تم تو ان سے یاری کرلیتے ہو مگر وہ کبھی تمہیں دل سے دوست نہیں سمجھتے۔

آیت (۱۲۰)-کافروں کی خوشی اسی میں ہے کہ تمہارا نقصان ہو، ان کے شر سے بچنے کا طریقہ جہاد میں استقامت اور تقویٰ ہے نہ کہ ان سے یاری کرنا۔

آیت (۱۲۱)-غزوۂ احد میں مسلمانوں کی کمان خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ (غزوۂ احد)

آیت (۱۲۲)-انصار مدینہ کے دو قبیلوں کو اللہ تعالیٰ نے بزدلی اور پسپائی سے بچالیا۔

آیت (۱۲۳)-غزوۂ بدر کے دن تم کمزور تھے مگر اللہ تعالیٰ نے نصرت فرمائی تو فتح ملی، اس لئے اللہ تعالیٰ سے معاملہ درست رکھو۔

آیت (۱۲۴)-غزوۂ بدر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مجاہدین کو اللہ تعالیٰ کی مدد کی خوشخبری سنائی۔ یعنی تین ہزار فرشتے۔

آیت (۱۲۵)-پھر پانچ ہزار فرشتوں کی خوشخبری آئی، اگر دشمنوں کو کمک پہنچ گئی۔

آیت (۱۲۶)-فرشتوں کا نزول بطور بشارت تھا اصل تو اللہ تعالیٰ کی غیبی مدد ہے کہ صرف اسی سے غلبہ نصیب

ہوتا ہے۔

آیت (۱۲۷)-یہ سب اس لئے ہے تا کہ کفر اور باطل کا زور ٹوٹ جائے۔

آیت (۱۲۸)-مسلمانوں کے خلاف لڑنے والے "کفار" کی توبہ قبول کرنا یا انہیں عذاب دینا یہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔

آیت (۱۲۹)-تم جہاد کرو اور مخالفین کی توبہ اور عذاب کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دو۔

آیت (۱۳۹)-اگر ایمان محفوظ ہے تو تم ہی غالب ہو۔

آیت (۱۴۰)-غزوۂ احد میں جو کچھ ہوا اس میں بہت حکمتیں تھیں مثلاً ایمان والے ممتاز ہو گئے اور بہت سے افراد کو شہادت نصیب ہو گئی۔

آیت (۱۴۱)-غزوۂ احد میں جو کچھ ہوا اس کا مقصد مسلمانوں کو پاک کرنا اور کافروں کو مٹانا تھا۔

آیت (۱۴۲)-جنت کے اعلیٰ مقامات چاہتے ہو تو جہاد اور صبر کو لازم پکڑو۔

آیت (۱۴۳)-تم تو شہادت کی تمنا رکھتے تھے اب یہ پسپائی کیسی؟

آیت (۱۴۴)-بڑے سے بڑا حادثہ بھی ہو جائے تو دین اور جہاد کو نہ چھوڑو۔

آیت (۱۴۵)-موت کا وقت مقرر ہے۔ جہاد میں جانے یا نہ جانے سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

آیت (۱۴۶)-انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جہاد میں خوب استقامت دکھائی اے خیر امت ان سے سبق لو۔

آیت (۱۴۷)-وہ جنگ کے سخت حالات میں بھی استغفار اور دعاء کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ہی سے جڑے رہے۔

آیت (۱۴۸)-ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا، آخرت کا بدلہ بھی دیا اور اپنی محبت بھی

آیت (۱۴۹)-تم نے اگر دین اور جہاد کے خلاف کافروں کی باتیں مانیں تو بہت نقصان اٹھاؤ گے۔

آیت (۱۵۰)-کافروں کی نہیں اللہ تعالیٰ کی مدد پر بھروسہ رکھو وہ ایمان والوں کا مولیٰ اور بہترین مددگار ہے۔

آیت (۱۵۱)-اللہ تعالیٰ کافروں کے دلوں میں ایمان والوں کا رعب ڈال دیتا ہے۔

آیت (۱۵۲)-غزوۂ احد میں بھی اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنی نصرت کا وعدہ پورا فرمایا مگر پھر تم سے غلطی ہوئی۔ جسکی وجہ سے شکست آئی، اب اللہ پاک نے تمہیں معاف فرما دیا ہے۔

آیت (۱۵۳)-تم پر اس دن غموں کی بوچھاڑ ہوئی تا کہ آئندہ اطاعت رسول میں مضبوط ہو جاؤ۔

آیت (۱۵۴)-احد کے مشکل لمحات میں ایمان والے اونگھ رہے تھے اور سکون پا رہے تھے، جبکہ منافق پریشان تھے اور واویلا کر رہے تھے۔

آیت (۱۵۵)-احد کے دن جن مسلمانوں سے غلطی ہوئی اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا ہے۔

آیت (۱۵۶)-اے مسلمانو! کافروں اور منافقوں جیسی یہ باتیں نہ کرو کہ جہاد میں موت ہے اور فلاں لوگ جہاد میں نہ جاتے تو بچ جاتے۔

آیت (۱۵۷)-جہاد میں شہید ہونا یا مرنا انسان کو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کا مستحق بناتا ہے۔

آیت (۱۵۸)-سب نے اللہ تعالیٰ کے حضور ضرور پیش ہونا ہے۔

آیت (۱۵۹)-آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ آپ اپنے رفقاء کے لئے نرم دل نرم مزاج ہیں احد کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شفقت ان پر قائم رہی۔

آیت (۱۶۰)-اللہ تعالیٰ پر ہی توکل کرو فتح اسی کی نصرت سے مل سکتی ہے۔

آیت (۱۶۱)-نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ''امین'' ہیں اور مال غنیمت میں خیانت بڑا گناہ ہے۔

آیت (۱۶۲)-وہی شخص اسلامی خدمت کرنے کے قابل ہے جو قانون الٰہی پورا کرنے کے لئے اپنے مقاصد کو مؤخر کرسکتا ہو۔

آیت (۱۶۳)-لوگوں کے اللہ تعالیٰ کے یہاں مختلف درجے ہیں۔

آیت (۱۶۴)-جماعت اور مجاہدین کے لئے چار نکاتی نصاب تلاوت، تزکیہ، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت

آیت (۱۶۵)-غزوۂ احد میں جو تکلیف آئی تمہاری اپنی وجہ سے آئی۔

آیت (۱۶۶)-غزوۂ احد میں جو کچھ ہوا وہ مقدر تھا اور ایمان والوں کو ممتاز کرنے کے لئے تھا۔

آیت (۱۶۷)-غزوۂ احد کے دن چھپے ہوئے منافقوں کا بھی پتا چل گیا جب انہیں جہاد کے لئے بلایا گیا تو وہ نہ آئے۔

آیت (۱۶۸)-وہ منافقین دوسروں کو بھی جہاد سے روکتے رہے اور ڈراتے رہے کہ جہاد میں موت ہے ان کو بتایا جائے کہ تم بھی مرجاؤ گے۔

آیت (۱۶۹)-شہداء کو مردہ گمان نہ کرو وہ زندہ ہیں کھاتے پیتے ہیں۔

آیت (۱۷۰)-وہ بہت خوش ہیں اپنی حالت پر بھی اور اپنے پیچھے جہاد کرنے والوں کے مستقبل پر بھی۔

آیت (۱۷۱)-وہ اجر بھی پا رہے ہیں اور مزید نوازشات کے مزے بھی لوٹ رہے ہیں۔

آیت (۱۷۲)-جو حضرات زخمی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مان کر جہاد میں نکلے ان کے لئے اجر عظیم ہے۔(غزوۂ حمراء الاسد)

آیت (۱۷۳)-ان حضرات کو دشمن کی طاقت سے ڈرایا گیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کا سہارا پکڑ لیا اور نہ ڈرے

آیت (۱۷۴)-یہ مجاہدین اللہ تعالیٰ کے فضل اور اسکی نعمتوں سے سرفراز ہو کر صحیح سالم واپس آگئے۔

آیت (۱۷۵)- جو مسلمانوں کو کافروں سے ڈراتا ہے وہ شیطان ہے۔ تم اسکی نہ مانو۔

آیت (۱۹۴)- دشمنوں کے مقابلے میں نصرت اور آخرت میں جنت کی دعاء

آیت (۱۹۵)- دعاء قبول ہوگئی مگر گھر، بار اور جان و مال کی قربانی دینی ہوگی۔

آیت (۱۹۶)- کافروں کی ظاہری ترقی سے مغالطے میں نہ پڑو۔

آیت (۱۹۷)- یہ چند روزہ بہار ہے پھر ان کے لئے جہنم ہے۔

آیت (۱۹۸)- اصل نعمتیں آخرت کی نعمتیں ہیں۔

آیت (۱۹۹)- اہل کتاب کی کامیابی اور فتح کی صفات۔

آیت (۲۰۰)- اے ایمان والو! دین پر پکے رہو، جہاد میں ثابت قدم رہو، دشمنوں کے مقابلہ میں ہر وقت مستعد رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو تو کامیابی ملے گی۔

اٹھارہ آیات میں اشارات جہاد کا خلاصہ

آیت (۱۴)-کافروں کے مغلوب ہونے کی وجہ دنیا کی محبت ہے۔

آیت (۱۵)-مسلمانوں کے غالب ہونے کی وجہ آخرت کی نعمتوں کا شوق ہے۔

آیت (۱۹)-اسلام کے علاوہ کوئی دین مقبول نہیں یہ جہاد کی وجہ ہے۔

آیت (۲۶،۲۷)-مسلمانوں کے لئے غلبے، عزت اور خلافت کی دعاء اور پیشین گوئی۔

آیت (۵۵،۵۶)-کافروں کی مغلوبیت مسلمانوں کا غلبہ۔

آیت (۸۱)-حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کا میثاق۔

آیت (۱۰۰ تا ۱۰۴)-کافر مسلمانوں کو مرتد بنانا چاہتے ہیں مسلمانوں کو اپنا ایمان اور اپنی جماعت مضبوط بنانی چاہئے اور جہاد کرنا چاہئے۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے آیت (۱۰۴) کو مکمل جہادی مضمون قرار دیا ہے ملاحظہ فرمائیں موضح القرآن۔

آیت (۱۳۰ تا ۱۳۴)-سود سے جہاد میں کمزوری آتی ہے اطاعت، تقویٰ اور انفاق فی سبیل اللہ سے مضبوطی آتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دیگر

☆ حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک آیت (۱۰۴ تا ۱۰۹) میں بھی جہادی مضمون ہے۔ ملاحظہ فرمائیں (موضح القرآن)

☆ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے نزدیک آیت (۱۳۷ تا ۱۳۸) کا تعلق جہاد سے ہے ملاحظہ فرمائیں (موضح القرآن اور بیان القرآن)

☆ امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک آیت (۱۷۶) اور ما بعدھا میں بھی جہادی مضمون ہے ملاحظہ فرمائیں (التفسیر الکبیر)

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَ

کافروں کو کہہ دے کہ اب تم مغلوب ہو گے اور جہنم کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے اور

بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾

وہ برا ٹھکانہ ہے

خلاصہ

اسلام دشمن کافروں کو صاف بتادیا جائے کہ بس عنقریب وہ دنیا میں مغلوب ہو جائیں گے۔اور آخرت میں جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے۔اسلام دنیا میں غالب آنے والا ہے اور وہ آخرت میں کامیابی کی ضمانت ہے۔پس اسلام کے مبارک سائے میں پناہ لے لو۔

عجیب پیشین گوئی

''یہ بظاہر ایک امر محال کی پیشین گوئی تھی، اس لئے کہ مسلمانوں کی مدینہ میں بہت ہی تھوڑی جماعت تھی۔اس جماعت کا غلبہ قریش مکہ اور دیگر قبائل عرب پر بھی جو بڑے بہادر اور جنگجو تھے بظاہر محال تھا۔(اور مدینہ منورہ میں یہودیوں کے تین طاقتور قبیلے بھی موجود تھے)اس کے علاوہ جودو سلطنتیں ایسی زبردست، زورآور تھیں کہ جنہوں نے دنیا پر احاطہ کر رکھا تھا ایک ''سلطنت کسریٰ'' جو مجوسی شاہان ایران کی تھی جن کے ماتحت ''ہند'' و ترکستان'' وغیرہ ملک تھے۔اور دوسری ''سلطنتِ قیصر'' عیسائیوں کی تھی جن کا اقتدار تمام یورپ، ایشیائے کوچک، شام اور بعض ممالک افریقہ تک مسلّم تھا۔

ایسے وقت میں آسمانی تائید کے بھروسے پر سب کو بآواز بلند پکار کر کہہ دیا گیا۔ستغلبون کہ تم جلد مغلوب کئے جاؤ گے۔ایک صدی تمام نہ ہونے پائی تھی کہ یہ پیشین گوئی پوری ہوگئی۔اگر یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے برحق ہونے کی منجانب اللہ علامت نہیں تو اور کیا تھا؟'' (محصلہ تفسیر حقانی)

شانِ نزول

❶ عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما ان یھود اھل المدینة قالوا لما ھزم اللّٰہ تعالیٰ المشرکین الخ۔ یعنی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے بدر کے دن مشرکین مکہ کو ہزیمت سے دوچار کیا تو مدینہ کے یہودیوں نے کہا اللہ تعالیٰ کی قسم یہ (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) وہی

امی نبی ہیں جن کی ہمیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بشارت دی تھی اور جن کا تذکرہ ان کی تعریف وصفات کے ساتھ ہم اپنی کتاب میں پاتے ہیں اور یقیناً ان کا جھنڈا ہمیشہ بلند رہے گا۔ یہودی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق واتباع کرنے ہی والے تھے کہ ان میں سے بعض نے کہا ابھی جلد بازی مت کرو۔ یہاں تک کہ کوئی اور واقعہ دیکھ لو۔ پھر جب غزوۂ احد ہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کو اس میں غلبہ نہ ملا تو یہودی پھر شک میں پڑ گئے اور کہنے لگے اللہ تعالیٰ کی قسم یہ وہ نبی نہیں ہیں پس ان پر شقاوت غالب آ گئی اور وہ اسلام نہ لائے اور انہوں نے وہ عہد بھی توڑ دیا جو ان کے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تھا اور کعب بن اشرف (یہودی) ساٹھ سواروں کو لیکر مشرکین مکہ کے پاس گیا اور ابوسفیان وغیرہ سے ملا اور ان کے ساتھ یہ معاہدہ اور اتفاق کیا کہ اب ہم اور تم ایک ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی (اور بتادیا گیا کہ تم سب مغلوب ہو جاؤ گے) (روح المعانی، البحر المحیط)

❷ عن عمرو بن قتادة أن رسول الله صلى الله عليه وسلم لما اصاب من اهل بدر ما أصاب ورجع الى المدينة جمع اليهود في سوق بني قينقاع الخ. یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب غزوۂ بدر میں فتح وغنیمت پائی اور آپ مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ نے بنوقینقاع کے بازار میں یہودیوں کو جمع کیا اور ارشاد فرمایا اے یہودیو! اس سے پہلے کہ اللہ تعالیٰ تم پر بھی قریش مکہ جیسے حالات لائے تم اسلام قبول کر لو پس اس پر یہودیوں نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ بات آپ کو دھوکے میں نہ ڈالے کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے قریش کو شکست دی ہے وہ لوگ جاہل تھے اور جنگ کرنا نہیں جانتے تھے۔ بخدا جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم سے لڑیں گے تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پتا چل جائے گا کہ ہم کیسے جنگجو لوگ ہیں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کبھی ہم جیسوں سے ٹکر نہیں لی تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئی (اور ان کو بتادیا گیا کہ تمہارا وقت بھی قریب ہے) (ابن کثیر)

صاحب روح المعانی نے بھی یہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بیان کی ہے وہ اس روایت کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وقد صدق الله تعالىٰ وعده رسوله صلى الله عليه وسلم فقتل. كما قيل. من بني قريظة في يوم واحد ستمائة جمعهم في سوق بني قينقاع وامر السياف بضرب اعناقهم وامر بحفر حفيرة ورميهم فيها وأجلىٰ بني نضير وفتح خيبر وضرب الجزية عليهم. وهذا من اوضح شواهد النبوة.

بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا وعدہ سچا فرما دیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ کہا جاتا ہے بنی قریظہ کے چھ سو یہودیوں کو ایک دن میں قتل فرمایا اور جلاد کو ان کی گردنیں اڑانے کا حکم دیا۔ اور گڑھا کھدوا کر اس میں ان کو ڈالوا دیا اور بنی نضیر کو جلاوطن کیا اور خیبر فتح فرمایا اور یہودیوں پر جزیہ مقرر کیا۔ اور یہ سب کچھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی برحق ہونے کے واضح ترین شواہد تھے۔ (روح المعانی)

❸ وفی روایة ابی صالح عنه ان الیهود لما فرحوا بما اصاب المسلمین یوم أحد نزلت یعنی ابوصالح حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ مسلمانوں کو احد کے دن جو حالات پہنچے اس پر یہودیوں نے خوشیاں منائیں تو یہ آیت نازل ہوئی کہ (خوشیاں مت مناؤ تمہارا وقت آنے والا ہے) (قرطبی)

❹ وقیل نزلت فی قریش قبل بدر بسنتین فحقق اللہ ذلک ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت غزوۂ بدر سے دو سال پہلے قریش کے بارے میں نازل ہوئی چنانچہ اللہ پاک نے یہ وعدہ (بدر کے دن) پورا فرما دیا (البحر المحیط)

❺ وقیل فی ابی سفیان وقومه جمعوا لرسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بعد بدر فنزلت یعنی ایک قول یہ ہے کہ غزوۂ بدر کے بعد ابوسفیان اور ان کی قوم کے لوگوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تیاری شروع کر دی تو ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (البحر المحیط)

اقوال وحوالے

❶ بہتر ہوگا کہ لفظ کے اطلاق کو عام رکھا جائے اور یہود و مشرکین جو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں مسلمانوں کے ہاتھ خوار و مغلوب ہوئے سب کو آیت کا مصداق یکساں ٹھہرایا جائے۔ (تفسیر ماجدی)

❷ جن لوگوں نے الکتاب (یعنی قرآن) کا معاندانہ مقابلہ کیا ہے تو انہوں نے سرکشی اور جحود کی وہی روش اختیار کی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آل فرعون نے اختیار کی تھی اور وہ وقت دور نہیں جب ان کے لئے بھی وہی ہوگا جو آل فرعون کے لئے ہوا تھا اور دنیا دیکھ لے گی کہ آخر فتحمندی کس کا ساتھ دیتی ہے؟ (ترجمان القرآن)

❸ یعنی وقت آ گیا ہے کہ تم سب کیا یہود کیا نصاریٰ اور کیا مشرکین عنقریب خدائی لشکر کے سامنے مغلوب ہو کر ہتھیار ڈالو گے یہ تو دنیا کی ذلت ہوئی اور آخرت میں جو گرم مکان تیار ہے وہ الگ رہا۔ بعض روایات میں ہے کہ ''بدر'' سے فاتحانہ واپسی کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کو فرمایا کہ تم حق کو قبول کر لو ورنہ جو حال قریش کا ہوا وہ تمہارا ہوگا۔ کہنے لگے اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس دھوکہ میں نہ رہیے کہ تم نے قریش کے چند نا تجربہ کاروں پر فتح حاصل کر لی ہم سے مقابلہ ہوا تو پتہ لگ جائے گا کہ ہم (جنگ آزمودہ سپاہی اور بہادر) آدمی ہیں اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بدر کی فتح دیکھ کر یہود کچھ تصدیق کی طرف مائل ہونے لگے تھے پھر کہا کہ جلدی مت کرو دیکھو کہ آئندہ کیا ہوتا ہے۔ دوسرے سال احد کی عارضی پسپائی دیکھ کر ان کے دل سخت ہو گئے اور حوصلے بڑھ گئے حتیٰ کہ عہد شکنی کر کے مسلمانوں سے لڑائی کا سامان کیا کعب بن اشرف ساٹھ سواروں کے ساتھ مکہ معظمہ جا کر ابوسفیان وغیرہ سرداران قریش سے ملا اور کہا کہ ہم تم ایک ہیں متحدہ محاذ قائم کر کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مقابلہ کرنا چاہیے اس پر یہ آیات نازل ہوئیں (واللہ اعلم) بہرحال تھوڑے ہی دنوں بعد خدا نے دکھلا دیا کہ جزیرۃ العرب میں مشرک کا نام نہ رہا، قریظہ کے بدعہد تلوار کی گھاٹ اتار دیئے گئے، بنی نضیر جلاوطن ہوئے، نجران کے عیسائیوں نے ذلیل ہو کر سالانہ جزیہ دینا قبول کیا اور تقریباً ایک ہزار سال تک دنیا کی بڑی بڑی مغرور و متکبر قومیں مسلمانوں کی بلندی و برتری کا

اعتراف کرتی رہیں۔ فالحمد للہ علی ذلک (تفسیر عثمانی)

❹ یہود و نصاریٰ اور تمام مخالفین اسلام سے کہہ دینا چاہیے کہ تم تعلیمات حقہ کو ترک کر چکے ہو اس لئے تمہاری حکومت باقی نہیں رہ سکتی تم عنقریب مغلوب ہو جاؤ گے اور مسلمانوں کی ماتحتی میں تمہیں زندگی بسر کرنی پڑے گی اور پھر مرنے کے بعد جہنم میں داخل ہونا پڑے گا۔ (تفسیر الفرقان)

فائدہ

اس آیت سے پہلے اور بعد والی آیات میں غور کرنے سے پوری بات اور مکمل ترتیب سمجھ میں آجاتی ہے اور یہ اشکال باقی نہیں رہتا کہ ہمارے زمانہ میں تو کافر مغلوب نہیں غالب ہیں۔ پچھلی آیات میں ذکر ہے کہ قرآن پاک محکم کتاب ہے اور ایمان والوں نے اسے پوری طرح سے قبول کرلیا ہے۔ ان کا عقیدہ بھی اس کتاب کے مطابق بن چکا ہے اور عمل بھی اور وہ اس پر استقامت کی فکر اور دعاء میں لگے رہتے ہیں۔ جبکہ اس کتاب کو نہ ماننے والے کافروں کو بس دنیا کی اور اپنے مال واولاد کی فکر ہے۔ مگر ان کے مال واولاد ان کے کام نہیں آئیں گے جس طرح فرعون والوں کے کام نہ آئے۔ اب قرآنی جماعت کا ان دنیا پرست کافروں سے مقابلہ ہوگا تو ایمان والے غالب آجائیں گے اور کافر مغلوب ہوں گے۔ اس پر سوال ہوا کہ ایمان والے تو کم اور کمزور ہیں جواب دیا گیا کہ غزوۂ بدر کو دیکھ لو اللہ پاک اسی طرح سے ایمان والوں کی مدد فرمائے گا۔ اس پر یہ سوال پیدا ہوا کہ کافر اتنی بڑی تعداد اور اس قدر سامان جنگ کے باوجود کیوں شکست کھاتے ہیں اور مسلمان کیوں فتحیاب ہوتے ہیں تو فرمایا گیا کہ کافر کا مقصد دنیا کی شہوتیں، دنیا کی ترقی اور دنیا کا سامان ہے جبکہ مسلمان آخرت کی کامیابی اور جنت کا طلب گار ہے۔ پس طالب دنیا کبھی بھی طالب آخرت کے سامنے نہیں ٹھہر سکتے۔ سورۃ آل عمران کی آیت (۷) تا آیت (۱۵) کا ترجمہ ایک بار پڑھ لیجئے یہ پورا ربط ان شاء اللہ سمجھ آجائے گا۔ اور غلبے اور شکست کا راز بھی معلوم ہو جائے گا۔ آج اکثر مسلمانوں نے قرآن پاک کو چھوڑ دیا ہے اور مال واولاد اور دنیا کی ترقی اور زیب وزینت کو اپنا مقصود بنالیا ہے اسی لئے وہ غلبے سے محروم ہیں۔ آج بھی مسلمان قرآن پاک کے مطابق عقیدہ اور عمل بنائیں اور دنیا کی محبت دل سے نکالیں پھر دیکھیں کہ اس آیت کا پورا منظر کتنا جلدی سامنے آتا ہے۔ سوچ وفکر اور عمل کافروں جیسا ہوگا تو پھر ذلت نے تو آنا ہے۔ (العیاذ باللہ) کئی حضرات مفسرین نے اسی ربط کی بنا پر اس آیت سے پہلے اور بعد والی آیات کو بھی مضامین جہاد کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

دعاء

یا اللہ ہمیں قرآن پاک کو ماننے اور اپنانے کی توفیق عطاء فرما۔ ہمیں قرآنی جماعت بنا اور اسلام کے دشمن کافروں کو مغلوب فرما۔

(آمین یا اول الاولین)

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ — آیت ۱۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۖ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ

تمہارے سامنے ابھی ایک نمونہ دو فوجوں کا گزر چکا ہے جو آپس میں ملیں ایک فوج اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتی

اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ۖ وَاللّٰهُ

ہے اور دوسری فوج کافروں کی ہے وہ کافر مسلمانوں کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہے تھے آنکھوں کے دیکھنے سے اور اللہ تعالیٰ

يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

جسے چاہے اپنی مدد سے قوت دیتا ہے اس واقعہ میں دیکھنے والوں کیلئے عبرت ہے

خلاصہ

غزوۂ بدر میں عقل والوں کے لئے بڑی نشانی ہے۔ اس دن ایک جماعت خالص اللہ تعالیٰ کے لئے جہاد کر رہی تھی جبکہ اُس جماعت کے مقابلے میں کافروں کا لشکر تھا۔ اس دن اللہ پاک کی نصرت کے عجیب واقعات پیش آئے جن میں سے ایک یہ تھا کہ ہر فریق بالکل کھلی آنکھوں سے اپنے مدّ مقابل کو اپنے سے دوگنا دیکھ رہا تھا۔ بے شک قوت اور غلبہ اسی کو ملتا ہے جسے اللہ تعالیٰ کی مدد حاصل ہو جائے۔ یہ سب کچھ وہی لوگ سمجھتے ہیں جن کے دل کی آنکھیں کھلی ہوں۔

مختصر قصہ

جنگ بدر میں کفار تقریباً ایک ہزار تھے۔ (نوسو پچانوے ۹۹۵ تھے۔ ماجدی) جن کے پاس سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے دوسری طرف مسلمان مجاہدین تین سو سے کچھ اوپر تھے۔ (۳۱۳) جن کے پاس کل ستر اونٹ دو گھوڑے، چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ (اتنی کے پاس تلواریں تھیں باقی لٹھ پتھر لئے ہوئے تھے۔ حقانی) اور تماشہ یہ تھا کہ ہر ایک فریق کو حریف مقابل اپنے سے دوگنا نظر آتا تھا، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کفار کے دل مسلمانوں کی کثرت کا تصور کر کے مرعوب ہوتے تھے۔ اور مسلمان اپنے سے دوگنی تعداد دیکھ کر اور زیادہ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے اور کامل توکل و استقلال سے خدا کے وعدہ ان یکن منکم مائة صابرة یغلبوا مائتین۔ (کہ تم میں سے ایک سو دو سو پر غالب آجائیں گے) پر اعتماد کر کے فتح و نصرت کی امید رکھتے تھے۔ اگر ان کی پوری تعداد جو تگنی (تین گنا) تھی منکشف ہوتی تو ممکن تھا خوف طاری ہو جاتا اور یہ فریقین کا دگنی تعداد دیکھنا بعض احوال میں تھا، ورنہ بعض احوال وہ تھے جب ہر ایک کو دوسرے فریق کی جمعیت کم محسوس ہوئی جیسا کہ سورۃ انفال میں آئے گا۔ بہر حال

ایک قلیل اور بے سروسامان جماعت کو ایسی مضبوط جمعیت کے مقابلہ میں ان پیشین گوئیوں کے موافق جو مکہ میں کی گئی تھیں اس طرح مظفر و منصور کرنا آنکھیں رکھنے والوں کے لئے بہت بڑا عبرتناک واقعہ ہے (تفسیر عثمانی)

کلام برکت

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

یعنی جنگ بدر میں جس کا قصہ سورۃ انفال میں ہے مسلمانوں سے کافر تین برابر تھے پر اللہ تعالیٰ دو ہی برابر دکھاتا تھا کہ خوف نہ کھاویں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی اس سے چاہیے کہ سب کافر عبرت پکڑیں۔ (موضح القرآن)

بشارت مکہ مکرمہ میں مل گئی تھی

مکی سورتوں میں ایک ایسی جنگ کی خبر دی گئی تھی جس میں مسلمان مظفر و منصور (یعنی کامیاب) اور کفار ناکام و خاسر ہیں گے۔ (ارشاد باری تعالیٰ ہے) ام یقولون نحن جمیع منتصرہ سیھزم الجمع ویولون الدبرہ بل الساعۃ موعدھم والساعۃ ادھیٰ وامرo (القمر ۴۴ تا ۴۶)

ترجمہ کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم زبردست جماعت ہیں عنقریب یہ جماعت بھی شکست کھائے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ بلکہ قیامت ان کے وعدے کا وقت ہے اور قیامت زیادہ وحشت ناک اور تلخ تر ہے۔ اس جگہ ساعۃ سے مراد وہی شکست و ہزیمت کی گھڑی بھی ہو سکتی ہے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب میدان بدر میں مسلمانوں کی فتح و نصرت کی دعاء مانگ رہے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اس دعاء کو شرف اجابت بخشا تو آپ یہی آیت تلاوت کرتے ہوئے اپنے خیمہ سے باہر نکلے! سیھزم الجمع ویولون الدبر الخ (تفسیر الفرقان)

تفسیری اقوال

یرونھم مثلیھم رای العین میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں کہ کون کس کو دگنا دیکھ رہا تھا۔ ایک قول تو اوپر بیان ہو چکا چند دیگر اقوال ملاحظہ فرمائیں:

❶ والجمھور من الناس علی ان الفاعل بیرون ھم المومنون والضمیر المتصل ھو للکفار (قرطبی)

یعنی مسلمان کافروں کو اپنے سے دوگنا (یعنی چھ سو کے لگ بھگ) دیکھتے تھے۔

❷ ویحتمل ان یکون الضمیر فی مثلیھم للمسلمین ای ترون ایھا المسلمون المسلمین مثلی ما انتم علیہ من العدد (قرطبی) یعنی مسلمان خود کو اپنی اصل تعداد سے دوگنا دیکھ رہے تھے۔

❸ کافر خود کو مسلمانوں سے کئی گنا زیادہ دیکھ رہے تھے (کھلی آنکھوں سے) (اور وہ حقیقت میں تھے بھی کئی گنا)۔ (بیان القرآن)

❷ کافر مسلمانوں کو اپنے سے کئی گنا دیکھ رہے تھے۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو سدی تابعی رحمہ اللہ کے حوالہ سے اختیار کیا ہے والمراد کما قال السدی تری الفئة الاخیرة الکافرة الفئة الاولیٰ المو منة مثلی عدد الرائین (روح المعانی) فائدہ: مثلین سے مراد دو چند (دوگنا) بھی لی گئی ہے اور سہ چند (تین گنا) بھی اور مطلق کثرت تعداد بھی بغیر کسی عدد خاص کے تعین کے زعم الفراء ان معنیٰ یرو نھم مثلیھم ثلاثة امثالھم (بحر) المراد بالمثلین مطلق الکثرة لا خصوص المثلین (جمل، تفسیر ماجدی)

فائدہ

جنگ کے دوران حالات اور کیفیات بدلتی رہتی ہیں، اس لئے مختلف اوقات میں مختلف طرح کی نصرت درکار ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ حسب حال ایمان والوں کی نصرت فرماتا ہے اس لئے تمام توجیہات ممکن ہیں۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

نکتہ

اگر ایمان سلامت ہو اور اللہ تعالیٰ کی نصرت پر نظر ہو تو مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی نصرت سے کفار کی طاقت ہمیشہ کم نظر آتی ہے، چنانچہ وہ بے خوف ہو کر مقابلے میں کود پڑتے ہیں اس آیت میں یہ سبق بھی سکھایا گیا ہے۔ لیکن اگر ایمان سلامت نہ ہو، نیت ٹھیک نہ ہو اور دل میں دنیا کی محبت بھری ہو تو کافروں کی قوت ان کی اصل طاقت سے بھی زیادہ محسوس ہونے لگتی ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

نکتہ

فئة تقاتل فی سبیل اللہ وأخریٰ کافرة ایک جماعت اللہ تعالیٰ کیلئے لڑ رہی تھی اور دوسری کافر تھی۔ یہ جملہ بظاہر عجیب سا لگتا ہے۔ یا یوں کہا جاتا کہ ایک جماعت مسلمان تھی اور دوسری کافر۔ یا یوں کہا جاتا کہ ایک جماعت اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑتی تھی اور دوسری کفر اور شیطان کے راستے پر۔ علامہ ابوحیان اس سوال کا جواب یوں دیتے ہیں۔

فذکر فی الاولیٰ لازم الایمان وھو القتال فی سبیل اللہ وذکر فی الثانیة ملزوم القتال فی سبیل الشیطان وھو الکفر.

یعنی فئة تقاتل فی سبیل اللہ میں وہ چیز ذکر کی گئی ہے جو ایمان کے لوازمات میں سے ہے یعنی قتال فی سبیل اللہ اور دوسرے فریق کے لئے وہ چیز ذکر کی گئی ہے جو قتال فی سبیل الشیطان کا ملزوم ہے یعنی کفر۔ (البحر المحیط)

فائدہ

غزوۂ بدر کے واقعات کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے بار بار بیان فرمایا ہے اور اس واقعہ کو مسلمانوں کی کامیابی کے لئے بطور مثال اور نمونہ کے پیش فرمایا ہے۔ پس جب بھی مسلمانوں کا ایمان جاگے اور وہ آسمانی نصرت کو ساتھ لیکر فتح پانے کے خواہشمند ہوں تو انہیں چاہیے کہ وہ غزوۂ بدر سے پوری پوری رہنمائی لیں۔

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

(واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

''ان تمام دلائل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ اس آیت میں جنگ بدر کا ذکر ہے پس جوار باب بصیرت، قوموں کی ترقی وتنزل، عروج وزوال اور علو وتسفل (بلندی اور پستی) کے اسباب وعلل (یعنی وجوہات) میں غور کیا کرتے ہیں، ان کے لئے یہی غزوۂ بدر عبرتوں اور بصیرتوں کی صدہا (سینکڑوں) راہیں کھول دیتا ہے کہ وہ ان بصائر وحِکَم کو آویزۂ گوش بنائیں (یعنی خوب سنیں اور سمجھیں) (تفسیر الفرقان)

دعاء

یا اللہ ہم امت مسلمہ کو مناظر بدر بار بار دکھا اور ہم سب مسلمانوں کو اپنی مدد اور غیبی نصرت کا اہل بنا۔

(آمین یا آخر الآخرین)

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۲۸

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ

مسلمان مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بنائیں

وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَلَیْسَ مِنَ اللّٰہِ فِیْ شَیْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا

اور جو کوئی یہ کام کرے اسے اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں مگر اس صورت میں کہ تم

مِنْھُمْ تُقٰىۃً ط وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ ط وَاِلَی اللّٰہِ الْمَصِیْرُ ﴿۲۸﴾

ان سے بچاؤ کرنا چاہو اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے

خلاصہ

مسلمان اپنے مسلمان بھائیوں کو چھوڑ کر کافروں کو یار نہ بنائیں۔ اگر انہوں نے یہ ظلم کیا تو وہ اللہ تعالیٰ کی محبت، نصرت اور تعلق سے محروم ہوجائیں گے۔ ہاں بعض مقامات اور بعض حالات میں ظاہری خوش خلقی کے ذریعے اپنا دفاع جائز ہے۔ جبکہ بہت بڑے نقصان کا اندیشہ ہو۔ اے کافروں سے یاری کرنے والو! تم سب نے واپس لوٹ کر تو اللہ تعالیٰ کی طرف ہی جانا ہے۔ پس صرف اسی سے ڈرو اور اسی سے جوڑو۔

تفسیری اقوال

❶ چونکہ اب فیصلہ کا وقت آگیا ہے اس لئے پیروان اسلام سے خطاب (ہے) کہ راہ عمل میں سرگرم ہوجائیں اور کمزوری نہ دکھائیں۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اپنے شخصی علاقوں (یعنی تعلقات) کو جماعتی علاقوں (یعنی تعلقات) پر ترجیح نہ دیں اور دشمنوں کو اپنا مددگار و رفیق نہ بنائیں۔ میدان جنگ گرم ہوچکا ہے۔ دوست اور دشمن کی دو صفیں الگ الگ کھڑی ہوگئی ہیں پس ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ اپنے لئے کوئی ایک صف اختیار کرلے اور جسے اختیار کرلے اسی کا ہو رہے۔ یہ نہ ہو کہ ایک میں ہو کر دوسرے سے بھی ساز باز رکھے۔ (ترجمان القرآن)

❷ کفار کے ساتھ تین قسم کے معاملے ہوتے ہیں موالات یعنی دوستی (اور دلی تعلق) مدارات یعنی ظاہری خوش خلقی، ظاہرداری، (ظاہری رواداری) مواسات یعنی احسان و نفع رسانی۔ ان معاملات کی تفصیل یہ ہے کہ موالات (یعنی قلبی محبت اور دوستی) تو کسی حال میں جائز نہیں اور آیت لا تتخذوا الیھود والنصاریٰ اولیاء بعضھم اولیاء بعض ومن یتولھم منکم فانہ منھم (یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو تم میں سے انہیں دوست بنائے گا وہ ان ہی میں سے ہوگا)

اور آیت لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء (نہ بناؤ میرے اور اپنے دشمنوں کو یار) میں یہی مراد ہے۔
اور مدارات (یعنی ظاہرداری اور ظاہری خوش خلقی) تین حالتوں میں درست ہے۔(۱) ایک دفع ضرر کے واسطے (یعنی جب کافر طاقتور اور مسلمان کمزور ہوں اور مسلمانوں کو ان سے بڑے نقصان کا خطرہ ہو تو ظاہری خوش خلقی سے اپنا دفاع جائز ہے)۔(۲) اس کافر کی مصلحت دینی یعنی توقع ہدایت کے واسطے (یعنی اگر اس کے ایمان لانے کی توقع ہو)۔
(۳) تیسرے اکرامِ ضیف کے لئے یعنی مہمان کے اکرام کے لئے اور مواسات (یعنی احسان اور نفع رسانی) کافروں کے ساتھ جائز ہے اگر وہ حربی نہ ہوں اور اگر وہ حربی کافر ہوں تو ان کے ساتھ جائز نہیں۔ مدارات۔ مذکورہ بالا تین صورتوں میں تو جائز ہے۔ جبکہ درج ذیل صورتوں میں ناجائز ہے۔(۱) ذاتی مصلحت کیلئے۔(۲) مالی نفع حاصل کرنے کے لئے (۳) اپنی عزت اور نام کے لئے۔ اور اگر دینی نقصان کا خوف ہو تو بدرجہ اولیٰ حرام ہے۔
(محصلہ بیان القرآن)

❸ یعنی جب حکومت وسلطنت، جاہ وعزت اور ہر قسم کے تقلّبات وتصرّفات کی زمام اکیلے خداوند قدوس کے ہاتھ میں ہوئی تو مسلمانوں کو جو صحیح معنیٰ میں اس پر یقین رکھتے ہیں۔ شایاں نہیں کہ اپنے اسلامی بھائیوں کی اخوت ودوستی پر اکتفاء نہ کرکے خواہ مخواہ دشمنان خدا کی موالات ومدارات کی طرف قدم بڑھائیں، خدا اور اسکے رسول کے دشمن ان کے دوست کبھی نہیں بن سکتے، جو اس خبط میں پڑے گا سمجھ لو کہ خدا کی محبت وموالات سے اسے کچھ سروکار نہیں۔ ایک مسلمان کی سب امیدیں اور خوف صرف خداوند قدوس رب العزت سے وابستہ ہونے چاہیں اور اس کے اعتماد ووثوق اور محبت ومناصرت کے مستحق وہ ہی لوگ ہیں جو حق تعالیٰ سے اسی قسم کا تعلق رکھتے ہوں ہاں تدبیر وانتظام کے درجے میں کفار کے ضررِ عظیم سے اپنے ضروری بچاؤ کے پہلو اور حفاظت کی صورتیں معقول ومشروع طریقہ پر اختیار کرنا ترک موالات کے حکم سے اسی طرح مستثنیٰ ہیں جیسے سورۃ انفال میں ومن یولھم یومئذ دبرہ سے متحرفا لقتال او متحیز الی فئۃ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ جس طرح وہاں تحرّف وتحیّز کی حالت میں حقیقۃً فرار من الزحف نہیں ہوتا محض صورۃً ہوتا ہے۔ یہاں بھی الا ان تتقوا منھم تقٰۃ کو حقیقتاً موالات نہیں فقط صورت موالات سمجھنا چاہیے جس کو ہم مدارات کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔(تفسیر عثمانی)

فائدہ

یہ مسئلہ بہت اہم اور تفصیل طلب ہے۔ عربی تفاسیر میں اس پر جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا نچوڑ حضرات اکابر کی مذکورہ بالا تین عبارتوں میں تقریباً آ گیا ہے۔ البتہ تفسیر روح المعانی میں کافی تفصیل اس آیت کے ذیل میں موجود ہے۔ اور تفسیر انوار البیان میں نہایت فکر انگیز اور درد بھری ناصحانہ تقریر اس مقام پر مذکور ہے۔ جبکہ تفسیر ابن کثیر میں اس آیت کی مماثل آیات کو جمع کیا گیا ہے اور تفسیر الفرقان میں اس آیت پر بہت مدلل کلام کیا گیا ہے۔ طلبہ علم ان تفاسیر کی

طرف رجوع فرمائیں۔ ان شاء اللہ سورۃ مائدہ کی آیت (۵۱) کی تشریح میں اس مسئلہ کو مزید واضح کیا جائے گا۔

فلیس من اللہ فی شئی جو کافروں سے یاری کرے گا تو اس کا اللہ تعالیٰ سے کوئی تعلق نہیں۔

❶ ای فلیس من حزب اللہ ولا من اولیائہ فی شئی یعنی نہ تو وہ اللہ تعالیٰ کی جماعت میں سے ہے اور نہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں سے۔ (العیاذ باللہ) (قرطبی)

❷ ای من ولایتہ او من دینہ یعنی اس کا اللہ تعالیٰ کی دوستی یا اللہ تعالیٰ کے دین سے کوئی تعلق نہیں (روح المعانی)

❸ یعنی انہ منسلخ من ولایۃ اللہ رأساً یعنی کافروں سے یاری کرنے والے کا سرے سے اللہ تعالیٰ سے تعلق ہی نہیں رہے گا۔ والمحبۃ فی اللہ والبغض فی اللہ باب عظیم وأصل من اصول الایمان کیونکہ اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت رکھنا اور اللہ تعالیٰ کی خاطر بغض رکھنا اسلام کا ایک بنیادی اصول اور بڑا باب ہے۔ (کشاف)

❹ فلیس من دین اللہ فی شئی یعنی اس کا اللہ تعالیٰ کے دین سے کسی قسم کا تعلق نہیں (العیاذ باللہ)۔ (جلالین)

شانِ نزول

معالم التنزیل صفحہ ۲۹۱ ج ۱ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے نقل کیا ہے کہ مذکورہ بالا آیت عبداللہ بن ابي اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی یہ لوگ ظاہر میں مؤمن ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اور دل سے کافر تھے۔ یہودیوں سے اور مشرکوں سے دوستی رکھتے تھے اور ان کو مسلمانوں کی خبریں پہنچاتے تھے اور یہ امید باندھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں یہودی اور مشرکین غلبہ پالیں گے اور فتح یاب ہو جائیں گے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور مؤمنین کو منع فرمادیا کہ ان لوگوں کی طرح عمل نہ کریں اور کافروں کی دوستی سے پرہیز کریں اپنی دوستی صرف مسلمانوں سے رکھیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ چند یہودی بعض انصار سے تعلق رکھتے تھے اور ان کا اندرونی مقصد یہ تھا کہ ان کو دین اسلام سے پھیر دیں بعض صحابہ نے ان انصاریوں کو ان یہودیوں کی دوستی سے منع کیا ان لوگوں نے نہ مانا اور انکے ساتھ گھلنا ملنا جاری رکھا، اللہ جل شانہٗ نے یہ آیت بالا نازل فرمائی اور دشمنان دین کی دوستی سے منع فرمادیا۔ (انوار البیان)

❷ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما انہا نزلت فی عبادۃ بن الصامت الانصاری وکان بدریا نقیباً وکان لہ حلفاء من الیہود فلما خرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوم الاحزاب قال عبادۃ! یا نبی اللہ ان معی خمسمائۃ من الیہود وقد رأیت ان یخرجوا معی فاستظہر بہم علی العدو فانزل اللہ تعالیٰ لا تتخذوا الآیۃ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ یہ آیت حضرت عبادہ بن صامت انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی وہ بدری صحابی اور نقباء میں سے تھے۔ کچھ یہودی ان کے حلیف تھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ احزاب کے لئے نکلے تو حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم میرے ساتھ پانچ سو یہودی ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ وہ بھی میرے ساتھ نکلیں گے میں دشمنوں کے خلاف ان سے تعاون لوں گا اس پر یہ آیت نازل ہوئی (روح المعانی) (اور کافروں کی دوستی سے منع کر دیا گیا۔)

عجیب نکتہ

اس آیت سے پہلی دو آیات ملاحظہ فرمائیں۔ آیت (۲۶) اور آیت (۲۷) ان دونوں آیات میں غور کرنے سے اس آیت کا مفہوم پوری طرح سے دل میں اتر جاتا ہے اور وہ مسلمان کا پکا عقیدہ بن جاتا ہے۔ مفسرین حضرات نے لکھا ہے کہ جب غزوۂ احزاب کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سخت چٹان کو توڑنے کے لئے اس پر ضربیں لگائیں اور اس چٹان میں سے چنگاریاں نکلیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جانثار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو روم وفارس کے فتح ہونے کی بشارت دی۔ اس پر کفار کی طرف سے خوب مذاق اڑایا گیا کہ ان کے پاس کھانے کو کچھ نہیں پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے ہیں اور باتیں روم وفارس کی سلطنت اور خزانوں کی کرتے ہیں۔ قرآن مجید نے ایک دعاء کی صورت میں ان کے طنز واستہزاء کا جواب دیا قل اللھم مالك الملك. الآیة۔ ترجمہ: آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دیجئے اے اللہ! سلطنت کے مالک جسے تو چاہتا ہے سلطنت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے سلطنت چھین لیتا ہے جسے تو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے تو چاہے ذلیل کرتا ہے ہر خیر تیرے ہاتھ میں ہے بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے تو رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے اور جسے تو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ (آل عمران ۲۶،۲۷)

اس آیت کے فوراً بعد کافروں سے یاری کرنے سے منع فرمانے والی آیت ہے کیونکہ مسلمانوں میں سے بعض لوگ کافروں سے یاری اس لئے کرتے ہیں کہ کافروں کے پاس طاقت اور سلطنت ہوتی ہے۔ اور ان کے ساتھ ہاتھ ملانے میں عزت محسوس ہوتی ہے۔ تو پہلے ہی سمجھا دیا کہ حکومت دینا اور چھیننا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ اس لئے یہ سمجھ کر کافروں کے سامنے نہ جھکو کہ اب ان کی طاقت اور حکومت ناقابل تسخیر ہو چکی ہے۔ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ جب چاہے گا ان کو ذلیل و رسوا کر دے گا۔ باقی رہا عزت اور ذلت کا مسئلہ تو وہ بھی کفر کی یاری میں نہیں اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ پھر اگر تمہیں ہر طرف کفر کا اندھیرا ہی اندھیرا چھایا ہوا نظر آئے تو مایوس نہ ہو رات کو ہٹا کر دن لانا اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ آج اگر تم قومی طور پر مردہ نظر آ رہے ہو تو بھی مردوں کو زندہ کر دینا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ باقی دن رات آتے جاتے رہتے ہیں زندگی موت آتی رہتی ہے۔ عروج وزوال ہوتا رہتا ہے۔ ان چیزوں کا یہ مطلب نہیں کہ تم چڑھتے سورج کے پجاری بن جاؤ اور کافروں سے یاریاں کرتے پھرو۔ اللہ پاک سے ڈرو اور اسی سے اپنا

تعلق ہر حال میں مضبوط رکھو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

نکتہ

اس آیت سے پچھلی آیت میں مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ سے سلطنت، عزت اور زندگی کی دعاء مانگی تو اس آیت میں جواب ملا کہ کافروں سے یاری چھوڑ کر اللہ تعالیٰ سے پکی یاری کرلو۔ تمہاری دعاء قبول ہو جائے گی۔

"گذشتہ دعاء کی قبولیت کے لئے ایک شرط بتلائی جاتی ہے کہ ہمارے دشمنوں سے دوستی نہ رکھو کیونکہ دشمن کا دوست دشمن ہوتا ہے۔ (ویحذرکم الله نفسه) جس قدر تمہیں ملاپ کی ضرورت ہے اس سے اگر ایک ذرہ برابر آگے بڑھے تو خدا تعالیٰ حساب لے گا۔ جس طرح کہ زندگی بچانے کیلئے مردار کھانے کی بقدر ضرورت اجازت مل سکتی ہے۔ اور پیٹ بھرنا حرام ہے بعینہ یہی حال کفار کی دوستی کا ہے، کفار کی دوستی کیلئے اگر تم نمائشی بہانے بنالو تو اللہ تعالیٰ تمہارے دل کی باتوں کو جاننے والا ہے۔" (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

دعاء

یا غفور یا غفار یا تواب یا مالك الملك یا محیی یا ممیت! امت مسلمہ کو زمین پر قرار و تمکین عطاء فرما۔ یا معزّ یا مذلّ! امت کو عزت سے سرفراز فرما یا ولیُّ! ہم سب مسلمانوں کو صرف اپنا ولی بنا اور کافروں سے یاری کے بارے میں جو عظیم کوتاہی اجتماعی طور پر امت مسلمہ سے ہو رہی ہے وہ معاف فرما۔ اور اس سے ہم سب کی حفاظت فرما۔ (آمین یاذ القوۃ المتین)

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ

تم سب امتوں میں سے بہتر ہو جو لوگوں کیلئے بھیجی گئیں اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور

تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ

برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو اور اگر اہل کتاب

الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

ایمان لے آتے تو ان کیلئے بہتر تھا کچھ ان میں سے ایمان دار ہیں اور اکثر ان میں سے نافرمان ہیں

خلاصہ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تمام امتوں سے افضل ہے اس کا کام یہ ہے کہ یہ خیر کو نافذ کرتی ہے اور برائی کو توڑتی ہے۔ سب سے بڑی خیر "اسلام" ہے اور سب سے بڑی برائی "کفر" ہے۔ اور اس امت کا ایمان مقبول ایمان ہے۔ اگر اہل کتاب بھی ایسا ہی ایمان لاتے تو ان کے لئے بہتر ہوتا۔ ان میں سے کچھ ایمان لا چکے ہیں مگر اکثر کفر پر اڑے ہوئے ہیں۔

تفسیری اقوال

❶ وقال ابوهريرة رضى الله تعالىٰ عنه نحن خيرالناس للناس نسوقهم بالسلاسل الى الاسلام.

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم بہترین لوگ ہیں سب لوگوں کے لئے کیونکہ ہم انہیں زنجیروں میں باندھ کر اسلام کی طرف لاتے ہیں۔ (القرطبی)

(یعنی بہترین اور افضل امت ہونے کی وجہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ اس قول کی تشریح آگے آ رہی ہے)

❷ روى عن ابن عباس انه قال فى تفسير هذه الاية قوله كنتم خيرامة اخرجت للناس تامرونهم ان يشهدوا ان لا اله الاالله ويقروا بما انزل الله وتقاتلونهم عليه ولا اله الاالله اعظم المعروف والتكذيب هوا نكر المنكر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں كنتم خيرامة اخرجت للناس تم بہترین امت ہو جس کو لوگوں کے لئے نکالا گیا ہے تم لوگوں کو حکم دیتے ہو کہ وہ لا الہ الا اللہ کی گواہی دیں اور جو کچھ اللہ پاک نے نازل فرمایا ہے اس کا اقرار کریں اور تم اس

دعوت پر لوگوں (یعنی منکروں) سے قتال کرتے ہو لا الــــہ الا اللہ سب سے بڑا معروف (یعنی سب سے بڑی نیکی ہے) اور اس کا انکار سب سے بڑا منکر ہے (تفسیر کبیر)

یعنی اس امت کے خیر امت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ امت ساری دنیا کو ایمان کی دعوت دیتی ہے اور قبول نہ کرنے والوں سے قتال کرتی ہے یوں اسکی دعوت کو کوئی روک نہیں سکتا اور یہ دعوت پورے عالم کو گھیر لیتی ہے۔

③ وأخرج ابن المنذر وغيره عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنهما فی الاية أن المعنیٰ تامرونهم ان يشهدوا ان لا اله الا الله ويقروا بما انزل الله تعالیٰ وتقاتلونهم عليه ولااله الاالله هو اعظم المعروف وتنهونهم عن المنكر والمنكر هو التكذيب وهوانكر المنكر۔ (ترجمہ گذر چکا ہے) (روح المعانی)

④ وقال ابن عباس رضی الله تعالیٰ عنهما هم الذين هاجروا من مكة الى المدينة وشهدوا بدر اوالحديبية وقال عمر بن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه من فعل فعلهم كان مثلهم.

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ (خیر امت) وہ لوگ ہیں جنہوں نے مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور غزوہ بدر اور حدیبیہ میں شریک ہوئے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو بھی ان جیسا کام کرے گا (یعنی ہجرت و جہاد) وہ بھی ان جیسا ہوگا۔ (یعنی بہترین امت) (القرطبی)

⑤ اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر میں جو زیادہ اہتمام کی قید نکال دی ہے (یعنی لگا دی ہے) مراد اس سے امر و نہی بالید (یعنی ہاتھ اور قوت سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر) ہے جو اعلیٰ درجہ اس کا ہے یہ درجہ اس امت میں اور امم سے دو وجہ سے زیادہ ہے اولاً جہاد کا مشروع ہونا جس سے دفع کفر و دفع فساد مقصود ہے ثانیاً بوجہ عموم دعوت محمد یہ اس کا سب اقوام کے لئے عام ہونا جیسا للناس میں عام کا لفظ نکال (یعنی لگا) دیا گیا ہے۔ بخلاف شرائع سابقہ کے کہ بعض میں جہاد نہ تھا اور بعض میں بوجہ خصوصی بعثت انبیاء سابقین کے سب اقوام کیلئے عام نہ تھا۔ (بیان القرآن)

یعنی افضل امت ہونے کی دو وجوہات ہیں (الف) جہاد اور (ب) دعوت کا پورے عالم میں عام ہونا۔ پھر پورے عالم میں دعوت کا پہنچنا بغیر جہاد کے ممکن نہیں کیونکہ منکرین رکاوٹیں ڈالیں گے ان رکاوٹوں کو جہاد ہی کے ذریعے دور کیا جائے گا۔

---

⑥ عن ابی حازم عن ابی هريرة كنتم خيرامة أخرجت للناس قال تجرون النا س بالسلاسل الى الاسلام حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ تم بہترین امت ہو جسے لوگوں کیلئے نکالا گیا ہے کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگوں کو زنجیروں کے ذریعے اسلام کی طرف کھینچ لاتے ہو (قرطبی)

یعنی جہاد کے ذریعے اسلام کی طرف لوگوں کو لاتے ہو۔ اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں کہ تم کسی کی گردن پر تلوار رکھ کر

اسے مسلمان بناتے ہو۔ کیونکہ زبردستی اسلام قبول کرنے والا جس نے دل سے اسلام کو نہ مانا ہو مسلمان ہو ہی نہیں سکتا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ تم جہاد کے ذریعے کفر کی طاقت کو توڑ دیتے ہو اور اسلام کو غالب کر کے اس کا عادلانہ، منصفانہ نظام نافذ کرتے ہو تب لوگ جوق در جوق مسلمان ہوتے ہیں۔ اسی طرح مسلمانوں کی جانبازی اور سرفروشی دیکھ کر بھی بہت سے کافر اسلام قبول کر لیتے ہیں۔ اور جب دنیا میں کفر کی طاقت اور شوکت ٹوٹ جاتی ہے اور کفر ذلت کی علامت بن جاتا ہے تو لوگ بہت جلدی اسے چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ کفر "غیر فطری" چیز ہے لوگ حکومت، طاقت اور غفلت کی وجہ سے اس کے ساتھ چپکے رہتے ہیں۔ جہاد کے ذریعے جب کفر کی طاقت اور شان و شوکت ختم ہو جاتی ہے تو لوگوں کو اپنے "فطری دین" یعنی اسلام کی طرف آنے میں دیر نہیں لگتی۔ یہ ہے خلاصہ زنجیروں کے ذریعے اسلام کی طرف کھینچنے کا (واللہ اعلم بالصواب)

ایک اشکال کا جواب

اشکال

من ای وجه یقتضی الامر بالمعروف والنهی عن المنکر والایمان بالله کو ن هذه الامة خیر الامم مع أن هذه الصفات کانت حاصلة فی سائر الامم.

یعنی کیا وجہ ہے کہ "امر بالمعروف، نہی عن المنکر" اور "اللہ پر ایمان لانے" کو اس امت کی افضلیت کا سبب قرار دیا گیا ہے حالانکہ یہ تینوں صفات تو تمام امتوں کو حاصل تھیں (تفسیر کبیر)

یعنی سابقہ امتوں کے لوگ بھی ایمان لاتے تھے اور ان میں سے اچھے لوگ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی کرتے تھے جیسا کہ خود قرآن پاک کی کئی آیات سے ثابت ہوتا ہے تو پھر یہ امت دوسری تمام امتوں سے کس طرح افضل ہو گئی؟

جواب

قال القفال رحمه الله تفضیلهم علی الامم الذین کانو اقبلهم انما حصل لاجل انهم یامرون بالمعروف وینهون من المنکر بآکد الوجوه وهو القتال لان الامر بالمعروف قد یکون بالقلب وباللسان وبالید واقواهاما یکون بالقتال.

یعنی امام قفال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس امت کی فضیلت باقی امتوں پر اس وجہ سے ہے کہ یہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے سب سے (مضبوط اور) تاکیدی طریقے پر عمل کرتی ہے اور یہ تاکیدی طریقہ "قتال فی سبیل اللہ" ہے۔ اس لئے کہ امر بالمعروف کبھی دل سے ہوتا ہے، کبھی زبان سے اور کبھی ہاتھ سے اور سب سے زیادہ مضبوط اور قوی امر بالمعروف قتال کے ذریعے ہوتا ہے۔

لانه القاء النفس فی خطر القتل اس لئے کہ اس میں اپنی جان کو خطرے میں ڈالا جاتا ہے۔ واعرف

المعروفات الدين الحق والايمان بالتوحيد والنبوة وانكر المنكرات الكفر بالله اور سب نیکیوں میں بڑی نیکی دین حق اور توحید ورسالت پر ایمان لانا ہے اور سب سے بڑا منکر کفر ہے فكان الجهاد في الدين محملا لاعظم المضارات لغرض ايصال الغير الى اعظم المنافع وتخليصه من اعظم المضار پس دین کی خاطر جہاد کرنا دوسروں تک سب سے بڑا نفع (اسلام) پہنچانے اور انہیں سب سے بڑے نقصان (کفر) سے بچانے کے لئے اپنے آپ کو بہت بڑے نقصان (یعنی قتل) کے لئے پیش کرنا ہے۔ فوجب ان يكون الجهاد اعظم العبادات پس یہ بات لازم ہوئی کہ جہاد سب سے اونچی اور بڑی عبادت ہے۔

(اب سوال یہ ہوا کہ پہلی امتوں میں بھی تو جہاد موجود تھا تو اس کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں)

ولما كان امر الجهاد في شرعنا اقوىٰ منه في سائر الشرائع لاجرم صار ذلك موجبا لفضل هذه الامة على سائر الامم.

یعنی جہاد ہماری شریعت میں باقی تمام شریعتوں سے زیادہ مضبوط (اور اہمیت کا حامل) ہے تو بلاشبہ جہاد ہی اس امت کی باقی تمام امتوں پر افضلیت کا سبب ہے۔ اس کے بعد انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ روایت ذکر کی ہے جو پہلے مذکور ہو چکی ہے۔ (التفسیر الکبیر)

یعنی سابقہ امتوں میں بھی جہاد تھا مگر جس شان اور اہمیت کا جہاد اس امت کے ذمہ ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا ہے ویسا کسی امت میں نہیں تھا۔ چنانچہ اس امت کے افراد ساری دنیا تک خیر یعنی اسلام پہنچانے کے لئے اپنی جانیں قربان کرتے ہیں اس لئے یہ امت خیر امۃ (سب سے افضل امت) ہے۔

کلام برکت

حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ جیسے امام تفسیر کے نزدیک صرف اسی آیت کا تعلق ''مضمون جہاد'' سے نہیں ہے بلکہ ان کے ہاں یہ ''مضمون جہاد'' آیت (۱۰۴) سے شروع ہو جاتا ہے اور بہت دور تک چلتا رہتا ہے۔ چنانچہ آیت (۱۰۴) میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے ولتكن منكم امة الاية ترجمہ: اور چاہیے کہ تم میں سے ایک جماعت ایسی ہو جو نیک کام کی طرف بلاتی رہے اور اچھے کاموں کا حکم کرتی رہے اور برے کاموں سے روکتی رہے اور وہی لوگ نجات پانے والے ہیں (آل عمران ۱۰۴)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ اسکی تفسیر میں لکھتے ہیں ''معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں فرض ہے ایک جماعت قائم رہے جہاد کرنے کو اور دین کا تقید رکھنے کو تا (کہ) خلاف دین کوئی نہ کرے اور جو اس کام پر قائم ہوں (یعنی جہاد پر) وہی کامیاب ہیں اور یہ (نظریہ رکھنا) کہ کوئی کسی سے تعرض نہ کرے (یعنی ہر کوئی اپنے اپنے دین پر رہے) موسیٰ بدین خود، عیسیٰ بدین خود (یعنی موسیٰ اپنے دین پر اور عیسیٰ اپنے دین پر رہے اور کوئی کسی کو نہ دعوت دے نہ اسلام کی خاطر جہاد کرے) یہ راہ مسلمانی کی نہیں۔ (یعنی یہ اسلامی نظریہ اور طرز عمل نہیں ہے) (تفسیر موضح القرآن) اس کے بعد

آیت (۱۰۸) میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

تلك آيات الله نتلو ها عليك بالحق وما الله يريد ظلماللعالمين (آل عمران ۱۰۸)

ترجمہ:

یہ اللہ پاک کی آیات ہیں ہم آپ کو ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنا نہیں چاہتا جہان والوں پر۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں ”یعنی جہاد اور امر بالمعروف کا جو حکم فرمایا یہ ظلم نہیں خلق (مخلوق) پر (بلکہ) ان کی تربیت ہے (موضح القرآن) اس کے بعد آیت (۱۰۹) میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولله مافي السموت وما في الارض والى الله ترجع الامور. (آل عمران ۱۰۹)

اور جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور سب کام اللہ تعالیٰ ہی کی طرف پھیرے جاتے ہیں۔

اس آیت کی تفسیر میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں ”یعنی جہاد میں خلق (یعنی مخلوق) کی جان و مال تلف (ختم) ہو تو مالک (یعنی اللہ تعالیٰ) کے حکم سے ہے، سب چیز مال اللہ تعالیٰ کا ہے۔ (موضح القرآن)

پھر آیت (۱۱۰) جس کی یہاں تفسیر چل رہی ہے کے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔ یعنی یہ امت ہر امت سے بہتر ہے اسی دو صفت میں (پہلی) امر معروف یعنی جہاد اور (دوسری) ایمان یعنی توحید کا تقید۔ (یہ دونوں صفتیں) اس قدر (کسی) اور دین میں نہیں (موضح القرآن)

نکتہ

آیت مبارکہ میں امر اور نہی کا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے یہ اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ امت قوت اور سلطنت حاصل کرے اور اسے زمین پر تمکین نصیب ہو تا کہ یہ امر یعنی حکم کر سکے۔ اگر مسلمان مغلوب ہونگے تو حکم کیسے دے سکیں گے؟ والامر هو قول القائل لغيره على سبيل الاستعلاء افعل (واللہ اعلم بالصواب)

نکتہ

اللہ پاک کا ہر حکم خیر ہے اور اللہ پاک کی ہر نافرمانی منکر ہے خیر امت وہی ہو سکتی ہے جو خیر کو پوری دنیا تک پہنچائے اور منکر کی پوری دنیا میں کمر توڑے۔ جب یہ امت خیر کو لیکر آگے بڑھے گی تو منکر کے محافظ اس کو روکیں گے۔ اگر امت رک جائے تو دین کی دعوت بند اور کچھ علاقوں تک محدود ہو جائے گی۔ اور اگر آگے بڑھے تو سوائے جنگ کے کوئی چارہ نہیں۔ پس بغیر جہاد اور قوت کے خیر اور نفع کو کس طرح سے پورے عالم تک پہنچایا جا سکتا ہے؟ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

”آیت کے اس جزو میں امت اسلامی کی اعتقادی، اخلاقی اور عملی زندگی کے کامل و مکمل ہونے کا پورا نقشہ آگیا

مطلب یہ ہوا کہ اے مسلمانو! تم اپنی ذمہ داری پوری طرح محسوس کرو، تم توحید کے امانتدار ہو، زمین پر اللہ تعالیٰ کے نائب اور خلیفہ ہو، بطور اسکی پولیس کے ہو، الٰہی قانون کے نفاذ وتحفظ کے لئے بھیجے گئے ہو، تمہاری زندگی کا مشن ہی یہ ہے کہ حکومت الٰہیہ کو چلاؤ نظام حق کے ایک ایک کل پرزہ کو درست رکھو اور نظام باطل کا زور چلنے ہی نہ دو، ظلم ہوتا اگر (مسلمانوں کی) اس ذمہ دار فعال جماعت کو جدال وقتال کی آزادی کسی حال میں نہ ملتی، بلا اجازت جہاد، بلا اجازتِ اجراء حدود وتعزیرات اس قوم پر ذمہ داریاں ڈال دینے کے معنیٰ یہ ہوتے کہ ہاتھ پیر باندھ کر حکم دریا میں پیرنے (یعنی تیرنے) کا دیا جارہا ہے۔" (تفسیر ماجدی)

فائدہ

امام سرخسی رحمہ اللہ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب مبسوط میں جہاد وسیر کا باب اسی آیت مبارکہ سے شروع کیا ہے، معلوم ہوا کہ اس آیت کا جہاد کے ساتھ بہت مضبوط ربط ہے۔

اخرجت لفظ اخرجت میں جس خروج وظہور کا ذکر ہے اس کا اشارہ بھی جہاد کی طرف ہے (واللہ اعلم بالصواب)

قول عمر رضی اللہ عنہ

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان اکثر مفسرین حضرات نے نقل کیا ہے۔

من سره ان يكون من تلكم الامة فليحقق شرط الله منها جس کا دل چاہے کہ وہ اس (بہترین) امت میں شامل ہو تو اسے چاہیے کہ اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی شرط پوری کرے۔ (جلالین وغیرہ) یعنی آیت میں جو تین صفات بیان ہوئی ہیں ان کو اپنائے۔

ولو امن اهل الكتاب

اگر اہل کتاب ان تین شرطوں کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق پورا کرتے تو وہ بھی بڑی خیر پالیتے مگر ان میں سے بہت تھوڑے لوگ ایمان لائے ہیں جبکہ اکثر نے کفر ونافرمانی کے راستے کو اختیار کیا ہے۔

دعاء

یا اللہ! ہم سب مسلمانوں کو اس بات کی مقبول فکر عطاء فرما کہ پورے عالم میں اسلام پہنچے انسانوں کو کفر سے نجات ملے اور وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار کرکے جنتی بن جائیں۔ یا اللہ ہمیں دعوت وجہاد کی توفیق عطاء فرما اور اسلام کو ایسا غلبہ عطاء فرما کہ لوگ فوج در فوج اسلام میں داخل ہوں۔ آمین یا ارحم الراحمین

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ — آیت ۱۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ قف

وہ زبان سے ستانے کے سوا تمہارا اور کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور اگر تم سے لڑیں گے تو پیٹھ پھیر دیں گے

ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

پھر مدد نہیں دیئے جائیں گے

خلاصہ

اگرچہ اہل کتاب میں سے بہت کم لوگ ایمان لائے ہیں۔ اور اکثر تمہارے مخالف اور دشمن ہیں۔ مگر ان کی یہ اکثریت تمہیں زبانی تکلیف کے علاوہ کوئی زیادہ نقصان نہیں پہنچا سکتی (اور نہ تمہارے دین کو پورے عالم تک پہنچنے سے روک سکتی ہے) اور اگر یہ لوگ زبانی ایذاء اور دھمکیوں سے بڑھ کر تم سے لڑنے کے لئے میدان میں اترے تو یہ شکست کھا کر بھاگ جائیں گے اور کوئی ان کی مدد کو نہیں آئے گا۔

شانِ نزول

قال مقاتل ان رؤوس اليهود : كعب وعدي والنعمان وابو رافع و ابو يا سر وكنانة و ابن صوريا عمدوا الى مؤ منيهم عبد الله بن سلام واصحابه فاذوهم لاسلامهم فانزل الله تعالىٰ لن يضروكم الاية.

یعنی حضرت امام مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہودیوں کے سرداروں نے اپنے ان لوگوں کو ستانا اور تنگ کرنا شروع کر دیا جنہوں نے یہودیت چھوڑ کر اسلام قبول کیا تھا جیسے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے رفقاء تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ یہ لوگ تمہیں زبانی تکلیف سے بڑھ کر اور کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ (القرطبی)

اذیٰ ستانے سے مراد تھوڑا بہت تنگ کرنا ہے صاحب روح المعانی لکھتے ہیں: یعنی الضرر الیسیر یعنی تھوڑا سا ایذاء پہنچا سکتے ہیں۔ قرطبی میں ہے باللسان یعنی زبانی تکلیف پہنچا سکتے ہیں جبکہ بعض مفسرین نے لکھا ہے بقول من طعن فی الدین او تهد يد او نحو ذلك (كشاف) یعنی دین پر اعتراضات کر کے یا دھمکیاں دے کر تمہیں ستا سکتے ہیں۔

تفسیری اقوال

❶ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں وان يقاتلو كم يو لو كم الادبار (یعنی اگر وہ تم سے لڑیں گے تو شکست

کھا کر بھاگیں گے۔) وھکذا وقع فانھم یوم خیبر اذلھم اللّٰہ وارغم انوفھم وکذلك من قبلھم من یھود المدینۃ بنی قینقاع وبنی النضیر کلھم اذلھم اللّٰہ ،وکذلك النصاری بالشام کسرھم الصحابۃ فی غیر ماموطن، وسلبوھم ملك الشام أبد الابدین و دھرا الداھرین، ولا تزال عصابۃ الاسلام قائمۃ بالشام حتی ینزل عیسیٰ ابن مریم وھم کذلك ویحکم بملّۃ الاسلام وشرع محمد علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام فیکسر الصلیب ویقتل الخنزیر ویضع الجزیۃ ولا یقبل الاالاسلام۔

یعنی ایسا ہی ہوا۔ خیبر کے دن اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل ورسوا فرمایا اوران کی ناک مٹی میں ملادی اوراس سے پہلے مدینہ منورہ میں بنی قینقاع اور بنی نضیر سب کواللہ تعالیٰ نے رسوا فرمایا اوریہی حال عیسائیوں کا ملک شام میں ہوا جہاں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم نے انہیں توڑ کر رکھ دیا اوران سے ہمیشہ کے لئے ملک شام کو چھین لیا۔ اب ملک شام میں اسلامی قوت ہمیشہ موجود رہے گی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے اور آپ اسلام اور شریعت محمدی کو نافذ فرمائیں گے اور صلیب کو توڑ دیں گے خنزیروں کو ماردیں گے اور جزیہ ختم کردیں گے کہ اس وقت سوائے اسلام کے اور کچھ قبول نہیں کیا جائے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

❷ ”یعنی اگر اکثر (اہل کتاب) نافرمان ہیں تو ہونے دو تم کو ان کی اکثریت یا مادی سازوسامان سے خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں (اے خیر الامم) خدا کا وعدہ ہے کہ یہ شیطانی لشکر تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا بشرطیکہ تم خود کو خیر الامم ثابت کرو بس یہ اتنا ہی کرسکتے ہیں کہ زبان سے گالی دیں اور نامردوں کی طرح تم کو برا بھلا کہتے پھریں یا کوئی چھوٹی موٹی عارضی تکلیف پہنچائیں، باقی تم پر غالب ومسلط ہو جائیں۔ یا کوئی بڑا قومی نقصان پہنچاسکیں یہ کبھی نہ ہوگا، اگر لڑائی میں تمہارے مقابلہ پر آئے تو پیٹھ دے کر بھاگیں گے اور کسی طرف سے ان کو مدد نہ پہنچے گی جوان کی ہزیمت کو روک سکے یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عہد میں اہل کتاب کا یہی حشر ہوا، اسلام اور مسلمانوں کی تباہی کے لئے انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور خرچ کردیا۔ مگر بال بیکا نہ کرسکے جہاں مقابلہ ہوا حمر مستنفرہ (بدکے ہوئے گدھوں) کی طرح بھاگے ہر موقع پر خدا کی نصرت وامداد خیر الامم کے شامل حال رہی اور دشمن بدحواسی اور بے کسی کی حالت میں مقہور ومخذول ہوکر بھاگے یا قید ہوئے یا رعیت بن کر رہے یا جہنم میں پہنچ گئے فللہ الحمد والمنۃ“ (تفسیر عثمانی)

فائدہ

یہ آیت مبارکہ آج بھی پوری شان کے ساتھ موجود ہے یہود ونصاریٰ مسلمانوں کو زبانی تکلیف پہنچارہے ہیں۔ مگر وہ مسلمانوں کے جہاد سے سخت خوفزدہ ہیں، چنانچہ اسے روکنے کے لئے اسلامی ممالک کے حکمرانوں کو استعمال

کر رہے ہیں۔ آج بھی اگر امت مسلمہ مجموعی طور پر ''خیرامت'' ہونے کا ثبوت دے اور ساری دنیا تک اسلام کی خیر پہنچانے اور اسلام کو نافذ کرنے کی اپنی ذمہ داری محسوس کرے اور ساری دنیا کو ''لاالــــہ الااللّٰہ'' کی وہ دعوت دے جس کے پیچھے جہاد کی قوت ہو تو اس آیت کا منظر آج بھی کھلی آنکھوں سے نظر آجائے گا۔ ہم خیرامت کی شرطیں چھوڑ کر دنیا کو مقصد بنالیں اور پھر قرآن پاک پر انگلی اٹھائیں کہ کافر پیٹھ پھیر کر بھاگ کیوں نہیں رہے تو یہ گمراہی والی بات ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دعاء

یا اللہ ہم سب مسلمانوں کو ''خیر امۃ'' کی شرطیں پوری کرنے کی توفیق اور ہمت عطاء فرما۔ (آمین یا اکرم الاکرمین)

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ — آیت ۱۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ أَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا إِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ

ان پر ذلت لازم کی گئی ہے جہاں وہ پائے جائیں مگر ساتھ اللہ تعالیٰ کی پناہ کے اور

حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ

لوگوں کی پناہ کے اور وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ہوئے اور ان پر پستی لازم

الْمَسْكَنَةُ ۭ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ

کی گئی یہ اس واسطے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کے ساتھ کفر کرتے تھے اور

الْأَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے تھے اور یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے نکل جاتے تھے

خلاصہ

یہودیوں نے انبیاء علیہم السلام کو شہید کیا ہے، ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کو اپنا طریقہ بنایا ہوا ہے۔ یہ لوگ تمام دینی، اخلاقی اور انسانی حدود سے تجاوز کرتے رہتے ہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے پکے منکر ہیں۔ ان کے انہی جرائم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر ذلت، پستی، کم ہمتی کو مسلط کر دیا ہے۔ یہ ذلت سے اسی وقت بچ سکتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آجائیں یا کسی اور طاقتور قوم سے معاہدہ کرلیں۔ یہ لوگ اللہ پاک کے غضب کے مستحق ہیں۔

ضربت علیهم الذلة ان پر ذلت جمادی گئی ہے۔

❶ بے قدری یعنی بے امنی جان کی (بیان القرآن)

❷ هدر النفس والمال والاهل یعنی ان کی جان، مال اور اہل وعیال کے خون کی کوئی قدر و قیمت نہیں (ہر جگہ مارے، لوٹے جاتے ہیں)۔ (روح المعانی)

❸ ذلة التمسك بالباطل واعطاء الجزية. باطل کے ساتھ چمٹے رہنے اور جزیہ (ٹیکس) دے کر جینے کی ذلت۔ (روح المعانی)

❹ ذلت یعنی ان کی جانوں، ان کے مالوں، ان کی عزتوں سب کی بے وقعتی اور ناقدری خلق اللہ کے دل میں پیدا ہوگئی ہے۔ اور تاریخ کی شہادت ہے کہ یہود کی یہ خستہ حالی اور شکستہ پائی نہ صرف زمانہ نزول (یعنی آیت نازل

ہونیکے زمانہ) تک رہی بلکہ اس کے بعد بھی صدہا سال تک اسی طرح قائم رہی این ماثقفوا چنانچہ ابھی بیسویں صدی مسیحی کے ہی ثلث اول تک یہودی جوگت جرمنی میں، ہنگری میں، اٹلی میں، چیکوسلواکیا میں اور دوسرے ملکوں میں باوجود ان کی خوشحالی وزرداری کے بن چکی ہے وہ بجائے خود اس آیت کی ایک تفسیر ہے۔ (تفسیر ماجدی)

❺ ان المراد ان یحاربوا ویقتلوا وتغنم اموالھم وتسبیٰ ذراریھم وتملك اراضیھم یعنی ذلت سے مراد یہ ہے کہ ان پر حملے ہونگے انہیں قتل کیا جائے گا، ان کے اموال کو غنیمت بنایا جائے گا، ان کے بچے قید ہونگے اور ان کی زمینیں چھین لی جائیں گی۔ (تفسیر کبیر)

المسکنۃ اور ان پر پستی لازم کردی گئی ہے۔ مسکنت کی تفسیر میں حضرات مفسرین کے کئی اقوال ہیں مختصر طور پر تین قول ملاحظہ فرمائیں:

❶ اس سے مراد جزیہ ہے

❷ یہودی جتنا بھی مالدار ہوجائے اس کا دل اور نفس محتاج ہی رہتا ہے۔ اور وہ اپنی غربت اور محتاجی لوگوں پر ظاہر کرتا رہتا ہے۔ (بخل اور حرص کی وجہ سے)

❸ اس میں جہاد کی خبر دی گئی ہے کہ یہودیوں کے اموال کو اللہ پاک نے مسلمانوں کا رزق بنادیا ہے۔ چنانچہ یہودی مسکین رہ جائیں گے۔ (التفسیر الکبیر)

نکتہ

ذلت کا تعلق خارج سے ہے کہ دوسروں کی نظر میں بے قدر اور رسوا ہونگے اور مسکنۃ کا تعلق داخل سے ہے کہ قلبی طور پر کم ہمت اور حریص اور لالچی ہونگے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حبل من اللہ وحبل من الناس مگر یہ کہ اللہ پاک کی پناہ میں آجائیں یا لوگوں کی پناہ میں۔ اس پر مفسرین نے کافی کلام کیا ہے یہاں صرف تین محققین حضرات کی عبارات ملاحظہ فرمالیں۔

❶ خدا کی رسی سے مراد اسی کی طرف کا امن ہے جو ماتحت اسلام (یعنی اسلام کے ماتحت آنے والوں) کو حاصل ہے اور لوگوں کی رسی وہ عہد و پیمان جو لوگ اپنے ماتحتوں سے کرتے ہیں۔ (تفسیر حقانی)

(۲) حبل من اللہ سے مراد ان کی ایسی آبادی ہوسکتی ہے جسے خود شریعت الٰہی نے قتل و ہلاکت اور تعزیری انتقامی کاروائیوں سے مستثنیٰ رکھا ہے مثلاً ان کے بچے، ان کی عورتیں، ان کے گوشہ نشین زاہد، درویش وغیرہ اور حبل من الناس سے مراد ان کی وہ جماعتیں ہوسکتی ہیں جو معاہدوں کے ذریعہ سے امن حاصل کرلیتی ہیں (تفسیر ماجدی)

(۳) یعنی یہود پر ہمیشہ کیلئے ذلت کی مہر کردی گئی ہے یہ بدبخت جہاں کہیں پائے جائیں ذلت کا نقش ان سے محو نہیں ہوسکتا، بڑے بڑے کروڑپتی یہود بھی آزادی و خود مختاری سے اپنی جان و مال کی حفاظت نہیں کرسکتے کیونکہ ان کی

آزاد حکومت کسی جگہ نہیں سوائے دستاویز اللہ تعالیٰ کے "یعنی بعض بچی کچھی رسمیں تورات کی عمل میں لاتے ہیں اس کے طفیل سے (بچے) پڑے ہیں اور سوا دستاویز لوگوں کے یعنی کسی کی رعیت میں اسکی پناہ میں پڑے ہیں (کذافی الموضح)

بعض مفسرین نے حبل من اللہ وحبل من الناس سے اللہ تعالیٰ کا ذمہ اور مسلمانوں کا عہد مراد لیا ہے۔ یعنی بجز (یعنی سوائے) اسکے کہ مسلمانوں سے عہد کر کے خدا کے ذمہ میں آجائیں بعض کہتے ہیں کہ بحبل من اللہ سے اسلام مراد ہے یعنی اسلام لا کر اس ذلت سے نکل سکتے ہیں یا معاہد بن کر کیونکہ معاہدہ بھی جان و مال کی طرف سے مامون کر دیتا ہے۔ (واللہ اعلم) (تفسیر عثمانی)

اشکال کا جواب

اشکال

ذلت مسلط ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودیوں کی اپنی کوئی آزاد خود مختار اور پرامن ریاست قائم نہیں ہوگی۔ مگر اب تو اسرائیل قائم ہو چکا ہے۔ اور اچھا خاصا طاقتور ملک بن چکا ہے؟

جواب

❶ حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ قرب قیامت کا زمانہ ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں کی فیصلہ کن جنگ کی خبر دی ہے۔ اس جنگ کے لئے اللہ پاک نے یہودیوں کو ایک جگہ جمع کرنے کا انتظام فرمایا ہے۔ اور فیصلہ کن جنگ کا مقام وہی ہے جہاں اس وقت اسرائیل قائم ہے۔

❷ یہ کوئی خود مختار حکومت نہیں ہے بلکہ حبل من الناس یعنی دوسرے لوگوں کی پناہ اور حفاظت میں بنی ہوئی عارضی کالونی ہے آج عیسائی ممالک اپنا ہاتھ کھینچ لیں تو اسرائیل چند روز میں لرزنے لگے گا۔

❸ جہاد کی برکت سے ابھی تک اسرائیل حالت امن میں نہیں آسکا خوف اور ذلت ہر اسرائیلی پر ہر لحہ مسلط رہتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

بہر حال کچھ بھی ہو قرآن پاک کو ماننے والے مسلمانوں کے لئے اسرائیل کا وجود بہر حال عار کا مقام ہے۔ اللہ پاک اس عار سے ہم سب مسلمانوں کو نجات عطاء فرمائے۔ (آمین یارب العالمین)

نکتہ

پہلے فرمایا گیا کہ تم "خیر امت" ہو تمام انسانوں تک ایمان کی خیر پہنچانا اور تمام انسانوں کو کفر سے بچانا تمہارا کام ہے۔ دوسری آیت میں بتایا گیا کہ تمہاری دعوت کے اس راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ اہل کتاب کے کافر ڈالیں گے۔ مگر جب ان کے خلاف جہاد ہوگا تو وہ شکست کھا کر بھاگ جائیں گے۔ اب سوال یہ ہوا کہ ان کی طاقت تو بہت

زیادہ ہے پھر کیسے شکست کھائیں گے۔ تو اس آیت میں بتا دیا گیا کہ ان کے برے کرتوتوں کی وجہ سے اللہ پاک نے ان پر ذلت مسلط فرمادی ہے۔ پس آیت کنتم خیر امۃ میں فتح کے اسباب اور اس آیت میں شکست کے اسباب کا تذکرہ آ گیا۔ کامیابی اور فتح کے اسباب ایمان، جہاد وغیرہ اور ذلت وشکست کے اسباب کفر، نافرمانی، کتاب اللہ سے روگردانی وغیرہ۔ واللہ اعلم بالصواب

سُوۡرَةُ آلِ عِمۡرَانَ مَدَنِيَّةٌ — آیت ۱۱۸

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَةً مِّنۡ دُوۡنِكُمۡ لَا يَاۡلُوۡنَكُمۡ

اے ایمان والو! اپنوں کے سوا کسی کو بھیدی نہ بناؤ وہ تمہاری خرابی میں قصور

خَبَالًا ؕ وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ ۚ قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ۖۚ

نہیں کرتے جو چیز تمہیں تکلیف دے وہ انہیں پسند آتی ہے ان کے مونہوں سے دشمنی نکل پڑتی ہے

وَمَا تُخۡفِىۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَكۡبَرُ ؕ قَدۡ بَيَّنَّا لَكُمُ الۡاٰيٰتِ اِنۡ كُنۡتُمۡ

اور جو انکے سینوں میں چھپی ہوئی ہے وہ بہت زیادہ ہے ہم نے تمہارے لئے نشانیاں بیان کردیں اگر تم

تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۱۸﴾

عقل رکھتے ہو

خلاصہ

اے ایمان والو! مسلمانوں کے علاوہ کسی کافر ومنافق کو اپنا قریبی اور ہمراز دوست نہ بناؤ۔ یہ لوگ تمہیں خرابی اور فساد میں ڈالنے کی بھرپور کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ تمہارے ساتھ ان کو جو دشمنی ہے اس کا کچھ حصہ تو ان کی باتوں میں ظاہر ہوجاتا ہے۔ مگر اصل اور بڑی دشمنی تو انہوں نے اپنے دلوں میں چھپا رکھی ہے۔ اللہ پاک نے تمہیں ان کی دشمنی اور عزائم کی خبر دے دی ہے۔ اب عقل ودانش سے کام لیکر اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر مضبوطی سے عمل کرو۔

کلام برکت

یعنی مسلمانوں کو کافروں سے دوستی کرنی نہ چاہیے وہ ہر طرح دشمن ہیں۔ (موضح القرآن)

کلام حسرت

امام قرطبی رحمہ اللہ اپنے زمانہ کا حال ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

وقد انقلبت الأحوال فی هذه الزمان باتخاذ اهل الكتاب كتبةً و أمناء وتسودو بذلك عند الجهلة الاغبياء من الولاة والامراء

یعنی ہمارے زمانے میں حالات بدل چکے ہیں اب جاہل اور کم عقل حکمرانوں نے اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) کو اپنا منشی اور ناظم بنا کر بڑے عہدوں تک پہنچا دیا ہے (قرطبی)

امام قرطبی رحمہ اللہ نے یہ حالات تقریباً ایک ہزار سال پہلے کے تحریر فرمائے ہیں جبکہ آج سے کچھ سال پہلے کے

ایک مفسر اپنے زمانے کا حال ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

”تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی بھی اس نصیحت کے خلاف کیا ہے مسلمانوں نے مار کھائی ہے، دشمن اسی طریقہ سے قابو پاتا ہے کہ وہ مسلمانوں میں سے کچھ لوگوں کو مال دے کر یا عہدے دیکر اپنا ہمنوا بنالیتا ہے۔ یہ مال کے لالچی اور عہدوں کے حریص (لوگ) دشمنوں کے سامنے مسلمانوں کی انفرادی واجتماعی خفیہ باتیں سب اگل دیتے ہیں۔ دشمنوں نے مسلمانوں کے ملکوں میں مسلمانوں میں سے ایسے جاسوس بنا رکھے ہیں جو ہر چھپی ڈھکی بات اور ہر خفیہ مشورہ دشمنوں تک پہنچادیتے ہیں جسکی وجہ سے مسلمانوں کی حکومتیں زیر زبر ہوتی ہیں اہم افراد قتل ہوتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ اسلام کا کلمہ پڑھنے کے باوجود اسلام کو اور مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے رہتے ہیں۔(انوار البیان)

یہ تو تھی چند سال پہلے کی بات۔ مگر آج اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے بارے میں مسلمانوں کا جو رویہ ہے اسے بیان کرنا بے حد مشکل ہے بس اللہ تعالیٰ ہی رحم فرمائے۔ آمین

لا تتخذوا بطانة اے ایمان والو کافروں کو اپنا بطانہ نہ بناؤ۔

❶ اصفیاء تطلعونهم علی سرّ کم. یعنی ایسا خاص دوست نہ بناؤ جن کو اپنے راز بتاؤ (جلالین)

❷ بطانة الرجل خاصتهُ الّتی یستبطنون امره. آدمی کا بطانہ اس کے وہ خواص ہوتے ہیں جو اس کے اندرونی معاملات کو جانتے ہیں۔ (القرطبی)

❸ نهی الله عزوجل المومنین بهذه الایة ان یتخذوا من الکفار والیهود واهل الهواء دخلاء وولجاء یفاوضونهم فی الاراء ویسندون الیهم امورهم.

یعنی اللہ عز وجل نے اس آیت کے ذریعہ ایمان والوں کو اس بات سے منع فرمادیا کہ وہ کافروں، یہودیوں اور نفس پرست لوگوں کو اپنا ایسا خاص دوست اور مقرب بنائیں جنہیں اپنے مشوروں میں شریک رکھیں اور اپنے معاملات میں ان پر بھروسہ کریں۔ (قرطبی)

شانِ نزول

بعض مفسرین کے نزدیک یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی، بعض کے نزدیک منافقین کے بارے میں اور بعض کے نزدیک تمام کافروں کے بارے میں (تفسیر کبیر)

بہر حال شان نزول تو خاص ہوسکتا ہے مگر حکم عام ہے۔

تفسیر

صاحب روح المعانی اور دیگر مفسرین حضرات نے اس آیت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ اس عبارت میں ملاحظہ فرمائیے:

’’حق تعالیٰ نے یہاں صاف صاف آگاہ کردیا کہ مسلمان اپنے اسلامی بھائیوں کے سوا کسی کو بھیدی اور راز دار نہ بنائیں۔ کیونکہ یہود ہوں یا نصاریٰ منافقین ہوں یا مشرکین ان میں کوئی جماعت تمہاری حقیقی خیر خواہ نہیں، بلکہ ہمیشہ یہ لوگ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ تمہیں پاگل بنا کر نقصان پہنچائیں اور دینی و دنیوی خرابیوں میں مبتلا کریں۔ ان کی خواہش اسی میں ہے کہ تم تکلیف میں رہو اور کسی نہ کسی تدبیر سے تم کو دینی یا دنیوی ضرر پہنچ جائے جو دشمنی اور بغض ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت ہی زیادہ ہے۔ لیکن بسا اوقات عداوت وغیظ کے جذبات سے مغلوب ہو کر کھلم کھلا ایسی باتیں کر گزرتے ہیں جو ان کی گہری دشمنی کا صاف پتا دیتی ہیں۔ مارے دشمنی اور حسد کے ان کی زبان قابو میں نہیں رہتی پس عقلمند آدمی کا کام نہیں کہ ایسے خبیث باطن دشمنوں کو اپنا راز دار بنائے۔ خدا تعالیٰ نے دوست و دشمن کے پتے اور موالات وغیرہ کے احکام کھول کر بتلا دیئے ہیں جس میں عقل ہوگی ان سے کام لے گا۔ (تفسیر عثمانی)

ایک روایت

وقیل لعمر رضی اللہ تعالیٰ عنه ان ھھنا رجلاً ...الی آخرہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا گیا کہ یہاں ’’حیرہ‘‘ کے عیسائیوں میں سے ایک شخص بہت عمدہ کاتب ہے کیا آپ اسے اپنا کاتب (منشی) رکھیں گے؟ اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اگر میں نے ایسا کیا تو میں مسلمانوں کے علاوہ کسی کو اپنا بطانہ (خاص آدمی) بنانے والا بن جاؤں گا (جس سے اللہ پاک نے منع فرمایا ہے) (قرطبی، روح المعانی وغیرہ)

تنگ نظری؟

قانون اسلام کے منکروں اور باغیوں سے تعلقات ایک خاص حد سے آگے بڑھانے کی اجازت کسی مسلم، اسلامی حکومت کی رعایا کو نہیں کہ اس سے فرد اور ملت دونوں کو ضرر کے اندیشے اور خطرے کھلے ہوئے ہیں اور اس صریح، معقول، مناسب اور ضروری انتظام کا نام بعض عقل کے دشمنوں نے ’’تنگ نظری‘‘ رکھا ہے۔ سبحان اللہ! امراض وبائی میں پرہیز واحتیاط کا نام تو فخر کے ساتھ ’’اصول حفظانِ صحت‘‘ رکھا جائے اور جو انتظام کفر وطغیان یعنی دنیا وآخرت دونوں کی بربادی سے بچنے کے لئے کیا جائے اس کا نام ’’تنگ نظری‘‘ پڑ جائے، عقل دشمنی کی بھی کوئی حد ہونی چاہیے۔ (تفسیر ماجدی)

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِیَّۃٌ — آیت ۱۱۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ھٰۤاَنْتُمْ اُولَاۤءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَ لَا یُحِبُّوْنَكُمْ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ

سن لو تم ان کے دوست ہو اور وہ تمہارے دوست نہیں اور تم تو سب کتابوں کو مانتے ہو

كُلِّهٖ ۚ وَ اِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَ اِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَیْكُمُ

اور جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر غصہ سے

الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَیْظِ ؕ قُلْ مُوْتُوْا بِغَیْظِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ

انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں کہہ دو تم اپنے غصہ میں مرو اللہ تعالیٰ کو دلوں کی

بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾

باتیں خوب معلوم ہیں

خلاصہ

اے مسلمانو! تم ان سے دوستی رکھتے ہو حالانکہ وہ تو تمہارے بدخواہ دشمن ہیں، جبکہ تمہارے اور ان کے نظریات کا یہ عالم ہے کہ تم تو تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لاتے ہو جبکہ وہ تمہاری کتاب ”قرآن پاک“ کو نہیں مانتے پھر ان سے یاری اور دوستی کیسی؟ باقی ان کے ظاہری رویے سے دھوکے میں نہ پڑو وہ تمہارے سامنے تو دوستی یاری اور ایمان کی بات کرتے ہیں مگر تمہاری پیٹھ پیچھے وہ تمہیں برباد کرنے کی تدبیریں کرتے ہیں اور تمہاری ترقی اور تمہاری جماعت کو دیکھ دیکھ کر حسد اور غم میں اپنی انگلیاں چباتے ہیں۔ ان کو بتا دیا جائے کہ غم، غصے اور حسد میں جل مرو تم اب اسلام کے عروج کو نہیں روک سکتے۔ اللہ تعالیٰ کو دلوں کے حالات کی پوری خبر ہے۔

تفسیری اقوال

① تحبونھم اے مسلمانو تم ان سے محبت رکھتے ہو۔

لقرابتھم منکم وصداقتھم ان سے اپنی رشتہ داری اور سابقہ دوستی کی وجہ سے اور وہ لایحبونکم تم سے محبت نہیں رکھتے لمخالفتھم لکم فی الدین دین میں تم سے اختلاف رکھنے کی وجہ سے۔ (جلالین)

یعنی ان کا نظریہ غلط اور ناقص ہے پھر بھی انہوں نے اسے دوستی اور دشمنی کا معیار بنا رکھا ہے جبکہ تمہارا نظریہ حق اور کامل ہے اس کے باوجود تم اس پر رشتہ داری وغیرہ کو ترجیح دیتے ہو ایسا کرنا درست نہیں ہے۔

② وتومنون بالکتاب کلہ ای بکتابکم وکتابھم وبما مضیٰ من الکتب قبل ذلک وھم

یکفرون بکتا بکم فانتم احق بالبغضاء لھم منھم لکم
یعنی تم تو سب آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اپنی کتاب پر بھی اور ان کی کتاب پر بھی اور جو کتابیں پہلے نازل ہوئیں ان پر بھی جبکہ وہ تمہاری کتاب (قرآن مجید) کے منکر ہیں، تو تم ان سے بغض رکھنے کے زیادہ حقدار ہو بجائے اس کے وہ تم سے بغض رکھیں (تفسیر ابن کثیر)

❸ قل موتو ابغیظکم ای مھما کنتم تحسدون علیه المومنین ویغیظکم ذلك منھم فاعلموا ان الله متم نعمته علی عباده المومنین ومکمل دینه ومعل کلمته ومظھر دینه فموتوا انتم بغیظکم یعنی آپ فرما دیجئے کہ اے کافرو! منافقو اپنے غم میں گھٹ کر مر جاؤ تم مسلمانوں پر جتنا بھی حسد کرلو اور اس پر تم جتنے غم و غصے کا اظہار کرلو اللہ پاک اپنے مومن بندوں پر اپنی نعمت پوری فرمائے گا اور اپنے دین کو مکمل فرمائے گا اور اپنے کلمے کو بلند اور اپنے دین کو غالب فرمائے گا پس تم اپنے غم و غصے میں مر جاؤ۔ (تفسیر ابن کثیر)

❹ قل موتوا بغیظکم آپ کہہ دیجئے کہ تم اپنے غصے میں مر جاؤ أمراً لرسول الله بطیب النفس وقوة الرجا والا ستبشار بوعدالله ان یھلکو غیظاً باعزاز الدین واذلالھم کانه قیل حدث نفسك بذلك یہ حکم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل خوش کرنے، آپ کی حوصلہ افزائی کرنے اور آپ کو اللہ تعالیٰ کے وعدے کی خوشخبری دینے کے لئے کہ یہ (دشمن) اسلام کے غلبے اور اپنی ذلت دیکھ کر غم و غصے سے ہلاک ہو جائیں گے گویا کہ آپ سے کہا گیا کہ اپنے دل میں کہیں کہ اے کافرو اپنے غم و غصے میں مر جاؤ۔ (کشاف)

قل موتوا بغیظکم ھو دعاء علیھم ای قل یا محمد (صلی الله علیه وسلم) ادام الله غیظکم الی أن تموتوا۔ یعنی یہاں (کافروں) کے لئے بددعاء ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں ہمیشہ اس غم میں رکھے یہاں تک کہ تم مر جاؤ۔ (قرطبی)

❻ ”یعنی یہ کیسی بے موقع بات ہے کہ تم ان کی دوستی کا دم بھرتے ہو اور وہ تمہارے دوست نہیں بلکہ جڑ کاٹنے والے دشمن ہیں اور طرفہ یہ کہ تم تمام آسمانی کتابوں کو مانتے ہو خواہ وہ کسی قوم کی ہوں اور کسی زمانہ میں کسی پیغمبر پر نازل ہوئی ہوں جن کے خدا نے نام بتائے ان پر ”علی التعیین“ اور جن کے نام نہیں بتائے ان پر ”بالاجمال“ ایمان رکھتے ہو اس کے برخلاف یہ لوگ تمہاری کتاب اور پیغمبر کو نہیں مانتے بلکہ خود ان کی کتابوں پر بھی ان کا ایمان صحیح نہیں۔ اس لحاظ سے چاہیے تھا کہ وہ تم سے قدرے محبت کرتے اور تم ان سے سخت نفور و بیزار رہتے مگر یہاں معاملہ برعکس ہو رہا ہے۔“ (عثمانی)

❼ ”ملاقات کے وقت، تمہارے قومی جلسوں اور عام مجامع ملی میں وہ اس قسم کی تقریریں کر جاتے ہیں جن سے

سادہ لوح مسلمان یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ ہمارے خیر خواہ ہیں ،مگر وہ یاد رکھیں کہ یہ سب زبانی جمع خرچ ہوتا ہے۔“ (تفسیر الفرقان)

فائدہ

موجودہ دور میں کافروں کی طاقت دیکھ کر بعض لوگوں کو قرآن پاک کے اس طرح کے احکامات (نعوذ باللہ) عجیب لگتے ہیں ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ جب یہ احکامات نازل ہو رہے تھے تو اس وقت مسلمان بہت تھوڑے اور بہت کمزور تھے اور تقریباً ساری دنیا پر کفر کی حکومت تھی۔ مگر اس زمانے کے مسلمانوں نے اپنی قلت اور کافروں کی طاقت کو اپنے لئے عذر قرار نہیں دیا بلکہ ان احکامات پر فوراً عمل کیا جس کی برکت سے اسلام مضبوط ہوا اور ساری دنیا میں پھیلتا چلا گیا اور ہم اور آپ تک بھی الحمد للہ پہنچ گیا۔ اس نکتے میں عقل والوں کے لئے بہت بڑا سبق ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا

اگر تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں بری لگتی ہے اور اگر تمہیں کوئی تکلیف پہنچے تو اس سے خوش ہوتے ہیں

وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا إِنَّ اللّٰهَ

اور اگر تم صبر کرو اور پرہیز گاری کرو تو ان کے فریب سے تمہارا کچھ نہ بگڑے گا بے شک اللہ تعالیٰ

بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿۱۲۰﴾

ان کے اعمال پر احاطہ کرنے والا ہے

خلاصہ

یہ لوگ تم سے اس قدر بغض اور عداوت رکھتے ہیں کہ جب بھی تمہیں کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو یہ تکلیف میں جلنے لگتے ہیں اور اگر تمہارا کچھ نقصان ہوتا ہے تو یہ خوشیاں مناتے ہیں۔ اب ایسے شریر لوگوں اور بدخواہ دشمنوں کے شر سے بچنے کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ تم ان سے یاری اور دوستی کر لو بلکہ ان سے بچنے کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دین اور نظریات پر مضبوطی سے ڈٹے رہو۔ اور اللہ پاک کی نافرمانی سے بچ کر اسکی نصرت کو اپنے ساتھ لو۔ یہ جتنے بھی طاقتور کیوں نہ ہوں اللہ تعالیٰ سے نہیں چھپ سکتے۔

تفسیری اقوال

❶ ممکن تھا کہ کسی کو یہ خیال گذرے کہ جب ہم ان سے دوستانہ تعلقات نہ رکھیں گے تو وہ زیادہ غیظ وغضب میں آ کر ہمارے خلاف تدبیریں کریں گے اور بیش از بیش (یعنی زیادہ سے زیادہ) نقصان پہنچانا چاہیں گے۔ اس کا جواب دیا کہ تم صبر و استقلال اور تقویٰ وطہارت پر ٹھیک ٹھیک قائم رہو گے تو ان کا کوئی داؤ فریب تم پر کارگر نہ ہوگا، جو کارروائیاں وہ کرتے ہیں سب خدا کے علم میں ہیں اور اسکو ہر وقت قدرت حاصل ہے کہ ان کا تار و پود بکھیر دے تم اپنا معاملہ خدا سے صاف رکھو پھر تمہارے راستہ سے سارے کانٹے صاف کر دیئے جائیں گے (تفسیر عثمانی)

❷ تم اپنے قصے مقاتلۂ کفار (یعنی کفار کے خلاف جہاد کو) یاد کر لو جہاں صبر تقویٰ پورا پورا کیا جیسے بدر وہاں کید کفار (یعنی کفار کی سازشوں اور تدبیروں) سے کچھ ضرر نہ پہنچا اور جہاں اس میں کسی قدر کمی آ گئی وہاں ضرر (نقصان) ہو گیا جیسے احد میں مغلوب ہو گئے پھر حمراء الاسد میں باوجودیکہ واقعہ احد سے تازہ زخم خوردہ تھے لیکن استقلال وتقویٰ سے کام لیا پھر کامیاب ہوئے اس سے (آیت میں مذکور) مضمون بالا کی پوری تائید ہو گئی۔ (بیان القرآن)

❸ ان تصبرو اگرتم ڈٹے رہے علی عداوتھم ان کی دشمنی پر وتتقوا اور بچتے رہے ما نہیتم عنہ من موالاتھم ان کی دوستی سے جس سے تمہیں منع کیا گیا ہے تو پھران کی سازشیں تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکیں گی۔(کشاف)

❹ ان تصبرو ا اگرتم ڈٹے رہے علیٰ اذا ھم ان کی تکلیفوں کے باوجوداو علیٰ طاعة اللّٰه ومضض الجھاد فی سبیله یاتم ڈٹے رہے اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اوراس کے راستے میں جہاد پر (تو پھران کی سازشیں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی)(روح المعانی)

❺ ان تصبروا علی اذاھم وتتقوا اللّٰه فی موالاتھم وغیرھا۔

اگرتم نے صبر کیا ان کی تکلیفوں پر اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہے کافروں کی دوستی وغیرہ کے بارے میں تو پھر وہ تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے۔(جلالین)

قرآنی نسخہ

دنیا بھر کے کافروں سے حفاظت کا قرآنی نسخہ ”استقلال اور تقویٰ“ یعنی ایمان وجہاد پر مضبوطی اور کافروں کی یاری سے پرہیز پر مشتمل ہے کاش امت مسلمہ اسے سمجھے اور اپنی حفاظت اور ترقی کے رسوا کن منصوبوں کو چھوڑ کر اس قرآنی نسخے پر عمل کرے۔ جس نسخے پر عمل کی برکت سے اسلام ہم تک پہنچا ہے واللہ اعلم بالصواب۔

دعاء

یا اللّٰه ! یا اھل التقوی ! یا اھل المغفرة! ہمیں استقلال اور تقویٰ عطاء فرما۔

(آمین یارب العالمین)

سُورَۃُ اٰلِ عِمْرَانَ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۱۲۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ

اور جب تو صبح کو اپنے گھر سے نکلا مسلمانوں کو لڑائی کے ٹھکانے پر بٹھا رہا تھا

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾

اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے

خلاصہ

وہ وقت یاد کرنے کے لائق ہے جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لئے اپنے گھر سے نکلے اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے مجاہد صحابہ کرام کو جنگی ترتیب کے مطابق میدان جہاد کے مختلف مقامات پر متعین فرما رہے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سن رہا تھا اور سب کچھ جان رہا تھا۔

شانِ نزول

والجمهور على انها غزوة احد جمہور کا قول یہ ہے کہ یہ آیت غزوۂ احد کے بارے میں نازل ہوئی۔ (قرطبی، روح المعانی)

تفسیری اقوال

من اهلك آپ صبح کو اپنے گھر والوں کے ہاں سے نکلے یعنی خرجت بالصباح من منزلك من عند عائشة رضىٰ الله تعالىٰ عنها یعنی آپ صبح کے وقت اپنے گھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں سے نکلے (قرطبی) من بمعنى عند (روح المعانی)

مقاعد للقتال آپ اپنے ایمان والے مجاہدین کو جنگ کے مقامات پر جما رہے تھے۔

❶ فمشىٰ على رجليه فجعل يصف اصحابه للقتال كانما يقوم بهم القدح ان رأى صدرا خارجا قال تاخر

یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدل چل کر تشریف لے گئے اور آپ نے جنگ کے لئے اپنے صحابہ کرام کی تیر کی طرح سیدھی صفیں بنائیں اگر آپ کسی کا سینہ باہر نکلا ہوا دیکھتے تو فرماتے پیچھے ہو جاؤ۔ (کشاف)

❷ "ترتیب صفوف اور مورچوں کی متناسب موضعیت کی اہمیت جس طرح سکندر و دارا کے زمانہ میں تھی جدید فن حرب میں بھی مسلم ہے۔ امت کا رہبر کامل صلی اللہ علیہ وسلم مقدس نبی ہونے کے علاوہ سپہ دار اعظم (سپہ سالار اعظم)

کی حیثیت سے بھی بے نظیر تھا" (تفسیر ماجدی)

عجیب استدلال

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ویروی انه علیه السلام غدا من منزل عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنهما فمشی علی رجلیه الی احد وهذا قول مجاهد والواقدی فدل هذا النص ان عائشة رضی اللّٰه تعالیٰ عنها کانت اهلاللنبی صلی اللّٰه علیه وسلم وقال تعالیٰ الطیبات للطیبین والطیبون للطیبات (النور ۲۶) فدل هذا النص علی انها مطهرة مبرأة من کل قبح الاتریٰ ان ولد نوح لماکان کافراً قال انه لیس من اهلك (هود ٤٦)

یعنی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سے نکلے اور پیدل احد کی طرف تشریف لے گئے یہ مجاہد رحمہ اللہ اور واقدی رحمہ اللہ کا قول ہے پس اس نص سے ثابت ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل (اہلیہ) تھیں اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے (ترجمہ) پاک عورتیں پاک مردوں کے لئے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لئے ہیں پس اس آیت سے ثابت ہوا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہر خرابی اور برائی سے پاک اور بری (اور بلند) ہیں، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا جب کافر تھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ترجمہ) (اے نوح) وہ آپ کے اہل میں سے نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر)

سبق

مسلمانوں کے دینی رہنما اور علماء جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث ہیں ان کو جنگی امور میں مہارت حاصل کرنی چاہیے تا کہ وہ ہر میدان میں امت مسلمہ کی درست رہنمائی اور قیادت کر سکیں۔

ماخوذ از : سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ

غزوۂ اُحد

غزوۂ اُحد

شوال ۳ھ

احد مدینہ منورہ کے ایک مشہور پہاڑ کا نام ہے جو مدینہ سے کم وبیش دو میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ احد کو احد اس لئے کہتے ہیں کہ وہ دوسرے جبال (پہاڑوں) سے متوحد یعنی منفرد اور علیحدہ ہے۔ (البدایہ والنہایہ ص۹ ج۴)

قال اللہ تعالیٰ واذ غدوت من اھلک تبوئ المؤمنین مقاعد للقتال ۔ (آل عمران: آیۃ ۱۲۱)

قریش مکہ جب بدر سے بے طرح شکست کھا کر مکہ واپس ہوئے تو یہ معلوم ہوا کہ وہ کاروان تجارت جس کو ابوسفیان ساحلی راستے سے بچا کر نکال لائے تھے وہ مع اصل سرمایہ اور زر منافع دار الندوہ میں بطور امانت محفوظ ہے بدر کی اس بے طرح ہزیمت اور ذلت آمیز شکست کا زخم یوں تو ہر شخص کے دل میں تھا، لیکن جن لوگوں کے باپ اور بیٹے بھائی اور بھتیجے خویش اور اقارب بدر میں مارے گئے ان کو رہ رہ کر جوش آتا تھا۔ جذبہ انتقام سے ہر شخص کا سینہ لبریز تھا۔ بالآخر ابوسفیان بن حرب، عبداللہ بن ابی ربیعہ، عکرمہ بن ابی جہل، حارث بن ہشام حویطب بن عبدالعزی، صفوان بن امیہ (جنگ بدر میں ابوسفیان کا بیٹا حنظلہ اور حضرت عکرمہ کا باپ اور حارث بن ہشام کا بھائی ابوجہل بن ہشام اور صفوان بن امیہ کا باپ امیہ قتل ہوئے تھے مگر بعد میں چل کر ابوسفیان اور عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عکرمہ بن ابی جہل اور حارث بن ہشام اور حویطب بن عبدالعزی۔ صفوان بن امیہ سب مسلمان ہوئے رضی اللہ عنہم (زرقانی ص۲۰ ج۲) اور دیگر سرداران قریش ایک مجلس میں جمع ہوئے کہ کاروان تجارت بطور امانت محفوظ ہے۔ اس میں سے اصل سرمایہ تو تمام شرکاء پر بقدر حصص تقسیم کر دیا جائے اور زر منافع کلیۃً محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے جنگ کی تیاری میں صرف کیا جائے تاکہ ہم مسلمانوں سے اپنے باپ اور بیٹوں، خویش اور اقارب، اعیان اور اشراف کا جو بدر میں مارے گئے انتقام لیں بیک آواز سب نے نہایت طیب خاطر سے اس درخواست کو قبول کیا اور زر منافع جس کی مقدار پچاس ہزار دینار تھی وہ سب اس کام کیلئے جمع کر دیا گیا۔

اس بارے میں حق تعالیٰ شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

ان الذین کفرو ینفقون اموالھم لیصدوا عن سبیل اللہ. فسینفقو نھا ثم تکون علیھم حسرۃ ثم یغلبون (الانفال ۳۶)

ترجمہ: تحقیق کافر اپنے اموال کو خرچ کر رہے ہیں تاکہ لوگوں کو خدا کے راستہ سے روک دیں پس اور بھی خرچ

کریں گے اور پھر یہ سب ان پر حسرت اور افسوس ہوں گے پھر آخر مغلوب ہوں گے۔

قریش کا عورتوں کو ہمراہ لے چلنا

غرض یہ کہ قریش نے خوب تیاری کی اور عورتوں کو بھی ہمراہ کیا تا کہ وہ رجزیہ اشعار سے لڑنے والوں کی ہمت بڑھائیں اور بھاگنے والوں کو غیرت دلائیں نیز لڑنے والے عورتوں کی بے حرمتی کے خیال سے دل کھول کر اور سینہ ٹھوک کر لڑیں پیچھے ہٹنے کا نام نہ لیں اور قبائل میں قاصد دوڑائے کہ اس جنگ میں شریک ہو کر داد شجاعت دیں۔ اس طرح تین ہزار آدمیوں کا لشکر جمع ہو گیا جن میں سے سات سو زرہ پوش تھے اور دو سو گھوڑے اور تین ہزار اونٹ اور پندرہ عورتیں ہمراہ تھیں، یہ تین ہزار کا لشکر جرار نہایت کروفر سے ابو سفیان بن حرب کی سرکردگی میں ۵ شوال ۳ ھ کو مکہ سے روانہ ہوا (طبقات ابن سعد ص ۲۵ ج ۲ قسم اول زرقانی ص ۲۰ ج ۲ تاریخ طبری ص ۹ ج ۳)

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے ارادہ سے اطلاع دینا

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ تمام حالات لکھ کر نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے پاس ایک تیز رو قاصد کے ہاتھ روانہ کئے اور قاصد کو یہ تاکید کی کہ تین دن کے اندر اندر کسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہ خط پہنچا دے (زرقانی ج ۲ ص ۲۱)

حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے مشورہ

یہ خبر پاتے ہی آپ نے انس اور مونس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو قریش کی خبر لینے کے لئے روانہ فرمایا۔ انھوں نے آ کر یہ اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے بالکل قریب آ پہنچا ہے۔ بعد ازاں حباب بن منذر رضی اللہ عنہ کو ان کا اندازہ کرنے کیلئے بھیجا کہ معلوم کریں فوج کی کتنی تعداد ہے۔ حباب رضی اللہ عنہ نے آ کر ٹھیک اندازہ اور صحیح تخمینہ سے اطلاع دی تمام شب سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہم نے مسجد کا پہرہ دیا، اور شہر کے اطراف وجوانب میں بھی پہرے بٹھلا دیئے گئے۔ (طبقات ابن سعد ص ۲۵ ج ۲ قسم اول) یہ جمعہ کی شب تھی جب صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بلا کر مشورہ کیا۔ اکابر مہاجرین وانصار نے مشورہ دیا کہ مدینہ ہی میں پناہ گزین ہو کر مقابلہ کیا جائے۔ لیکن جو نوجوان جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اور شوق شہادت میں بے چین اور بے تاب تھے ان کی یہ رائے ہوئی کہ مدینہ سے باہر نکل کر ان پر حملہ کیا جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، میں نے خواب (یہ خواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی شب جمعہ میں دیکھا تھا۔ [کمافی طبقات ابن سعد ص ۲۶ ج ۲]۔) دیکھا کہ میں ایک مضبوط زرہ میں ہوں اور ایک گائے ہے کہ ذبح کی جا رہی ہے۔ جس کی تعبیر یہ ہے کہ مدینہ بمنزلہ مضبوط زرہ کے ہے اور ذبح بقر سے اس طرف اشارہ ہے کہ میرے اصحاب میں سے کچھ لوگ شہید ہوں گے لہٰذا میری رائے میں مدینہ ہی میں قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا جائے اور خواب میں یہ بھی دیکھا کہ میں نے تلوار کو ہلایا اس کے سامنے

کا حصہ ٹوٹ کر گر گیا۔ پھر اسی تلوار کو دوبارہ ہلایا تو وہ تلوار پہلے سے زیادہ عمدہ ہوگئی۔ جس کی تعبیر یہ تھی کہ صحابہ کرام بمنزلہ تلوار کے تھے۔ جو آپ کے دشمنوں پر وار کرتے تھے صحابہ کو جہاد میں لے جانا بمنزلہ تلوار کے ہلانے کے تھا۔ ایک مرتبہ ہلایا۔ یعنی غزوۂ احد میں تو اس کے سامنے کا حصہ ٹوٹ کر گر گیا۔ یعنی کچھ صحابہ شہید ہوگئے، پھر اسی تلوار کو دوسرے غزوہ میں استعمال کیا تو وہ تلوار پہلے سے زیادہ عمدہ اور تیز ہوگئی اور خوب دشمنوں پر چلی عبداللہ بن ابی (رأس المنافقین) سے بھی ہوشیار اور تجربہ کار ہونے کی وجہ سے مشورہ لیا گیا۔ اس نے یہ کہا کہ تجربہ یہ ہے کہ جب کسی دشمن نے مدینہ پر حملہ کیا اور اہل مدینہ نے اندرون شہر ہی رہ کر مقابلہ کیا تو فتح ہوئی اور جب باہر نکل کر حملہ کیا گیا تو ناکام رہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مدینہ سے باہر نہ نکلئے خدا کی قسم جب کبھی ہم مدینہ سے باہر نکلے تو دشمنوں کے ہاتھ سے تکلیف اٹھائی اور جب کبھی ہم مدینہ میں رہے اور دشمن ہم پر چڑھ کر آیا تو دشمن نے ہمارے ہاتھ سے تکلیف اٹھائی آپ تو مدینہ کی ناکہ بندی فرمادیں دشمن اگر بالفرض مدینہ میں گھس آیا تو مردان کا تلوار سے مقابلہ کریں گے اور بچے اور عورتیں چھتوں سے سنگ باری کریں گی۔ اور اگر باہر ہی باہر سے ناکام واپس ہوگئے تو فہوالمراد۔ (تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۱)

مگر بعض اکابر اور نوجوانوں نے اس پر زیادہ اصرار کیا کہ مدینہ سے باہر نکل کر حملہ کیا جائے، اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تو اس دن کے متمنی اور مشتاق ہی تھے اور خدا سے دعائیں مانگ رہے تھے خدا وہ دن لے آیا اور مسافت بھی قریب ہے حضرت حمزہ اور سعد بن عبادہ اور نعمان بن مالک رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہم نے مدینہ میں رہ کر ان کی مدافعت کی تو ہمارے دشمن ہم کو خدا کی راہ میں بزدل خیال کریں گے اور حضرت حمزہ نے یہ کہا:

والذی انزل علیک الکتاب لا اطعم الیوم طعاما حتی اجالدھم بسیفی خارج المدینہ۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۲ ازرقانی ج ۲ ص ۲۳)

ترجمہ:

قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ پر کتاب نازل فرمائی میں اس وقت تک کھانا نہ کھاؤں گا جب تک مدینہ سے باہر نکل کر دشمنوں کا اپنی تلوار سے مقابلہ نہ کرلوں۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۱۲، زرقانی ج ۲ ص ۲۳)

نعمان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

یا رسول اللہ لا تحر منا الجنة فوالذی بعثك بالحق لادخلن الجنة۔

ترجمہ:

اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کو جنت سے محروم نہ کیجئے۔ قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا ہے میں ضرور جنت میں داخل ہو کر رہوں گا۔

آپ نے فرمایا کس بنا پر؟ نعمان نے عرض کیا:

لانی اشهد ان لا اله الا الله وانك رسول الله ولا افر یوم الزحف.

ترجمہ:

اس لئے کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک آپ اللہ کے برحق رسول ہیں اور میں لڑائی میں کبھی بھاگتا نہیں۔

اور ایک روایت میں یہ لفظ ہیں:

لانی احب الله ورسوله. اس وجہ سے کہ میں اللہ اور اس کے رسول کو محبوب رکھتا ہوں۔

آپ نے فرمایا۔ صدقت تو نے سچ کہا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ جنت کے شیدائی اور شہادت کے سودائی یعنی نوجوانوں کا اصرار تو پہلے ہی سے ہے کہ مدینہ سے باہر جا کر حملہ کیا جائے لیکن مہاجرین وانصار میں سے بھی بعض اکابر جیسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ شوق شہادت میں بے چین اور بے تاب ہیں اور ان کی بھی یہی رائے ہے۔ تو آپ نے بھی یہی عزم فرمالیا۔

یہ جمعہ کا دن تھا جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر وعظ فرمایا اور جہاد وقتال کی ترغیب دی اور تیاری کا حکم دیا۔ یہ سنتے ہی خداوند ذوالجلال کے محبین ومخلصین وعاشقین ووالہین اور خداوند قدوس کے لقاء کے شائقین کے جانوں میں جان آ گئی اور سمجھ گئے کہ اب اس دنیا کے جیل خانہ اور اس قفس سے ہماری رہائی کا وقت آ گیا۔

خرم آن روز کزیں منزل ویران بروم
راحت جان طلبم وزپے جانان بروم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تیاری اور سلاح پوشی

عصر کی نماز سے فارغ ہو کر آپ حجرۂ شریفہ میں تشریف لے گئے اور صاحبین (یعنی آپ کے وہ دو ساتھی جو دنیا میں بھی آپ کے ساتھ رہے اور عالم برزخ میں بھی آپ کے ساتھ ہیں اور میدان حشر اور حوض کوثر اور جنت میں بھی آپ کے ساتھ ہوں گے) یعنی ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وہ بھی آپ کے ساتھ حجرہ میں گئے۔

ہنوز آپ حجرۂ مبارکہ سے باہر تشریف نہ لائے تھے کہ سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے لوگوں سے کہا کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر سے باہر جا کر حملہ کرنے پر مجبور کیا حالانکہ آپ پر اللہ کی وحی اترتی رہتی ہے۔ مناسب یہ ہے کہ آپ کی رائے اور منشاء پر چھوڑ دیا جائے۔ اتنے میں آپ دو زرہیں تو بر تو پہن کر اور مسلح ہو کر باہر تشریف لے آئے صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے غلطی سے خلاف مرضی مبارک اصرار کیا جو ہمارے لئے کسی

طرح مناسب اور زیبا نہ تھا۔ آپ صرف اپنی رائے پر عمل فرمائیں آپ نے فرمایا کسی نبی (اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم آپ کی ساتھ مخصوص نہیں ہر پیغمبر علیہ السلام کا یہی حکم ہے کہ ہتھیار لگا لینے کے بعد بغیر جہاد کے ہتھیار اتارنا جائز نہیں نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نفل اور مستحب شروع کر لینے سے اس کا اہتمام اور پورا کرنا واجب ہوتا جاتا ہے) کے لئے یہ جائز نہیں کہ ہتھیار لگا کر اتار دے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے جنگ کرے۔ اب اللہ تعالیٰ کے نام پر چلو اور میں جو حکم دوں وہ کرو۔ اور سمجھ لو کہ جب تک تم صابر اور ثابت قدم رہو گے تو اللہ تعالیٰ کی فتح اور نصرت تمہارے ہی لئے ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روانگی اور فوج کا معائنہ

۱۱شوال یوم جمعہ بعد نماز عصر آپ ایک ہزار جمعیت کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے آپ گھوڑے پر سوار تھے اور سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہما زرہ پہنے ہوئے آپ کے آگے آگے تھے اور سب مسلمان آپ کے دائیں اور بائیں چلتے تھے۔ یہ تمام تفصیل طبقات ابن سعد اور زرقانی میں مذکور ہے۔ مدینہ سے باہر نکل کر جب مقام شیخین (شیخین دو ٹیلوں کا نام ہے جو مدینہ اور احد کے مابین واقع ہیں وہاں ایک اندھا اور بوڑھا یہودی اور ایک اندھی اور بڑھیا یہودن رہا کرتے تھے اس لئے وہ ٹیلے شیخین کے نام سے مشہور ہوگئے۔ ۱۲ طبری ج ۳) پر پہنچے تو فوج کا جائزہ لیا۔ ان میں جو نوعمر اور کم سن تھے ان کو واپس فرمایا جن میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں:

۱ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ
۲ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ
۳ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ
۴ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ
۵ اسید بن ظہیر رضی اللہ عنہ
۶ عرابۃ بن اوس رضی اللہ عنہ
۷ براء بن عازب رضی اللہ عنہ
۸ زید بن ارقم رضی اللہ عنہ

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کی خدمت میں سترہ صحابہ پیش کئے گئے جن کی عمر چودہ سال کی تھی نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے نابالغ قرار دے کر واپس کر دیا جب ایک سال بعد پندرہ سال کے سن میں پیش کئے گئے تو آپ نے اجازت دی۔ (زرقانی ص ۲۵ ج ۲) ان کمسنوں میں رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ انہوں نے یہ ہوشیاری کی کہ انگوٹھوں کے بل تن کے کھڑے ہوگئے تاکہ دراز قامت معلوم ہوں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اجازت دے دی۔ نیز ان کی نسبت یہ بھی کہا گیا کہ یہ بڑے تیر انداز ہیں۔

عمر بن عبد العزیزؒ نے ایک مرتبہ امام نافع سے یہ دریافت کیا کہ عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کن کن غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوئے۔ امام نافع نے کہا مجھ سے خود ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ جب غزوۂ بدر ہوا تو اس وقت میں ۱۳ سال کا تھا اور جب غزوۂ احد ہوا تو اس وقت میں ۱۴ سال کا تھا۔ غزوۂ بدر میں

تو میں نے جانے کا ارادہ ہی نہیں کیا لیکن غزوۂ احد میں شریک ہونے کی بارگاہ نبوی میں استدعاء کی لیکن آپ نے کمسنی کی وجہ سے قبول نہ فرمایا اور علی ہذا زید بن ثابت اور اوس بن عرابہ کو بھی کمسن ہونے کی وجہ سے واپس فرمایا مگر رافع بن خدیج کو دراز قامت ہونے کی وجہ سے اجازت دے دی جب غزوۂ خندق پیش آیا تو اس وقت میں ۱۵ سال کا تھا۔ اس وقت آپ نے مجھ کو اجازت دی اور آپ کے ساتھ غزوہ میں شریک ہوا عمر بن عبدالعزیز نے اس حدیث کو سن کر فوراً کاتب کو حکم دیا کہ بہت جلد اس حدیث کو لکھ لیں۔ اس لئے کہ لوگ اپنے بیٹوں اور بھائیوں کے لئے بیت المال سے وظیفہ کی درخواست کرتے ہیں۔ لہذا خوب تحقیق کر لی جائے جو فی الواقع پندرہ سال کا ہو مجاہدین اور مقاتلین کی فہرست میں اس کا نام درج کر کے بیت المال سے اس کا وظیفہ مقرر کیا جائے۔ اور جو پندرہ سال سے کم ہو اس کا نام ذریہ بچوں کی فہرست میں لکھا جائے، (عیون الاثر ص ۳۳۳) سمرۃ بن جندب جو انہیں کے ہم سن تھے انھوں نے نہایت حسرت بھرے الفاظ میں اپنے علاتی باپ مری بن سنان رضی اللہ عنہ سے کہا۔ اے باپ! رافع کو تو اجازت مل گئی اور میں رہ گیا۔ حالانکہ میں ان سے زیادہ قوی ہوں رافع کو پچھاڑ سکتا ہوں مری بن سنان رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے رافع کو اجازت دی اور میرے بیٹے کو واپس فرمایا حالانکہ میرا بیٹا رافع کو پچھاڑ سکتا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رافع رضی اللہ عنہ اور سمرہ رضی اللہ عنہ کی کشتی کرائی۔ سمرہ نے رافع کو پچھاڑ دیا۔ آپ نے سمرہ کو بھی اجازت دی۔ (طبری ص ۱۲ ج ۳) بچے اور بوڑھے، جوان اور ادھیڑ سب کے سب ایک ہی شراب کے مخمور اور ایک ہی نشہ کے چور تھے۔ شہید ہونے سے پہلے ہی خنجر تسلیم سے شہید ہو چکے تھے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ۔

لشکر اسلام سے منافقین کی علیحدگی اور واپسی

جب آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) احد کے قریب پہنچے تو رأس المنافقین عبداللہ بن ابی جو تین سو آدمیوں کی جمعیت اپنے ہمراہ لایا تھا یہ کہہ کر واپس ہو گیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میری رائے نہیں مانی ہم بے وجہ کیوں اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈالیں۔ یہ جنگ نہیں ہے اگر ہم اس کو جنگ سمجھتے تو تمہارا ساتھ دیتے انہی لوگوں کے بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی:

ولیعلم الذین نافقوا وقیل لھم تعالوا قاتلوا فی سبیل اللّٰہ اوادفعوا قالوا لو نعلم قتالا لاتبعنکم ھم للکفر یومئذ اقرب منھم للایمان یقولون بافواھھم مالیس فی قلوبھم واللّٰہ اعلم بما یکتمون ۔ (آل عمران، آیۃ: ۱٦۷)

اب نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم کے ساتھ صرف سات سو (۷۰۰) صحابہ رہ گئے جن میں صرف سو (۱۰۰) آدمی زرہ پوش تھے اور سارے لشکر میں صرف دو گھوڑے تھے ایک آپ کا اور ایک ابو بردۃ بن نیار حارثی رضی اللہ عنہ کا (طبری

ج:۳،ص:۱۲) قبیلہ خزرج میں سے بنی سلمہ نے اور قبیلہ اوس میں سے بنی حارثہ نے بھی ابن ابی کی طرح کچھ واپسی کا ارادہ کیا اور یہ دونوں قبیلے لشکر کے دونوں طرف تھے توفیق خداوندی نے ان کی دست گیری کی۔ خدا نے ان کو بچالیا اور واپس نہیں ہوئے۔ ان ہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اذھمت طائفتان منکم ان تفشلا و اللہ ولیھما و علی اللہ فلیتوکل المو منون۔ (آل عمران، آیت:۱۲۲)

یاد کرو اس وقت کو جب ہمت ہاردی تم میں سے دوگروہوں نے اور اللہ تعالیٰ ان کا مددگار تھا۔ اس لئے وہ واپسی سے محفوظ رہے اور تمام مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ چاہئے۔

ہنوز آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) مقام شیخین ہی میں تھے کہ آفتاب غروب ہوگیا۔ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی آپ نے مغرب کی نماز پڑھائی اور یہیں شب کو قیام فرمایا۔ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے تمام شب لشکر کی پاسبانی کی وقتاً فوقتاً لشکر کا ایک چکر لگاتے اور واپس آ کر آپ کے خیمہ مبارکہ کا پہرہ دیتے۔

شب کے آخری حصہ میں آپ نے کوچ فرمایا جب احد کے قریب پہنچے تو صبح کی نماز کا وقت آگیا بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کا حکم دیا۔ بلال رضی اللہ عنہ نے اذان اور اقامت کہی اور آپ نے اپنے تمام اصحاب کو نماز پڑھائی۔

ترتیب فوج

نماز سے فارغ ہو کر لشکر کی جانب متوجہ ہوئے مدینہ کو سامنے اور احد کو پس پشت رکھکر صفوں کو مرتب فرمایا۔ اور جو صفین چند لمحہ پہلے خداوند ذوالجلال کی تعظیم واجلال کے لئے دست بستہ کھڑی ہوئی تھیں اب وہ اس کبیر متعال کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی اور اس کے راستہ میں جہاد وقتال کے لئے کھڑی ہوگئیں۔ (ابن سعد، ج۲:ص۲۷)

صحیح بخاری میں براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس تیر اندازوں کا ایک دستہ جبل احد کے پیچھے بٹھلا دیا تا کہ قریش پشت سے حملہ نہ کرسکیں اور عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس کا امیر مقرر فرمایا اور یہ حکم دیا کہ اگر ہم کو مشرکین پر غالب ہوتے دیکھو تب بھی یہاں سے نہ ہٹنا اور اگر مشرکین کو ہم پر غالب ہوتے دیکھو تب بھی اس جگہ سے نہ سرکنا اور نہ ہماری مدد کیلئے آنا۔

زہیر کی روایت میں یہ ہے کہ اگر پرندوں کو بھی ہم کو اچکتے ہوئے دیکھو تب بھی اس جگہ سے نہ ٹلنا۔ مسند احمد اور معجم طبرانی وغیرہ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا تم اس جگہ کھڑے رہو اور پشت کی جانب سے ہماری حفاظت کرو۔ اگر ہم کو قتل ہوتے ہوئے بھی دیکھو تو ہماری مدد کے لئے نہ آنا اور اگر غنیمت حاصل کرتے ہوئے دیکھو تو اس میں شریک نہ ہونا۔ (فتح الباری، ج:۷، ص:۲۷۰)

قریش کے لشکر کا حال

قریش کا لشکر چہار شنبہ ہی کو مدینہ پہنچ کر احد کے دامن میں پڑاؤ ڈال چکا تھا جس کی تعداد تین ہزار تھی جن میں سے

سات سو (۷۰۰) زرہ پوش اور دو سو (۲۰۰) گھوڑے اور تین ہزار اونٹ تھے اور اشراف مکہ کی پندرہ عورتیں ہمراہ تھیں جو اشعار پڑھ پڑھ کر مردوں کو جوش دلاتی تھیں۔ (زرقانی، ج:۲،ص:۲۶) نفسانی اور شہوانی اور شیطانی لوگوں کا دھندا ایسا ہی ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ منہ

جن میں سے بعض کے نام حسب ذیل ہیں:

❶ ہندہ بنت عتبہ ابو سفیان کی بیوی

❷ ام حکیم بنت حارث بن ہشام ابو جہل کے بیٹے عکرمہ کی بیوی

❸ فاطمہ بنت ولید حارث بن ہشام کی بیوی

❹ برزہ بنت مسعود صفوان بن امیہ کی بیوی

❺ ریطہ بنت شیبہ، عمرو بن العاص کی بیوی

❻ سلافہ بنت سعد طلحہ بن ابی طلحہ حجبی کی بیوی

❼ خناس بنت مالک مصعب بن عمیر کی والدہ ❽ عمرۃ بنت علقمہ

علامہ زرقانی فرماتے ہیں کہ سوائے خناس اور عمرہ کے یہ سب عورتیں بعد میں چل کر مشرف باسلام ہوئیں رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

قریش نے اپنے لشکر کے میمنہ پر خالد بن ولید کو اور میسرہ پر عکرمۃ بن ابی جہل کو اور پیادوں پر صفوان بن امیہ کو اور کہا جاتا ہے کہ عمرو بن العاص کو اور تیر اندازوں پر عبد اللہ بن ابی ربیعہ کو افسر مقرر کیا۔

مگر بعد میں چل کر قریش کے یہ پانچوں امرائے لشکر مشرف باسلام ہوئے رضی اللہ عنہم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مجاہدین سے ایک خطاب

جب فریقین کی صفیں مرتب ہوئیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تلوار ہاتھ میں لے کر یہ فرمایا (من یأخذ هذا السيف بحقه) کون ہے جو کہ اس تلوار کو اس کے حق کے ساتھ لے۔ یہ سن کر بہت سے ہاتھ اس سعادت کے حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک روک لیا اتنے میں ابو دجانہ رضی اللہ عنہ اٹھے اور عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اس تلوار کا کیا حق ہے۔ آپ نے فرمایا اس کا حق یہ ہے کہ اس سے خدا کے دشمنوں کو مارے یہاں تک کہ خم ہو جائے۔

یہ روایت مسند احمد اور صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور معجم طبرانی میں قتادہ بن النعمان رضی اللہ عنہ سے اور مسند بزاز میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

حافظ ابو بشر دولابی نے اس حدیث کو کتاب الکنیٰ میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اس میں یہ ہے

کہ آپ نے فرمایا اس تلوار کا حق یہ ہے کہ اس سے کسی مسلمان کو کبھی قتل نہ کرنا اور اس کو لے کر کبھی کسی کافر کے مقابلہ سے فرار نہ ہونا۔

ابو دجانہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس کو اس کے حق کے ساتھ لیتا ہوں یعنی اس کا حق ادا کروں گا۔ آپ نے فوراً وہ تلوار ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کو مرحمت فرمادی۔ غالباً آپ کو بذریعہ وحی الٰہی یہ معلوم ہوا ہوگا کہ سوائے ابو دجانہ کے کوئی اس تلوار کا حق نہ ادا کرے گا۔ اس لئے صرف ابو دجانہ رضی اللہ عنہ ہی کو عطا فرمائی واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم (الاصابہ، ج:۴ص:۵۸۔ زرقانی، ج:۲ص:۲۸)

فائدہ

ابو دجانہ بڑے شجاع اور بہادر تھے، جنگ کے وقت ان پر (تبختر) یعنی ناز و انداز اور وجد اور سکر کی خاص کیفیت ہوتی تھی۔ لڑائی کے وقت سر پر سرخ عمامہ باندھ لیتے تھے اور خراماں خراماں چلتے۔ غالباً اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلوار عطا کی جیسا کہ آئندہ ان کے جہاد و قتال سے معلوم ہوگا۔

آغاز جنگ اور مبارزین قریش کا ایک ایک کرکے قتل

قریش کی طرف سے سب سے پہلے میدان جنگ میں ابو عامر نکلا جو زمانہ جاہلیت میں قبیلہ اوس کا سردار تھا اور زہد اور پارسائی کی وجہ سے راہب کے نام سے پکارا جاتا تھا جب مدینہ میں اسلام کا نور چمکا تو یہ شپرہ چشم اس کی تاب نہ لاسکا اور مدینہ سے مکہ چلا آیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بجائے راہب کے فاسق نام تجویز فرمایا۔ اس فاسق نے مکہ آکر قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لئے آمادہ کیا اور معرکہ احد میں خود ان کے ساتھ آیا اور یہ باور کرایا کہ قبیلہ اوس کے لوگ جب مجھ کو دیکھیں گے تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ چھوڑ کر میرے ساتھ ہو جائیں گے۔

پہلا مبارز

چنانچہ معرکہ احد میں سب سے پہلے یہی ابو عامر میدان میں آیا اور للکار کر کہا

یا معشر الاوس انا ابو عامر اے گروہ اوس میں ابو عامر ہوں۔

خدا اوس کی آنکھیں ٹھنڈی کرے جنھوں نے فوراً ہی یہ جواب دیا۔

لا انعم الله بك عينا يا فاسق اے خدا کے فاسق اور نافرمان خدا کبھی تیری آنکھ ٹھنڈی نہ کرے۔

ابو عامر یہ دندان شکن جواب سن کر خائب و خاسر واپس ہوا اور جاکر یہ کہا میرے بعد میری قوم کی حالت بدل گئی۔

(زرقانی ص ۳۰ ج ۲، ابن ہشام ص ۷۹ ج ۲، طبری ص ۱۶ ج ۳، عیون الاثر ص ۱۳۳۶ البدایہ والنہایہ ص ۱۶ ج ۴)

دوسرا مبارز

بعد ازاں مشرکین کا علمبردار طلحہ بن ابی طلحہ میدان میں آیا اور للکار کر یہ کہا۔ اے اصحاب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

تمہارا یہ گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو تمہاری تلواروں سے جلدی جہنم میں پہنچاتا ہے اور ہماری تلواروں سے تم کو جنت میں جلد پہنچاتا ہے پس کیا تم میں سے ہے کوئی جس کو میری تلوار جلد جنت میں یا اس کی تلوار مجھ کو جلد جہنم میں پہنچائے۔

یہ سنتے ہی حضرت علی کرم اللہ وجہہ مقابلے کے لئے نکلے اور تلوار چلائی جس سے اس کا پیر کٹ گیا اور منہ کے بل گرا اور ستر کھل گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ شرما کر پیچھے ہٹ گئے۔ نبی کریم علیہ الصلوۃ والتسلیم نے دریافت فرمایا اے علی کیوں پیچھے ہٹے۔ آپ نے فرمایا مجھ کو اس کے ستر کھل جانے سے شرم آ گئی۔ (زرقانی ج ۲ ص ۳۱) ابن سعد فرماتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کے سر پر تلوار چلائی جس سے سر کے دو حصے ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسرور ہوئے اور اللہ اکبر کا نعرہ کہا اور مسلمانوں نے بھی اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔

غالباً حضرت علی کی پہلی تلوار اس کے قدم پر پڑی جس سے پیر کٹ گیا اور دوسری تلوار سر پر پڑی جس نے کھوپڑی کے دو ٹکڑے کر ڈالے۔ ابن جریر کی روایت میں پہلے وار کا ذکر ہے، اور ابن سعد کی روایت میں دوسرے وار کا لہٰذا دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

تیسرا مبارز

بعد ازاں عثمان بن ابی طلحہ نے علم سنبھالا اور یہ رجز پڑھتا ہوا میدان میں آیا۔

ان علی اھل اللواء حقا۔ ان تخضب الصعدۃ او تندقا

علمبردار کا یہ فرض ہے کہ لڑتے لڑتے اس کا نیزہ دشمن کے خون سے رنگین ہو جائے یا ٹوٹ جائے۔

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑھ کر حملہ کیا اور عثمان کے دونوں ہاتھ اور دونوں شانے صاف کر دیئے۔ اور علم اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور تھوڑی ہی دیر میں اس کا کام تمام ہوا۔

چوتھا مبارز

اس کے بعد ابوسعد بن ابی طلحہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا۔ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے فوراً ہی ایک تیر تاک کر اس کے حلق پر مارا جس سے اس کی زبان باہر نکل آئی آگے بڑھ کر فوراً قتل کیا۔

پانچواں مبارز

اس کے بعد مسافع بن طلحہ بن ابی طلحہ نے علم اٹھایا حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک ہی وار میں قتل کیا۔

چھٹا مبارز

اس کے بعد حارث بن طلحہ بن ابی طلحہ نے جھنڈا ہاتھ میں لیا اس کو بھی عاصم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہی وار میں قتل کیا اور بقول بعض حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اس کو قتل کیا۔

ساتواں مبارز

پھر کلاب بن طلحہ بن ابی طلحہ نے علم ہاتھ میں پکڑا حضرت زبیر نے رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر قتل کیا۔

آٹھواں مبارز

بعدازاں جلاس بن طلحہ بن ابی طلحہ نے جھنڈا اٹھایا۔فوراً ہی حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو قتل کیا۔

نواں مبارز

اس کے بعد ارطاۃ بن شرجیل نے جھنڈا ہاتھ میں لیا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کا کام تمام کیا۔

دسواں مبارز

شریح بن قارظ علم لے کر آگے بڑھا آنا فاناً اس کا کام بھی تمام ہوا شریح کے قاتل کا نام معلوم نہیں کہ کون تھا۔

گیارھواں مبارز

اس کے بعد اس کا غلام جس کا نام صواب تھا وہ علم لے کر سامنے آیا۔حضرت سعد بن ابی وقاص یا حضرت حمزہ یا حضرت علی رضی اللہ عنہم میں سے کسی ایک نے علی اختلاف الاقوال اس کا بھی کام تمام کیا۔(زرقانی: ج ۲ ص ۱۳۱ ابن سعد ج ۲ ص ۲۸)

اس طرح سے قریش کے بائیس سردار مارے گئے جن کے نام علامہ ابن ہشام نے بالتفصیل ذکر کئے ہیں اور ساتھ ساتھ یہ بھی بتلایا ہے کہ فلاں فلاں سردار فلاں فلاں صحابی کے ہاتھ سے قتل ہوا۔(ابن ہشام: ج ۲، ص: ۱۰۳، زرقانی۔ج ۲، ص ۳۱)

ابو دجانہ رضی اللہ عنہ کی بہادری

ابو دجانہ رضی اللہ عنہ جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار عطا فرمائی تھی نہایت شجاع اور بہادر تھے۔اول انہوں نے اپنا ایک سرخ عمامہ نکالا اور سر پر باندھا۔اور اکڑتے ہوئے میدان میں نکلے اور یہ اشعار زبان پر تھے۔

انا الذی عاهدنی خلیلی

ونحن بالسفح لدی النخیل

میں وہی ہوں جس سے میرے اس دوست نے عہد لیا ہے (کہ جس کی محبت میرے خلال قلب یعنی اندرون قلب میں سرایت کر چکی ہے یعنی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے) درآنحالیکہ ہم پہاڑ کے دامن میں نخلستان کے قریب تھے۔

ان لا اقوم الدهر فی الکبول

اضرب بسیف الله والرسول

وہ عہد یہ ہے کہ کبھی پیچھے کی صف میں نہ کھڑا ہوں گا اور اللہ اور اس کے رسول کی تلوار سے خدا کے دشمنوں کو مارتا رہوں گا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابودجانہ رضی اللہ عنہ کو اکڑتے ہوئے دیکھ کر یہ فرمایا یہ چال اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے مگر ایسے وقت میں۔ (یعنی جبکہ محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے دشمنوں کے مقابلہ میں ہو اپنے نفس کیلئے نہ ہو) ابو دجانہ رضی اللہ عنہ صفوں کو چیرتے چلے جاتے تھے جو سامنے آ گیا اسی کی لاش زمین پر ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ ابوسفیان کی بیوی ہندہ بالکل سامنے آ گئی ابودجانہ رضی اللہ عنہ نے اس پر تلوار اٹھائی مگر فوراً ہی ہاتھ روک لیا، کہ یہ کسی طرح زیبا نہیں کہ خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کو ایک عورت پر چلایا جائے۔ ایک روایت میں ہے کہ جب ابودجانہ رضی اللہ عنہ ہندہ کے قریب پہنچے تو اس نے لوگوں کو آواز دی مگر کوئی شخص اس کی مدد کو نہ پہنچا۔ ابودجانہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ مجھ کو اس وقت یہ اچھا نہ معلوم ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کو ایک بے پناہ اور بے سہارا عورت پر آزماؤں۔ (البدایۃ والنہایۃ: ج۴،ص۱۶)

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور شہادت کا ذکر

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے شیرانہ حملہ سے کفار سخت پریشان تھے جس پر تلوار اٹھاتے اسی کی لاش زمین پر نظر آتی۔

وحشی بن حرب جو جبیر بن مطعم کا حبشی غلام تھا۔ جنگ بدر میں جبیر کا چچا طعیمۃ بن عدی حضرت حمزہ کے ہاتھ سے قتل ہوا تھا۔ جبیر کو اس کا بہت صدمہ تھا۔ جبیر نے وحشی سے یہ کہا کہ اگر میرے چچا کے بدلہ میں حضرت حمزہ کو قتل کر دے تو تو آزاد ہے۔ جب قریش جنگ احد کیلئے روانہ ہوئے تو وحشی بھی ان کے ساتھ روانہ ہوا۔

جب احد پر فریقین کی صفیں قتال کیلئے مرتب ہو گئیں اور لڑائی شروع ہوئی تو سباع بن عبدالعزی هل من مبارز (ہے میرا کوئی مقابل) پکارتا ہوا میدان میں آیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اس کی طرف یہ کہتے ہوئے بڑھے اے سباع! اے عورتوں کا ختنہ کرنے والی عورت کے بچے تو اللہ اور اس کے رسول کا مقابلہ کرتا ہے یہ کہہ کر اس پر تلوار کا ایک وار کیا ایک ہی وار میں اس کو فنا اور موت کے گھاٹ اتار دیا۔

وحشی حضرت حمزہ کی تاک میں ایک پتھر کے نیچے چھپا بیٹھا تھا۔ جب حضرت حمزہ ادھر سے گزرے تو وحشی نے پیچھے سے ناف پر نیزہ مارا جو پار ہو گیا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ چند قدم چلے مگر لڑکھڑا کر گر پڑے اور جام شہادت نوش فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ روایت صحیح بخاری کی ہے۔ مسند ابی داؤد طیالسی میں ہے وحشی کہتے ہیں کہ جب مکہ آیا تو آزاد ہو گیا اور قریش کے ساتھ فقط حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قتل کے ارادہ سے آیا تھا قتل وقتال میرا مقصد نہ تھا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۰۲)

حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قتل کر کے لشکر سے علیحدہ جا کر بیٹھ گیا اس لیے کہ میرا اور کوئی مقصد نہ تھا صرف آزاد ہونے کی خاطر حضرت حمزہ کو قتل کیا۔

فائدہ

فتح مکہ کے بعد وفد طائف کے ساتھ وحشی بارگاہ رسالت میں مدینہ منورہ مشرف بہ اسلام ہونے کی غرض سے حاضر ہوئے لوگوں نے ان کو دیکھ کر عرض کیا یا رسول اللہ یہ وحشی ہے یعنی آپ کے عم محترم کا قاتل۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

دعوه فلا سلام رجل واحد احب الی من قتل الف کافر

اس کو چھوڑ دو، البتہ ایک شخص کا مسلمان ہونا میرے نزدیک ہزار کافروں کے قتل سے کہیں زیادہ محبوب ہے۔

بعد ازاں آپ نے وحشی سے حضرت حمزہ کے قتل کا واقعہ دریافت کیا، وحشی نے نہایت خجالت وندامت کے ساتھ محض تعمیل ارشاد کی غرض سے واقعہ عرض کیا۔ آپ نے اسلام قبول کیا۔ اور یہ فرمایا کہ اگر ہو سکے تو میرے سامنے نہ آیا کرو اس لیے کہ تم کو دیکھ کر چچا کا صدمہ تازہ ہو جاتا ہے۔ وحشی رضی اللہ عنہ کو چونکہ آپ کو ایذاء پہنچانا مقصود نہ تھا اس لیے جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تو پس پشت بیٹھتے اور اس فکر میں رہتے کہ اس کا کوئی کفارہ کروں چنانچہ اس کے کفارہ میں مسیلمہ کذاب کو اسی نیزہ سے مار کر واصل جہنم کیا جس نے خاتم النبیین صلوات اللہ وسلامہ علیہ کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔

اور جس طرح حضرت حمزہ کو ناف پر نیزہ مار کر شہید کیا اس طرح مسیلمہ کذاب کو بھی ناف ہی پر نیزہ مار کر قتل کیا۔ اس طرح ایک خیر الناس کے قتل کی ایک شر الناس (بدترین خلائق) کے قتل سے مکافات کی۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۸۴، ۲۸۵)

صحیح بخاری میں ہے کہ مسیلمہ کذاب کے قتل میں حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ ایک انصاری بھی شریک تھے واقدی اور اسحاق بن راہویہ اور حاکم کہتے ہیں عبداللہ بن زید بن عاصم مازنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے اور بعض عدی بن سہل اور بعض ابودجانہ اور بعض زید بن الخطاب کا نام بتلاتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ شن بن عبداللہ تھے جیسا کہ ذیل کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے:

الم ترانی وو حشیهم　　ضربنا مسیلمة المفتن

(کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ میں نے اور وحشی نے دونوں نے مل کر مسیلمہ فتنہ پرداز کو مارا ہے)

یسائلنی الناس عن قتله　　فقلت ضربت وهذا طعن

(لوگ مجھ سے مسیلمہ کے قتل کی بابت دریافت کرتے ہیں کہ کس نے مارا میں نے جواب دیا کہ میں نے تلوار ماری اور وحشی نے نیزہ مارا)

فلست بصاحبه دونه　　　ولیس بصاحبه دون شن

(پس حاصل یہ کہ مسیلمہ کا مستقل قاتل نہ تو میں ہوں اور نہ وحشی کو بغیر شن کی شرکت کے مستقل قاتل کہا جاسکتا ہے) (فتح الباری ج ۷ص ۲۸۴،۲۸۵)

وحشی راوی ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو نے ہی حمزہ کو قتل کیا ہے؟ میں نے عرض کیا:

نعم والحمدللہ الذی اکرمہ　　　بیدی ولم یھنی بیدہ

(ہاں اور شکر اس خدا کا جس نے حضرت حمزہ کو میرے ہاتھ شہادت کی کرامت اور عزت بخشی اور مجھ کو اس کے ہاتھ سے ذلیل نہیں کیا)

کیونکہ اگر وحشی اس وقت حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارے جاتے تو بحالت کفر مارے جاتے جس سے بڑھ کر کوئی اہانت اور ذلت نہیں۔ بعد ازاں آپ نے فرمایا اے وحشی جا اور خدا کی راہ میں قتال کر جیسا کہ تو خدا کے راستہ سے روکنے کیلئے قتال کرتا تھا۔ رواہ الطبرانی واسنادہ حسن۔ (مجمع الزوائد ج ۶ص ۱۲۱)

حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غسیل الملائکہ کی شہادت کا ذکر

ابو عامر فاسق جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اس کے بیٹے حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ اس معرکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

ابوسفیان اور حضرت حنظلہ کا مقابلہ ہو گیا۔ حضرت حنظلہ نے دوڑ کر ابوسفیان پر وار کرنا چاہا لیکن پیچھے سے شداد بن اسود نے ایک وار کیا جس سے حضرت حنظلہ شہید ہوئے۔

نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا: میں نے فرشتوں کو دیکھا کہ حنظلہ کو ابر کے پانی سے چاندی کے برتنوں میں غسل دے رہے ہیں۔

ان کی بیوی (نام جمیلہ تھا، صحابیہ ہیں، راس المنافقین عبداللہ بن ابی کی بہن ہیں) سے دریافت کیا گیا معلوم ہوا کہ حالت جنابت ہی میں جہاد کیلئے روانہ ہو گئے تھے۔ اسی حالت میں شہید ہوئے۔ (رواہ ابن اسحاق والحاکم وصححہ ورواہ ابن سعد وغیرہ خصائص کبریٰ ج ۱ص ۲۱۶)

جس روز حضرت حنظلہ شہید ہونے والے تھے اسی شب ان کی بیوی نے یہ خواب دیکھا کہ آسمان کا ایک دروازہ کھلا اور حضرت حنظلہ اس میں داخل ہوئے اور داخل ہونے کے بعد دروازہ بند کر لیا گیا۔ بیوی اس خواب سے سمجھ چکی تھیں کہ حضرت حنظلہ اب اس عالم سے رخصت ہونے والے ہیں۔

لڑائی ختم ہونے کے بعد جب ان کی لاش تلاش کی گئی تو سر سے پانی ٹپکتا تھا۔ (روض الانف ج ۲ص ۱۳۳)

اسی وجہ سے حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غسیل الملائکہ کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ کے باپ ابو عامر فاسق چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں لڑ رہے تھے اس لیے حضرت حنظلہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے باپ کے قتل کی اجازت چاہی مگر آپ نے منع فرمایا۔ (رواہ ابن شاہین واسنادہ حسن۔ اصابہ ترجمہ حنظلہ بن ابی عامر)

مسلمانوں کے ان دلیرانہ اور جان بازانہ حملوں سے قریش کے میدان جنگ سے پیر اکھڑ گئے اور ادھر ادھر منہ چھپا کر اور پشت دکھا کر بھاگنے لگے اور عورتیں بھی پریشان اور بدحواس ہو کر پہاڑوں کی طرف بھاگنے لگیں اور مسلمان مال غنیمت کے جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔

مسلمان تیراندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا اور لڑائی کا پانسہ پلٹ جانا

تیراندازوں کی اس جماعت نے (جو کہ درہ کی حفاظت کے لئے بٹھائی گئی تھی)۔ جب یہ دیکھا کہ فتح ہوگئی اور مسلمان مال غنیمت میں مشغول ہیں۔ یہ بھی اسی طرف بڑھے۔ ان کے امیر عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے بہت روکا اور کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید فرمائی تھی کہ تم اس جگہ سے نہ ٹلنا۔ مگر ان لوگوں نے نہ مانا اور مرکز چھوڑ کر غنیمت جمع کرنے والوں میں جا ملے۔

حضرت عبداللہ بن جبیر اور ان کے دس رفقاء کی شہادت

مرکز پر صرف حضرت عبداللہ بن جبیر اور دس آدمی رہ گئے حکم نبوی کے خلاف کرنا تھا کہ یکایک فتح شکست سے بدل گئی خالد بن ولید نے جو اس وقت مشرکین کے میمنہ پر تھے۔ درہ کو خالی دیکھ کر پشت پر سے حملہ کر دیا۔ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ مع اپنے ہمراہیوں کے شہید ہوئے۔

مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کی شہادت

مشرکین کے اس ناگہانی اور یکبارگی حملہ سے مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہوگئیں اور دشمنان خدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آپہنچے۔

مسلمانوں کے علمبردار حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ آپ کے قریب تھے۔ انہوں نے کافروں کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ شہید ہوئے ان کے بعد آپ نے علم حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے سپرد فرمایا۔ چونکہ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ تھے اس لیے کسی شیطان نے یہ افواہ اڑا دی کہ نصیب دشمناں رسول صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہوگئے۔ اس لیے تمام مسلمانوں میں سراسیمگی اور اضطراب پھیل گیا اور اس خبر وحشت اثر کے سنتے ہی سب کے سب بدحواس ہوگئے اور اس بدحواسی میں دوست دشمن کا بھی امتیاز نہ رہا اور آپس میں ایک دوسرے پر تلوار چلنے لگی۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد کا مسلمانوں کے ہاتھ سے غلطی سے شہید ہو جانا

حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد یمان بھی اسی کشمکش میں آ گئے حضرت حذیفہ نے دور سے دیکھا کہ مسلمان میرے باپ کو مارے ڈال رہے ہیں پکار کر کہا اے اللہ کے بندو یہ میرا باپ ہے مگر اس ہنگامہ میں کون سنتا تھا بالآخر حضرت یمان شہید ہو گئے مسلمانوں کو جب اس کا علم ہوا کہ یہ حضرت حذیفہ کے باپ تھے تو بہت نادم ہوئے اور کہا خدا کی قسم ہم نے پہچانا نہیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا:

یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین

اللہ تمہیں معاف کرے وہ سب سے زیادہ مہربان ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت دینے کا ارادہ فرمایا مگر حضرت حذیفہ نے قبول نہیں کیا۔ اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں حضرت حذیفہؓ کی اور قدر بڑھ گئی۔ (طبری ج ۳ ص ۲۶، فتح الباری ج ۷ ص ۲۷۹، زرقانی ج ۲ ص ۳۲، ابن ہشام ج ۲ ص ۸۷)

خالد بن ولید کے ناگہانی حملہ سے لشکر اسلام کا اضطراب اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال ثبات قدمی:

خالد بن ولید کے اس یکبارگی اور ناگہانی حملہ سے اگرچہ بڑے بڑے دلیروں کے پاؤں اکھڑ گئے مگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے ثبات اور قدم استقلال میں ذرہ برابر تزلزل نہیں آیا۔ اور کیسے آ سکتا تھا اللہ کا نبی اور اس کا رسول معاذ اللہ بزدل نہیں ہو سکتا۔ پہاڑ ٹل جائیں مگر انبیاء اللہ علیہم الف الف صلوات اللہ اپنی جگہ سے نہیں ہٹ سکتے، ایک پیغمبر کی تنہا شجاعت کل عالم کی شجاعت سے کہیں زیادہ وزنی اور بھاری ہوتی ہے۔

چنانچہ دلائل بیہقی میں مقداد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

فو الذی بعثه بالحق مازالت قدمه شبرا واحد اوانه لقی وجه العد وويفیء اليه طائفة من اصحابه مرة وتفترق مرة فربمارايته قائما يرمی عن قوسه ويرمی بالحجر حتی انحازوا عنه (زرقانی ج۲ ص ۳٤)

قسم ہے اس ذات پاک کی جس نے آپ کو حق دے کر بھیجا آپ کا قدم مبارک ایک بالشت بھی اپنی جگہ سے نہیں ہٹا اور بلاشبہ آپ دشمن کے مقابلہ میں ثابت قدم رہے صحابہ کی ایک جماعت کبھی آپ کے پاس آتی تھی اور کبھی جاتی تھی اور بسا اوقات میں نے آپ کو دیکھا کہ آپ بہ نفس نفیس خود کھڑے ہوئے تیر اندازی اور سنگ باری فرما رہے ہیں یہاں تک کہ دشمن آپ سے ہٹ گئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظین

ابن سعد فرماتے ہیں کہ اس ہلچل اور اضطراب میں چودہ اصحاب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔ سات مہاجرین میں سے اور سات انصار میں سے جن کے نام حسب ذیل ہیں:

اسماءِ مہاجرین

1. حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
2. حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ
3. حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ
4. حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ
5. حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ
6. حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ
7. حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ

اسماءِ انصار

1. حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ
2. حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ
3. حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ
4. حضرت حارث بن صمۃ رضی اللہ عنہ
5. حضرت سہیل بن حنیف رضی اللہ عنہ
6. حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ
7. حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ

مہاجرین میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نام اس لیے نہیں ذکر کیا گیا کہ مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شہید ہوجانے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علم حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عطا فرمادیا تھا۔ وہ مصروف جہاد وقتال تھے۔

یہ چودہ اصحاب آپ کے ساتھ تھے لیکن کبھی کبھی کسی ضرورت کی وجہ سے بعض حضرات کہیں چلے بھی جاتے تھے مگر جلد ہی واپس ہوجاتے تھے۔

اس لیے کبھی آپ کے ساتھ بارہ آدمی رہے (جیسا کہ صحیح بخاری میں براء بن عازب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے)

اور کبھی گیارہ (جیسا کہ نسائی اور دلائل بیہقی میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بسند جید مروی ہے)

اور کبھی سات (جیسا کہ صحیح مسلم میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے)

اختلاف اوقات اور اختلاف حالات کی وجہ سے حاضرین بارگاہ رسالت کے عدد میں روایتیں مختلف ہیں ہر ایک راوی کا بیان اپنے اپنے وقت کے لحاظ سے بجا اور درست ہے کسی وقت بارہ اور کسی وقت گیارہ اور کسی وقت سات آدمی آپ کے ساتھ رہے، بحمد اللہ سب روایتیں متفق ہیں کوئی تعارض نہیں۔

تفصیل کیلئے فتح الباری ج ۷ ص ۲۷۷ اور زرقانی ج ۲ ص ۳۵ کی مراجعت فرمائیں۔

قریش کا حضور پر نور پر ناگہانی ہجوم اور صحابہ کرام کی جاں نثاری

صحیح مسلم میں حضرت انس سے مروی ہے کہ جب قریش کا آپ پر ہجوم ہوا تو یہ ارشاد فرمایا کون ہے جوان کو مجھ سے ہٹائے اور جنت میں میرا رفیق بنے۔ انصار میں سے سات آدمی اس وقت آپ کے پاس تھے، ساتوں انصاری باری باری لڑکر شہید ہوگئے۔ (صحیح مسلم ج ۲ ص ۱۰۷ غزوۂ احد ورواہ احمد کما فی البدایۃ والنہایۃ ج ۴ ص ۲۶)

ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا:

من رجل یشری لنا نفسه

کون مرد ہے کہ جو ہمارے لیے اپنی جان فروخت کرے

یہ سنتے ہی زیاد بن سکن اور پانچ انصار کھڑے ہوگئے اور یکے بعد دیگرے ہر ایک نے جان نثاری اور جانبازی کے جوہر دکھلائے یہاں تک شہید ہوئے اور اپنی جان کو فروخت کر کے جنت مول لے لی۔

زیاد بن سکن کو یہ شرف حاصل ہوا کہ جب زخم کھا کر گرے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کو میرے قریب لاؤ لوگوں نے ان کو آپ کے قریب کردیا۔ انہوں نے اپنا رخسار آپ کے قدم مبارک پر رکھ دیا اور اسی حالت میں جان اللہ کے حوالے کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ (ابن ہشام ج ۲ ص ۸۴۹)

عتبۃ بن ابی وقاص کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے بھائی عتبہ بن ابی وقاص نے موقع پا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک پتھر پھینکا جس سے نیچے کا دندان مبارک شہید اور نیچے کا لب زخمی ہوا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جس قدر اپنے بھائی عتبہ کے قتل کا حریص اور خواہش مند رہا اتنا کسی کے قتل کا کبھی حریص اور خواہش مند نہیں ہوا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۸۱) (رواہ ابن اسحٰق)

عبداللہ بن قمیہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ

عبداللہ بن قمیہ نے جو قریش کا مشہور پہلوان تھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس زور سے حملہ کیا کہ رخسار مبارک زخمی

ہوا اور خود کے دو حلقے رخسار مبارک میں گھس گئے اور عبد اللہ بن شہاب زہری (جنگ احد میں کفار کے ساتھ آئے مگر بعد میں مشرف بہ اسلام ہوئے اور مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ زرقانی ج ۲ ص ۳۸) نے پتھر مار کر پیشانی مبارک کو زخمی کیا۔ چہرہ انور پر جب خون بہنے لگا تو حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ماجد مالک بن سنان رضی اللہ عنہ نے تمام خون چوس کر چہرۂ انور کو صاف کر دیا۔ آپ نے فرمایا: لن تمسك النار۔ تجھ کو جہنم کی آگ ہرگز نہ لگے گی۔

معجم طبرانی میں ابو امامہؓ سے مروی ہے کہ ابن قمیہ نے آپ کو زخمی کرنے کے بعد یہ کہا:

خذها وانا ابن قمية (لو اس کو اور میں ابن قمیہ ہوں)

آپ نے ارشاد فرمایا:

اقماك الله (اللہ تعالیٰ تجھ کو ذلیل اور خوار ہلاک اور برباد کرے)

چند روز نہ گزرے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر ایک پہاڑی بکرا مسلط کیا جس نے اپنے سینگوں سے ابن قمیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۸۱، زرقانی ج ۲ ص ۳۸)

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کو سہارا دینا

جسم مبارک پر چونکہ دو آہنی زرہوں کا بھی بوجھ تھا اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک گڑھے میں گر گئے جس کو ابو عامر فاسق نے مسلمانوں کے لئے بنایا تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آپ کا ہاتھ پکڑا اور حضرت طلحہ نے کمر تھام کر سہارا دیا تب آپ کھڑے ہوئے۔

اور ارشاد فرمایا کہ جو شخص زمین پر چلتے پھرتے زندہ شہید کو دیکھنا چاہے وہ طلحہ کو دیکھ لے حضرت عائشہ صدیقہ بنت صدیق اپنے باپ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما سے راوی ہیں کہ چہرہ انور میں زرہ کی جو دو کڑیاں چبھ گئی تھیں، ابو عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنے دانتوں سے پکڑ کر کھینچا جس میں ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کے دو دانت شہید ہوئے۔ رضی الله عنه واضحك سنه يوم القيامة (آمین) سند اس روایت کی صحیح ہے۔ (زرقانی ج ۲ ص ۳۸، ابن ہشام ج ۲ ص ۸۴)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب پہاڑ پر چڑھنے کا ارادہ فرمایا تو ضعف اور نقاہت اور دو زرہوں کے ثقل کی وجہ سے مجبور ہوئے اس وقت حضرت طلحہ آپ کے نیچے بیٹھ گئے آپ ان پر اپنے پیر رکھ کر اوپر چڑھے اور حضرت زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے سنا:

اوجب طلحه (طلحہ نے اپنے لیے جنت واجب کر لی) (رواہ ابن اسحاق)

حضرت قیس بن ابی حازم فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت طلحہ کا وہ ہاتھ دیکھا جس سے انہوں نے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم کو احد کے دن بچایا تھا وہ بالکل شل تھا (رواہ البخاری)

حاکم نے اکلیل میں روایت کیا ہے کہ اس روز حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پینتیس یا انتالیس زخم آئے۔

ابوداؤد طیالسی میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب غزوۂ احد کا ذکر کرتے تو یہ فرماتے:

كان ذلك اليوم كله لطلحة.

یہ دن تو سارا طلحہ کیلئے رہا۔

حضرت جابر سے مروی ہے کہ دشمنوں کے وار روکتے روکتے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کی انگلیاں کٹ گئیں تو بے اختیار زبان سے یہ نکلا حسن (فتح الباری میں حسن نون کے ساتھ ہے یعنی خوب ہوا، اور علامہ زرقانی نے بدون نون کے نقل کیا ہے یعنی حس جیسے ہماری زبان سے آہ نکل جاتا ہے) آپ نے یہ ارشاد فرمایا:

لوقلت بسم الله لرفعتك الملائكة والناس ينظرون اليك حتى تلج بك فى جو السماء (رواه النسائی والبیہقی بسند جید) (فتح الباری ج ۷ ص ۲۷۸، زرقانی ج ۲ ص ۳۹)

اگر تو بجائے حس کے بسم اللہ کہتا تو فرشتے تجھے اٹھا کر لے جاتے اور لوگ تجھ کو دیکھتے ہوئے ہوتے یہاں تک کہ تجھ کو جو سماء میں لے کر گھس جاتے۔

اس حدیث کو نسائی اور بیہقی نے نہایت عمدہ اور کھری سند کیساتھ روایت کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے راوی ہیں کہ ہم نے احد کے دن حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جسم پر ستر سے زیادہ زخم دیکھے۔ (رواہ ابوداؤد الطیالسی) (فتح الباری ج ۷ ص ۶۶ مناقب طلحہ)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کے علاتی باپ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ آپ کو ڈھال سے ڈھانکے ہوئے تھے بڑے تیر انداز تھے اس روز دو یا تین کمانیں توڑ ڈالیں جو شخص ترکش لیے ہوئے ادھر سے گزرتا نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم اس سے یہ فرماتے کہ یہ ترکش ابوطلحہ کے لئے ڈال جاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نظر اٹھا کر لوگوں کو دیکھنا چاہتے تو ابوطلحہ یہ عرض کرتے:

بابی انت وامی لا تشرف يصبك سهم من سهام القوم نحری دون نحرك.

میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں آپ نظر نہ اٹھائیں نصیب دشمنان کوئی تیر نہ آ لگے، میرا سینہ آپ کے سینے کیلئے سپر ہے۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بڑے تیر انداز تھے، احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ترکش کے تمام تیر نکال کر ان کے سامنے ڈال دیے اور فرمایا:

ارم فداك ابی وامی

تیر چلا تجھ پر میرے ماں باپ فدا ہوں

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے سوائے سعد بن ابی وقاص کے کسی اور کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فداك ابی وامی کہتے نہیں سنا۔ (بخاری شریف ص ۵۸۱) (یعنی احد کے دن سوائے حضرت سعد کے کسی اور کیلئے نہیں سنا، ورنہ غزوۂ بنو قریظہ میں حضرت زبیرؓ کے لئے فداک ابی وامی کہنا صحیح بخاری باب مناقب زبیرؓ میں مذکور ہے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۶۶ مناقب سعد بن ابی وقاصؓ)

حاکم راوی ہیں کہ احد کے دن حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہزار تیر چلائے۔ (زرقانی ج ۲ ص ۴۲)

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ کی جاں نثاری

حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ (حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ ابودجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسیلمہ کذاب کے قتل میں شریک تھے اسی جنگ میں شہید ہوئے۔ رضی اللہ عنہ استیعاب) دشمن سے سپر بن کر آپ کے سامنے کھڑے ہوگئے اور پشت دشمنوں کی جانب کرلی، تیر پر تیر چلے آرہے ہیں اور ابودجانہ رضی اللہ عنہ کی پشت ان کا نشانہ بنی ہوئی ہے۔ مگر اس اندیشہ سے کہ آپ کو کوئی تیر نہ لگ جائے جس وحرکت نہیں کرتے تھے۔ (رواہ ابن اسحٰق، زرقانی ج ۲ ص ۴۳)

تنبیہ

جس طرح حضور خاتم النبیین تھے، کمالات نبوت آپ پر ختم تھے، اسی طرح آپ پر محبوبیت ختم تھی اور صحابہ کرام پر عشق ختم تھا خدا کی قسم، اس فدائیت کے سامنے لیلیٰ ومجنون کی داستانیں سب گرد ہیں۔

حضور پرنور کا مشرکین پر اظہار افسوس

حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرۂ انور سے خون پونچھتے جاتے تھے اور یہ کہتے جاتے تھے وہ قوم کیسے فلاح پاسکتی ہے جس نے اپنے پیغمبر کا چہرہ خون آلود کیا اور وہ ان کو ان کے پروردگار کی طرف بلاتا ہے۔ (رواہ احمد والترمذی والنسائی)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بعض سردارانِ قریش کے حق میں بددعا کرنا اور آیت کا نزول

صحیح بخاری میں حضرت سالم سے مرسلاً روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفوان بن امیہ اور سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام کے حق میں بددعا فرمائی اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

ليس لك من الامر شيء او يتوب عليهم او يعذبهم فانهم ظالمون (اٰل عمران آیت ۱۲۸)

اس امر میں آپ کو کوئی اختیار نہیں یہاں تک کہ خدا مہربانی فرمائے یا ان کو توبہ کی توفیق دے یا ان کو عذاب دے

کیونکہ وہ بڑے ظالم ہیں۔

حافظ عسقلانی فرماتے ہیں کہ یہ تینوں فتح مکہ میں مشرف بہ اسلام ہوئے غالباً اسی وجہ سے حق تعالیٰ نے ان کے حق میں بددعا کرنے سے منع کیا اور یہ آیت شریف نازل فرمائی۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۸۱)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری نظروں کے سامنے ہیں، پیشانی مبارک سے خون پونچھتے جاتے ہیں اور یہ فرماتے جاتے ہیں:

رب اغفر لقومی فانہم لا یعلمون

اے پروردگار میری قوم کی مغفرت فرما وہ جانتے نہیں (صحیح مسلم غزوۂ احد ج ۲ ص ۱۰۸)

بمقتضائے شفقت ورافت فانہم لا یعلمون فرمایا یعنی جانتے نہیں بے خبر ہیں اور یہ نہیں فرمایا فانہم یجہلون یعنی یہ جاہل ہیں۔

آیات بینات کا مشاہدہ کرلینے کے بعد اگرچہ جہل اور لاعلمی عذر نہیں ہوسکتی لیکن رحمت عالم اور رافت مجسم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کمال شفقت اور غایت رحمت سے بارگاہ ارحم الراحمین اور اجود الاجودین اور اکرم الاکرمین میں بصورت لاعلمی ان کی طرف سے معذرت کی شاید رحمت خداوندی ان کو ورطہ کفر وشرک سے نکال کر ایمان واسلام کے دار الامان اور دار السلام میں لا داخل کرے اور اخلاص واحسان کی رحیق مختوم پلا کر اپنی محبت کے نشہ میں ایسا چور کردے کہ دنیائے دوں کی دناءت وحقارت اور عالم آخرت کی عزت ورفعت محسوس اور مشاہد ہوجائے اور کفر اور معصیت کے جیل خانہ سے نکل کر ہمیشہ کیلئے ایمان واسلام اخلاص واحسان کے حرم آمن میں آکر مقیم ہوجائیں کہ پھر ابدالآباد تک کبھی اس سے خارج نہ ہوں۔

فائدہ

جب تک کافر کا خاتمہ کفر پر نہ ہوجائے اس وقت تک کافر کیلئے دعائے مغفرت بایں معنی درست ہے کہ حق تعالیٰ اس کو کفر اور شرک سے توبہ اور ایمان کی ہدایت دے تاکہ وہ خداوند ذوالجلال کے عفو اور مغفرت کا مورد اور محل بن سکے۔ ہاں جب کسی کا خاتمہ کفر اور شرک پر ہوجائے تب اس کیلئے دعائے مغفرت جائز نہیں، کما قال تعالیٰ۔

ماکان للنبی والذین اٰمنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربیٰ من بعد ما تبین لہم انہم اصحاب الجحیم۔ (توبہ آیت ۱۱۳)

پیغمبر کیلئے اور اہل ایمان کیلئے یہ روا نہیں کہ مشرکین کے لئے دعاء مغفرت کریں اگرچہ وہ ان کے اہل قرابت ہی کیوں نہ ہوں بعد اس کے کہ یہ ظاہر ہوچکا کہ یہ دوزخی ہیں یعنی کافر ہیں۔

حضرت قتادۃ بن النعمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ احد کے دن آپ کے چہرہ کے سامنے کھڑا ہوگیا اور اپنا چہرہ

دشمنوں کے مقابل کردیا، تاکہ دشمنوں کے تیر میرے چہرے پر پڑیں۔ اور آپ کا چہرہ انور محفوظ رہے۔ دشمنوں کا آخری تیر میری آنکھ پر ایسا لگا کہ آنکھ کا ڈھیلہ باہر نکل پڑا جس کو میں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دیکھ کر آب دیدہ ہوگئے اور میرے لیے دعا فرمائی کہ اے اللہ جس طرح قتادہ نے تیرے نبی کے چہرہ کی حفاظت فرمائی اسی طرح تو اس کے چہرہ کو محفوظ رکھ اور اس آنکھ کو دوسری آنکھ سے بھی زیادہ خوبصورت اور تیز نظر بنا اور آنکھ کو اسی جگہ رکھ دیا۔ اسی وقت آنکھ بالکل صحیح اور سالم بلکہ پہلے سے بہتر اور تیز ہوگئی۔

(رواہ الطبرانی وابو نعیم والدار قطنی بنحوہ)(الاصابہ ج۳ص۲۲۵)

ایک روایت میں ہے کہ قتادۃ اپنی آنکھ کی پتلی کو ہاتھ میں لیے ہوئے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا اگر تو صبر کرے تو تیرے لیے جنت ہے اور اگر چاہے تو اسی جگہ رکھ کر تیرے لیے دعا کردوں۔ قتادۃ نے عرض کیا: یارسول اللہ میری ایک بیوی ہے جس سے مجھ کو بہت محبت ہے مجھ کو اندیشہ ہے کہ اگر بے آنکھ رہ گیا تو کہیں وہ میری بیوی مجھ سے نفرت نہ کرنے لگے۔ آپ نے دست مبارک سے آنکھ اس کی جگہ پر رکھ دی اور یہ دعا فرمائی:

اللھم اعطہ جمالا (اے اللہ اس کو حسن وجمال عطا فرما)۔ (زرقانی ج۲ص۴۲)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی غلط خبر کا مشہور ہوجانا

جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ نصیب دشمنان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہوگئے، تو بعض مسلمان ہمت ہار کر بیٹھ گئے اور یہ بولے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو شہید ہوگئے اب لڑ کر کیا کریں، تو حضرت انس بن مالک کے چچا حضرت انس بن نضر نے یہ کہا اے لوگو اگر محمد قتل ہوگئے تو محمد کا رب تو قتل نہیں ہوگیا۔ جس چیز پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد وقتال کیا اسی پر تم بھی جہاد وقتال کرو اور اسی پر مرجاؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہ کر کیا کروگے۔ یہ کہہ کر دشمنوں کی فوج میں گھس گئے اور مقابلہ کیا یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔ (رواہ ابن اسحٰق والطبرانی، زرقانی ج۲ص۴۴)

حضرت انس بن النضر کی شہادت کا واقعہ

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ میرے چچا انس بن نضر کو غزوۂ بدر میں شریک نہ ہونے کا بہت رنج تھا۔ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے: یارسول اللہ افسوس کہ میں مشرکین کے ساتھ اسلام کے پہلے ہی جہاد وقتال میں شریک نہ ہوا۔ اگر خدا تعالیٰ نے مجھ کو آئندہ کسی جہاد میں شریک ہونے کی توفیق دی تو اللہ دیکھ لے گا کہ میں اس کی راہ میں کیسی جدوجہد اور کیسی جانبازی اور سرفروشی دکھاتا ہوں۔ جب معرکہ احد میں کچھ لوگ شکست کھا کر بھاگے تو انس بن نضر رضی اللہ عنہ نے کہا اے اللہ میں تیری بارگاہ میں اس فعل سے معافی چاہتا ہوں جو

ان مسلمانوں نے کیا کہ جو میدان سے ذرا پیچھے ہٹے اور اس سے بری اور بیزار ہوں کہ جو مشرکین نے کیا اور تلوار لے کر آگے بڑھے سامنے سے حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آ گئے ان کو دیکھ کر انس بن نضر نے کہا:

این یا سعد (یہ کلمہ کلام عرب میں ندائے بعید کیلئے آتا ہے عجب نہیں کہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاسعد سے یہ مراد ہو کہ اے سعد تو اس سعادت سے کہاں دور پڑا ہوا ہے اور علیٰ ھذا این سے مکان محسوس مراد نہ ہو بلکہ مکان بمعنی الرتبہ مراد ہو۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم) انی اجد ریح الجنة دون احد

اے سعد کہاں جا رہے ہو تحقیق میں تو احد کے نیچے جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں۔

یہ الفاظ کتاب المغازی کی روایت میں ہیں اور کتاب الجہاد کی روایت میں یہ الفاظ ہیں:

یا سعد بن معاذ الجنة ورب النضر انی اجد ریحها دون احد۔ اے سعد یہ ہے جنت قسم ہے نضر کے پروردگار کی تحقیق میں جنت کی خوشبو احد کے نیچے پا رہا ہوں۔ (نضر حضرت انس کے باپ کا نام ہے نضر کے اصل معنی پر رونق اور تر و تازہ کے ہیں شاید حضرت انس نے نضرة النعیم جنت کی رونق اور تر و تازگی کو دیکھ کر رب نضر کی قسم کھائی ہو واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم)

حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ شانہ بعض مرتبہ اپنے خاص بندوں کو روحانی طور پر نہیں بلکہ حسی طور پر دنیا ہی میں جنت کی خوشبو سنگھا دیتے ہیں جس طرح وہ حضرات حاسہ شامہ سے گلاب اور چنبیلی کی خوشبو سونگھتے ہیں اسی طرح وہ دنیا میں کبھی کبھی اللہ کے فضل سے جنت کی خوشبو سونگھتے ہیں جس کی مہک پانچ سو میل تک پہنچتی ہے عجب نہیں کہ حضرت انس بن نضر نے حسی طور پر جنت کی خوشبو محسوس فرمائی ہو۔ (کذا فی حادی الارواح الی بلاد الافراح ج ۱ ص ۲۵۰)

جو لوگ نشہ دنیا میں مخمور اور آخرت کے مزکوم ہیں (مزکوم وہ کہ جس کو زکام ہو گیا ہو۔) ان کا انکار قابل اعتبار نہیں ایسے لوگ از حواس اولیاء بیگانہ اند کے مصداق ہیں، زکام والے کا گلاب اور چنبیلی کی خوشبو کو نہ محسوس کرنا صحیح الدماغ اور صحیح الحواس پر (جس کی قوت شامہ میلوں ہی سے پھولوں کی خوشبو سونگھتی ہو) کیسے حجت ہو سکتا ہے۔

الغرض حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ واھا لریح الجنه اجده دون احد (واہ واہ جنت کی خوشبو احد کے پاس پا رہا ہوں) یہ کہتے ہوئے آگے بڑھے اور دشمنوں کا مقابلہ کیا یہاں تک کہ شہید ہوئے جسم پر تیر اور تلوار کے اسی سے زیادہ زخم پائے گئے اور یہ آیت ان کے بارہ میں نازل ہوئی:

من المؤمنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیه (الاحزاب آیت ۲۳)

مسلمانوں میں سے بعضے ایسے مرد ہیں کہ انہوں نے اللہ سے جو عہد باندھا تھا اس کو سچ کر دکھایا۔

صدق جان دادن بود ہیں سابقوا
از نبی برخوان رجال صدقوا

امام بخاری نے اس حدیث کو جامع صحیح میں تین جگہ ذکر فرمایا ہے، کتاب الجہاد ج ا ص ۳۹۲، وکتاب المغازی ص ۵۷۹ میں مفصلا اور کتاب التفسیر ص ۷۰۵ میں مختصر ابقول عارف رومی۔ انس بن نضر رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا۔

وقت آں آمد کہ من عریاں شوم
جسم بگزارم سراسر جاں شوم
بوئے جاناں سوئے جانم می رسد
بوئے یار مہر بانم می رسد

مسلمانوں کی پریشانی اور بے چینی کا زیادہ سبب ذات بابرکات علیہ الف الف صلوات والف الف تحیات کا نظروں سے اوجھل ہو جانا تھا۔ سب سے پہلے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا۔ آپ خود پہنے ہوئے تھے، چہرہ انور مستور تھا، کعب کہتے ہیں میں نے خود میں سے آپ کی چمکتی ہوئی آنکھیں دیکھ کر آپ کو پہچانا۔ اسی وقت میں نے بآواز بلند پکار کر کہا اے مسلمانو بشارت ہو تمہیں۔ یہ ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے دست مبارک سے اشارہ فرمایا خاموش رہو اگر چہ آپ نے دوبارہ کہنے سے منع فرمایا لیکن دل اور سر کے کان سب کے اسی طرف لگے ہوئے تھے اس لیے کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک ہی آواز سنتے ہی پروانہ وار آپ کے گرد آ کر جمع ہو گئے، کعب فرماتے ہیں کہ بعد ازاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زرہ مجھ کو پہنا دی اور میری زرہ آپ نے پہن لی۔ دشمنوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیال سے مجھ پر تیر برسانے شروع کیے بیس سے زیادہ زخم آئے۔ (رواہ الطبرانی ورجالہ ثقات)

جب کچھ مسلمان آپ کے پاس جمع ہو گئے تو پہاڑ کی گھاٹی کی طرف چلے۔ ابو بکر اور عمر اور علی اور طلحہ اور حارث بن صمہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم وغیرہ آپ کے ہمراہ تھے، جب پہاڑ پر چڑھنے کا ارادہ فرمایا تو ضعف اور نقاہت اور دو زرہوں کے بوجھ کی وجہ سے چڑھ نہ سکے اس لیے حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ نیچے بیٹھ گئے ان پر پیر رکھ کر آپ اوپر چڑھے۔

ابی بن خلف کا قتل

اتنے میں ابی بن خلف گھوڑا دوڑاتا ہوا آ پہنچا جس کو دانہ کھلا کر اس امید پر موٹا کیا تھا کہ اس پر سوار ہو کر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کروں گا۔

آپ کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اسی وقت فرما دیا تھا کہ ان شاء اللہ میں ہی اس کو قتل کروں گا۔

جب وہ آپ کی طرف بڑھا تو صحابہ نے اجازت چاہی کہ ہم اس کا کام تمام کریں، آپ نے فرمایا قریب آنے دو جب قریب آ گیا تو حارث بن صمہ رضی اللہ عنہ سے نیزہ لے کر اس کی گردن میں ایک کوچہ دیا، جس سے وہ بلبلا اٹھا اور چلاتا ہوا واپس ہوا کہ خدا کی قسم مجھ کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مار ڈالا۔

لوگوں نے کہا یہ تو ایک معمولی گھرونٹ ہے کوئی کاری زخم نہیں جس سے تو اس قدر چلا رہا ہے۔ ابی نے کہا تم کو معلوم نہیں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مکہ ہی میں کہا تھا کہ میں ہی تجھ کو قتل کروں گا۔ اس گھرونٹ کی تکلیف میرا ہی دل جانتا ہے خدا کی قسم اگر یہ گھرونٹ حجاز کے تمام باشندوں پر تقسیم کردی جائے تو سب کی ہلاکت کیلئے کافی ہے۔ اسی طرح بلبلا تا رہا مقام سرف میں پہنچ کر مر گیا۔ (البدایہ والنہایۃ ج ۴ ص ۳۵)

حضرت علی اور حضرت فاطمہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زخموں کو دھونا

جب آپ گھاٹی پر پہنچے تو لڑائی ختم ہوچکی تھی وہاں جا کر بیٹھ گئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ پانی لائے اور چہرۂ انور سے خون کو دھویا اور کچھ پانی سر پر ڈالا، بعدازاں آپ نے وضو کیا اور بیٹھ کر ظہر کی نماز پڑھائی۔ صحابہ نے بھی بیٹھ کر ہی اقتداء کی۔ (ابتداء میں یہی حکم تھا کہ اگر امام کسی عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی بھی بیٹھ کر اقتداء کریں گے اگرچہ اقتدا کرنے والے معذور نہ ہوں۔ لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا امام اگر عذر کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں پر قیام فرض ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں بیٹھ کر نماز پڑھائی اور صحابہ کھڑے رہے، یہ آپ کا آخری فعل ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم)

قریش کا مسلمانوں کی لاشوں کو مثلہ کرنا

اور مشرکین نے مسلمانوں کی لاشوں کا مثلہ کرنا شروع کیا یعنی ناک اور کان کاٹے، پیٹ چاک اور اعضاء تناسل قطع کیے، عورتیں بھی مردوں کے ساتھ اس کام میں شریک رہیں۔

ہندہ نے جس کا باپ عتبہ جنگ بدر میں حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا، اس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا مثلہ کیا پیٹ اور سینہ چاک کر کے جگر نکالا اور چبایا لیکن حلق سے نہ اتر سکا اس لیے اس کو اگل دیا اور اس خوشی میں وحشی کو اپنا زیور اتار کر دیا۔

اور جن مسلمانوں کے ناک اور کان کاٹے گئے تھے ان کا ہار بنا کر گلے میں ڈالا۔ (زرقانی ج ۲ ص ۴۴، ۴۷)

ابوسفیان کا آوازہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جواب

قریش نے جب واپسی کا ارادہ کیا تو ابوسفیان نے پہاڑ پر چڑھ کر یہ پکارا۔ افی القوم محمد ۔ کیا تم لوگوں میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) زندہ ہیں۔ آپ نے فرمایا کوئی جواب نہ دے اسی طرح ابوسفیان نے تین بار آواز دی مگر جواب نہ ملا۔ بعدازاں یہ آواز دی افی القوم ابن ابی قحافہ۔ کیا تم لوگوں میں ابن ابی قحافہ (یعنی ابوبکر صدیق) زندہ ہیں۔ آپ نے فرمایا کوئی جواب نہ دے، اس سوال کو بھی تین بار کہہ کر خاموش ہوگیا اور پھر یہ آواز دی افی القوم ابن الخطاب کیا تم میں عمر بن خطاب زندہ ہیں اس فقرہ کو بھی تین مرتبہ دہرایا مگر جب کوئی جواب نہ آیا تو اپنے رفقاء سے خوش ہو کر یہ کہا اما ھوء لاء فقد قتلوا فلو کانوا احیاء لا جابوا بہرحال یہ

سب قتل ہو گئے اگر زندہ ہوتے تو ضرور جواب دیتے۔

(صحیح بخاری کی کتاب الجہاد میں فقط یہ الفاظ ہیں اما ھوء لاء فقد قتلوا اور فلو کانو ......الخ کا ذکر نہیں کتاب المغازی کی روایت میں یہ الفاظ ہیں ان ھو ء لاء قتلوا فلو کانوا احیاء لاجابوا ناچیز نے دونوں روایتوں کے الفاظ کو جمع کر دیا اور علیٰ ہذا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تین تین مرتبہ پکارنا یہ کتاب الجہاد کی روایت میں ہے۔ کتاب المغازی کی روایت میں صرف ایک ایک مرتبہ پکارنے کا ذکر ہے و عدم ذکر لایدل علی ذکر العدم فافهم.)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ تاب نہ لا سکے اور چلا کر کہا:

كذبت والله ياعدو الله ابقى الله عليك ما يحزنك.

اے اللہ کے دشمن خدا کی قسم تو نے بالکل غلط کہا تیرے رنج و غم کا سامان اللہ نے ابھی باقی رکھ چھوڑا ہے۔

بعد ازاں ابوسفیان نے (وطن اور قوم کے ایک بت کا نعرہ لگایا) اور یہ کہا:

اعل هبل اعل هبل (کتاب الجہاد کی روایت میں اعل هبل اعل هبل دو مرتبہ آیا ہے اور کتاب المغازی کی روایت میں صرف ایک مرتبہ مذکور ہے۔۱۲)

اے ہبل تو بلند ہو اے ہبل تیرا دین بلند ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اس کے جواب میں یہ کہو۔

الله اعلیٰ واجل.

اللہ ہی سب سے اعلیٰ اور ارفع اور بزرگ اور برتر ہے۔

پھر ابوسفیان نے کہا۔

ان لنا العزى ولا عزى لكم.

ہمارے پاس عزیٰ تمہارے پاس عزیٰ نہیں، یعنی ہم کو عزت حاصل ہوئی

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا یہ جواب دو:

الله مولانا ولا مولى لكم

اللہ ہمارا آقا اور والی معین اور مددگار ہے تمہارا والی نہیں

فنعم المولى ونعم النصير یعنی عزت صرف اللہ سبحانہ سے تعلق میں ہے عزیٰ کے تعلق میں عزت نہیں بلکہ ذلت ہے۔

ابوسفیان نے کہا:

یوم بیوم بدر والحرب سجال

یہ دن بدر کے دن کا جواب ہے لہٰذا ہم اور تم برابر ہو گئے اور لڑائی ڈولوں کے مانند ہے کبھی اوپر اور کبھی نیچے۔

صحیح بخاری کی روایت ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جواب دیا:

لاسواء قتلانا فی الجنة وقتلاکم فی النار (زرقانی ج ۲ص ۳۷، فتح الباری ج ۷ص ۲۷۲)

ہم اور تم برابر نہیں ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے مقتولین جہنم میں

ابوسفیان کا یہ قول الحرب سجال چونکہ حق تھا اس لیے اس کا جواب نہیں دیا گیا۔ اور حق تعالیٰ شانہ کا یہ ارشاد

تلك الایام نداولها بین الناس

اس کا مؤید ہے۔

بعد ازاں ابوسفیان نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آواز دی

هلم الیّ یاعمر

اے عمر میرے قریب آؤ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ جاؤ اور دیکھو کیا کہتا ہے، حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے پاس گئے ابوسفیان نے کہا:

انشدك الله یا عمراً قتلنا محمدا

اے عمر تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں سچ بتاؤ کہ ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کیا

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

اللهم لا وانه لیسمع کلامك الان

خدا کی قسم ہرگز نہیں اور البتہ تحقیق وہ تیرے کلام کو اس وقت سن رہے ہیں۔

ابوسفیان نے کہا:

انت عندی اصدق من ابن قمیة وابر

تم میرے نزدیک ابن قمیہ سے زیادہ سچے اور نیک ہو۔

بعد ازاں ابوسفیان نے کہا:

انه قدکان فی قتلاکم مثل والله مارضیت ولا نهیت ولا امرت

ہمارے آدمیوں کے ہاتھ سے تمہارے مقتولین کا مثلہ ہوا۔ خدا کی قسم میں اس فعل سے نہ راضی ہوں اور نہ

ناراض، نہ میں نے منع کیا اور نہ میں نے حکم دیا۔

اور چلتے وقت للکار کر یہ کہا:

موعدکم بدر للعام القابل

سال آئندہ بدر پر تم سے لڑائی کا وعدہ ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو یہ حکم دیا کہ کہہ دیں:

نعم هو بيننا وبينك موعد ان شا الله۔

ہاں ہمارا اور تمہارا یہ وعدہ ہے ان شاء اللہ۔ (تاریخ طبری ج ۳ ص ۲۴، ابن ہشام ج ۲ ص ۸۹) (ان شاء اللہ کا لفظ علامہ زرقانی نے نقل کیا ہے طبری اور ابن ہشام کی روایت میں نہیں۔ زرقانی ج ۲ ص ۴۸)

مشرکین کی واپسی کے بعد مسلمانوں کی عورتیں خبر لینے اور حال معلوم کرنے کی غرض سے مدینہ سے نکلیں سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے آ کر دیکھا کہ چہرہ انور سے خون جاری ہے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سپر میں پانی بھر کر لاتے اور حضرت فاطمہ دھوتی جاتی تھیں لیکن خون کسی طرح نہیں تھمتا تھا۔ جب دیکھا کہ خون بڑھتا ہی جاتا ہے تو ایک چٹائی کا ٹکڑا لے کر جلایا اور اس کی راکھ زخم میں بھری تب خون بند ہوا۔ (رواه البخاري والطبراني عن سهل بن سعدؓ) (زرقانی ج ۲ ص ۴۹)

فائدہ

❶ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیماری میں دوا کرنا جائز ہے۔

❷ نیز علاج کرنا توکل کے منافی نہیں۔

❸ نیز حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو بھی امراض جسمانیہ اور تکالیف بدنیہ لاحق ہوتی ہیں تاکہ ان کے درجات بلند ہوں اور ان کے متبعین ان حضرات کو دیکھ کر صبر اور تحمل، رضاء و تسلیم کا سبق حاصل کریں، نیز ان عوارض بشریہ اور لوازم انسانیت کو دیکھ کر سمجھ لیں کہ یہ حضرات اللہ جل جلالہ کے پاک اور مخلص بندے ہیں، معاذ اللہ خدا نہیں۔ ان حضرات کے معجزات اور آیات بینات کو نبوت و رسالت کے براہین اور دلائل سمجھیں۔ نصاریٰ کی طرح فتنہ میں مبتلا ہو کر ان کو خدا نہ سمجھ بیٹھیں۔

اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وعلى آله واصحابه وازواجه وذرياته وبارك وسلم تسليما كثيرا۔

۴۔ نیز اس واقعہ سے یہ امر بھی خوب واضح ہو گیا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ اور پھر عمر رضی اللہ عنہ کا درجہ تھا اور یہ ترتیب اس درجہ واضح اور روشن تھی کہ کفار بھی یہی سمجھتے تھے کہ آپ کے بعد ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ اور پھر عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مقام ہے، غرض یہ کہ شیخین (ابوبکر و عمر) کی ترتیب افضلیت کا مسئلہ کفار کو بھی معلوم تھا مشاہدہ سے کفار نے یہ سمجھا کہ بارگاہ نبوت میں اول مقام ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ہے اور پھر عمر رضی اللہ عنہ کا اور یہ دونوں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر با تدبیر ہیں۔

حضرت سعد بن ربیع کی شہادت کا ذکر

قریش کی روانگی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ حضرت سعد ربیع انصاری رضی اللہ عنہ کو ڈھونڈو کہ کہاں ہیں (یہ حاکم کی روایت ہے کہ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا اور حافظ ابن عبد البر کی روایت میں ہے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا اور واقدی کی روایت میں ہے کہ حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیجا۔ عجب نہیں کہ یکے بعد دیگرے تینوں کو بھیجا ہو یا وقت واحد ہی میں تینوں کو حکم دیا ہو واللہ اعلم (زرقانی ج۲ص۴۹) اور یہ ارشاد فرمایا:

ان رایته فاقراه منی السلام وقل له یقول لك رسول الله کیف تجدك

اگر دیکھ پاؤ تو میرا اسلام کہنا اور یہ کہنا کہ رسول اللہ یہ دریافت فرماتے ہیں کہ آپ اس وقت اپنے کو کیا پاتے ہیں۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ڈھونڈتا ہوا حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا۔ ابھی حیات کی کچھ رمق باقی تھی جسم پر تیر اور تلوار کے ستر زخم تھے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام پہنچایا حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ جواب دیا:

علی رسول الله السلام وعلیك السلام قل له یا رسول الله اجدانی اجد ریح الجنة وقل لقومی الانصار لا عذرلکم عند الله ان یخلص الی رسول الله صلی الله علیه وسلم شفر یطرف قال وفاضت نفسه رحمه الله (ایک روایت میں ہے وفیکم عین تطرف، زرقانی ج۲ص۴۹)

رسول اللہ پر بھی سلام اور تم پر بھی سلام رسول اللہ کو یہ پیام پہنچا دینا یا رسول اللہ اس وقت میں جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں اور میری قوم انصار سے یہ کہہ دینا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی تکلیف پہنچی درآنحالیکہ تم میں سے ایک آنکھ بھی دیکھنے والی موجود ہو یعنی تم میں سے کوئی ایک بھی زندہ ہو تو سمجھ لینا کہ اللہ کے ہاں تمہارا کوئی عذر مقبول نہ ہوگا، یہ کہہ کر روح پرواز کر گئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ورضی اللہ عنہ

حاکم فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور حافظ ذہبی نے بھی تلخیص میں اس کو صحیح فرمایا ہے۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ کہا:

اخبر رسول الله صلی الله علیه وسلم انی فی الاموات واقرأه السلام وقل له یقول جزاك الله عنا وعن جمیع الامة خیرا۔ (مستدرک ج۳ص۲۰۱ ترجمہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دینا کہ اس وقت میں مر رہا ہوں اور سلام کے بعد یہ کہہ دینا کہ سعد یہ کہتا تھا جزاک اللہ عنا وعن جمیع الامۃ خیرا۔ اے اللہ کے رسول، اللہ آپ کو ہماری اور تمام امت کی طرف سے جزائے خیر دے کہ ہم کو حق کا راستہ بتایا۔

ابن عبدالبر کی روایت میں حضرت ابی بن کعب سے مروی ہے کہ میں واپس آیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خبر دی آپ نے سن کر یہ ارشاد فرمایا:

رحمہ اللہ نصح للہ ولرسولہ حیا ومیتا۔ (استیعاب للحافظ ابن عبدالبر ج ۲ ص ۳۵ حاشیہ اصابہ)۔

اللہ اس پر رحم فرمائے۔ اللہ اور اس کے رسول کا خیر خواہ اور وفادار رہا زندگی میں بھی اور مرتے وقت بھی۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی لاش کی تلاش

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی تلاش میں نکلے۔ بطن وادی میں مثلہ کیے ہوئے پائے گئے ناک اور کان کٹے ہوئے ہیں شکم اور سینہ چاک تھا اس جگر خراش اور دل آزار منظر کو دیکھ کر بے اختیار دل بھر آیا اور یہ فرمایا تم پر اللہ کی رحمت ہو جہاں تک مجھ کو معلوم ہے البتہ تم بڑے مخیّر اور صلہ رحمی کرنے والے تھے۔ اگر حضرت صفیہ کے حزن اور ملال رنج اور غم کا خیال نہ ہوتا تو میں تم کو اسی طرح چھوڑ دیتا کہ درند اور پرندتم کو کھاتے اور پھر قیامت کے دن تم انہیں کے شکم سے اٹھتے اور اسی جگہ سے کھڑے کھڑے یہ فرمایا کہ خدا کی قسم اگر خدا نے مجھ کو کافروں پر غلبہ عطا فرمایا تو تیرے بدلہ ستر کافروں کا مثلہ کروں گا۔ آپ اس جگہ سے ابھی ہٹے نہ تھے کہ یہ آیت شریفہ نازل ہوگئی:

وان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم بہ ولئن صبرتم لھو خیر للصابرین واصبر وماصبرک الا باللہ ولا تحزن علیھم ولا تک فی ضیق مما یمکرون ان اللہ مع الذین اتقوا والذین ھم محسنون۔ (سورۃ النحل آیت ۱۲۶)

اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی بدلہ لو جتنا کہ تم کو تکلیف پہنچائی گئی تھی اور اگر تم صبر کرو تو البتہ وہ بہتر ہے صبر کرنے والوں کیلئے اور آپ صبر کیجئے اور آپ کا صبر کرنا محض اللہ کی امداد اور توفیق سے ہے اور نہ آپ ان پر غمگین ہوں اور نہ ان کے مکر سے تنگدل ہوں تحقیق اللہ تعالیٰ صبر کاروں اور نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔

آپ نے صبر فرمایا اور قسم کا کفارہ دیا اور اپنا ارادہ فسخ کیا۔ (مستدرک ج ۳ ص ۱۹۷)

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا تو رو پڑے اور ہچکی بندھ گئی اور یہ فرمایا:

سید الشھداء عنداللہ یوم القیامۃ حمزۃ۔

قیامت کے دن اللہ کے نزدیک تمام شہیدوں کے سردار حمزہ ہوں گے۔

حاکم فرماتے ہیں: ھذا حدیث صحیح الاسناد یہ حدیث صحیح الاسناد ہے اور حافظ ذہبی نے بھی اس کو صحیح بتایا ہے۔ (ایضاً ص ۱۹۹، قال العلامہ الزرقانی، ھذا الحدیث رواہ الحاکم والبیھقی والبزار والطبرانی وقال الحافظ فی الفتح باسناد فیہ ضعف (اھ زرقانی ج ۲ ص ۵۱)، اقول لکن قال الحافظ بعد ماذکر للحدیث طرقا عدیدۃ وھذہ طرق یقوی بعضھا بعضا الخ فتح الباری ج ۷ ص ۲۸۲)

معجم طبرانی میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سید الشھداء حمزۃ بن عبدالمطلب

حضرت حمزۃ بن عبدالمطلب تمام شہیدوں کے سردار ہیں۔ (صحیح بخاری کے متداول نسخوں میں باب قتل حمزۃ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ ہے لیکن نسفی کے نسخہ میں قتل حمزۃ سید الشھداء ہے۔ غالباً امام بخاری نے ترجمۃ الباب میں اس حدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔)

اسی وجہ سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ سید الشہداء کے لقب سے مشہور ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ذکر

اسی غزوہ میں حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے معجم طبرانی اور دلائل ابی نعیم میں سند جید کے ساتھ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ احد کے دن جنگ شروع ہونے سے پہلے عبداللہ بن جحش نے مجھ کو ایک طرف بلا کر تنہائی میں یہ کہا:

آؤ ہم دونوں کہیں علیحدہ بیٹھ کر دعا مانگیں اور ایک دوسرے کی دعا پر آمین کہیں۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۸۲)

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم دونوں کسی گوشہ میں سب سے علیحدہ ایک طرف جا کر بیٹھ گئے اول میں نے دعا مانگی کہ اے اللہ آج ایسے دشمن سے مقابلہ ہو کہ جو نہایت شجاع اور دلیر اور نہایت غضبناک ہو کچھ دیر تک میں اس کا مقابلہ کروں اور وہ میرا مقابلہ کرے پھر اس کے بعد اے اللہ مجھ کو اس پر فتح نصیب فرما، یہاں تک کہ میں اس کو قتل کروں اور اس کا سامان چھینوں۔

حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ نے آمین کہی اور اس کے بعد یہ دعا مانگی، اے اللہ آج ایسے دشمن سے مقابلہ ہو کہ جو بڑا ہی سخت اور زور آور اور غضبناک ہو محض تیرے لیے اس سے قتال کروں اور وہ مجھ سے قتال کرے بالآخر وہ مجھ کو قتل کرے اور میری ناک اور کان کاٹے اور اے پروردگار جب تجھ سے ملوں اور تو دریافت فرمائے: اے عبداللہ، یہ تیرے ناک اور کان کہاں کٹے تو میں عرض کروں اے اللہ تیری اور تیرے پیغمبر کی راہ میں اور تو اس وقت یہ فرمائے ”سچ کہا“ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کی دعا میری دعا سے کہیں بہتر تھی، شام کو دیکھا کہ ان کے

ناک اور کان کٹے ہوئے ہیں۔(زرقانی ج۲ ص۵۱)

حضرت سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں اللہ نے میری بھی دعا قبول فرمائی میں نے بھی ایک بڑے سخت کافر کو قتل کیا اور اس کا سامان چھینا۔(روض الانف ج۲ ص۱۴۳)

سعید بن مسیب راوی ہیں کہ حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ دعا مانگی:

اللهم انی اقسم علیك ان القی العدو فیقتلونی ثم یبقروا بطنی ویجد عوا انفی واذنی ثم تسالنی بم ذلك فاقول فیك.

اے اللہ میں تجھ کو قسم دیتا ہوں کہ میں تیرے دشمنوں کا مقابلہ کروں اور پھر وہ مجھ کو قتل کریں اور میرا شکم چاک کریں اور میری ناک اور کان کاٹیں اور پھر تو مجھ سے دریافت فرمائے یہ کیوں ہوا تو میں عرض کروں محض تیری وجہ سے۔

حضرت سعید بن مسیب فرماتے ہیں کہ میں اللہ سے امید کرتا ہوں کہ جس طرح حق تعالیٰ نے اس خاص شان سے شہادت کے بارے میں ان کی دعا قبول فرمائی۔اسی طرح اللہ نے ان کی دوسری دعا بھی ضرور قبول فرمائی ہوگی۔یعنی شہید ہونے کے بعد ان سے یہ سوال فرمایا ہوگا اور انہوں نے یہ جواب عرض کیا ہوگا۔امام حاکم فرماتے ہیں اگر یہ حدیث مرسل نہ ہوتی تو شرط شیخین پر صحیح ہوتی،حافظ ذہبی فرماتے ہیں،"مرسل صحیح"(مستدرک ج۳ ص۲۰۰)

اسی وجہ سے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ عنہ مجدع فی اللہ (یعنی وہ شخص جس کے ناک اور کان اللہ کی راہ میں کاٹے گئے) کے لقب سے مشہور ہوئے۔(الاصابہ ج۲ ص۲۸۷)

خداوند ذوالجلال کے محبین ومخلصین عشاق اور والہین کا یہی حال ہوتا ہے کہ وہ خدا کی راہ میں جان دینا اپنی انتہائی سعادت سمجھتے ہیں بمقابلہ حیات موت ان کو زیادہ لذیذ اور خوشگوار معلوم ہوتی ہے،اس لیے کہ وہ موت کو محبوب حقیقی (یعنی حق تعالیٰ شانہ) کی لقاء کا ذریعہ اور سجن دنیا سے رہا ہو کر گلستان جنت اور بوستان بہشت میں پہنچ جانے کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔

تلخ نبود پیش ایشاں مرگ تن
چون روند از چاہ زنداں در چمن
تلخ کے باشد کسے راکش برند
ازمیان زہر ماران سوئے قند

فائدہ

حق جل وعلا نے جب انسان کو خلیفہ بنانے کا ارادہ فرمایا تو فرشتوں نے عرض کیا:

اتجعل فیها من یفسد فیها ویسفك الدماء ونحن نسبح بحمدك ونقدس لك (سورۃ البقرہ: ۳۰)

کیا آپ اس شخص کو زمین میں خلیفہ بنانا چاہتے ہیں کہ جو زمین میں فساد اور خونریزی کرے حالانکہ ہم سب ہر لمحہ اور ہر لحظہ تیری ستائش کے ساتھ تسبیح وتقدیس کرتے رہتے ہیں۔

انسان میں دو قوتیں ہوتی ہیں ایک قوت شہویہ جس سے زنا وغیرہ صادر ہوتا ہے جس کو ملائکہ نے من یفسد فیھا سے تعبیر کیا۔ اور دوسری قوت غضبیہ جس سے قتل اور ضرب اور خونریزی ظہور میں آتی ہے، جس کو ملائکہ نے ویسفك الدماء سے تعبیر کیا۔

ملائکہ نے انسان کے یہ نقائص ذکر کیے لیکن یہ خیال نہ کیا کہ یہی قوت شہویہ جب اس کا رخ اللہ کی طرف پھیر دیا جائے گا تو اس سے وہ ثمرات اور نتائج ظاہر ہوں گے کہ فرشتے بھی عش عش کرنے لگیں گے، یعنی غلبہ عشق خداوندی اور اس کی محبت کا جوش اور ولولہ اور علیٰ ہذا جب قوت غضبیہ کو کارخانہ خداوندی میں صرف کیا جاتا ہے تو اس سے بھی عجیب وغریب نتائج وثمرات ظہور میں آتے ہیں، جسے فرشتے دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں یعنی خداوند ذوالجلال کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی اور اس کے دشمنوں سے جہاد وقتال۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

فرشتے بے شک لیل ونہار خداوند کردگار کی تسبیح وتقدیس کرتے ہیں مگر اس کی راہ میں والہانہ اور عاشقانہ جانبازی اور سرفروشی کا ولولہ ان میں نہیں وہ اس دولت ونعمت سے محروم ہیں اور پھر یہ کہ اس محبوب حقیقی کیلئے جان دے دینا اور اس کی راہ میں شہید ہونا یہ وہ نعمت ہے کہ جس کا فرشتوں میں امکان بھی نہیں۔ انسان میں اگرچہ فرشتوں کی طرح عصمت نہیں لیکن گناہ کے بعد انسان کی مضطربانہ ندامت وشرمساری اور بے تابانہ گریہ وزاری اس کو اس درجہ بلند اور رفیع بنا دیتی ہے کہ فرشتے نیچے رہ جاتے ہیں۔

مرکب توبہ عجائب مرکب است
برفلک تازد بیک لحظہ زپست
چوں برارند از پشیمانی انین
عرش لرزد از انین المذنبین

اسی وجہ سے اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ تمام انبیاء مرسلین ملائکہ مقربین سے افضل اور برتر ہیں اور صحابہ اور تابعین اور صدیقین اور شہداء اور صالحین بقیہ ملائکہ سموات وارضین سے اشرف ہیں (کذا فی البحر الرائق ج۱ص۳۳۳، وان شئت زیادۃ تفصیل فارجع الیه) اور مومنات صالحات، حورعین سے افضل ہیں کذا فی الیواقیت والجواهر۔

عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا ذکر

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد ماجد عبداللہ بن عمرو بن حرام انصاری رضی اللہ عنہ بھی اسی معرکہ میں شہید ہوئے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے باپ جنگ احد میں شہید ہوئے اور کافروں نے ان کا مثلہ کیا۔ جب ان کی لاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لاکر رکھی گئی تو میں نے باپ کے منہ سے کپڑا اٹھا کر دیکھنا چاہا تو صحابہ نے منع کیا، میں نے دوبارہ منہ دیکھنا چاہا تو صحابہ نے پھر منع کیا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دی۔

میری پھوپی فاطمہ بنت عمرو جب بہت رونے لگیں تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا روتی کیوں ہے، اس پر تو فرشتے برابر سایہ کیے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کا جنازہ اٹھایا گیا۔ (بخاری شریف) (یہ حدیث صحیح بخاری کے متعدد ابواب میں مذکور ہے مثلاً کتاب الجنائز ص ۱۶۶، وص ۱۷۲، کتاب الجہاد ۳۹۵ کتاب المغازی ص ۵۸۴)

یعنی یہ مقام رنج وحسرت کا نہیں بلکہ فرحت ومسرت کا ہے کہ فرشتے تیرے بھائی پر سایہ کیے ہوئے ہیں۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھ کر یہ فرمایا: اے جابر تجھ کو کیا ہوا؟ میں تجھ کو شکستہ خاطر پاتا ہوں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے باپ اس غزوہ میں شہید ہوئے اور آل وعیال اور قرض کا بار چھوڑ گئے۔ آپ نے فرمایا: کیا میں تجھ کو ایک خوش خبری نہ سناؤں؟ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کیوں نہیں، ضرور سنائیے۔ آپ نے فرمایا: کسی شخص سے بھی اللہ نے کلام نہیں فرمایا مگر پس پردہ۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے تیرے باپ کو زندہ کیا اور بالمشافہ اور بالمواجہ اس سے کلام کیا اور یہ کہا کہ اے میرے بندے اپنی کوئی تمنا میرے سامنے پیش کر۔ تو تیرے باپ نے یہ عرض کیا: اے پروردگار تمنا یہ ہے کہ پھر زندہ ہوں اور تیری راہ میں پھر دوبارہ مارا جاؤں۔ حق تعالیٰ نے فرمایا: یہ تو نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ یہ مقدر ہو چکا ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ واپسی نہیں (ترمذی شریف کتاب التفسیر سورۃ آل عمران) (حافظ عسقلانی فتح الباری میں فرماتے ہیں رواہ الترمذی وحسنہ والحاکم وصححہ، فتح الباری ج۶ ص ۲۵ باب تمنی المجاهد ان یرجع الی الدنیا) عبداللہ بن عمرو بن حرام کہتے ہیں کہ احد سے پیشتر میں نے مبشر بن عبدالمنذر کو خواب میں دیکھا کہ یہ کہہ رہے ہیں کہ اے عبداللہ تم بھی عنقریب ہمارے ہی پاس آنے والے ہو۔ میں نے کہا تم کہاں ہو، کہا جنت میں جہاں چاہتے ہیں سیر وتفریح کرتے ہیں میں نے کہا کیا تو بدر میں قتل نہیں ہوا تھا، مبشر نے کہا: ہاں لیکن پھر زندہ کر دیا گیا۔

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں یہ خواب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا آپ نے فرمایا اے ابو جابر اسکی تعبیر شہادت ہے۔ (زاد المعاد ج ۲ ص ۹۶، فتح الباری ج ۳ ص ۱۷۲)

عمرو بن الجموح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا ذکر

اسی غزوۂ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام کے بہنوئی حضرت عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے۔ ان کی شہادت کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ عمرو بن الجموح رضی اللہ عنہ کے پاؤں میں لنگ تھی اور لنگ بھی معمولی نہ تھی بلکہ شدید تھی۔ چار بیٹے تھے جو ہر غزوۂ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب رہتے تھے، احد میں جاتے وقت ان سے کہا کہ میں تمہارے ساتھ جہاد میں چلتا ہوں، بیٹوں نے کہا آپ معذور ہیں، اللہ نے آپ کو رخصت دی ہے، آپ یہیں رہیں۔ مگر یہ عزیمت کے شیدائی کب رخصت پر عمل کرنے والے تھے، شوق شہادت میں اس درجہ بے تاب اور بے چین ہوئے کہ اسی حالت میں لنگڑاتے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے بیٹے مجھ کو آپ کے ساتھ جانے سے روکتے ہیں۔

والله انی لارجوان اطأ بعرجتی هذه فی الجنة.

خدا کی قسم تحقیق میں امید واثق رکھتا ہوں کہ اسی لنگ کے ساتھ جنت کی زمین کو جا کر روندوں۔

آپ نے ارشاد فرمایا: اللہ نے تم کو معذور کہا ہے، تم پر جہاد فرض نہیں اور بیٹوں کی طرف مخاطب ہو کر یہ ارشاد فرمایا کہ کیا حرج ہے اگر تم ان کو نہ روکو۔ شاید اللہ تعالیٰ ان کو شہادت نصیب فرمائے چنانچہ وہ جہاد کیلئے نکلے اور شہید ہوئے رضی اللہ عنہ۔ (ابن ہشام ج ۲ ص ۸۸، البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۷)

اور مدینہ سے چلتے وقت مستقبل قبلہ ہو کر یہ دعا مانگی:

اللهم ارزقنی الشهادة ولا تردنی الی اهلی

اے اللہ مجھ کو شہادت نصیب فرما اور گھر والوں کی طرف واپس نہ کر۔

اسی غزوۂ میں ان کے بیٹے خلاد بن عمرو بن الجموح بھی شہید ہوئے، عمرو بن الجموح کی بیوی ہندہ بن عمرو بن حرام نے (جو کہ عبداللہ بن عمرو بن حرام کی بہن اور حضرت جابر کی پھوپی ہیں) یہ ارادہ کیا کہ تینوں یعنی اپنے بھائی عبداللہ بن عمرو بن حرام اور اپنے بیٹے خلاد بن عمرو بن الجموح اور اپنے شوہر عمرو بن الجموح کو ایک اونٹ پر سوار کر کے مدینہ لے جائیں اور وہیں جا کر تینوں کو دفن کریں مگر جب مدینہ کا قصد کرتی ہیں تو اونٹ بیٹھ جاتا ہے اور جب احد کا رخ کرتی ہیں تو تیز چلنے لگتا ہے۔

ہندہ نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپ نے فرمایا: عمرو بن الجموح نے مدینہ سے چلتے وقت کچھ کہا تھا؟ ہندہ نے ان کی وہ دعا ذکر کی جو انہوں نے چلتے وقت کی تھی آپ نے فرمایا: اسی وجہ سے اونٹ نہیں چلتا اور یہ فرمایا:

والذی نفسی بیده ان منکم من لو اقسم علی الله لا بره منهم عمرو بن الجموح ولقد رائیته یطاء بعرجة فی الجنة

قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے البتہ تم میں بعض ایسے بھی ہیں اگر اللہ پر قسم کھا بیٹھیں تو اللہ ان کی قسم کو ضرور پورا کرے ان میں سے عمرو بن الجموح بھی ہیں البتہ تحقیق میں نے ان کو اسی لنگ کے ساتھ جنت میں چلتا ہوا دیکھا ہے۔ (زرقانی ج ۲ ص ۵۰، روض الانف ج ۲ ص ۱۳۹، عیون الاثر ص ۳۴۷)

عبد اللہ بن عمرو بن حرام اور عمرو بن جموح رضی اللہ عنہما احد کے قریب دونوں ایک ہی قبر میں دفن کیے گئے۔

حضرت خثیمہ کی شہادت کا ذکر

خثیمہ رضی اللہ عنہ نے (جن کے بیٹے سعد غزوۂ بدر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہو کر شہید ہو چکے تھے) بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ افسوس مجھ سے غزوۂ بدر رہ گیا۔ جس کی شرکت کا میں بڑا ہی حریص اور مشتاق تھا۔ یہاں تک کہ اس سعادت کے حاصل کرنے میں بیٹے سے قرعہ اندازی کی (جس کا مفصل قصہ غزوۂ بدر کے بیان میں گزر چکا ہے) مگر یہ سعادت میرے بیٹے سعد کی قسمت میں تھی قرعہ اس کے نام کا نکلا اور شہادت اس کو نصیب ہوئی اور میں رہ گیا۔

آج شب میں نے اپنے بیٹے کو خواب میں دیکھا ہے نہایت حسین وجمیل شکل میں ہے جنت کے باغات اور نہروں میں سیر وتفریح کرتا پھرتا ہے اور مجھ سے یہ کہتا ہے اے باپ تم بھی یہیں آجاؤ دونوں مل کر جنت میں ساتھ رہیں گے۔ میرے پروردگار نے جو مجھ سے وعدہ کیا تھا وہ میں نے بالکل حق پایا۔

یا رسول اللہ اس وقت سے اپنے بیٹے کی مرافقت کا مشتاق ہوں، بوڑھا ہو گیا اور ہڈیاں کمزور ہو گئیں اب تمنا یہ ہے کہ کسی طرح اپنے رب سے جاملوں۔ یا رسول اللہ اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ مجھ کو شہادت اور جنت میں سعد کی مرافقت نصیب فرمائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خثیمہ کیلئے دعا فرمائی، اللہ نے آپکی دعا قبول فرمائی اور خثیمہ معرکہ احد میں شہید ہوئے۔ (زاد المعاد ج ۲ ص ۹۶)

ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ امید واثق ہے کہ حضرت خثیمہ اپنے بیٹے سعد سے جا ملے رضی اللہ عنہما

حضرت اُصیرم کی شہادت کا ذکر

عمرو بن ثابت، جو اصیرم کے لقب سے مشہور تھے، ہمیشہ اسلام سے منحرف رہے جب احد کا دن ہوا تو اسلام دل میں اتر آیا اور تلوار لے کر میدان میں پہنچے اور کافروں سے خوب قتال کیا یہاں تک کہ زخمی ہو کر گر پڑے لوگوں نے جب دیکھا کہ اصیرم ہیں تو بہت تعجب ہوا اور پوچھا کہ اے عمرو تیرے لیے اس لڑائی کا کیا داعی ہوا۔ اسلام کی رغبت یا قومی غیرت وحمیت؟ اصیرم نے جواب دیا:

بل رغبة فی الاسلام فـامنت باللّٰه ورسوله فاسلمت واخذت سیفی وقاتلت مع رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم حتی اصابنی ما اصابنی۔

بلکہ اسلام کی رغبت داعی ہوئی ایمان لایا اللہ اور اس کے رسول پر اور مسلمان ہوا اور تلوار لیکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کے دشمنوں سے قتال کیا یہاں تک کہ مجھ کو یہ زخم پہنچے۔

یہ کلام ختم کیا اور خود بھی ختم ہو گئے، رضی اللہ عنہ

انہ لمن اہل الجنۃ

البتہ تحقیق وہ اہل جنت سے ہے۔(رواہ ابن اسحق واسنادہ حسن)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے بتلاؤ وہ کون شخص ہے کہ جو جنت میں پہنچ گیا اور ایک نماز بھی نہیں پڑھی، وہ یہی صحابی ہیں۔(اصابہ ترجمہ عمرو بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ)

مدینہ منورہ کے مردوں اور عورتوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت اور سلامتی معلوم کرنے کیلئے ہجوم

جنگ کے متعلق مدینہ میں چونکہ وحشت ناک خبریں پہنچ چکی تھیں۔ اس لیے مدینہ کے مرد اور عورت بچے اور بوڑھے اپنے عزیزوں سے زیادہ آپ کو سلامت وعافیت کے ساتھ دیکھنے کے متمنی اور مشتاق تھے۔

چنانچہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ واپسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک انصاری عورت پر ہوا جس کا شوہر اور بھائی اور باپ اس معرکہ میں شہید ہوئے۔ جب اس عورت کو اس کے شوہر اور برادر اور پدر کی شہادت کی خبر سنائی گئی تو یہ کہا کہ پہلے یہ بتاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے ہیں۔ لوگوں نے کہا بحمد اللہ خیریت سے ہیں۔ اس خاتون نے کہا مجھ کو چہرۂ انور دکھلا دو آنکھوں سے دیکھ کر پورا اطمینان ہوگا۔ لوگوں نے اشارہ سے بتلایا کہ حضور یہ ہیں جب اس خاتون نے جمال نبوی کو دیکھ لیا تو یہ کہا:

کل مصیبۃ بعدک جلل ہر مصیبت آپ کے بعد بالکل ہیچ اور بے حقیقت ہے۔(ابن ہشام ج ۲ ص ۱۲)

معرکہ کارزار میں عین پریشانی کی حالت میں مخبین با اخلاص پر حق تعالیٰ کا ایک خاص انعام یعنی ان پر غنودگی طاری کر دی گئی

جب کسی شیطان نے یہ خبر اڑا دی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے تو بعضے مسلمان بمقتضائے بشریت یہ خبر سن کر پریشان ہو گئے اور اسی پریشانی اور حیرانی کی حالت میں کچھ دیر کیلئے ان کے قدم میدان جنگ سے ہٹ گئے اور اس معرکہ میں جن کیلئے شہادت کی سعادت مقدر تھی وہ شہید ہو گئے اور جن کیلئے ہٹنا مقدر تھا وہ ہٹ گئے اور جو میدان قتال میں باقی رہ گئے تھے ان میں سے جو مؤمنین مخلصین اور اہل یقین اور اصحاب توکل تھے ان پر حق تعالیٰ کی طرف سے ایک غنودگی طاری کر دی گئی، یہ لوگ کھڑے کھڑے اونگھنے لگے جن میں حضرت ابوطلحہ بھی تھے، ابوطلحہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کئی مرتبہ تلوار میرے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین پر گری تلوار میرے ہاتھ سے گر جاتی تھی اور میں اس

کو اٹھالیتا تھا یہ ایک حسی اثر تھا، اس باطنی سکون کا جو حق تعالیٰ نے اس موقع پر اہل ایقان کو عطا فرمایا جس سے کافروں کا خوف وہراس دل سے یکلخت دور ہوگیا اور منافقین کا گروہ جو اس وقت شریک جنگ تھا اس وقت سخت اضطراب میں تھا اس کو صرف اپنی جان بچانے کی فکر تھی، ان کم بختوں کو نیند نہ آئی اس بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

ثم انزل علیکم من بعد الغم امنة نعاسا یغشی طائفة منکم وطآئفة قد اهمتهم انفسهم یظنون باللہ غیر الحق ظن الجاهلیة ۔ (آل عمران آیت ۱۵۴)

پھر اللہ تعالیٰ نے اس غم کے بعد تم پر ایک امن اور سکون کی کیفیت نازل فرمائی یعنی تم میں سے ایک جماعت پر اونگھ طاری کردی جو ان کو گھیر رہی تھی اور ایک دوسری جماعت ایسی تھی کہ جس کو اپنی جان کی فکر پڑی ہوئی تھی اور خدا تعالیٰ کے ساتھ جاہلیت کی طرح بدگمانی میں مبتلا تھی۔

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ جس جماعت پر نیند طاری کی گئی وہ جماعت ان اہل ایمان کی تھی کہ جو یقین اور ثبات اور استقامت اور توکل صادق کے ساتھ موصوف تھے اور ان کو یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی ضرور مدد کرے گا اور اپنے رسول سے جو وعدہ کیا ہے وہ ضرور پورا کرے گا اور دوسرا گروہ جسے اپنی جانوں کی فکر پڑی ہوئی تھی اور اسی فکر میں ان کی نیند غائب تھی وہ منافقین کا گروہ تھا ان کو صرف اپنی جان کا غم تھا اطمینان اور امن کی نیند سے محروم تھے۔

(اصل عبارت کے الفاظ یہ ہیں ثم انزل علیکم من بعد الغم امنة نعاسا یغشی طآئفة منکم یعنی اهل الایمان والیقین والثبات والتوکل الصادق وهم الجازمون بان اللہ عز وجل سینصر رسوله وینجزله ماموله الخ۔ تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۱۸)

جنگ میں کچھ عورتوں کی شرکت اور اس کا حکم

اس غزوۂ میں مسلمانوں کی چند عورتوں نے بھی شرکت کی صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ احد کے دن میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اپنی والدہ ام سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ پائینچے چڑھائے ہوئے پانی کی مشک بھر بھر کر پشت پر رکھ کر لاتی ہیں اور لوگوں کو پانی پلاتی ہیں، جب مشک خالی ہوجاتی ہے تو پھر بھر کر لاتی ہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ام سلیط رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی احد کے دن ہمارے لیے مشک میں پانی بھر بھر کر لاتی تھیں۔

صحیح بخاری میں ربیع بنت معوذ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ہم غزوات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جاتی تھیں کہ لوگوں کو پانی پلائیں اور زخمیوں کی مرہم پٹی کریں اور مقتولین کو اٹھا کر لائیں۔

خالد بن ذکوان کی روایت میں اس قدر اور اضافہ ہے۔ (و لا نقاتل)

(ربیع کہتی ہیں مگر ہم قتال اور لڑائی میں شریک نہیں ہوتی تھی) یہ تینوں روایتیں صحیح بخاری کی کتاب الجہاد میں مذکور ہیں، تفصیل کیلئے فتح الباری از ج ۶ ص ۵۷ تا ج ۶ ص ۱۰۶۔ مراجعت فرمائیں، سنن ابن ماجہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا علی النساء جهاد؟ کیا عورتوں پر بھی جہاد ہے؟

آپ نے ارشاد فرمایا نعم جهاد لا قتال فيه الحج والعمرة ہاں ان پر بھی ایسا جہاد ہے جس میں لڑنا نہیں، یعنی حج اور عمرہ (فتح الباری کتاب الحج باب حج النساء)

صحیح بخاری کی کتاب العیدین میں ام عطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ہم غزوات میں مریضوں کی خبر گیری اور زخمیوں کے علاج کی غرض سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک ہوتی تھیں۔

ان عورتوں نے فقط لوگوں کو پانی پلایا اور مریضوں اور زخمیوں کی خبر گیری کی لیکن قتال نہیں کیا مگر ام عمارہ رضی اللہ عنہا نے جب دیکھا کہ ابن قمیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کر رہا ہے تو انہوں نے اس حالت میں آگے بڑھ کر مقابلہ کیا۔ مونڈھے پر ایک گہرا زخم آیا۔ ام عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں میں نے بھی بڑھ کر ابن قمیہ پر وار کیا مگر عدو اللہ (اللہ کا دشمن) دو زرہ پہنے ہوئے تھا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۴ ص ۳۴۔ ابن ہشام ج ۲ ص ۸۴)

اس غزوہ میں صرف ایک ام عمارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا شریک جہاد وقتال ہوئیں۔ اس کے علاوہ تمام غزوات میں سوائے ایک دو عورت کے اور عورتوں کا شریک جہاد وقتال ہونا کہیں ذخیرہ حدیث سے ثابت نہیں اور نہ کسی حدیث سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عورتوں کو جہاد کی ترغیب دینا ثابت ہے۔

اس لیے تمام امت کا اس پر اجماع ہے کہ عورتوں پر جہاد فرض نہیں الا یہ کہ کفار ہجوم کر آئیں اور ضرورت عورتوں کی شرکت پر بھی مجبور کرے۔

عورتوں کا فطری ضعف اور ان کی طبعی ناتوانی خود اس کی دلیل ہے کہ ان پر جہاد وقتال کو لازم کرنا ان کی فطرت اور جبلت کے خلاف ہے۔ قال تعالیٰ:

لیس علی الضعفاء ولا علی المرضیٰ ولا علی الذین لا یجدون۔

یعنی ضعیف اور ناتواں مریض اور غیر مستطیع لوگوں پر جہاد فرض نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر جہاد میں یہ تاکید فرماتے ہیں کہ کسی عورت کو قتل نہ کرنا۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک عورت کو مقتول دیکھا (جو غلطی سے قتل ہوگئی تھی) فرمایا: ما کانت هذه لتقاتل یہ تو قتال کے قابل نہیں۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم جہاد کو سب سے افضل اور بہتر عمل سمجھتے ہیں، کیا ہم عورتیں اس میں شریک نہ ہوا کریں؟ آپ نے فرمایا: نہیں تمہارا جہاد تو حج مبرور ہے۔

اصل حکم عورتوں کیلئے یہ ہے: وقرن فی بیوتکن اپنے گھروں میں ٹھہرو باہر نہ نکلو۔ دیکھو شرح سیر کبیر ج ۱ ص ۹۲

اسی لیے نبی کریم علیہ الصلاۃ والتسلیم نے عورتوں کا نماز کی جماعت میں حاضر ہونا بھی پسند نہیں فرمایا اور عطر اور خوشبو لگا کر عمدہ کپڑے پہن کر مسجد میں آنے کی صریح ممانعت فرمائی اور بجائے صحن خانہ کے دالان میں اور اس سے بڑھ کر کوٹھڑی میں عورت کا نماز پڑھنا افضل قرار دیا۔ لہٰذا جب شریعت مطہرہ صف نماز میں عورتوں کی حاضری پسند نہیں کرتی تو صف جہاد وقتال میں بلاضرورت ان کی حاضری کیسے پسند کرسکتی ہے۔

اس لیے حضرات فقہاء نور اللہ مرقدہم نے یہ فتویٰ دیا کہ نماز کی جماعت اور جہاد میں عورتوں کا حاضر ہونا ناپسند ہے۔ مگر مجاہدین کی اعانت اور امداد اور مریضوں اور زخمیوں کی خبر گیری کی غرض سے صرف ان عورتوں کا حاضر ہونا جائز ہے کہ جن کی حاضری باعث فتنہ نہ ہو، یعنی بوڑھی ہوں، بشرطیکہ شوہر یا ذی رحم محرم ان کے ہمراہ ہو۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ کسی عورت کیلئے جائز نہیں کہ بغیر شوہر یا بغیر ذی رحم محرم کے ہمراہ لیے حج وغیرہ کسی قسم کا کوئی سفر کر سکے، اسی وجہ سے بعض فقہاء کا یہ قول ہے کہ جس عورت پر ذی ثروت اور صاحب استطاعت ہونے کی وجہ سے حج فرض ہو اور شوہر اور ذی رحم محرم نہ رکھتی ہو تو اس پر نکاح واجب ہے کہ نکاح کر کے شوہر کے ہمراہ حج کو جائے تاکہ بغیر محرم کے سفر نہ ہو۔

مسجد میں نماز کیلئے عورتوں کی حاضری اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ ان کی حاضری موجب فتنہ نہ ہو ورنہ ناجائز اور حرام ہے۔

اسی طرح ہسپتالوں میں عورتوں کا غیر مردوں کی تیمارداری کرنا بھی بلاشبہ حرام ہے، اے میرے دوستو موجودہ تہذیب پر نظر مت کرو موجودہ تہذیب کی بنیاد اور عمارت اور تمام فرش نفسانی شہوتوں اور شیطانی لذتوں پر مبنی ہے اور حضرات انبیاء کرام کی شریعتیں عفت اور عصمت پاک دامنی پر مبنی ہیں۔ جس کو خداوند تعالیٰ نے عقل دی ہے وہ عفت اور شہوت کے فرق کو سمجھے گا اور جو نفس وشیطان کا غلام بنا ہوا ہے اس سے خطاب ہی فضول ہے۔ ایسے بے عقل کے نزدیک نکاح اور زنا میں بھی فرق نہیں۔ اللہ اکبر کیا وقت آ گیا ہے کہ جب شریعت مقدسہ عفت اور عصمت کی طرف دعوت دیتی ہے تو یہ بندگان شہوت اس پر نکتہ چینی کرتے ہیں۔

شہداء احد کی تجہیز وتکفین

اس غزوہ میں ستر صحابہ شہید ہوئے جن میں اکثر انصار تھے۔ بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ کفن کی چادر بھی پوری نہ تھی۔ چنانچہ مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا کہ کفن کی چادر اس قدر چھوٹی تھی کہ سر اگر ڈھانکا جاتا تھا تو پاؤں کھل جاتے تھے اور اگر پاؤں ڈھکے جاتے تھے تو سر کھل جاتا تھا بالآخر یہ ارشاد فرمایا کہ سر ڈھانک دو اور پیروں پر اذخر (ایک گھاس ہوتا ہے) ڈال دو۔ (صحیح بخاری غزوۂ احد)

اور یہی واقعہ سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پیش آیا جیسا کہ معجم طبرانی میں حضرت ابو اسید سے اور مستدرک حاکم میں انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، طبرانی کی سند کے سب راوی ثقہ ہیں۔

اور بعض کیلئے یہ بھی میسر نہ آیا، دو دو آدمیوں کو ایک ہی چادر میں کفن دیا گیا۔ اور دو دو اور تین تین (تین تین کا لفظ صحیح بخاری کی روایت میں نہیں بلکہ سنن کی روایت ہے جس کی امام ترمذی نے تصحیح کی ہے۔ فتح الباری ص۱۶۹ ج ۳ کتاب الجنائز) کو ملا کر ایک قبر میں دفن کیا گیا۔ دفن کے وقت یہ دریافت فرماتے کہ ان میں سے زیادہ قرآن کس کو یاد ہے۔ جس کی طرف اشارہ کیا جاتا اسی کو قبلہ رخ لحد میں آگے رکھتے اور یہ ارشاد فرماتے:

انا شھید علی ھٰولآء یوم القیامة

قیامت کے دن میں ان لوگوں کے حق میں شہادت دوں گا

اور یہ حکم دیا کہ اسی طرح بلا غسل دیئے خون آلود دفن کر دیں (صحیح بخاری کتاب الجنائز)

صحیح بخاری میں جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شہداء احد کے جنازہ کی نماز نہیں پڑھی۔ لیکن کل علماء سیر اس پر متفق ہیں کہ آپ نے شہداء احد کے جنازہ کی نماز پڑھی۔ اور متعدد روایات حدیث بھی اسی کی مؤید اور مساعد ہیں، حافظ علاء الدین مغلطائی نے اپنی سیرت میں اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ (چنانچہ حافظ موصوف عنوان ذیل کے تحت (الصلاۃ علی الشھداء من غیر غسل) یہ تحریر فرماتے ہیں وصلی علی حمزۃ و الشھداء من غیر غسل وھذا اجماع الاماشذبه بعض التابعین قال السھیلی لم یرد عنه صلی اللہ علیه وسلم انه صلی علی شھیدفی شیء من مغازیه الا فی ھذہ وفیه نظر لما ذکرہ النسائی من انه صلی علی اعرابی فی غزوۃ اخری۔ (سیرت مغلطائی ص۵۰) باقی تفصیل کیلئے کتب حدیث کی مراجعت کی جائے۔

بعض لوگوں نے یہ ارادہ کیا کہ اپنے عزیز شہیدوں کو مدینہ لے جا کر دفن کریں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا اور یہ حکم دیا کہ جہاں شہید ہوئے وہیں دفن کیے جائیں (ابن ہشام ج ۲ ص ۹۱)

شہید قوم

احد کے دن قزمان نامی ایک شخص نے بڑی جانبازی اور سرفروشی دکھلائی اور تنہا اس نے سات یا آٹھ مشرکوں کو قتل کیا اور آخر میں خود زخمی ہو گیا جب اس کو اٹھا کر گھر لے آئے تو بعض صحابہ نے اس سے یہ کہا:

واللہ لقد ابلیت الیوم یا قزمان فابشر

خدا کی قسم آج کے دن اے قزمان تو نے بڑا کارنمایاں کیا، تجھ کو مبارک ہو

قزمان نے جواب دیا:

اذا ابشرفوا اللہ ان قاتلت الا عن احساب قومی ولولا ذلک ماقاتلت

تم مجھ کو کس چیز کی بشارت اور مبارک باد دیتے ہو خدا کی قسم میں نے اللہ اور اس کے رسول کے لئے قتال نہیں کیا

بلکہ صرف اپنی قوم کے خیال اوران کے بچانے کی غرض سے قتال کیا۔

اس کے بعد جب زخموں کی تکلیف زیادہ ہوئی تو خودکشی کرلی۔(البدایہ والنہایہ ج۴ص۳۶) یہ قصہ تفصیل کے ساتھ بحوالہ بخاری وفتح الباری بحث جہاد میں گزر چکا ہے۔

فائدہ

یہ شخص دراصل منافق تھا مسلمانوں کے ساتھ مل کر جواس نے کارنمایاں کیے تو محض قوم اور وطن کی ہمدردی میں کیے حتی کہ اسی میں وہ مارا گیا اس بناء پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ شخص اہل نار میں سے ہے خدا کے نزدیک شہید وہ ہے کہ جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرے اور جو شخص قوم اور وطن کے لئے لڑکر جان دیدے اس زمانہ کے محاورہ کے مطابق وہ شہید قوم کہلا سکتا ہے مگر اسلام میں وہ شہید نہیں اسی قزمان کا مفصل واقعہ شروع ہی میں اسی عنوان، جہاد کی حقیقت کے ذیل میں گزر چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

تنبیہ

قال ابن کثیر وقدورد مثل قصه هذافي غزوة خيبر كما سياتي ان شاء الله تعالىٰ (البدایہ والنہایہ ج۴ص۳۶)

اسرار وحکم

حق جل وعلا نے غزوۂ احد کے بیان واذ غدوت من اهلك تبوى المؤمنين مقاعد للقتال سے ساٹھ آیتیں نازل فرمائیں جن میں سے بعض آیات میں مسلمانوں کی ہزیمت وشکست کے اسباب اور علل اسرار اور حکم کی طرف اشارہ فرمایا جو مختصر توضیح کے ساتھ ہدیہ ناظرین ہیں:

❶ تا کہ معلوم ہو جائے کہ اللہ کے پیغمبر کا حکم نہ ماننے اور ہمت ہار دینے اور آپس میں جھگڑنے کا کیا انجام ہوتا ہے۔

ولقد صدقكم الله وعده اذ تحسونهم باذنه حتى اذا فشلتم وتنازعتم فى الامر وعصيتم من بعد ما اراكم ما تحبون منكم من يريد الدنيا ومنكم من يريد الآخرة ثم صرفكم عنهم ليبتليكم ولقد عفا عنكم والله ذو فضل على المؤمنين (آل عمران آیت۱۵۲)

اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا جبکہ تم اللہ کے حکم سے کافروں کو قتل کر رہے تھے یہاں تک کہ جب تم کچھ بزدلی کرنے لگے اور آپس میں جھگڑنے لگے اور حکم عدولی کی بعد اس کے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری محبوب چیز یعنی فتح ونصرت تم کو دکھادی بعضے تم میں سے دنیا چاہتے تھے اور بعض خالص آخرت کے طلب گار تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم کو ان سے پھیر دیا یعنی شکست دی تا کہ تمہارا امتحان کرے اور تمہاری اس لغزش کو اللہ تعالیٰ نے معاف کر دیا اور اللہ

تعالیٰ اہل ایمان پر بڑا فضل کرنے والا ہے۔

❷ اور تا کہ پکے اور کچے کا اور جھوٹے اور سچے کا امتیاز ہو جائے اور مخلص اور منافق صادق اور کاذب کا اخلاص اور نفاق صدق اور کذب ایسا واضح اور روشن ہو جائے کہ کسی قسم کا اشتباہ باقی نہ رہے۔

اللہ تعالیٰ کے علم میں اگرچہ پہلے ہی سے مخلص اور منافق ممتاز تھے لیکن سنت الٰہیہ اس طرح جاری ہے کہ محض علم الٰہی کی بناء پر جزاء اور سزاء نہیں دی جاتی جو شئے علم الٰہی میں مستور ہے جب تک وہ محسوس اور مشاہد نہ ہو جائے اس وقت تک اس پر ثواب اور عتاب مرتب نہیں ہوتا۔

در محبت ہر کہ او دعوے کند
صد ہزاراں امتحاں بروے تند
گر بود صادق کشد بار جفا
ور بود کاذب گریزد از بلا
عاشقاں را درد دل بسیار می باید کشید
جور یار وغصہ اغیار می باید کشید

❸ اور تا کہ اپنے خاص محبین و مخلصین اور شائقین لقاء خداوندی کو شہادت فی سبیل اللہ کی نعمت کبریٰ اور عظمیٰ سے سرفراز فرمائیں جس کے وہ پہلے سے مشتاق تھے اور بدر میں فدیہ اسی امید پر لیا تھا کہ آئندہ سال ہم میں کے ستر آدمی خدا کی راہ میں شہادت حاصل کریں گے جیسا کہ گزرا اور اس نعمت اور دولت سے حق تعالیٰ اپنے دوستوں ہی کو نوازتا ہے ظالموں اور فاسقوں کو یہ نعمت نہیں دی جاتی قال تعالیٰ:

ولیعلم اللہ الذین امنوا ویتخذ منکم شھداء واللہ لا یحب الظٰلمین

(آل عمران آیت ۱۴۰)

اور تا کہ اللہ تعالیٰ مومنین مخلصین کو ممتاز کر دے اور ان میں سے بعض کو شہید بنائے اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتے۔

❹ اور تا کہ مسلمان اس شہادت اور ہزیمت کی بدولت گناہوں سے پاک اور صاف ہو جائیں اور جو خطائیں ان سے صادر ہوتی ہیں وہ اس شہادت کی برکت سے معاف ہو جائیں۔

❺ اور تا کہ اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو مٹا دے اس لیے کہ جب خدا کے دوستوں اور محبین و مخلصین کی اس طرح خونریزی ہوتی ہے تو غیرت حق جوش میں آجاتی ہے اور خدا کے دوستوں کا خون عجب رنگ لے کر آتا ہے جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ جن دشمنان خدا نے دوستان خدا کی خونریزی کی تھی وہ عجیب طرح سے تباہ اور برباد ہوتے ہیں۔

دیدی کہ خون ناحق پروانہ شمع را
چنداں اماں نداد کہ شب را سحر کند

کما قال اللہ تعالیٰ:

ولیمحص اللہ الذین آمنو اویمحق الکافرین ۔ (آل عمران آیت ۱۴۱)

اور تاکہ اللہ تعالیٰ مومنین کا میل کچیل صاف کردے اور کافروں کو مٹادے۔

❻ اور تاکہ معلوم ہوجائے کہ اللہ کی سنت یہ ہے کہ دنوں کو پھیرتے رہتے ہیں کبھی دوستوں کو فتح ونصرت سے سرفراز کرتے ہیں اور کبھی دشمنوں کو غلبہ دیتے ہیں۔

وتلك الایام نداولها بین الناس ۔ (آل عمران آیت ۱۴۰)

اوران دنوں کو ہم لوگوں میں باری باری پھیرتے رہتے ہیں۔

مگر انجام کار غلبہ دوستوں کا رہتا ہے۔ والعاقبة للمتقین اس لیے کہ اگر ہمیشہ اہل ایمان کی فتح ہوتی رہے تو بہت سے لوگ محض نفاق سے اسلام کے حلقہ میں آشامل ہوں تو مؤمن اور منافق کا امتیاز نہ رہے اور یہ نہ معلوم ہو کہ کون ان میں سے خاص اللہ کا بندہ ہے اور کون ان میں سے عبدالدینار والدرہم ہے۔

اور اگر ہمیشہ اہل ایمان کو شکست ہوتی رہے تو بعثت کا مقصد (یعنی اعلاء کلمۃ اللہ) حاصل نہ ہو اس لیے حکمت الٰہیہ اس کو مقتضی ہوئی کہ کبھی فتح ونصرت ہو اور کبھی شکست اور ہزیمت تاکہ کھرے اور کھوٹے کا امتحان ہوتا رہے۔ قال تعالیٰ:

ماکان اللہ لیذر المومنین علی ما انتم علیه حتی یمیز الخبیث من الطیب ۔
(آل عمران آیت ۱۷۹)

اللہ تعالیٰ مؤمنین کو اس حالت پر نہیں چھوڑنا چاہتے یہاں تک کہ جدا کردے ناپاک کو پاک سے۔

اور انجام کار غلبہ اور فتح حق کو ہو۔

❼ نیز اگر ہمیشہ دوستوں کو فتح ہوتی رہے اور ہر معرکہ میں ظفر اور کامیابی ان کی ہمرکاب رہے تو اندیشہ یہ ہے کہ کہیں دوستوں کے پاک وصاف نفوس طغیان اور سرکشی غرور اور اعجاب میں مبتلا نہ ہوجائیں۔ (افضل البشر بعد الانبیاء بالتحقیق سیدنا ومولانا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ وارضاہ سے جب یہ عرض کیا گیا کہ آپ اکابر صحابہ اور حضرات بدریین کو عہدے کیوں نہیں عطا فرماتے تو یہ ارشاد فرمایا: اری ان لا تدنسهم الدنیا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ دنیا ان حضرات کو مکدر اور میلا نہ کردے۔ غالباً یہ روایت حلیۃ الاولیاء میں ہے یا کسی اور کتاب میں ہے مجھے اس وقت حوالہ یاد نہیں آرہا ہے واللہ اعلم) اس لیے مناسب ہوا کہ کبھی راحت اور آرام ہو اور کبھی تکلیف اور ایلام۔ کبھی سختی اور کبھی نرمی کبھی قبض اور کبھی بسط۔

چونکہ قبضے آیدت اے راہرو
آن صلاح تست آیس دل مشو
چونکہ قبض آمد تو در وے بسط بین
تازہ باش وچین می فگن برجبین

❽ اور تا کہ شکست کھا کر شکستہ خاطر ہوں اور بارگاہ خداوندی میں تخشع اور تضرع عجز اور تمسکن وتذلل اور انکسار کے ساتھ رجوع ہوں۔ اس وقت حق جل وعلا کی طرف سے عزت اور سر بلندی نصیب ہو، اس لیے کہ عزت ونصرت کا خلعت ذلت اور انکساری ہی کے بعد عطا ہوتا ہے۔ کما قال تعالیٰ:

ولقد نصر کم الله ببدر وانتم اذلة۔ (آل عمران آیت ۱۲۳)

اور تحقیق اللہ تعالیٰ نے بدر میں تمہاری مدد کی درآنحالیکہ تم بے سروسامان تھے۔

وقال تعالیٰ:

ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا۔ (سورۃ توبہ آیت ۲۵)

اور جنگ حنین میں جب تمہاری کثرت نے تم کو خود پسندی میں ڈالا تو وہ کثرت تمہارے کچھ بھی کام نہ آئی۔

حق جل شانہ جب اپنے کسی خاص بندے کو عزت یا فتح اور نصرت دینا چاہتے ہیں تو اول اس کو ذلت اور خاکساری عجز اور انکساری میں مبتلا کرتے ہیں، تا کہ نفس کا تنقیہ ہو جائے اور اعجاب اور خود پسندی کا فاسد مادہ یکلخت خارج ہو جائے۔ اس طرح ذلت کے بعد عزت اور ہزیمت اور شکست کے بعد فتح ونصرت اور فنا کے بعد بقاء عطا فرماتے ہیں۔

عارف رومیؒ فرماتے ہیں:

بس زیاد تہا دردن نقصہاست
مرشہید ان را حیات اندر فناست
مردہ شوتا مخرج الحی الصمد
زندہ زین مردہ بیرون آورد
آن کسے را کہ چنیں شاہے کشد
سوے تخت وبہترین جا ہے کشد
نیم جان بستاند وصد جان دہد
آنچہ در وہمت نیاید آن دہد

❾ اور تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ بدون مجاہدہ عظیم اور بغیر ریاضت تامہ کے مراتب اور درجات عالیہ کا دل میں خیال باندھ لینا مناسب نہیں۔ کماقال تعالیٰ:

ام حسبتم ان تدخلوا الجنة ولما يعلم الله الذين جاهدوا منكم ويعلم الصابرين.

(آل عمران آیت ۱۴۲)

کیا تمہارا گمان یہ ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کا اور صابرین کا امتحان نہیں لیا۔

❿ اور تا کہ تمہارے پاک نفوس دنیا کی طرف میلان سے بالکلیہ پاک اور منزہ ہو جائیں اور آئندہ سے کبھی بھی دنیائے حلال (یعنی مال غنیمت) کے حصول کا خیال بھی دل میں نہ آنے پائے کہ ہمارے رسول کے حکم کے خلاف مال غنیمت کو دیکھ کر پہاڑ سے نیچے کیوں اترے ہم نے اس وقت تمہاری اس فتح کو شکست سے اس لیے بدلا ہے کہ تمہارے قلوب آئندہ کے لئے دنیائے حلال (یعنی مال غنیمت) کی طرف میلان سے بھی پاک اور منزہ ہو جائیں اور دنیائے دوں کا وجود اور عدم تمہاری نظر میں برابر ہو جائے، چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں:

فاثابكم غما بغم لكيلا تحزنوا على مافاتكم ولا ما اصابكم والله خبير بما تعملون.

(آل عمران آیت ۱۵۳)

پس اللہ تعالیٰ نے تم کو اس مال غنیمت کی طرف مائل ہونے کی پاداش میں غم پر غم دیا تا کہ آئندہ کو تمہاری یہ حالت ہو جائے کہ جو چیز تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اس پر غمگین نہ ہو اور نہ کسی مصیبت کے پہنچنے سے تم پریشان ہو اور اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے۔

یعنی اس وقتی ہزیمت اور شکست میں ہماری ایک حکمت اور مصلحت یہ ہے کہ تم زہد اور صبر کے اس اعلیٰ ترین مقام پر پہنچ جاؤ کہ جہاں دنیا کا وجود اور عدم نظروں میں برابر ہو جاتا ہے جیسا کہ حق تعالیٰ کا دوسری جگہ ارشاد ہے:

ما اصاب من مصيبة فى الارض ولا فى انفسكم الا فى كتاب من قبل ان نبرأها. ان ذلك على الله يسير لكيلا تاسوا على مافاتكم ولا تفرحوا بما آتاكم والله لا يحب كل مختال فخور. (الحدید آیت ۲۲)

نہیں پہنچتی کوئی مصیبت زمین میں یا تمہارے نفسوں میں مگر وہ پہلے ہی سے لوح محفوظ میں مقدر ہوتی ہے اور تحقیق یہ امر اللہ کے نزدیک بالکل آسان ہے اور مصائب کے نازل کرنے میں اللہ کی حکمت یہ ہے کہ تم صبر میں اس درجہ کامل ہو جاؤ کہ اگر دنیا کی کوئی چیز تم سے فوت ہو جائے تو اس پر غمگین نہ ہوا کرو اور دنیا کی جو چیز اللہ تم کو عطا کرے تو تم اس دنیا کی چیز کو دیکھ کر خوش نہ ہوا کرو اور اللہ تعالیٰ کسی اترانے والے اور فخر کرنے والے کو پسند نہیں کرتے۔

دنیا کے آنے سے دل کا خوش نہ ہونا اور دنیا کے جانے سے دل کا رنجیدہ نہ ہونا یہ زہد اور صبر کا اعلیٰ ترین مقام ہے

حق جل شانہ نے ان آیات میں اشارہ فرمادیا کہ معرکہ احد میں صحابہ کو جو یہ غم دیا گیا کہ فتح کو شکست سے بدل دیا۔اس میں اللہ کی ایک حکمت یہ ہے کہ آئندہ سے صحابہ کے دل میں دنیا کے فوت ہونے کا کوئی غم نہ ہوا کرے اور دنیا کا وجود اور عدم ان کی نظروں میں برابر ہوجائے اور ہر حال میں قضاء الٰہی پر راضی اور خوش رہنا منافقین اور جہلاء کی طرح خداوند ذوالجلال سے بدگمان نہ ہونا کہ اس وقت خدا تعالیٰ نے ہماری مدد کیوں نہ فرمائی محبّ مخلص کی شان تو یہ ہونی چاہئے۔

زندہ کنی عطائے تو
ور بکشی فدائے تو
جان شدہ مبتلائے تو
ہر چہ کنی رضائے تو
ما پر وریم دشمن وباما کشیم دوست
جرأت کسی کہ جرح کند در قضائے ما

⓫ نیز یہ واقعہ آپ کی وفات کا پیش خیمہ تھا جس سے یہ بتلانا مقصود تھا کہ اگرچہ اس وقت تم میں سے بعض لوگوں کے بمقتضائے بشریت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی خبر سن کر پاؤں اکھڑ گئے چونکہ اس کا منشاء معاذ اللہ بزدلی اور نفاق نہ تھا بلکہ غایت ایمان واخلاص اور انتہائی محبت و تعلق تھا کہ اس وحشت اثر خبر کی دل تاب نہ لاسکے اور اس درجہ پریشان ہوگئے کہ میدان سے پاؤں اکھڑ گئے اس لیے:

ولقد عفا عنکم واللہ ذو فضل علی المؤمنین ۔ (آل عمران آیت ۱۵۲)

حق تعالیٰ شانہ نے تمہارا یہ قصور معاف فرمایا اور اللہ تعالیٰ تو ایمانداروں پر بڑا ہی فضل فرمانے والا ہے۔

لیکن آئندہ کیلئے ہوشیار اور خبردار ہوجاؤ کہ آپ کی وفات کے بعد آپ کے دین اور آپ کی سنت اور آپ کے جادۂ استقامت سے نہ پھر جانا آپ کی وفات کے بعد کچھ لوگ دین سے پھر جائیں گے جس سے فتنۂ ارتداد کی طرف اشارہ تھا اور مقصود تنبیہ ہے کہ آپ ہی کے طریق پر زندہ رہنا اور آپ ہی کے طریق پر مرنا۔محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر وفات پاجائیں یا قتل ہوجائیں تو ان کا خدا تو زندہ ہے اور یہ آیتیں نازل فرمائیں:

وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل افاء ن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا وسیجزی اللہ الشاکرین ۔ (آل عمران آیت ۱۴۴)

اور نہیں ہیں محمد مگر ایک رسول ہی تو ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گزر گئے پس اگر آپ کا وصال ہوجائے یا آپ شہید ہوجائیں تو کیا تم دین اسلام سے پھر جاؤ گے اور جو شخص اپنی ایڑیوں کے بل واپس ہوجائے تو وہ ہرگز ہرگز اللہ کا کوئی نقصان نہیں کرے گا اور عنقریب اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو انعام دے گا۔

چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد یمن کا قبیلہ ہمدان جب مرتد ہونے لگا تو عبداللہ بن مالک ارحبی رضی اللہ عنہ نے قبیلہ ہمدان کو جمع کر کے یہ خطبہ دیا:

یا معشر همدان انكم لم تعبدوا محمدا عليه السلام انما عبدتم رب محمد (عليه السلام) وهو الحي الذي لا يموت غير انكم اطعتم رسوله بطاعة الله. واعلموا انه استنقذكم من النار ولم يكن الله ليجمع اصحابه على ضلالة الى اخر الخطبة.

اے گروہ ہمدان تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت کرتے تھے اور رب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) حی لایموت ہے ہاں تم اللہ کے رسول کے اطاعت کرتے تھے تاکہ رسول کی اطاعت، اللہ کی اطاعت کا ذریعہ بن جائے اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اپنے رسول کے ذریعے آگ سے چھڑایا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ آپ کے اصحاب کو گمراہی پر جمع نہیں کرے گا اور یہ شعر کہے:

لعمری لئن مات النبی محمد
لما مات یا ابن القیل رب محمد

قسم ہے میری زندگی کی کہ اگر نبی اکرم محمد صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو آپ کا پروردگار زندہ ہے۔ اے سردار کے بیٹے۔

دعاه الیه ربه فاجابه
فیا خیر غوری ویا خیر منجد

ان کے پروردگار نے ان کو اپنے پاس آنے کی دعوت دی آپ نے اپنے رب کی دعوت کو قبول کیا۔ سبحان اللہ حضور پرنور غور ونجد بلند و پستی کے رہنے والوں میں سے سب سے افضل اور بہتر تھے۔

(اصابہ ترجمہ عبداللہ بن مالکؓ ص ۳۶۵ ج ۲ وحسن الصحابہ فی شرح اشعار الصحابہ ص ۳۱۲ ج ۱۔)

غزوۂ احد میں فتح کے بعد ہزیمت پیش آجانے کی حکمت اور مصلحت پر اجمالی کلام

حسب وعدہ خداوندی شروع دن میں مسلمان کافروں پر غالب رہے مگر جب اس مرکز سے ہٹ گئے جس پر اللہ کے رسول نے کھڑے رہنے کا حکم دیا تھا اور مال غنیمت جمع کرنے کیلئے پہاڑ سے نیچے اتر آئے تو جنگ کا پانسہ پلٹ گیا۔ اور فتح شکست سے بدل گئی، بارگاہ خداوندی میں محبین مخلصین اور عاشقین صادقین کی ادنیٰ ادنیٰ بات پر گرفت ہوتی ہے حق جل شانہ کو یہ ناپسند ہوا کہ اس کے محبین مخلصین (صحابہ کرام) اللہ کے رسول کے حکم سے ذرہ برابر عدول کریں اگرچہ وہ عدول کسی غلط فہمی اور بھول چوک سے ہی کیوں نہ ہو نیز عاشق صادق کے شان عشق کے یہ خلاف ہے کہ وہ دنیا کے متاع اور مال غنیمت کے جمع کرنے کیلئے کوہ استقامت سے اتر کر زمین پر آئے جس مال غنیمت کے جمع

کرنے کیلئے صحابہ پہاڑ سے اترے تھے اگر چہ وہ دنیائے حلال اور طیب تھی لقولہ تعالیٰ:

فکلوا مما غنمتم حلالا طیبا ۔مگر صحابہ عاشقین صادقین کیلئے یہ مناسب نہ تھا کہ خداوند ذوالجلال کی بغیر اجازت اور اذن کے اس حلال وطیب کی طرف ہاتھ بڑھائیں۔

موسیا آداب دانا دیگرند
سوختہ جاناں روانان دیگرند

خداوند مطلق اور محبوب برحق نے اپنے محبین مخلصین کی تنبیہ کیلئے وقتی طور پر فتح کو شکست سے بدل دیا، کہ متنبہ ہوجائیں کہ غیر اللہ پر نظر جائز نہیں اور علم ازلی میں یہ مقدر فرمادیا کہ وقتی طور پر اگر چہ شکستہ خاطر ہوں گے۔مگر عنقریب فتح مکہ سے اس کی تلافی کردی جائے گی اور آئندہ چل کر قیصر وکسریٰ کے خزائن ان کے ہاتھوں میں دیدیئے جائیں گے مقصود یہ تھا کہ محبین مخلصین کے قلوب دنیائے حلال کے میلان سے بھی پاک اور خالص بن جائیں۔اسی بارہ میں حق جل شانہ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں:

ولقد صدقکم اللہ وعدہ اذ تحسونهم باذنه حتی اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر وعصیتم من بعد ما اراکم ما تحبون منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الآخرة ثم صرفکم عنهم لیبتلیکم ولقد عفا عنکم واللہ ذو فضل علی المومنین۔ (آل عمران آیت ۱۵۲)

اور تحقیق اللہ نے تم سے جو (فتح) کا وعدہ کیا تھا وہ سچ کردکھایا جس وقت کہ تم کفار کو بتائید خداوندی قتل کررہے تھے حتی کہ وہ سات یا نو آدمی جن کے ہاتھ میں مشرکین کا جھنڈا تھا وہ سب تمہارے ہاتھ سے مارے گئے یہاں تک کہ جب تم خود سست پڑگئے اور باہم حکم میں اختلاف کرنے لگے اور تم نے حکم کی نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ نے تمہاری محبوب اور پسندیدہ چیز (یعنی کافروں پر غلبہ اور فتح) تم کو تمہاری آنکھوں سے دکھلادیا تم میں سے بعض تو وہ تھے کہ دنیا (غنیمت) کی طرف مائل ہوئے اور بعض تم سے وہ تھے کہ جو صرف آخرت کے طلب گار تھے،اس لیے اللہ تعالیٰ نے تم کو ان سے پھیر دیا،اور حاصل شدہ فتح کو ہزیمت سے بدل دیا تا کہ تم کو آزمائے اور صاف طور پر ظاہر ہوجائے کہ کون پکا ہے اور کون کچا اور البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے تمہاری یہ غلطی بالکل معاف کردی (لہٰذا اب کسی کو اس غلطی پر طعن وتشنیع بلکہ لب کشائی بھی جائز نہیں کہ خدا تعالیٰ تو معاف کردے اور یہ طعن کرنے والے معاف نہ کریں) اور اللہ تعالیٰ مؤمنین مخلصین پر بڑے ہی فضل والے ہیں۔

ان آیات میں حق جل شانہ نے یہ بتلادیا کہ یکبارگی معاملہ اور قصہ منعکس ہوگیا کہ لشکر کفار جو مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل ہورہا تھا۔اب وہ اہل اسلام کے قتل میں مشغول ہوگیا۔اس کی وجہ ایک تو یہ ہوئی کہ تم نے رسول اللہ کے حکم کے بعد عدول حکمی کی اور تم میں سے بعض لوگ دنیائے فانی کے متاع آنی (مال غنیمت) کے میلان اور طمع میں

کو وہ استقامت سے پھسل پڑے جس کا خمیازہ سب کو بھگتنا پڑا اور بعض کی لغزش سے تمام لشکر اسلام ہزیمت کا شکار بنا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مگر با ایں ہمہ خداوند ذوالجلال والاکرام کے عنایات بے غایات اور الطاف بے نہایات مسلمانوں سے منقطع نہ ہوئے کہ باوجود اس محبت آمیز عتاب کے بار بار مسلمانوں کو تسلی دی کہ تم ناامید اور شکستہ خاطر نہ ہونا۔ ہم نے تمہاری لغزش کو بالکل معاف کر دیا ہے چنانچہ ایک مرتبہ عفو کا اعلان اس آیت میں فرمایا: ولقد عفا عنکم واللہ ذو فضل علی المؤمنین اور پھر اسی رکوع کے آخر میں مسلمانوں کی مزید تسلی کیلئے دوبارہ عفو کا اعلان فرمایا:

ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعن انما استزلھم الشیطن ببعض ما کسبوا ولقد عفا اللہ عنھم ان اللہ غفور حلیم۔ (آل عمران آیت ۱۵۵)

تحقیق جن بعض لوگوں نے تم میں سے پشت پھیری جس روز کہ دونوں جماعتیں باہم مقابل ہوئیں سو صرف اور صرف اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے بعض اعمال کی وجہ سے شیطان نے ان کو لغزش میں مبتلا کر دیا اور خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب البتہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے ان کی لغزش کو بالکل معاف کر دیا تحقیق اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے اور حلم والے ہیں۔

حق جل شانہ نے صحابہ کرام کے اس فعل کو لغزش قرار دیا، استزلھم الشیطن کا لفظ اس پر دلالت کرتا ہے اور لغزش کے معنی یہ ہیں کہ ارادہ تو کچھ اور تھا مگر غلطی اور بھول چوک سے بلا ارادہ اور اختیار قدم پھسل کر راستہ سے گر گیا۔ اشارہ اس طرف ہے کہ یہ جو کچھ ہو گیا وہ لغزش تھی۔ جان بوجھ کر تم نے نہیں کیا اور خیر جو کچھ بھی ہو گیا اس کو ہم نے اپنی رحمت اور حلم سے معاف کر دیا تم کو تو معافی کی اطلاع دے دی کہ تم ملول اور رنجیدہ اور ناامید ہو کر نہ بیٹھ جانا۔ اور تمہاری معافی کا اعلان ساری دنیا کو اس لیے سنا دیا کہ دنیا کو یہ معلوم ہو جائے کہ حق جل شانہ کی عنایات بے غایات کس طرح اصحاب رسول پر مبذول ہیں اور کس کس طرح ان کو چندور چند تسلیاں دی جا رہی ہیں تا کہ قیامت تک کسی کو یہ مجال نہ ہو کہ صحابہ کرام کی شان میں لب کشائی کر سکے جب حق تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا تو اب بلا سے کوئی ان کو معاف کرے یا نہ کرے ان سے راضی ہو یا نہ ہو خدا کے عفو اور رضا کے بعد کسی کے عفو اور رضا کی ضرورت نہیں رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ۔

غزوۂ بدر میں فدیہ لینے پر جو عتاب نازل ہوا تھا اس کی وجہ بھی یہی تھی کہ خداوند ذوالجلال کے دشمنوں کے قتل وقتال کے بارے میں پامال کرنے کے بجائے مال ومنال کو کیوں ترجیح دی۔ اسی طرح غزوۂ احد میں دنیوی مال ومتاع (مال غنیمت) کی طرف میلان کی وجہ سے عتاب ہوا مگر بعد میں معاف کر دیا گیا۔

غزوۂ احد کی ہزیمت کے اسرار وحکم کے بیان کے بعد

حق تعالیٰ شانہ نے حضرات انبیاء سابقین کے صحابہ ربیین کا عمل بیان فرمایا کہ خدا کی راہ میں ان کو طرح طرح کی

تکلیفیں اور قسم قسم کی مصیبتیں پہنچیں لیکن انہوں نے نہ ہمت ہاری اور نہ دشمنوں کے مقابلہ میں عاجز ہوئے نہایت صبر اور استقلال کے ساتھ اللہ کے دشمنوں سے جہاد میں ثابت قدم رہے۔

مگر باایں ہمہ اپنی شجاعت اور ہمت صبر اور استقامت پر نظر نہیں کی بلکہ نظر خداوند ذوالجلال ہی پر رکھی اور برابر خدا سے گناہوں کی استغفار اور ثابت قدم رہنے کی دعا مانگتے رہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا اور آخرت میں اس کا صلہ مرحمت فرمایا۔ قال تعالیٰ:

وکأین من نبی قُتل معه ربیون کثیر فما وهنوا لمآ اصابهم فی سبیل الله وما ضعفوا وما استکانوا والله یحب الصبرین وما کان قولهم الا ان قالوا ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین. فاتهم الله ثواب الدنیا وحسن ثواب الآخرة والله یحب المحسنین ۔(آل عمران آیت ۱۴۶)

اور بہت سے پیغمبروں کے ساتھ مل کر خدا پرستوں نے کافروں سے جہاد وقتال کیا لیکن ان مصیبتوں کی وجہ سے جو ان کو خدا کی راہ میں پہنچیں نہ تو سست ہوئے اور نہ کمزور ہوئے اور نہ دشمنوں سے دبے اور اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والوں کو محبوب رکھتا ہے اور ان کی زبان سے صرف یہ قول نکل رہا تھا کہ اے پروردگار ہمارے گناہوں کو اور ہماری زیادتی کو معاف فرما اور ہم کو ثابت قدم رکھ اور کافر قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔ پس اللہ نے ان کو دنیا کا انعام اور آخرت کا بہترین انعام عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کو محبوب رکھتا ہے۔(ماخوذ از سیرۃ المصطفیٰ، مؤلفہ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ)

سورۃ آل عمران مدنیۃ آیت ۱۲۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۗ وَعَلَى اللّٰهِ

جب تم میں سے دو جماعتوں نے قصد کیا کہ بزدلی کریں اور اللہ تعالیٰ ان کا مددگار تھا اور چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہی پر

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

مسلمان بھروسہ کریں

خلاصہ

غزوۂ احد میں منافقین جنگ سے پہلے ہی بھاگ گئے تو مخلص مسلمانوں کی دو جماعتوں میں بھی کچھ کم ہمتی پیدا ہوئی۔ مگر اللہ پاک نے اپنی مدد سے ان کو سنبھال لیا اور وہ جنگ میں ثابت قدم رہے۔ پس مسلمانوں کو چاہیے کہ جہاد میں کافروں کی طاقت اور منافقوں کی بزدلی پھیلانے والی باتوں پر توجہ نہ دیا کریں بلکہ اللہ تعالیٰ پر توکل اور بھروسہ رکھا کریں۔

شانِ نزول

❶ الطائفتان حیان من انصار بنو سلمة من الخزرج وبنو حارثة من الاوس لما انهزم عبدا لله بن ابی همت الطائفتان باتباعه فعصمهم الله فثبتوا مع الرسول صلی الله علیه وسلم

یہ دو جماعتیں انصار کے قبائل کی دو شاخیں تھیں بنو سلمہ خزرج میں سے اور بنو حارثہ اوس میں سے تھے، جب (رئیس المنافقین) عبداللہ بن ابی (اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ) واپس بھاگ گیا تو ان دو قبیلوں نے بھی اس کے ساتھ جانے کا ارادہ کیا مگر اللہ پاک نے ان کی حفاظت فرمائی اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ احد میں ثابت قدم رہے۔ (تفسیر کبیر)

کلام برکت

”جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکے سے مدینے میں آئے اس کے ڈیڑھ برس کے بعد جنگ بدر ہوئی۔ مکے کے لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے فتح دی مسلمانوں کو، ستر آدمی کافر مارے گئے اور ستر اسیر آئے۔ اگلے سال کافر جمع ہو کر مدینہ پر چڑھ آئے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے مشورت کی اکثر کہنے لگے ہم شہر میں لڑیں گے اور حضرت کی بھی یہی مرضی تھی اور بعض کہنے لگے کہ یہ عار ہے بلکہ میدان میں مقابل ہونگے آخر یہی مشورت قبول ہوئی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جب شہر سے باہر چلے۔ عبداللہ بن ابی منافق تھا مدینے کا ساکن (یعنی رہنے والا) وہ بھی شریک جنگ

تھا۔ ناخوش ہوکر پھر گیا (یعنی واپس چلا گیا) کہ ہمارے قول پر عمل نہ کیا اور اس کے بہکانے سے دو قبیلہ انصار کے بھی پھر چلے۔ آخر ان کے سردار عوام کو سمجھا کر لے آئے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تقویت دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر توکل (کرنا) چاہیے۔ اطاعت حکم میں اندیشہ نہ کرے۔" (موضح القرآن)

ربط

"اس سے پہلے مسلمانوں کو فرض مذہبی تبلیغ (اسلام) بتلایا جاچکا ہے۔ (کنتم خیر امة) اس کے بعد حکم دیا گیا ہے کہ اہل کتاب اور منافقین سے علیحدہ رہو (لاتتخذوا بطانة من دونکم) آئندہ اس قانون کا اجراء کر کے دکھایا جاتا ہے کہ غزوۂ بدر میں صحابہ کرام میں استقلال تھا اور مخالفین (منافقین) کے خیالات سے متاثر نہیں تھے تو فتح ہوئی۔ اور غزوۂ احد میں منافقین کے خیالات کا کچھ نہ کچھ اثر تھا۔ تو شرکتِ جنگ کے موقع پر بھی بعض لوگوں کی طبیعتوں میں تذبذب تھا اور تخلف (جہاد سے پیچھے رہ جانا) دراصل منافقین کا مسلک تھا۔ اس کمزوری کے باعث غزوۂ احد میں شکست ہوئی۔" (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

سبق

اسلامی لشکر کے قلوب میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور محبت بٹھائی جائے اور آپس میں ایمان اور توکل کا مسلسل مذاکرہ کیا جائے اور خوف پھیلانے والے منافقین کے خیالات اور باتوں سے انہیں بچایا جائے۔

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ — آیت ۱۲۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّ اَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ

اور اللہ تعالیٰ بدر کی لڑائی میں تمہاری مدد کر چکا ہے حالانکہ تم کمزور تھے پس اللہ تعالیٰ سے ڈرو

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

تا کہ تم شکر کرو

خلاصہ

اے مسلمانو! غزوہ بدر میں تم کمزور اور تھوڑے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنی خاص نصرت سے فتح عطاء فرمائی۔ اس لئے اپنے اندر تقویٰ پیدا کرو، یعنی اللہ تعالیٰ کے احکامات کو پورا کرو اور جن باتوں سے اس نے منع فرمایا ہے۔ ان سے بچو اور کافروں اور منافقوں کی یاری سے بچو۔

اور تقویٰ ہی اصل شکر گذاری ہے۔ اس تقویٰ کی برکت سے عنقریب تمہیں ایسی نعمت اور فتوحات ملیں گی کہ تم خوب شکر ادا کرو گے۔

بدر ❶ "مدینہ (منورہ) کے جنوب و مغرب میں اس سے کوئی بیس میل کے فاصلہ پر اور ساحل بحر احمر سے ایک منزل پر ایک پڑاؤ اور (تجارتی) منڈی کا نام ہے یہ مقام نہ صرف شام اور مکہ و مدینہ کی سڑکوں کا تراہا (تینوں طرف کا راستہ) تھا اور قریش کے تجارتی قافلے آمد و رفت میں یہیں سے گذرتے تھے بلکہ اسے اہمیت اس لئے بھی حاصل تھی کہ یہاں پانی کی افراط (کثرت) تھی اور یہ عرب میں ایک بڑی چیز تھی، توحید اور شرک کے درمیان سب سے پہلا قابل ذکر لشکری تصادم یہیں بروز جمعہ ۱۷ رمضان ۲ھ (۱۱ مارچ ۶۲۴ء) کو پیش آیا اس غزوہ نے گویا اسلام کی اور اس طرح بالواسطہ ساری دنیا کی تاریخ کا رخ ہی پلٹ دیا۔" (تفسیر ماجدی)

❷ بئر لرجل من جهينة يقال له بدر فسميت به یعنی یہ ایک کنویں کا نام ہے جو قبیلہ جھینہ کے بدر نامی شخص کا تھا پس اسی کے نام سے اس جگہ کا نام بھی بدر پڑ گیا۔ (روح المعانی)

وقال الواقدی اسم لموضع وقيل للوادی وكانت كماقال عكرمة متجرا فی الجاهلية (روح المعانی)

ربط

امام رازی رحمہ اللہ نے اس آیت کا ماقبل سے ربط دو طرح سے بیان کیا ہے۔

❶ الاول انه تعالیٰ لماذکر قصة احد اتبعها بذکر قصة بدر وذلك لان المسلمین یوم بدر کانوافی غایة الفقروالعجز الخ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے جب احد کا واقعہ بیان کیا تو اس کے فوراً بعد غزوۂ بدر کا تذکرہ فرمایا کیوں کہ بدر کے دن مسلمان انتہائی کمزوری اور محتاجی کی حالت میں تھے۔ جبکہ کافر پوری قوت اور طاقت کے ساتھ آئے تھے اسکے باوجود اللہ پاک نے مسلمانوں کو مشرکین پر فتح عطا فرمادی پس اس میں بہت مضبوط دلیل اس بات کی ہے کہ عقلمند انسان اپنے اہداف ومقاصد حاصل کرنے کے لئے صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی پر توکل رکھے اور اسی سے مدد چاہے۔ پیچھے فرمایا گیا تھا۔ وان تصبروا وتتقوا لایضرکم کیدھم شیئًا (اگر تم نے استقلال وتقویٰ اختیار کیا تو ان کی تدبیریں تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گی) اور فرمایا گیا تھا وعلی اللہ فلیتوکل المومنون (اور ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر توکل کرنا چاہیے) تو اس واقعۂ بدر کو ذکر کرنے کا مقصد ان آیات کی تائید ہے۔

❷ الثانی انه تعالیٰ حکی عن الطائفتین انهماهمتا بالفشل الخ۔ دوسرا ربط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو جماعتوں کا ذکر فرمایا جنہوں نے کمزوری دکھانے کا ارادہ کیا تھا پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا (ترجمہ) اور اللہ تعالیٰ ان دونوں جماعتوں کا مددگار تھا اور اللہ ہی پر ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے۔ یعنی جس کی نصرت اور مدد اللہ تعالیٰ فرمار ہا ہو اس کے لئے ایسی کمزوری، بزدلی اور نامردی دکھانا کہاں درست ہے؟ پھر اس بات کی تائید کے لئے بدر کا واقعہ ذکر فرمایا کہ مسلمان اس دن انتہائی کمزور تھے لیکن جب اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب اور اپنے دشمن پر غالب ہوئے (التفسیر الکبیر)

سبق

❶ جہاد میں کامیابی کے لئے تقویٰ اہم ترین سبب ہے۔ ❷ مسلمانوں کو غزوۂ بدر والے جذبات اور قربانی کی ضرورت ہے۔

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ

جب تو مسلمانوں کو کہتا تھا کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری مدد کیلئے تین

اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

ہزار فرشتے آسمان سے اترنے والے بھیجے

خلاصہ

غزوۂ بدر کے دن استقامت اور تقویٰ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی مدد کے لئے آسمان سے تین ہزار فرشتے نازل فرمائے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خوشخبری اپنے مجاہد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سنائی۔

بدر یا اُحد

حضرات مفسرین میں سے بعض کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت غزوۂ احد کے بارے میں ہے کہ اس میں تین ہزار فرشتوں کا وعدہ تھا مگر جب تیر اندازوں نے پہاڑی درہ چھوڑ کر غنیمت جمع کرنا شروع کر دی تو تقویٰ اور صبر کی کمزوری ظاہر ہوگئی۔ حالانکہ فرشتوں کے نزول کے لئے تقویٰ اور صبر کی شرط لازمی تھی۔ مگر اکثر مفسرین کے نزدیک یہ آیت غزوۂ بدر کے متعلق ہے چنانچہ امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ان هذا الوعد كان يوم بدر وهو قول اكثر المفسرين یعنی یہ وعدہ بدر کے دن تھا اور یہی اکثر مفسرین حضرات کا قول ہے۔ (التفسیر الکبیر)

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی جنگ

علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وكان اول قتال قاتله النبى صلى الله عليه وسلم وفى صحيح مسلم عن بريدة قال غزا رسول الله صلى الله عليه وسلم سبع عشرة غزوة قاتل فى ثمان منهن.

یعنی غزوۂ بدر وہ پہلی جنگ تھی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود قتال فرمایا اور صحیح مسلم میں حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سترہ غزوے فرمائے جن میں سے آٹھ میں جنگ فرمائی۔ امام قرطبی تھوڑا آگے چل کر لکھتے ہیں کہ حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے غزوۂ ذات العشیر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی جنگ قرار دیا ہے جبکہ طبقات ابن سعد میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کی تعداد

ستائیس (۲۷) ہے جن میں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر، احد، المریسیع، خندق، خیبر، قریظہ، فتح مکہ، حنین اور طائف میں جنگ فرمائی (باقی میں جنگ نہیں ہوئی) اور بعض روایات میں ہے کہ بنی نضیر، وادی القریٰ اور غابہ میں بھی جنگ فرمائی۔ (تفسیر قرطبی)

فائدہ

غزوۂ بدر میں کل کتنے فرشتے جہاد میں شریک ہوئے؟ ایک ہزار، تین ہزار اور پانچ ہزار کی تعداد میں تطبیق کس طرح ہے؟ فرشتوں نے جنگ میں حصہ لیا یا نہیں؟ فرشتے صرف غزوۂ بدر میں لڑے یا کسی اور غزوۂ میں بھی؟

ان تمام امور پر بحث ان شاء اللہ سورۃ الانفال میں آئے گی۔

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ — آیت ۱۲۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا

بلکہ اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کرو اور وہ تم پر ایک دم سے آپہنچیں

يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

تو تمہارا رب پانچ ہزار فرشتے نشان دار گھوڑوں پر مدد کیلئے بھیجے گا

خلاصہ

اگر جہاد کے دوران تمہارا صبر اور تقویٰ مضبوط رہا اور دشمنوں کی مزید کمک آ گئی تو اللہ پاک فرشتوں کی تعداد پانچ ہزار فرمادے گا۔ جو خاص علامات والے ہونگے۔

تفسیری اقوال

پانچ ہزار فرشتے قیامت تک:

وقال الحسن فهولاء الخمسة آلاف ردءٌ للمومنين الى يوم القيامه۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ پانچ ہزار فرشتے قیامت تک (جہاد میں) مسلمانوں کی مدد کے لئے مقرر ہیں۔ (القرطبی)

ان تصبروا اگر تم ڈٹے رہے علیٰ مضض الجهاد وما امرتم به جہاد اور ان باتوں پر جن کا تمہیں حکم دیا گیا ہے (روح المعانی)

فائدہ

اس آیت کی تفسیر کے بارے میں مفسرین حضرات نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ اکابر کی ان دو عبارتوں میں ملاحظہ فرمائیں:

❶ یعنی تین ہزار بے شک کافی ہیں تاہم اگر تم نے صبر و استقلال کا ثبوت دیا اور تقویٰ اختیار کر کے نافرمانی سے بچتے رہے اور کفار کی فوج ایک دم تم پر ٹوٹ پڑی تو تین ہزار کے بجائے پانچ ہزار فرشتے بھیج دیئے جائیں گے جن کی خاص علامتیں اور ان کے گھوڑوں پر بھی خاص نشان ہونگے، چونکہ بدر میں کفار کی تعداد ایک ہزار تھی اولاً اس کے مناسب ایک ہزار فرشتوں کا وعدہ فرمایا جیسا کہ سورۃ انفال میں آئے گا پھر مسلمانوں کی گھبراہٹ دور فرمانے کیلئے تعداد تگنی کر دی گئی کیونکہ کفار کی تعداد مسلمانوں سے تگنی تھی، اس کے بعد شعبی کی روایت کے موافق جب مسلمانوں کو خبر

ملی کہ کرز بن جابر بڑی کمک لیکر مشرکین کی مدد کے لئے آرہا ہے تو ایک جدید اضطراب پیدا ہوگیا اس وقت مزید تسکین وتقویت کے لئے وعدہ فرمایا کہ اگر تم صبر وتقویٰ سے کام لوگے تو ہم پانچ ہزار فرشتے تمہاری مدد کو بھیج دیں گے۔ اگر مشرکین کی کمک بالکل ناگہانی طور پر آپہنچے تب بھی فکر مت کرو خدا تعالیٰ بروقت تمہاری مدد کرے گا۔ شاید پانچ ہزار کا عدد اس لئے رکھا ہو کہ لشکر کے پانچ حصے ہوتے ہیں۔ ہر ایک حصہ کو ایک ایک ہزار کی کمک پہنچا دی جائے گی۔ چونکہ کرز بن جابر کی مدد کفار کو نہ پہنچی، اس لئے بعض کہتے ہیں کہ پانچ ہزار کا وعدہ پورا نہیں کیا گیا کیونکہ وہ يأتوكم من فورهم هذا پر معلق تھا اور بعض کا قول ہے کہ پانچ ہزار فرشتے نازل ہوئے واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

❷ بشرطیکہ تم نے صبر وتقویٰ قائم رکھا، میدان جنگ میں اور اطاعت رسول سے منہ نہ موڑا۔ غور کرکے دیکھ لیا سارا زور صبر وثبات اور اطاعت رسول پر ہے جنگ احد سے قبل امت کے سپہ دار (سپہ سالار) اعظم نے جو خطبہ اپنی سپاہ کے سامنے دیا تھا اور جو حدیث کی کتابوں میں منقول چلا آتا ہے اس میں یہ مضمون خصوصیت کے ساتھ ہے کہ اگر ثابت قدم رہوگے تو اللہ تم ہی کو مظفر ومنصور کرے گا، اپنے پروردگار پر اعتماد رکھو، ثابت قدم رہو اور فتح تم ہی کو نصیب رہے گی۔ اور یہ شرط بڑی اہم ہے اور اسکی اہمیت کا عملی ظہور بدر واحد کے دونوں معرکوں میں ہوگیا وہی خدا مدد دینے والا وہی مسلمان امداد کے محتاج لیکن بدر میں لشکر اسلام ہر طرح رسول کا مطیع ومنقاد رہا اور اسباب ظاہر پر تکیہ ذرا نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے امداد غیبی فرشتوں سے پہنچائی، احد میں صورتحال اس کے برعکس رہی لشکر ہی کے ایک حصہ نے حکم عدولی کی اور یہاں خاصا اعتماد اپنی طاقت پر ہونے لگا اللہ تعالیٰ نے ایک وقت تک کے لئے امداد سے دست کشی کرلی اور شکست کا تجربہ بھی کرادیا۔ حصول برکت ونزول برکت کے لئے بڑی شئے بندوں کی طرف سے اطاعت و انقیاد ہے۔ (تفسیر ماجدی)

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۲۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۚ وَمَا

اور اس چیز کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل کی خوشی کیلئے کیا ہے اور تاکہ تمہارے دلوں کو اس سے اطمینان ہو اور

النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾

مدد تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے جو زبردست حکمت والا ہے

خلاصہ

اے مسلمانو! جہاد کے دوران مدد کے لئے فرشتوں کا اترنا صرف اور صرف خوشخبری اور تمہارے اطمینان قلب کیلئے ہے۔ ورنہ اصل مدد تو اللہ تعالیٰ ہی فرماتا ہے جو غالب بھی ہے اور حکیم بھی۔ پس اسی سے جوڑو اور اسی سے جڑے رہو۔ اور اس کے سوا کسی پر بھی توکل اور بھروسہ نہ کرو۔ تمہیں جو کچھ ملا اللہ تعالیٰ کی نصرت سے ملا اور تمہیں جو کچھ ملے گا اسی کی نصرت سے ملے گا۔

تفسیر

❶ یعنی یہ سب غیبی سامان غیر معمولی طور پر ظاہری اسباب کی صورت میں محض اس لئے مہیا کئے گئے کہ تمہارے دلوں سے اضطراب وہراس دور ہو کر سکون واطمینان نصیب ہو۔ ورنہ خدا کی مدد کچھ ان چیزوں پر محدود ومقصود نہیں۔ نہ اسباب کی پابند ہے وہ چاہے تو محض اپنی زبردست قدرت سے بدون فرشتوں کے تمہارے کام بنادے یا بدون تمہارے توسط کے کفار کو خائب وخاسر کردے۔ یا ایک فرشتہ سے وہ کام لے جو پانچ ہزار سے لیا جاتا ہے۔ فرشتے بھی جو امداد پہنچاتے ہیں اسی خداوند قدیر کی قدرت ومشیت سے پہنچا سکتے ہیں مستقل طاقت واختیار کسی میں نہیں۔ آگے یہ اسکی حکمت ہے کہ کس موقع پر کس قسم کے اسباب ووسائط سے کام لینا مناسب ہے تکوینیات کے رازوں کا کوئی احاطہ نہیں کرسکتا۔ (تفسیر عثمانی)

❷ کما كانت السكينة لبني اسرائيل بشارة بالنصر (کشاف) فرشتوں کا نازل ہونا اسی طرح فتح ونصرت کی بشارت کے لئے تھا جس طرح گمشدہ تابوت کا ملنا بنی اسرائیل کیلئے فتح کی بشارت تھی۔

وما النصر الا من عند الله لا من عند المقاتلة اذا تكاثروا ولا من عند الملائكة والسكينة ولكن ذلك مما يقوى به الله رجاء النصرة والطمع في الرحمة ويربط به قلوب المجاهدين۔

یعنی اصل مدد اور فتح صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ نہ کہ لڑنے والوں کی کثرت سے اور نہ فرشتوں اور

سکینت کے نازل ہونے سے۔ یہ تو بس وہ چیزیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے اپنی نصرت اور رحمت کی امید کو مضبوط فرماتا ہے اور مجاہدین کے دلوں میں قوت عطاء فرماتا ہے۔ (کشاف)

فائدہ

ان دونوں عبارتوں سے ان تمام اشکالات کا جواب ہوگیا جو کم فہم معترضین کی طرف سے اٹھائے جاتے ہیں کہ فرشتوں کی کیا ضرورت تھی؟ اور اتنی زیادہ تعداد میں فرشتے کیوں بھیجے گئے؟ وغیرہ (واللہ اعلم)

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۲۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

تاکہ بعض کافروں کو ہلاک کرے یا انہیں ذلیل کرے پھر وہ ناکام ہو کر لوٹ جائیں

خلاصہ

اللہ تعالیٰ نے تمہیں جہاد کا حکم اس لئے دیا اور تمہاری نصرت اس لئے فرمائی تاکہ کافروں کا زور ٹوٹ جائے، ان کا بازو کٹ جائے، پرانے نامور مشرک کچھ مارے جائیں کچھ ذلیل وخوار ہوں اور باقی رہ جانے والے رسوائی اور ذلت کے ساتھ واپس جائیں۔

تفسیری اقوال

❶ ای امرکم بالجهاد والجلاد لماله فی ذلك من الحكمة فی كل تقدير. یعنی اللہ پاک نے تمہیں جہاد اور سختی کرنے کا حکم دیا کیونکہ اس میں اسکی وہ تمام حکمتیں تھیں جو اس آیت میں بیان ہوئی ہیں (کفار کی طاقت توڑنا، کچھ کو قتل کرنا، کچھ کو ذلیل ورسوا کرنا وغیرہ) (تفسیر ابن کثیر)

❷ چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا ستر سردار جن میں اس امت کا فرعون ابوجہل بھی تھا مارے گئے ستر قید ہوئے اور نہایت ذلیل ونامراد ہوکر مکہ واپس جانا پڑا۔ (تفسیر عثمانی)

فائدہ

اصل تذکرہ تو غزوۂ احد کا چل رہا ہے درمیان کی پانچ آیات میں غزوۂ بدر کے بعض واقعات بیان کردیئے گئے تاکہ مسلمانوں کو احساس ہو کہ اللہ پاک تو جہاد میں ان کی خوب مدد فرماتا ہے جبکہ غزوۂ احد میں جو کچھ ہوا وہ خود ان کی کوتاہی کی وجہ سے ہوا اس لئے آئندہ خود کو ”مجاہدین بدر“ کی طرح بنائیں اور احد میں جو لغزش ہوئی اسے نہ دہرائیں۔ غزوۂ بدر کا مفصل تذکرہ ان شاءاللہ سورۃ انفال میں آئے گا جس کا ایک نام ”سورۃ البدر“ بھی ہے۔

★★★

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۲۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ

تیرا کوئی اختیار نہیں ہے اللہ تعالیٰ خواہ انہیں توبہ کی توفیق دے یا انہیں عذاب کرے

فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

کیونکہ وہ ظالم ہیں

خلاصہ

کسی کی توبہ قبول کرنا یا کسی کو عذاب دینا یہ صرف اور صرف اللہ رب العلمین کے اختیار میں ہے۔ مسلمان ایمان وجہاد پر قائم رہیں اور کافروں کی توبہ یا عذاب کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں۔

شانِ نزول

❶ **ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کسرت رباعیته یوم احد الخ** یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دانت مبارک (رباعیہ بروزن ثمانیہ) احد کے دن شہید ہوگیا۔ سر مبارک زخمی ہوا اور اس سے خون بہنے لگا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ لوگ کیسے فلاح پا سکتے ہیں جنہوں نے اپنے نبی کا سر زخمی کیا اور دانت شہید کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے لئے بددعاء فرما رہے تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی۔ (قرطبی)

❷ **ھم النبی صلی علیه وسلم ان یدعو علی المشرکین فانزل اللہ تعالیٰ الخ۔**
یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مشرکین کے خلاف بددعا کا ارادہ ہی فرمایا تھا کہ یہ آیت نازل ہوگئی۔ (قرطبی)

❸ **وقیل استاذن فی ان یدعو فی استئصالھم الخ۔**
ایک قول یہ ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اجازت چاہی کہ مشرکین کے مکمل خاتمے کی دعاء فرمائیں جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ کو علم ہوا کہ ان میں سے کئی لوگ اسلام قبول کریں گے چنانچہ ان میں سے بہت سے مسلمان ہوئے مثلاً حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن ابی جہل وغیرہم اور امام ترمذی نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکین میں سے چار کے لئے بددعاء فرمایا کرتے تھے تب اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی اور پھر ان لوگوں کو اسلام کی ہدایت عطاء فرمائی (قرطبی)

امام قرطبی یہ چار اقوال ذکر کرنے کے بعد وہ روایات ذکر کرتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ

وسلم نے بددعاء نہیں فرمائی بلکہ ان الفاظ میں دعاء فرمائی رب اغفر لقومی فانهم لایعلمون اے میرے رب میری قوم کو بخش دے یہ لوگ نہیں جانتے (قرطبی) واللہ اعلم بالصواب

۴ وعن مقاتل رحمه الله انهانزلت فی اهل بئر معونة الخ۔

امام مقاتل رحمہ اللہ کے نزدیک یہ آیت بئر معونہ والوں کے بارے میں نازل ہوئی جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ان چالیس یا ستر قراء صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ کے دشمن عامر بن طفیل وغیرہ نے دھوکے سے شہید کردیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید صدمہ پہنچا اور آپ نے ایک مہینہ تک قنوت نازلہ میں ان قاتلوں کے لئے بددعاء فرمائی اس پر یہ آیت نازل ہوئی (روح المعانی)

فائدہ

امام رازی رحمہ اللہ کا رجحان بھی اسی طرف ہے کہ آیت غزوۂ احد کے متعلق ہے مگر کس واقعہ کے بارے میں ہے؟ اس پر انہوں نے کئی اقوال نقل کئے ہیں اور ان کے آخر میں لکھتے ہیں:

قال القفال رحمه الله وكل هذه الاشياء حصلت يوم أحد فنزلت هذه الاية عند الكل فلايمتنع حملها على كل الاحتمالات

امام ابوبکر قفال رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سارے واقعات (جن کو آیت کا شان نزول قرار دیا جارہا ہے) احد کے موقع پر پیش آئے اس لئے آیت کو ان تمام واقعات پر محمول کیا جاسکتا ہے (تفسیر کبیر)

آیت کا مطلب

”احد میں ستر صحابہ شہید ہوئے تھے جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سید الشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے مشرکین نے نہایت وحشیانہ طور پر شہداء کا مثلہ کیا (ناک، کان وغیرہ کاٹے) پیٹ چاک کئے حتی کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جگر نکال کر ہندہ نے چبایا مفصل واقعہ آگے آئے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس لڑائی میں چشم زخم پہنچا سامنے کے چار دانتوں میں سے نیچے کا دایاں دانت (رباعیہ) شہید ہوا خود (جنگی ٹوپی) کی کڑیاں ٹوٹ کر رخسار مبارک میں گھس گئیں، پیشانی زخمی ہوئی اور بدن مبارک لہولہان تھا اسی حالت میں آپ کا پاؤں لڑکھڑایا اور زمین پر گر کر بیہوش ہوگئے کفار نے مشہور کردیا۔

ان محمدًا قد قتل کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مارے گئے اس سے مجمع بدحواس ہوگیا تھوڑی دیر بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوش آیا اس وقت زبان مبارک سے نکلا ”وہ قوم کیونکر فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ زخمی کیا جو انکو خدا کی طرف بلاتا تھا“ مشرکین کے وحشیانہ شدائد ومظالم کو دیکھ کر آپ سے رہا نہ گیا اور ان میں سے چند نامور اشخاص کے حق میں آپ نے بددعاء کا ارادہ کیا یا شروع کردی جس میں ظاہر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرح حق بجانب تھے

مگر حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے منصب جلیل کے موافق اس سے بھی بلند مقام پر کھڑے ہوں وہ ظلم کرتے جائیں آپ خاموش رہیں جتنی بات کا آپ کو حکم ہے مثلاً دعوت وتبلیغ اور جہاد وغیرہ اسے انجام دیتے رہیں باقی ان کا انجام خدا کے حوالے کریں اسکی جو حکمت ہوگی کرے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعاء سے وہ ہلاک کر دیئے جائیں کیا اسکی جگہ یہ بہتر نہیں کہ ان ہی دشمنوں کو اسلام کا محافظ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جانثار عاشق بنادیا جائے ؟چنانچہ جن لوگوں کے حق میں آپ بددعاء کرتے تھے چند روز بعد سب کو خدا تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں لاڈالا اور اسلام کا جانباز سپاہی بنادیا۔غرض لیس لك من الامر شیٔ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو متنبہ فرمایا کہ بندہ کو اختیار نہیں نہ اس کا علم محیط ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے سو کرے۔اگرچہ کافر تمہارے دشمن ہیں اور ظلم پر ہیں لیکن چاہے وہ ان کو ہدایت دے چاہے عذاب کرے تم اپنی طرف سے بددعاء نہ کرو۔“ (تفسیر عثمانی)

کلام برکت

”حق تعالیٰ نے پیغمبر کی تربیت فرمائی کہ بندے کو اختیار نہیں اللہ تعالیٰ جو چاہے سو کرے اگرچہ کافر تمہارے دشمن ہیں اور ظلم پر ہیں لیکن چاہے ان کو ہدایت دے اور چاہے عذاب کرے اپنی طرف سے بددعاء نہ کرو۔“(موضح القرآن)

نکتہ

معلوم ہوا کہ جہاد کفر اور اسکی طاقت کے خاتمے کے لئے ہے نہ کہ کافروں کے خاتمے کے لئے۔اچھی بات یہی ہے کہ کافر ایمان لے آئیں۔واللہ اعلم بالصواب۔

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۲۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ

اور جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے سب اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جسے چاہے بخش دے

وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾

اور جسے چاہے عذاب کرے اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے

خلاصہ

اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا مالک حقیقی ہے اور وہی مختار کل ہے وہ جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے۔ وہ گناہوں کو بخشنے والا اور اپنے بندوں پر مہربانی کرنے والا ہے۔

اقوال

❶ پچھلی آیت میں جو مضمون بیان ہوا یہ اسی کی تاکید ہے ان المقصود من هذا تاكيد ماذكره اولا من قوله ليس لك من الامر شئ ۔(التفسير الكبير)

❷ شاید اخیر میں واللہ غفور رحیم فرما کر اشارہ کر دیا کہ ان لوگوں کو جن کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بددعاء کرنا چاہتے تھے ایمان دے کر مغفرت و رحمت کا موجب بنایا جائے گا۔(تفسیر عثمانی)

اہم نکتہ

اس آیت کے بعد آیت (۱۳۰) میں سود کھانے سے منع کیا گیا ہے پھر جنت اور اہل جنت کی صفات کا ذکر ہے۔ کئی اہل تحقیق مفسرین نے آیت (۱۳۰) تا آیت (۱۳۸) کو بھی ”مضامین جہاد“ سے جوڑا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے چند عبارتیں:

❶ شاید سود کا ذکر یہاں اس واسطے فرمایا کہ اوپر مذکور ہوا جہاد میں نامردی کا اور سود کھانے سے نامردی (بزدلی) آتی ہے دو سبب سے۔ ایک یہ کہ حرام مال کھانے سے توفیق طاعت کم ہوتی ہے اور بڑی طاعت (عبادت) جہاد ہے دوسرے یہ کہ سود لینا کمال بخل ہے (یعنی اعلیٰ درجے کا بخل ہے) چاہیے تھا کہ اپنا مال جتنا (قرض) دیا تھا (اتنا واپس) لے لیا بیچ میں کسی کا کام نکلا (یعنی کسی کو فائدہ پہنچا) یہ بھی (یعنی اتنا سا فائدہ پہنچانا بھی) مفت نہ چھوڑے (اور) اس کا بدلہ (سود) چاہے۔ تو جس کو مال پر اتنا بخل ہو وہ کب جان دیا چاہے (یعنی وہ جان کہاں قربان کرے گا؟) (موضح القرآن)

❷ کفار نے شہداء احد کا مثلہ کیا تھا یعنی کان، ناک، ہونٹ وغیرہ کاٹ دیئے تھے اس پر صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم نے اشتعال میں آکر فرمایا "لنربین" یعنی ایک ایک کے عوض میں کئی کئی کا مثلہ کریں گے (یعنی سود کے ساتھ بدلہ لیں گے) اس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

❸ جنگ احد کے تذکرہ میں سود کی ممانعت کا ذکر بظاہر بے تعلق معلوم ہوتا ہے مگر شاید یہ مناسبت ہو کہ اوپر اذھمت طائفتان منکم ان تفشلا میں "جہاد" کے موقع پر نامردی دکھلانے کا ذکر ہوا تھا۔ اور سود کھانے سے نامردی پیدا ہوتی ہے دو سبب سے۔ ایک یہ کہ مال حرام کھانے سے توفیق طاعت کم ہوتی ہے اور بڑی طاعت جہاد ہے اور دوسرے یہ کہ سود لینا انتہائی بخل پر دلالت کرتا ہے کیونکہ سود خوار چاہتا ہے کہ اپنا مال جتنا دیا تھا لے اور بیچ میں کسی کا کام نکلا یہ بھی مفت نہ چھوڑے اس کا علیحدہ معاوضہ وصول کرے۔ تو جس کو مال میں اتنا بخل ہو کہ خدا کے لئے کسی کی ذرہ بھر ہمدردی نہ کرسکے وہ خدا کی راہ میں کب جان دے سکے گا۔ ابوحیان رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس وقت یہود وغیرہ سے مسلمانوں کے سودی معاملات اکثر ہوتے رہتے تھے۔ اس لئے ان سے تعلقات قطع کرنا مشکل تھا چونکہ پہلے لاتتخذوا بطانة کا حکم ہو چکا ہے اور احد کے قصہ میں بھی منافقین یہود کی حرکات کو بہت دخل تھا اس لئے متنبہ فرمایا کہ سودی لین دین ترک کردو ورنہ اسکی وجہ سے خواہی نہ خواہی ان ملعونوں کے ساتھ تعلقات قائم رہیں گے جو آئندہ نقصان اٹھانے کا موجب ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

فائدہ

ثابت ہوا کہ سود خوری اور سودی نظام مسلمانوں کو جہاد سے روکنے کا اہم ترین ذریعہ ہے۔ اسی لئے اسلام دشمن عناصر مسلمانوں میں سود پھیلا رہے ہیں تاکہ ان کی "روح جہاد" کو فنا کردیں والی اللہ المشتکی۔

فائدہ

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو یہود کے سودی معاشی نظام سے الگ تھلگ رہ کر اپنا اسلامی معاشی نظام قائم کرنا چاہیے تاکہ وہ یہودیوں کے محتاج ہو کر اس طرح کمزور نہ ہو جائیں جس طرح آج ہو چکے ہیں۔

فائدہ

مسلمانوں کو آئندہ جہاد میں کامیابی کے لئے جو نسخے بتائے گئے ہیں ان میں سے ایک سود سے بچنا بھی ہے پھر انہیں جنت کا شوق دلایا گیا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کی ترغیب دی گئی۔ مال خرچ کرنے آپس میں جوڑ رکھنے اور خوب استغفار کا حکم دیا گیا اور آخر میں پھر جنت کی بشارت دے کر دوبارہ غزوہ احد کا تذکرہ شروع کردیا گیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

آیت (۱۳۰) تا (۱۳۸) کا تعلق اگرچہ جہاد کے ساتھ واضح ہے مگر ان کے مضامین عام ہیں اس لئے اس تالیف میں ان آیات کی تفسیر کو شامل نہیں کیا گیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

★★★

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرَانَ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۱۳۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

اور سست نہ ہو اور غم نہ کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان دار ہو

خلاصہ

غزوۂ احد کی ظاہری شکست سے متاثر ہو کر جہاد میں کمزوری نہ دکھاؤ اور نہ غم کے بوجھ کو اپنے اوپر مسلط کرو اگر تمہارا ایمان سلامت ہے تو غالب تم ہی ہو تمہارے دشمن نہیں۔ اور مستقبل میں ظاہری فتح اور غلبہ بھی تمہیں مل جائے گا اگر تم نے کمزوری اور بزدلی دکھا کر ایمان کے راستے کو نہ چھوڑا۔

نکتہ

جنگ میں ظاہری شکست کے بعد جن مصیبتوں کا مسلمانوں پر حملہ ہوتا ہے ان میں سے پہلی مصیبت وھن ہے اور دوسری حزن یعنی کم ہمتی، کمزوری اور غم پوری قوم کو مفلوج کر دیتا ہے۔ غزوۂ احد میں ستر مسلمانوں کی لاشیں کٹی پڑی تھیں، ان کے اعضاء بکھرے پڑے تھے، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور اکثر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم زخموں سے چور تھے۔ شہداء کرام کے لئے پورا کفن بھی مہیا نہیں تھا، مکہ کے مشرک قہقہے لگا رہے تھے، مدینہ کے منافق مذاق اڑا رہے تھے اور طرح طرح کے (دانشورانہ) طعنے دے رہے تھے ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ مزید جنگ کرنے اور دشمنوں کا پیچھا کرنے کا تھا۔ غم، زخم، پریشانی اور صدمے کے دوران آسمان سے آواز آئی کہ اگر تم ایمان والے ہو تو پھر کم ہمتی اور غم کیوں؟ اب بھی تم غالب ہو کیونکہ تمہارے مقتول جنت کے مزے لوٹ رہے ہیں اور تم اللہ تعالیٰ کے قرب کی لذت سے فیض یاب ہو جبکہ تمہارے دشمن جہنم اور کفر کے اندھیرے اور ذلت میں ہیں۔ اور یاد رکھو اگر تم نے اس صدمے اور غم میں اپنے ایمان کو نقصان نہ پہنچایا تو مستقبل میں ظاہری غلبہ بھی تمہیں ہی ملے گا۔ (واللہ اعلم)

تائیدی عبارات

❶ وانتم الاعلون ان بقیتم علی ایمانکم. یعنی اگر تم ایمان پر قائم ہو تو پھر تم ہی غالب ہو۔ والمقصود بیان ان اللہ تعالیٰ انما تکفل باعلاء درجتھم لاجل تمسکھم بدین الاسلام. مقصد یہ ہے کہ ان حالات میں بھی اگر تم دین اسلام پر ڈٹے رہو تو اللہ پاک نے تمہارے لئے بڑے اور اونچے درجات کی ضمانت دے دی ہے۔ (تفسیر کبیر)

❷ ان کنتم مومنین فلا تھنوا و لا تحزنوا اگر تم ایمان والے ہو تو پھر نہ جہاد میں کمزوری دکھاؤ

اور نہ غم کرو (روح المعانی)

یعنی اگر اللہ پاک پر ایمان رکھتے ہو تو پھر کمزوری اور غم میں نہ پڑو تم نے اس کی خاطر قربانی دی ہے۔ اس نے تمہاری قربانی قبول کر لی ہے۔

❸ والحال انکم اعلی منهم شأنا فانکم علی الحق وقتالکم لاعلاء کلمة الله تعالیٰ وقتلاکم فی الجنة وانهم علی الباطل وقتالهم لنصرة کلمة الشیطن وقتلاهم فی النار۔

یعنی تم ان سے اعلیٰ (اور غالب) حالت میں ہو کیونکہ تم حق پر ہو اور تمہارا قتال کرنا اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہے اور تمہارے مقتول جنت میں ہیں اور وہ مشرکین باطل پر ہیں ان کا لڑنا شیطان کی خاطر ہے اور ان کے مقتول جہنم میں ہیں۔ (روح المعانی)

یعنی تم ظاہری شکست کے باوجود اعلیٰ اور غالب ہو اور وہ ظاہری فتح کے باوجود ذلیل و مغلوب ہیں۔

❹ ''یہ آیات جنگ احد کے بارہ میں نازل ہوئیں جب مسلمان مجاہدین زخموں سے چور چور ہو رہے تھے، ان کے بڑے بڑے بہادروں کی لاشیں آنکھوں کے سامنے مثلہ کی ہوئی پڑی تھیں پیغمبر علیہ الصلوۃ والسلام کو بھی اشقیا (یعنی بدبختوں) نے مجروح کر دیا تھا اور بظاہر کامل ہزیمت کے سامان نظر آ رہے تھے اس ہجوم شدائد و یاس میں خداوند قدوس کی آواز سنائی دی ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین دیکھنا سختیوں سے گھبرا کر دشمنان خدا کے مقابلہ میں نامردی اور سستی پاس نہ آنے پائے پیش آمدہ حوادث و مصائب پر غمگین ہو کر بیٹھ رہنا مؤمن کا شیوہ نہیں۔ یاد رکھو آج بھی تم ہی معزز و سربلند ہو کہ حق کی حمایت میں تکلیفیں اٹھا رہے ہو اور جانیں دے رہے ہو اور یقیناً آخری فتح بھی تمہاری ہے انجام کار تم ہی غالب ہو کر رہو گے۔ بشرطیکہ ایمان و ایقان کے راستے پر مستقیم رہو اور حق تعالیٰ کے وعدوں پر کامل وثوق رکھتے ہوئے اطاعت رسول اور جہاد فی سبیل اللہ سے قدم پیچھے نہ ہٹاؤ۔ اس خدائی آواز نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا اور پژمردہ جسموں میں حیات تازہ پھونک دی نتیجہ یہ ہوا کہ کفار جو بظاہر غالب آ چکے تھے، زخم خوردہ مجاہدین کے جوابی حملہ کی تاب نہ لا سکے اور سر پہ پاؤں رکھ کر میدان سے بھاگے''۔ (تفسیر عثمانی)

تفسیری اقوال

ولا تهنوا اور سست نہ پڑو۔

❶ (لا) تضعفوا عن قتال الکفار یعنی کافروں سے لڑنے میں کمزور نہ ہو جاؤ (جلالین)

جیسا کہ عموماً جہاد میں شکست کے بعد ہوتا ہے کہ جہاد کا جذبہ سرد پڑ جاتا ہے اور دل میں بزدلی اور کم ہمتی پیدا ہو جاتی ہے۔

❷ ہمت مت ہارو (بیان القرآن)

۳ لاتضعفوا عن الجهاد یعنی جہاد میں کمزوری نہ کرو الوھن الضعف وہن ضعف کو کہتے ہیں۔(تفسیر کبیر)

۴ ای لاتضعفوا عن قتال اعدائکم والجهاد فی سبیل الله تعالیٰ بمانالکم من الجراح۔
یعنی ان زخموں کی وجہ سے جو تمہیں پہنچے ہیں اپنے دشمنوں سے جنگ کرنے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرنے سے سستی اور کمزوری نہ دکھاؤ (روح المعانی)

آئندہ کے لئے بھی وعدہ

اس آیت میں آئندہ ظاہری غلبے کی بشارت بھی ہے چنانچہ امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وانتم الاعلون علی الاعداء بعد أحد فلم یخرجوا بعد ذلك عسكرا الاظفروا فی كل عسكر كان فی عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم وفی كل عسكر كان بعد رسول الله صلی الله علیه وسلم وكان فیه واحد من الصحابة كان الظفرلهم.

یعنی احد کے بعد اب تمہیں اپنے دشمنوں پر غلبہ رہے گا چنانچہ احد کے بعد جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں کوئی اسلامی لشکر روانہ ہوا وہ ضرور فتح یاب ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے بعد بھی ہر اس لشکر کو فتح ملی جس میں ایک بھی صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تھے۔(قرطبی)

ایک واقعہ

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

انهزم اصحاب رسول الله صلی الله علیه وسلم یوم احد فبینا هم كذلك اذأقبل خالد بن الولید الخ۔ یعنی احد کے دن جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پسپا ہوئے اور وہ اسی حالت میں تھے کہ خالد بن ولید مشرکین کے ایک دستے کے ساتھ ان کی طرف چڑھنے لگے اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء فرمائی:

اللهم لا یعلن علینا اللهم لا قوة لنا الابك اللهم لیس یعبدك بهذه البلدة غیر هؤ لآءِ النفر
اے ہمارے پروردگار یہ ہم پر نہ چڑھ سکیں اے پروردگار ہمارے لئے آپکی قوت کے سوا کوئی طاقت نہیں اے اللہ اس شہر (مدینہ) میں ان (صحابہ) کے علاوہ آپکی عبادت کرنے والا کوئی نہیں ہے۔اس پر (بطور تسلی اور ہمت افزائی) یہ آیت نازل ہوئی ہے اسے سنتے ہی مسلمان تیر اندازوں نے پوری قوت وہمت سے حملہ کیا اور پہاڑ پر چڑھ کر مشرکین کے دستے کا مقابلہ کیا اور انہیں شکست دے کر بھگا دیا۔(قرطبی)

اسی لئے امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

عزاهم وسلاهم بما نالهم یوم احد من القتل والجراح وحثهم علی قتال عدوهم ونهاهم عن العجز والفشل.

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے احد میں پہنچنے والی تکلیفوں پر مسلمانوں کو تسلی اور حوصلہ دیا اور انہیں جہاد پر ابھارا اور کمزوری اور بزدلی سے منع فرمایا۔

فائدہ

حق کی خاطر لڑنے اور مرنے والے ہر حال میں بلند اور کامیاب ہیں خواہ ظاہری فتح ملے یا شکست۔ بشرطیکہ وہ اپنے ایمان اور جہاد پر قائم رہیں۔ پس حالت شکست میں مسلمانوں کے لئے کامیابی کا دستور سمجھایا گیا کہ ایمان پر قائم رہو اور جہاد کرتے رہو۔ ایسی صورت میں تم مر کر بھی غالب ہو اور تمہارا دشمن مار کر بھی مغلوب ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ کتنی بڑی بشارت اور کتنی سکون آور تسلی ہے۔ والحمد للہ رب العلمین۔ (واللہ اعلم بالصواب)

نکتہ

مسلمانوں کو جب بھی کافروں سے ظاہری شکست کا سامنا ہوتا ہے تو غم پریشانی اور تکلیف کے اس موقعہ پر شیطان ان میں طرح طرح کی خرابیاں پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان کے دلوں میں وھن یعنی کم ہمتی پسپائی اور دنیا کی محبت پیدا ہو جاتی ہے اور ان کی جماعت پر ضعف یعنی کمزوری اور انتشار کا حملہ ہوتا ہے اور ان کے نظریات میں استقامت کی بجائے استکانت یعنی کافروں کی طرف جھکنے کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔ مایوسی کے ان حالات میں مجاہدین جہاد اور شہادت سے ہٹ کر اپنی دنیا بنانے کی فکر میں پڑ جاتے ہیں۔ جماعت کے امیر کے مزاج میں غصہ، سختی اور تنہائی پسندی آجاتی ہے۔ چنانچہ وہ مشاورت کا عمل چھوڑ دیتا ہے۔ ادھر منافق طبقہ ''امیر جماعت'' کے خلاف ایسے الزامات اور وساوس جماعت میں پھیلا دیتا ہے جن کی وجہ سے جماعت اپنے امیر سے بددل ہو جاتی ہے۔ سورۃ آل عمران کی آیت ۱۳۹ سے لیکر ۱۷۵ تک مسلمانوں کو شکست سہنے اور شکست کے بعد ابھرنے کا نصاب سمجھایا گیا ہے۔ اور ان تمام ''خرابیوں'' کا ازالہ کیا گیا ہے جو شکست کی صورت میں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر راضی رہیں۔ اپنے ایمان پر قائم رہیں۔ اپنے نظریات اور عزائم مضبوط رکھیں۔ اور جو کچھ ہوا اسے اپنے گناہوں اور غلطیوں کا نتیجہ سمجھ کر خوب استغفار کریں اور اپنی غلطیوں کا ازالہ کریں۔ اپنی جماعت کو نہ ٹوٹنے دیں اور جہاد چھوڑنے اور دنیاداری میں پھنس جانے کا تصور بھی نہ کریں اپنے شہداء اور ان کی کامیابی کو یاد رکھیں ماضی کے مجاہدین کی استقامت کا آپس میں مذاکرہ کریں۔ اس ظاہری شکست میں جو دینی فوائد پہنچے ہیں ان کا مراقبہ کرتے رہیں مثلاً اللہ پاک نے آزمائش میں ڈال کر ہمیں گناہوں سے پاک فرمایا۔ ہم میں سے کئی افراد کو شہادت کا مقام ملا۔ ہماری جماعت میں چھانٹی فرمادی اور مومن ومنافق کو الگ الگ فرمادیا۔ اطاعت امیر کی اہمیت دل میں پختہ ہوگئی۔ اور اس میں سستی کے خطرناک انجام کا علم ہو گیا وغیرہ۔ شکست کے بعد چاہیے کہ امیر جماعت اپنے رفقاء سے نرمی کرے اور ان کے ساتھ مشاورت کا عمل جاری رکھے اور جماعت کو چاہیے کہ اپنے امیر کے خلاف منافقین کے پھیلائے ہوئے وساوس کا شکار نہ ہو۔ الغرض شکست کے بعد ایمان، جماعت اور نظریہ جہاد کی حفاظت بہت ضروری ہے

اسی بات کو ان آیات میں اس طرح سمجھایا گیا کہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کے قلوب مضبوط ہو گئے۔ اور پھر غزوۂ احزاب کی شدید ترین آزمائش میں بھی ان کے قدم نہ ڈگمگائے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

نکتہ

انتم الاعلون کہ تم غالب ہو۔ کا یہ اعلان غزوۂ احد کے موقع پر ہوا جب مسلمانوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں اور حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔ پس اس میں غور کرنے سے کامیابی اور ناکامی کا اصل معیار سمجھا جا سکتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

شکست کے بعد منافقوں کی زبانیں خوب کھل جاتی ہیں اور وہ مسلمانوں کو طرح طرح کے طعنے دیتے ہیں۔ اور کم ہمتی اور بزدلی کے وسوسے پھیلاتے ہیں۔ دوسری طرف ظاہری فتح پانے والے کافر یہ گمان کرنے لگتے ہیں کہ وہ ''اللہ پاک'' کے محبوب ہیں اس لئے جیت گئے ہیں اور پھر وہ مسلمانوں کے مکمل خاتمے کی تدبیر کرنے لگتے ہیں۔ ان آیات میں ان سب کا جواب آ گیا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

موضح القرآن اور بیان القرآن کی تقریر کے مطابق سورۃ آل عمران کی آیت (۱۳۷) اور آیت (۱۳۸) کا تعلق بھی مضمون جہاد کے ساتھ ہے۔ یعنی مسلمانوں کے لئے شکست کے بعد کے حالات سے نمٹنے کا جو نصاب ان آیات میں بیان ہوا ہے تو اس مضمون کا آغاز آیت (۱۳۸) سے ہو رہا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے حاشیہ موضح القرآن اور تفسیر بیان القرآن۔

دعاء

اللھم انا نسئلك ایمانادائما۔ اے ہمارے پروردگار ہمیں مضبوط اور دائمی ایمان نصیب فرما۔

آمین یاارحم الراحمین

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرَانَ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۱۴۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنْ یَّمْسَسْکُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُہٗ ۭ وَتِلْکَ

اگر تمہیں زخم پہنچا ہے تو انہیں بھی ایسا ہی زخم پہنچ چکا ہے اور ہم یہ

الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ ۚ وَلِیَعْلَمَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

دن لوگوں میں باری باری بدلتے رہتے ہیں اور تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں

وَیَتَّخِذَ مِنْکُمْ شُھَدَآءَ ۭ وَاللّٰہُ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۰﴾

کو جان لے اور تم میں سے بعضوں کو شہید کرے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں کرتا

خلاصہ

غزوۂ احد میں جو حالات مسلمانوں پر پیش آئے ہیں ان میں اللہ تعالیٰ کی کئی حکمتیں ہیں پہلی حکمت یہ کہ اللہ تعالیٰ غالب اور مغلوب ہونے کے زمانہ کو لوگوں کے درمیان بدلتے رہتے ہیں۔ پچھلے سال مشرکین کو غزوۂ بدر میں شکست کا زخم پہنچا تھا اس سال تمہیں پہنچ گیا۔ دوسری حکمت یہ کہ مصیبت کے وقت چونکہ مخلص اور منافق کا امتحان ہو جاتا ہے تو اللہ پاک نے چھانٹی فرما دی کہ کون مومن ہے اور کون منافق تیسری حکمت یہ کہ اللہ پاک نے تم میں سے بعض کو شہادت کا مقام نصیب فرمایا۔ (باقی دو حکمتوں کا بیان اگلی آیت میں ہے) اور اللہ تعالیٰ کفر و شرک کرنے والے ظالموں سے محبت نہیں فرماتا۔ (اس لئے وہ اس وہم میں مبتلا نہ ہوں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کا محبوب اور برحق ہونے کی وجہ سے فتح ملی ہے)۔

تفسیری اقوال

❶ اللہ تعالیٰ دنوں کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی مسلمانوں کی نصرت فرماتے ہیں اور کبھی کافروں کی۔ ایسا بالکل نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت ایک بہت بڑا اعزاز اور بہت اونچا منصب ہے جو کافر کو نہیں ملتا۔

واعلم انہ لیس المراد من ھذہ المداولۃ ان اللہ تعالیٰ تارۃ ینصر المومنین واخری الکافرین وذلک لان نصرۃ اللہ منصب شریف واعزاز عظیم فلا یلیق بالکافر (التفسیر الکبیر)

بلکہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ پاک کبھی کافروں پر سختی فرماتا ہے اور کبھی کبھار مسلمانوں کو سختی کے ذریعے آزماتا ہے کیونکہ اگر ہمیشہ مسلمانوں کی ہی فتح ہو تو پھر ایمان قبول کرنے کے بارے میں اختیار ختم ہو جائے گا اور لوگ صرف فتوحات اور کامیابیاں دیکھ کر ایمان قبول کرتے چلے جائیں گے۔ (تفسیر کبیر، بیان القرآن)

❷ ”مسلمانوں کو جنگ میں جو شدید نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ اس سے سخت شکستہ خاطر تھے مزید برآں منافقین اور دشمنوں کے طعنے سن کر اور زیادہ اذیت پہنچی تھی، کیونکہ منافقین کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے پیغمبر ہوتے تو یہ نقصانات کیوں پہنچتے یا تھوڑی دیر کے لئے بھی عارضی ہزیمت کیوں پیش آتی۔ حق تعالیٰ نے ان آیات میں مسلمانوں کو تسلی دی کہ اگر اس لڑائی میں تم کو زخم پہنچا یا تکلیف اٹھانی پڑی تو اس طرح کے حوادث فریق مقابل کو پیش آ چکے ہیں، احد میں تمہارے پچھتر آدمی شہید اور بہت سے زخمی ہوئے تو ایک سال پہلے بدر میں ان کے ستر جہنم رسید اور بہت سے زخمی ہو چکے ہیں۔ اور خود اس لڑائی میں بھی ابتداءً ان کے بہت آدمی مقتول و مجروح ہوئے جیسا کہ ولقد صدقکم اللہ وعدہ اذتحسونھم باذنہ کے الفاظ سے ظاہر ہے پھر بدر میں ان کے ستر آدمی ذلت کے ساتھ قید ہوئے تمہارے ایک فرد نے بھی یہ ذلت قبول نہ کی۔ بہر حال اپنے نقصان کا ان کے نقصان سے مقابلہ کرو تو غم و افسوس کا کوئی موقع نہیں۔ نہ ان کے لئے کبر و غرور سے سر اٹھانے کی جگہ ہے۔ باقی ہماری عادت ہمیشہ یہ رہی ہے کہ سختی، نرمی، دکھ سکھ، تکلیف و راحت کے دنوں کو لوگوں میں ادل بدل کرتے رہتے ہیں جس میں بہت سی حکمتیں مضمر ہیں۔ پھر جب وہ (مشرک) دکھ اٹھا کر باطل کی حمایت میں ہمت نہیں ہارتے تو تم حق کی حمایت میں کیونکر ہمت ہار سکتے ہو۔

ولیعلم اللہ الذین امنو یعنی سچے ایمان والوں کو منافقین سے الگ کر دے دونوں کا رنگ صاف صاف اور جدا جدا نظر آنے لگے۔

واللہ لایحب الظالمین ”ظالمین“ سے مراد اگر مشرکین ہیں جو احد میں فریق مقابل تھے تو یہ مطلب ہوگا کہ ان کی عارضی کامیابی کا سبب یہ نہیں کہ خدا ان سے محبت کرتا ہے بلکہ دوسرے اسباب ہیں۔ اور (اگر ظالمین سے منافقین مراد ہوں جو عین موقع پر مسلمانوں سے الگ ہوئے تھے تو یہ بتلا دیا کہ (وہ منافقین) خدا کے نزدیک مبغوض تھے۔ اس لئے ایمان و شہادت کے مقام سے انہیں دور پھینک دیا گیا۔“ (تفسیر عثمانی)

❸ ”اگر تمہیں شکست میں نقصان پہنچا ہے تو اس سے پہلے بدر میں کفار کو بھی شکست فاش مل چکی ہے بعض اسباب کے لحاظ سے فتح اور بعض کمزوریوں کے باعث شکست تو ہوا ہی کرتی ہے۔ ہاں اس قسم کی شکستوں میں البتہ کھرے اور کھوٹے کا پتہ چل جاتا ہے بلکہ بعض اوقات شکست دینا اور بعض آدمیوں کو شہید کرانا اللہ تعالیٰ کا مقصود ہوتا ہے تا کہ مسلمانوں کے خون میں جوش پیدا ہو جائے اور خوابیدہ قوم زخم خوردہ ہو کر بیدار ہو جائے۔“ (حاشیہ لاہوری رحمہ اللہ)

کلام برکت

”یعنی فتح اور شکست بدلتی چیز ہے اور مسلمانوں کو شہادت کا درجہ ملنا تھا اور مومن اور منافق کا پرکھنا منظور تھا اور مسلمانوں کو سدھارنا۔ اس واسطے اتنی شکست ہوئی۔ نہیں تو اللہ تعالیٰ کافروں سے راضی نہیں۔ (موضح القرآن)

واللہ لا یحب الظّٰلمین واللہ لایحب من لایکون ثابتا علی الایمان صابرا علی الجہاد۔

جو ایمان اور جہاد پر ثابت قدم اور مضبوط نہ ہو اس سے اللہ تعالیٰ محبت نہیں فرماتا۔“(تفسیر کبیر)

فائدہ

صاحب تفسیر کبیر اور صاحب تفسیر قرطبی نے اس آیت کی تفسیر میں شہداء کرام کے فضائل اور شہید کی وجہ تسمیہ پر بحث فرمائی ہے شائقین ملاحظہ فرمالیں۔

نکتہ

”تم میں سے بعض کو وہ (اللہ تعالیٰ) شہادت کے درجہ پر فائز کرنا چاہتا تھا کھیتی کے لئے آفتاب کی روشنی اور پانی ضروری چیزیں ہیں۔ ورنہ وہ خراب ہو جائے گی، ایسے ہی قوموں کی حیات ملی شہیدوں پر موقوف ہے، قومی کھیتوں کو بہترین دل و دماغ کے خون ہی سیراب کر سکتے ہیں، آزادی اور حریت کی راہ کا فرش صرف انسانی جسموں ہی سے تیار ہوتا ہے، جب تک قربانیاں کثرت سے نہ ہونگی قوم کبھی زندگی حاصل نہ کر سکے گی، جب اعلیٰ ترین افراد ملت ذبح ہونگے تو قوم میں زندگی کے آثار نمودار ہونگے، اس کے جذبات بھڑک اٹھیں گے۔ اور جب تک انتقام نہ لے لے گی اسے چین نہ آئے گا۔“(تفسیر الفرقان)

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۴۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

اور تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو پاک کردے اور کافروں کو مٹادے

خلاصہ

غزوۂ احد میں ظاہری شکست کی چوتھی حکمت

تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو گناہوں کی میل کچیل سے پاک صاف فرمادے (اور جن کے گناہ نہیں ہیں ان کے درجات بلند فرمادے) اور پانچویں حکمت یہ کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو مٹادے (یہ دوطور پر ہے ایک یہ کہ غالب آجانے سے جرأت بڑھے گی پھر مقابلہ میں آویں گے اور ہلاک ہونگے دوسرے یہ کہ مسلمانوں پر ظلم کرنے سے قہر خداوندی میں مبتلا ہو کر ہلاک ہونگے (مستفاد من بیان القرآن)

اقوال وحوالے

❶ وليمحص الله الذين آمنو اور تاکہ اللہ تعالیٰ پاک کردے ایمان والوں کو ای يكفر عنهم ذنوبهم ان كانت لهم ذنوب والا رفع لهم فی درجاتهم بحسب مااصيبو به (ابن کثیر) یعنی اللہ تعالیٰ ان کے گناہ مٹادے اگر ان کے ذمہ گناہ ہوں ورنہ ان پر آنے والی مصیبت کے بقدر ان کے درجات بلند فرمادے۔

❷ و يمحق الكافرين اور مٹادے کافروں کو فانهم اذا ظفر وا بغواو بطروا فيكون ذلك سبب دمارهم وهلاكهم و محقهم وفنائهم. کیونکہ وہ کامیاب ہونے کے بعد سرکشی اور تکبر میں پڑجائیں گے جو ان کی تباہی، ہلاکت، بربادی اور فناء کا ذریعہ بن جائے گا۔ (ابن کثیر)

❸ پھر اس احد کی شکست میں کچھ حکمتیں ہیں ان کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اس میں ایک تو ایمانداروں کا امتحان مقصود تھا۔ دوم یہ کہ تم میں سے بہت لوگ عالم آخرت اور شہادت کے مشتاق تھے ان کو شہادت دینی تھی۔ سوم یہ کہ جو خالص مسلمان ہیں وہ اس معرکہ میں پڑ کر پاک ہوجائیں اور کفار مخالفین مٹ جائیں کیونکہ ہمیشہ سے حق کی یہ تاثیر ہے کہ جہاں کہیں اسکی جماعت کا خون بہا وہیں وہ ایک نیا رنگ لایا۔ غیرت الٰہی جوش میں آئی پھر جو لوگ کافروں میں قابل اصلاح ہوتے ہیں ایمانداروں کی جماعت میں داخل ہوجاتے ہیں اور باقی لوگوں پر غیب سے وہ مار پڑتی ہے کہ نام ونشان بھی باقی نہیں رہتا۔ (تفسیر حقانی)

نکتہ

”تمہیں جنگ احد میں جو ٹھوکر لگی ہے تو چاہیے کہ اس سے عبرت پکڑو اور آئندہ کیلئے اپنے اعمال کی نگہداشت کرو،

یہ نہیں ہونا چاہیے کہ اسکی کوفت میں ایسے کھوئے جاؤ کہ آئندہ کیلئے ہمت ہار بیٹھو یہ جنگ کا میدان ہے کبھی ایک فریق جیتتا ہے۔ کبھی دوسرے کی باری آتی ہے، بدر میں تمہاری چوٹ ان پر لگی تھی۔ احد میں ان کی تم پر لگ گئی لیکن جماعتوں کی کشمکش کی تاریخ میں ایک دو میدانوں کی ہار جیت کیا اہمیت رکھتی ہے، اصلی چیز جو سوچنے کی ہے وہ تمہارے دلوں کی ایمانی قوت ہے اگر تمہارے اندر ایمان کی سچی روح موجود ہے تو پھر دنیا میں رفعت و سربلندی صرف تمہارے ہی لئے ہے، علاوہ بریں یہ حادثہ اگر چہ شکست ہے لیکن بہ باطن چند در چند مصلحتیں اور حکمتیں رکھتا ہے ازاں جملہ یہ کہ کھرے کھوٹے کی آزمائش ہوگئی اور جو منافق اور کچے دل کے آدمی اسلامی جمعیت میں ملے ہوئے تھے ان کے چہرے بے نقاب ہوگئے اور ازاں جملہ یہ کہ لوگوں کو جنگ کے نازک اور فیصلہ کن معاملات کا ذاتی تجربہ ہوگیا تجربہ اور مشاہدہ کے بعد ان کے قدم زیادہ محتاط ہو جائیں گے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ بعض مسلمانوں کے دلوں میں کمزوریاں پیدا ہوگئیں تھیں وہ اس ٹھوکر کے لگنے سے دور ہوگئیں، اور ان کا عزم و ایمان زیادہ مضبوط اور بے داغ ہوگیا۔‘‘(ترجمان القرآن)

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۴۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور ابھی تک اللہ تعالیٰ نے نہیں ظاہر کیا ان لوگوں کو جو

جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں اور ابھی صبر کرنے والوں کو بھی ظاہر نہیں کیا

خلاصہ

جنت کے جن اعلیٰ مقامات اور بلند درجات پر اللہ تعالیٰ تم کو پہنچانا چاہتا ہے کیا تم سمجھتے ہو کہ بس یونہی آرام سے وہاں جا پہنچو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارا امتحان لیکر یہ نہ دیکھے گا کہ تم میں کتنے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں لڑنے والے اور کتنے لڑائی کے وقت ثابت قدم رہنے والے ہیں ایسا خیال نہ کرنا۔ مقامات عالیہ پر وہی لوگ فائز کئے جاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں ہر طرح کی سختیاں جھیلنے اور قربانیاں پیش کرنے کے لئے تیار ہوں۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا
ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

(مستفاد از تفسیر عثمانی)

تفسیری اقوال

❶ والمعنى احسبتم يا من انهزم يوم احد ان تد خلوا الجنة كما دخل الذين قتلوا وصبروا على الم الجراح والقتل من غير ان تسلكوا طريقهم وتصبروا صبرهم لا۔ یعنی آیت کا مطلب یہ ہے اے احد کے دن پسپائی اختیار کرنے والو! کیا تمہارا گمان ہے کہ تم بھی ان لوگوں کی طرح جنت میں داخل ہو جاؤ گے جو (احد میں) شہید ہو گئے یا انہوں نے زخموں کے درد پر اور قتل پر صبر کیا۔ بغیر اس کے کہ تم ان کے راستے پر چلو اور ان جیسا صبر کرو۔ ہرگز نہیں (بغیر جہاد اور صبر کے یہ مقام نہیں ملتا) (القرطبی)

❷ اى لا يحصل لكم دخول الجنة حتى تبتلوا ويرى الله منكم المجاهدين فى سبيله والصابرين على مقاومة الاعداء۔ یعنی تمہیں جنت میں دخول نصیب نہیں ہو سکتا جبتک کہ تمہارا امتحان نہ لے لیا جائے اور اللہ تعالیٰ تم میں سے اپنے راستے میں جہاد کرنے والوں اور دشمنوں کے مقابلے میں ڈٹ کر لڑنے والوں کو دیکھ نہ لے۔ (ابن کثیر)

۳ ہاں اور سنو کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں خصوصیت کے ساتھ جا داخل ہو گے حالانکہ ہنوز (ابھی) اللہ تعالیٰ نے ظاہری طور پر ان لوگوں کو تو دیکھا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے خوب جہاد کیا ہو اور نہ ان کو دیکھا جو جہاد میں ثابت قدم رہنے والے ہوں۔ خصوصیت کے ساتھ داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اول (یعنی شروع میں) ہی چلا جاوے اور درجات عالیہ پر بھی پہنچ جاوے سو یہ بدون (بغیر) مشقت کے نہیں ہوتا جیسا کہ دوسری نصوص سے معلوم ہوتا ہے اور باقی نفس دخول بعض مؤمنین کے لئے محض فضل و کرم سے بھی ہو سکتا ہے جیسا یغفر لمن یشاء سے اہل حق نے سمجھا ہے اور جہاد میں خوب کی قید یعنی شرط اس لئے لگائی کہ تھوڑا بہت تو جہاد ہوا ہی تھا اور ناتمام یعنی (نامکمل) ثبات بھی رہا۔ مطلب آیت کا یہ ہوا کہ ابھی تم سے زیادہ جہاد اور ثبات قدم واقع نہیں ہوا اور خصوصیت کے ساتھ جنت میں جانا اس پر موقوف ہے پس آئندہ کے لئے اس میں کوشش کرنا پر ضرور (یعنی بہت اہتمام سے) رہے (بیان القرآن)

فرضیت جہاد کی دلیل

جہاد کے بغیر اور دشمن کے مقابلے میں ثابت قدمی کے بغیر جنت میں داخلے کا گمان نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان جہاد کی فرضیت اور میدان جنگ میں ثابت قدمی کے لازم ہونے کی دلیل ہے علامہ ابوحیان الاندلسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وفی انکار اللہ تعالیٰ علی من ظن ان دخول الجنة مع انتفاء الجهاد والصبر عند لقاء العدو دلیل علی فرضیة الجهاد اذ ذاک والثبات للعدو وقد ذکر فی الحدیث ان التولی عندالزحف من السبع الموبقات۔ (البحر المحیط)

فائدہ

صاحب تفسیر ابن کثیر نے اس موقع پر اس آیت کی مماثل آیات جمع فرمائی ہیں وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

تقریر عجیب

امام رازی رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں عجیب نکتہ بیان فرمایا ہے وہ لکھتے ہیں:

واعلم ان حاصل الکلام ان حب الدنیا لایجتمع مع سعادة الآخرة فبقدر مایزداد احدهما ینتقص الآخر۔ خوب سمجھ لو کہ اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ حب دنیا اور آخرت کی کامیابی اکھٹے نہیں ہو سکتے ان دونوں (یعنی حب دنیا اور سعادت آخرت) میں سے ایک جس قدر بڑھتی جائے گی دوسری اسی قدر گھٹتی جائے گی وذلک ان سعادة الدنیا لاتحصل الا باشتغال القلب بطلب الدنیا والسعادة فی الآخرة لا تحصل الا بفراغ القلب من کل ماسوی اللہ وامتلائه من حب اللہ وهذان الامران ممالایجتمعان اور وہ اس لئے کہ دنیا کی کامیابی تبھی ملتی ہے جب دل کو دنیا کی طلب میں مشغول کیا جائے اور آخرت کی سعادت تب نصیب ہوتی ہے جب دل کو ماسوی اللہ سے خالی کیا جائے اور اسے اللہ تعالیٰ کی محبت سے

بھرا جائے۔فلهذا السر وقع الاستبعاد الشديد فی هذه الآية علی اجتماعهما. اسی لئے اس آیت میں ان دونوں کے جمع ہونے پر شدید حیرت کا اظہار ہے (کہ تم جنت بھی چاہتے ہو اور دنیا کو بھی نہیں چھوڑتے ہو)

وایضاً حب الله وحب الآخرة لا يتم بالدعوی فليس كل من اقر بدين الله صادقا ولكن الفصل فيه تسليط المكروهات والمحبوبات: پھر اللہ تعالیٰ کی محبت اور آخرت کی محبت کا صرف دعویٰ ہی کافی نہیں ہے اللہ تعالیٰ کے دین کا اقرار کرنے والا ہر شخص سچا نہیں ہوتا اصل صورتحال تب کھلتی ہے جب دعویٰ کرنے والے پر اچھے اور برے حالات مسلط کئے جاتے ہیں۔

فان الحب هو الذی لا ينقص بالجفاء ولا يزاد بالوفاء فان بقي الحب عند تسليط اسباب البلاء ظهر ان ذلك الحب كان حقيقيا کیونکہ سچی محبت وہ ہے جو جفا سے کم نہیں ہوتی اور وفا سے بڑھتی نہیں ہے پس اگر مصیبت اور آزمائش کے وقت بھی محبت باقی رہے تو یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ محبت حقیقی ہے

فلهذه الحكمة قال ام حسبتم ان تدخلوا الجنة بمجرد تصديقكم الرسول قبل ان يبليكم الله بالجهاد وتشديد المحنة والله اعلم۔

پس اسی حکمت کے تحت ارشاد فرمایا کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق سے جنت میں داخل ہو جاؤ گے اور تمہیں اللہ تعالیٰ جہاد اور سخت آزمائش کے ذریعہ نہیں آزمائے گا۔ واللہ اعلم (التفسیر الکبیر)

امام رازی رحمہ اللہ کا یہ کلام حکمت سے بھرپور ہے ایمان والوں کو چاہیے کہ اس پر غور کریں اور اللہ تعالیٰ سے سچی محبت رکھیں، ایسی محبت جو بُرے حالات میں بھی پوری طرح سے قائم رہے۔

دعاء

یا اللہ ہمیں اپنی ذات بابرکات کے ساتھ سچی محبت اور وفا عطاء فرما ہمیں مقبول جہاد اور ثابت قدمی کی توفیق عطاء فرما اور ہمیں اپنے فضل و کرم سے جنت میں دخول اوّلی عطاء فرما آمین یا ارحم الراحمین۔

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۴۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ

اور تم موت سے پہلے اس کی ملاقات کی آرزو کرتے تھے سو اب تم نے اسے

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾

آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا

خلاصہ

اورتم تو شہید ہوکر مرنیکی بڑی تمنا کررہے تھے پھر جب اس تمنا کے پورا ہونے کا سامان تمہاری آنکھوں کے سامنے آگیا توتم کیوں بھاگنے لگے؟

شانِ نزول

شان نزول اس آیت کا یہ ہے کہ سال گذشتہ بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو بدر میں شہید ہوئے اوران کے بڑے فضائل معلوم ہوئے تو بعض نے تمنا کی کہ کاش ہم کو بھی کوئی ایسا موقع پیش آوے کہ اس دولت شہادت سے مشرف ہوں آخر یہ احد کا غزوہ واقع ہوا تو پاؤں اکھڑ گئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی (بیان القرآن)

شہادت کی تمنا جائز ہے

فالمراد بالموت ھنا الموت فی سبیل اللّٰہ تعالیٰ وھی الشھادۃ ولا بأس بتمنیھا. (روح المعانی)

یعنی موت سے مراد یہاں موت فی سبیل اللہ ہے اوروہ شہادت ہے اوراسکی تمنا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

فائدہ

غزوۂ احد کے بارے میں جو آیات نازل ہوئیں ان میں سے بعض میں نصیحت کا،بعض میں ہمت افزائی کا،بعض میں تنبیہ کا اور بعض میں تسلی کا رنگ ہے اس آیت میں تنبیہ کا رنگ غالب ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

اکثر عربی تفاسیر میں ''تنبیہ'' ہی کے رنگ کو اختیار کیا گیا ہے۔

★★★

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۴۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ

اور محمد تو ایک رسول ہیں ان سے پہلے بہت رسول گزرے پھر کیا اگر وہ وفات پا جائیں

اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ

یا شہید کردیئے جائیں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو کوئی الٹے پاؤں پھر جائے گا

فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ (۱۴۴)

تو اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نہیں بگاڑے گا اور اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو ثواب دے گا

خلاصہ

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہی تو ہیں، آپ سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں پس اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو جائے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو جائیں تو کیا تم لوگ جہاد اور اسلام سے الٹے پھر جاؤ گے؟ اور جو شخص جہاد یا اسلام سے الٹا پھر بھی جائے گا تو وہ اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں کرے گا بلکہ اپنا سب کچھ کھو دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ ثابت قدم رہنے والے شکر گذاروں کو جلد ہی، اچھا بدلہ عطاء فرمائے گا۔ مطلب یہ ہے کہ بڑے سے بڑا حادثہ بھی ہو جائے تب بھی دین اور جہاد چھوڑنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

اقوال وحوالے

❶ فاعلم الله تعالىٰ فى هذه الاية ان الرسل ليست بباقية فى قومها أ بدا وانه يجب التمسك بما أتت به الرسل. یعنی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں سمجھا دیا کہ رسول ہمیشہ اپنی قوم میں باقی نہیں رہتے اصل ضروری کام تو یہ ہے کہ اس دین کو مضبوطی سے اختیار کیا جائے جو رسول لیکر آتے ہیں۔ (قرطبی)

❷ فهذه الآية من تتمة العتاب مع المنهزمين اى لم يكن لهم الانهزام وان قتل محمد صلى الله عليه وسلم.

یہ آیت اس تنبیہ کا تتمہ ہے جو (احد میں) پسپا ہونے والوں کو کی جارہی ہے یعنی ان کے لئے پسپا ہونے کا تب بھی کوئی جواز نہیں تھا اگرچہ (فی الواقع) حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہوتے۔ (قرطبی)

کلام برکت

اس جنگ احد میں بعض مسلمان کامل بھی بہت ہٹ گئے تھے (یعنی انہوں نے میدان سے پسپائی اختیار کی تھی) اس

واسطے کہ ایک کافر نے اپنی فوج میں پکارا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مار آیا اور حضرت کا زخم سے خون بہت بہ گیا تھا ضعف کھا کر ایک گڑھے میں گرے تھے۔ مسلمانوں نے حضرت کو نہ دیکھا۔ یہ بات (یعنی شہادت کی خبر) یقین (یقینی) ہوگئی۔ جب حضرت ہوشیار ہوئے تو میدان میں جو لوگ حاضر تھے ان کو جمع کیا پھر لڑائی قائم کی تب کافر پھر کر چلے گئے (یعنی واپس مکہ کی طرف لوٹ گئے) سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا رسول زندہ رہے یا نہ رہے دین اللہ کا ہے اس پر قائم رہو اور اشارت نکلتی ہے کہ حضرت کی وفات پر بعضے لوگ پھر جاویں گے اور جو قائم رہیں گے ان کو بڑا ثواب ہے۔ اسی طرح ہوا کہ بہت لوگ حضرت کے بعد مرتد ہوئے اور حضرت صدیق نے ان کو پھر مسلمان کیا اور بعضوں کو مارا (موضح القرآن)

شان نزول اور پس منظر

حضرات مفسرین نے اس آیت مبارکہ کا جو شان نزول اور پس منظر لکھا ہے اس کا مکمل نچوڑ درج ذیل عبارت میں ملاحظہ فرمائیں:

''واقعہ یہ ہے کہ احد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس نقشہ جنگ قائم کیا۔ تمام صفوف درست کرنے کے بعد پہاڑ کا ایک درہ باقی رہ گیا جہاں سے اندیشہ تھا کہ دشمن لشکر اسلام کے عقب پر حملہ آور ہو جائے اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس تیر اندازوں کو جن کے سردار حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے مأمور فرما کر تاکید کر دی کہ ہم خواہ کسی حالت میں ہوں تم یہاں سے مت ٹلنا۔ مسلمان غالب ہوں یا مغلوب حتی کہ اگر تم دیکھو کہ پرندے ان کا گوشت نوچ کر کھا رہے ہیں تب بھی اپنی جگہ مت چھوڑنا وانا لن نزال غالبین ماثبتم مکانکم (بغوی) ہم برابر اس وقت تک غالب رہیں گے جب تک تم اپنی جگہ قائم رہو گے الغرض فوج کو پوری ہدایت دینے کے بعد جنگ شروع کی گئی۔ میدان کارزار گرم تھا۔ غازیان اسلام بڑھ بڑھ کر جو ہر شجاعت دکھا رہے تھے ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دوسرے مجاہدین کی بسالت و بے جگری کے سامنے مشرکین قریش کی کمریں ٹوٹ چکی تھیں ان کو راہ فرار کے سوا اب کوئی راستہ نظر نہ آتا تھا کہ حق تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا۔ کفار کو شکست فاش ہوئی وہ بدحواس ہو کر بھاگے۔ ان کی عورتیں جو غیرت دلانے کو آئی تھیں پائنچے چڑھا کر ادھر ادھر بھاگتی نظر آئیں مجاہدین نے مال غنیمت پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ یہ منظر جب تیر اندازوں نے دیکھا تو سمجھے کہ اب فتح کامل ہو چکی دشمن بھاگ رہا ہے۔ یہاں بے کار ٹھہرنا کیا ضروری ہے چل کر دشمن کا تعاقب کریں اور غنیمت میں حصہ لیں۔ عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ان کو یاد دلایا وہ سمجھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا اصلی منشاء ہم پورا کر چکے ہیں یہاں ٹھہرنے کی حاجت نہیں۔ یہ خیال کر کے سب غنیمت پر جا پڑے صرف عبداللہ بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے گیارہ ساتھی درے کی حفاظت پر باقی رہ گئے۔ مشرکین کے سواروں کا رسالہ خالد بن الولید کے زیر کمان تھا جو اس وقت ''حضرت'' اور ''رضی اللہ تعالیٰ عنہ'' نہیں بنے تھے۔ انہوں نے پلٹ کر درہ کی طرف حملہ کر دیا پس بارہ تیر انداز ڈھائی سو سواروں کی یلغار کو کہاں روک سکتے تھے، تاہم عبداللہ بن

جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے رفقاء نے مدافعت میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا اور اسی میں جان دے دی، مسلمان مجاہدین اپنے عقب سے مطمئن تھے ناگہاں مشرکین کا رسالہ ان کے سروں پر جا پہنچا اور سامنے سے مشرکین کی فوج جو بھاگی جارہی تھی پیچھے پلٹ پڑی مسلمان دونوں طرف سے گھر گئے اور بہت زور کا رن پڑا کتنے ہی مسلمان شہید اور زخمی ہوئے۔ اسی افراتفری میں ابن قمیہ (مشرک) نے ایک بھاری پتھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پھینکا جس سے دندان مبارک شہید اور چہرہ انور زخمی ہوا ابن قمیہ نے چاہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرے مگر مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے (جن کے ہاتھوں میں اسلام کا جھنڈا تھا) مدافعت کی نبی صلی اللہ علیہ وسلم زخم کی شدت سے زمین پر گرے کسی شیطان نے آواز لگادی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قتل کردیئے گئے یہ سنتے ہی مسلمانوں کے ہوش خطا ہوگئے اور پاؤں اکھڑ گئے۔ بعض مسلمان ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ رہے۔ بعض ضعفاء کو خیال ہوا کہ مشرکین کے سردار ابوسفیان سے امن حاصل کرلیں بعض منافقین کہنے لگے جب محمد قتل کردیئے گئے تو اسلام چھوڑ کر اپنے قدیم مذہب میں واپس چلا جانا چاہیے اس وقت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چچا انس بن النضر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم مقتول ہوگئے تو رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو مقتول نہیں ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمہارا زندہ رہنا کس کام کا ہے جس چیز پر آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل ہوئے تم بھی اسی پر کٹ مرو اور جس چیز پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دی ہے اسی پر تم بھی جان دے دو یہ کہہ کر آگے بڑھے حملہ کیا لڑے اور مارے گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ اسی اثنا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی الیّ عباد اللہ انا رسول اللہ اللہ کے بندو ادھر آؤ میں خدا کا پیغمبر ہوں کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان کر چلائے "یا معشر المسلمین" "مسلمانو! بشارت حاصل کرو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں موجود ہیں آواز کا سننا تھا کہ مسلمان ادھر ہی سمٹنا شروع ہوگئے تیس صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوکر مدافعت کی اور مشرکین کی فوج کو منتشر کردیا۔ اس موقع پر سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ، طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابوطلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور قتادہ بن النعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہ نے بڑی جانبازیاں دکھلائیں آخر مشرکین میدان چھوڑ کر چلے جانے پر مجبور ہوئے اور یہ آیات نازل ہوئیں وما محمد الا رسول یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی آخر خدا تو نہیں ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے کتنے رسول گذر چکے جن کے بعد ان کے متبعین نے دین کو سنبھالا اور جان و مال فدا کرکے قائم رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا سے گذرنا بھی کچھ اچنبھا نہیں اس وقت نہ سہی اگر کسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔ یا شہید کردیئے گئے تو کیا تم دین کی خدمت وحفاظت کے راستہ سے الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جہاد فی سبیل اللہ ترک کردو گے جیسے اس وقت محض خبر قتل سنکر بہت سے لوگ حوصلہ چھوڑ کر بیٹھنے لگے تھے یا منافقین کے مشورہ کے موافق العیاذ باللہ سرے سے دین کو خیر باد کہہ دو گے۔ تم سے ایسی امید ہرگز نہیں اور کسی نے ایسا کیا تو اپنا نقصان کرے گا خدا کا کیا بگاڑ سکتا ہے وہ تمہاری مدد کا محتاج نہیں بلکہ تم شکر کرو اگر اس نے اپنے دین کی خدمت میں لگالیا۔ (تفسیر عثمانی)

وسیجزی اللّٰہ الشکرین نعمہ بالثبات (جلالین) اور اللہ تعالیٰ عنقریب ان شاکرین کو بدلہ دے گا جو ثابت قدمی کے ذریعہ اسکی نعمتوں کا شکرادا کرتے ہیں۔یعنی جہاد میں ثابت قدمی کے ذریعے۔

نکتہ

اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہید ہو جائیں تو جہاد چھوڑنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔ یہ بات فرما کر حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نظریات کو چٹانوں سے بڑھکر مضبوط بنادیا گیا۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی سے بڑھکر روئے زمین پر کوئی حادثہ عظیم نہیں ہوسکتا۔جب اتنے عظیم غم اور حادثے کے وقت جہاد چھوڑنا جائز نہیں تو پھر کسی اور حادثے کے وقت کہاں اسکی اجازت ہوسکتی ہے۔

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرَانَ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۱۴۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَ

اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے سوا کوئی مر نہیں سکتا ایک وقت مقرر لکھا ہوا ہے اور

مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ

جو شخص دنیا کا بدلہ چاہے گا ہم اسے دنیا ہی میں دے دیں گے اور جو آخرت کا

الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ؕ وَسَنَجْزِى الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

بدلہ چاہے گا ہم اسے اس میں سے دیں گے اور ہم شکر گزاروں کو جزا دیں گے

خلاصہ

اگر یہ سمجھتے ہو کہ جہاد سے موت آتی ہے تو تمہارا خیال غلط ہے موت کا وقت مقرر ہے اس سے پہلے کوئی نہیں مرتا۔ اگر کوئی جہاد میں لوٹ اور مال غنیمت کے لئے شریک ہوتا ہے تو ہم اسکو یہ چیز دنیا ہی میں دے دیتے ہیں اور جو شہادت اور آخرت کا طلبگار رہو تو بس آنکھ بند ہونے کی دیر ہے ہمیشہ کے عیش وعشرت اور سلطنت والا بدلہ اس کے لئے موجود ہے۔ (مستفاد از تفسیر حقانی)

تفسیری اقوال

❶ (موت کی) اس میعاد مقرر کا علم بجز اللہ تعالیٰ کسی کو نہیں پھر آخر شرکت جنگ میں اتنا خوف اور گریز کیوں؟ موت جب بھی آئے گی حکم خدا ہی سے آئے گی اس کے بدون (یعنی بغیر) نہیں آسکتی اور پھر جب آئے گی وقت موعود ہی پر آئے گی اس کے قبل نہیں آسکتی خواہ خطرات کیسے ہی شدید ہوں، ان حقائق کا اگر استحضار رہے تو موت کا طبعی خوف بھی حد اعتدال سے زیادہ نہ بڑھنے پائے (تفسیر ماجدی)

❷ وسنجزی الشاکرین اور عنقریب ہم شکر گذاروں کو بدلہ دے دیں گے۔ جنہوں نے نعمت الٰہی کا شکر یوں ادا کیا کہ جنگ میں شریک ہوئے اور جہاد سے جی نہیں چرایا۔ الذین شکروا نعمة الله فلم يشغلهم شئی عن الجهاد (بیضاوی) (تفسیر ماجدی)

❸ لايتقدم ولا يتاخر فلم انهزمتم والهزيمة لا تدفع الموت والثبات لايقطع الحياة.

یعنی موت اپنے وقت سے نہ پہلے آتی ہے نہ بعد میں، پھر تم نے جنگ میں پسپائی کیوں اختیار کی؟ جنگ میں پسپائی موت سے بچا نہیں سکتی اور جنگ میں ثابت قدمی موت کو لا نہیں سکتی۔ (جلالین)

❹ جب کوئی شخص بدون حکم الٰہی کے مر نہیں سکتا خواہ کتنے ہی اسباب موت کے جمع ہوں اور ہر ایک کی موت وقت مقدر پر آنی ضرور ہے خواہ بیماری سے ہو یا قتل سے یا کسی اور سبب سے تو خدا پر توکل کرنے والوں کو اس سے گھبرانا نہیں چاہیے اور نہ کسی بڑے یا چھوٹے کی موت کو سن کر مایوس اور بددل ہو کر بیٹھ رہنا چاہیے۔ (تفسیر عثمانی)

کلام برکت

یعنی جو لوگ اس دین پر ثابت رہیں گے ان کو دین بھی ملے گا اور دنیا بھی لیکن جو کوئی اس نعمت کی قدر جانے (موضح القرآن)

نکتہ

آیت کے پہلے حصے میں ترغیب جہاد ہے کہ جب موت کا وقت اٹل ہے تو پھر موت کے ڈر سے جہاد چھوڑنا کم عقلی اور بزدلی ہے اور اس میں مسلمانوں کا شدید نقصان ہے اور آیت کے دوسرے حصے میں ترغیب اخلاص ہے کہ جہاد صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضاء اور ثواب آخرت کے لئے کرنا چاہیے اور آیت کے آخری ٹکڑے میں جہاد پر ثابت قدم رہنے والے مجاہدین کی تعریف اور فضیلت کا بیان ہے واللہ اعلم بالصواب

ترغیب جہاد

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

الثانی: ان یکون المراد تحریض المسلمین علی الجهاد باعلامهم ان الحذر لایدفع القدر وأن احدا لایموت قبل الأجل واذا جاء الأجل لایندفع الموت بشی فلا فائدة فی الجبن والخوف۔

یعنی دوسری صورت اس آیت کے ماقبل کے ساتھ تعلق کی یہ ہے کہ اس میں مسلمانوں کو جہاد پر ابھارا گیا ہے اور یہ سمجھایا گیا ہے کہ بچاؤ کی تدبیر تقدیر کو نہیں ٹال سکتی اور کوئی شخص اپنے وقت مقرر سے پہلے نہیں مر سکتا اور جب وقت مقررہ آ جاتا ہے تو کوئی بھی چیز موت سے نہیں بچا سکتی پس بزدلی اور خوف کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ (التفسیر الکبیر)

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وهذه الاية فيها تشجيع للجبناء وترغيب لهم فی القتال، فان الاقدام والاحجام لاينقص من العمر ولا يزيد فيه۔

یعنی اس آیت میں بزدلوں کے لئے بہادری کا درس اور قتال کی ترغیب ہے بے شک آگے بڑھ کر لڑنے یا پیچھے ہٹ جانے سے نہ عمر میں کوئی کمی ہوتی ہے نہ زیادتی۔

اس کے بعد علامہ ابن کثیر ایک قصہ لکھتے ہیں:

قال رجل من المسلمين وهو حجر بن عدی الخ. کہ ایک جہاد کے دوران ایک مسلمان حجر بن عدی

رحمہ اللہ نے دریائے دجلہ کے کنارے اپنے لشکر سے فرمایا تمہیں اس معمولی قطرے کو عبور کر کے دشمن تک پہنچنے سے کس چیز نے روکا ہوا ہے پھر انہوں نے یہی آیت وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ کتا با مؤجلا پڑھکر اپنا گھوڑا دریائے دجلہ میں ڈال دیا ان کے پیچھے تمام لشکر نے بھی اپنے گھوڑے دریا میں اتار دیئے۔ جب دشمنوں نے انہیں اس حال میں دیکھا تو پکار اٹھے کہ یہ دیو ہیں اور وہ بھاگ گئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ھذا حض علی الجھاد واعلام ان الموت لابدمنه وان کل انسان مقتول او غیر مقتول میت اذا بلغ اجله المکتوب له. اس میں جہاد پر ابھارا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ موت لازمی چیز ہے کوئی انسان قتل ہو یا قتل نہ ہو جب اس کا وقت آجائے گا تو ضرور مر جائے گا۔ (القرطبی)

علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

استئناف سیق للحض علی الجھاد واللوم علی ترکه خشیة القتل مع قطع عذر المنھزمین خشیة ذلك بالکلیة ویجوز ان یکون تسلیة عما لحق الناس بموت النبی صلی اللہ علیه وسلم واشارة الی انه علیه السلام کغیرہ لایموت الا باذن اللہ تعالیٰ فلا عذر لاحد بترك دینه بعد موته.

یہ جملہ جہاد پر ابھارنے کے لئے لایا گیا ہے اور اس میں موت کے ڈر سے جہاد چھوڑنے پر ملامت کی گئی ہے اور موت کے ڈر سے پسپا ہونے والوں کے عذر کو بالکل نا قابل قبول قرار دیا گیا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ لوگوں پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا سنکر جو حالت طاری ہوگئی تھی اس میں انہیں حوصلہ دلایا جا رہا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی دوسروں کی طرح اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے وفات آئے گی پس کسی کے لئے اجازت نہیں کہ وہ ان کی وفات کو عذر بنا کر دین کو چھوڑ دے (روح المعانی)

دعاء

یا اللہ موت کے بارے میں ہمارے عقیدے کو اس آیت کے مطابق بنا۔ اور ہمارے دلوں کو بزدلی سے پاک فرما۔ (آمین یا اکرم الاکرمین)

★★★

سُورَۃُ آلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۴۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ

اور کئی نبی ہیں جن کے ساتھ ہوکر بہت اللہ والے لڑے ہیں پھر اللہ تعالیٰ کی راہ میں

اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ

تکلیف پہنچنے پر نہ ہارے ہیں اور نہ سست ہوئے ہیں اور نہ وہ دبے ہیں اور اللہ تعالیٰ

الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

ثابت قدم رہنے والوں کو پسند کرتا ہے

خلاصہ

تم سے پہلے بہت سے اللہ والوں نے نبیوں کے ساتھ مل کر کفار سے جنگ کی ہے جس میں انہوں نے بہت تکلیفیں اور سختیاں اٹھائی ہیں۔ مگر ان شدید تکلیفوں اور مصیبتوں سے نہ ان کے ارادے سست ہوئے نہ انہوں نے ہمت ہاری اور نہ کمزوری دکھائی نہ دشمن کی طرف جھکے۔ اللہ تعالیٰ جہاد میں ثابت قدم رہنے والوں سے خاص محبت فرماتا ہے۔ پس مسلمان جو خیر امت ہیں انہیں بھی اسی طرح جہاد میں ہمت، قوت، صبر اور مضبوطی دکھانی چاہیے۔ اور ظاہری شکست کے وقت حوصلہ نہیں ہارنا چاہیے۔

اقوال وحوالے

❶ بہت سے ایسے نبی ہو گذرے ہیں کہ جن کے ساتھ میں ہوکر "باخدا" لوگ مخالفان حق سے لڑے ہیں جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نونؑ وغیرہما پھر جو کچھ ان کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں تکلیف پہنچی ہے (زخمی ہوئے، مارے گئے گرمی اور بھوک اور پیاس اٹھائی پاپیادہ سفر کئے ہیں) اس سے ان کا جوش ایمانی ٹھنڈا نہیں ہوگیا تھا اور نہ ان میں بوقت قتل کبھی کچھ بوداپن پیدا ہوا تھا اور نہ اس کے بعد وہ جہاد سے ضعیف ہوگئے تھے نہ دشمنوں کی شوکت سے ان کے حوصلہ پست ہوئے تھے دیکھو خدا کو ایسے صابروں سے محبت ہے۔ (تفسیر حقانی)

❷ سچا مؤمن وہ ہے جو شدتوں اور محنتوں میں نہ تو بے ہمت ہو نہ کمزور پڑے اور نہ کسی حال میں بھی ظالموں کے آگے عجز و بے چارگی کا اظہار گوارا کرے۔ قرآن کہتا ہے وھن ضعف اور استکانۃ للخصم اس میں نہیں ہوسکتی "وھن" یہ ہے کہ بے ہمت ہوکر بیٹھ رہے "ضعف" یہ ہے کہ میدان میں نکلے مگر کمزوری دکھائے۔ "استکانۃ للخصم" یہ ہے کہ لاچار ہوکر حریف (یعنی دشمن) کے آگے گڑگڑانے لگے۔ (ترجمان القرآن)

❸ یہاں یہ بتلایا ہے کہ جہاد کی سنت (یعنی طریقہ) انبیاء قدیم کے وقت سے چلی آتی ہے اور اس راہ کے رہرووں کو برابر ان منزلوں سے گذرنا پڑتا ہے ربیون ربی۔ ربانی کے مرادف ہے یعنی اللہ والے اور مراد علماء وفقہا بھی لئے گئے ہیں ای ربانیون (کشاف) اخرج سعید بن المنصور عن الحسن انهم العلماء الفقهاء واخرجه ابن جبیر عن ابن عباس رضی اللّٰه تعالیٰ عنه ایضاً فهو منسوب الی الرب۔ (روح المعانی) ایک معنی ''جماعت کثیر'' کے بھی منقول ہیں۔ ای ألوف وقال ابن عباس ومجاهد وسعید بن جبیر رضی اللّٰه تعالیٰ عنه وعكرمة والحسن وقتادة والسدی والربیع وعطاء الخراسانی الربیون الجموع الكثیرة (ابن کثیر)۔ "وهن ،ضعف استكانة۔ تین متقارب المعنیٰ الفاظ کے درمیان ایک فرق امام رازی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ وھن تو کہتے ہیں قلب کی کمزوری یا بے ہمتی کو اور ضعف مطلق ہے اس کا تعلق جسمانی قوت ومادی قدرت کے انحطاط سے خصوصی ہے اور استكانة اظہار عجز کو کہتے ہیں ایک دوسرا فرق بھی امام موصوف ہی نے نقل کیا ہے کہ "وھن کی تفسیر غلبہ خوف سے کی جائے اور ضعف کی ضعف ایمانی اور شکوک وشبہات سے اور استكانة کی تبدیل دین سے (تفسیر ماجدی)

❹ الوهن انكسار الجدبالخوف (قرطبی)۔ یعنی وہن کہتے ہیں خوف کی وجہ سے عزم کا کمزور ہوجانا۔

واللّٰه یحب الصابرین یعنی الصابرین علی الجهاد (قرطبی)

یعنی اللہ تعالیٰ جہاد پر ثابت قدم رہنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔ علامہ ابو حیان نے اسے جمہور کا قول قرار دیا ہے۔ (البحر المحیط)

❺ یہ ان مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی اور غیرت دلائی ہے جنہوں نے احد میں کمزوری دکھلائی تھی حتیٰ کہ بعض نے یہ کہہ دیا تھا کہ کسی کو بیچ میں ڈال کر ابو سفیان سے امن حاصل کرلیا جائے مطلب یہ کہ جب پہلی امتوں کے حق پرستوں نے مصائب وشدائد میں اس قدر صبر واستقلال کا ثبوت دیا تو اس امت کو جو خیر الامم ہے ان سے بڑھ کر صبر واستقامت کا ثبوت دینا چاہیے (تفسیر عثمانی)

یہ تقریر امام رازی رحمہ اللہ کی اس تقریر سے ملتی جلتی ہے۔ واعلم انه تعالیٰ من تمام تأدیبه قال للمنهزمین یوم احد ان لكم بالانبیاء المتقدمین واتباعهم اسوة حسنه فلما كانت طریقة اتباع الانبیاء المتقدمین الصبر علی الجهاد وترك الفرار فكیف یلیق بكم هذا الفرار والا نهزام ؟ (التفسیر الكبیر)

آیت کے دو مطلب

تقریباً تمام بڑے مفسرین نے آیت کے دو مطلب بیان کئے ہیں:

❶ ماضی میں جہاد کے دوران کئی انبیاء اور ان کے اللہ والے ساتھی شہید ہوئے مگر ان کی شہادت کی وجہ سے

باقی حق والوں نے جہاد میں کمزوری نہیں دکھائی بلکہ استقامت کے ساتھ جہاد کرتے رہے تو اے مسلمانو! تم حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر پر کیوں بے ہمت ہو بیٹھے؟

❷ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جہاد کے دوران کوئی نبی شہید نہیں ہوئے (تفسیر کبیر، البحر المحیط، کشاف) تو مطلب یہ ہوا کہ ماضی کے اللہ والے اپنے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مل کر دشمنوں سے جہاد کرتے رہے پھر ان کو جو تکلیفیں اور مشکل حالات جہاد میں پیش آئے ان کی وجہ سے وہ کمزور نہیں ہوئے بلکہ استقامت کے ساتھ جہاد میں ڈٹے رہے پس اے مسلمانو! تم بھی ان سے بڑھ کر جہاد میں ہمت اور استقامت کا مظاہرہ کرو۔

نکتہ

شکست کے بعد عمومی طور پر وھن پیدا ہوتا ہے جس کا آسان ترجمہ کم ہمتی یعنی دل چھوڑ بیٹھنا اور شہادت کے شوق سے محروم ہو کر حب دنیا میں مبتلا ہونا۔ اس وہن کی وجہ سے ضعف یعنی مسلمانوں کی قوت میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے اور پھر استکانۃ کا مرحلہ آتا ہے کہ کافروں کے سامنے جھکنے کی نوبت پیش آ جاتی ہے۔ اسی لئے ان تینوں چیزوں سے بچنے کی تلقین کی گئی اور اس کا طریقہ ”استغفار“ بتایا گیا یعنی جان بچانے، ایک دوسرے پر الزام لگانے اور کافروں کے قدموں میں جھکنے کی بجائے فوراً اپنے گناہوں اور غلطیوں پر نظر کر لی جائے اور خوب سچے دل سے اللہ تعالیٰ کے حضور استغفار کیا جائے اور اس سے مدد مانگی جائے تو انسان شکست سے پیدا ہونے والی ان تینوں بیماریوں سے بچ سکتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

علاج اگلی آیت میں مذکور ہے، یعنی ال عمران (۱۴۷)

ما استکانو! وہ جھکے اور دبے نہیں۔ اس لفظ کے معنیٰ میں علامہ ابوحیان رحمہ اللہ نے چند اقوال نقل کیے ہیں۔

❶ ابن اسحاق ماقعد واعن الجھاد فی دینھم یعنی دین کی خاطر جہاد کرنے سے بیٹھ نہیں گئے۔

❷ وقال السدی ماذلوا یعنی جھکے نہیں۔

❸ وقال عطاء ماتضر عوا یعنی دشمنوں کے سامنے گڑگڑائے نہیں۔

❹ وقال مقاتل مااستسلموا یعنی انہوں نے دشمنوں کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے تسلیم نہیں ہوئے۔

❺ وقال ابو العالیۃ ماجبنوا یعنی انہوں نے بزدلی نہیں دکھائی۔

❻ وقال المفضل ماخشعوا یعنی ڈرے اور گھبرائے نہیں

❼ وقال قتادۃ والربیع ماارتدوا عن نصر تھم دینھم ولکنھم قاتلوا علی ماقاتل علیہ نبیھم حتی لحقوا بربھم یعنی وہ اپنے دین کی نصرت سے پھرے نہیں بلکہ اس چیز پر قتال کرتے رہے جس پر ان کے نبی نے قتال کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے جا ملے۔ (البحر المحیط)

فائدہ

معلوم ہوا کہ

1. انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے راستے میں جنگ وقتال فرماتے تھے
2. صحابہ، اولیاء، علماء، فقہا بھی جہاد فرماتے تھے۔
3. جہاد کے دوران ان پر بھی سخت حالات، ظاہری شکست اور آزمائشیں آتی تھیں۔ ان تینوں امور پر غور کیا جائے تو جہاد کے خلاف اٹھائے جانے والے بہت سے وساوس کا جواب مل سکتا ہے۔ (واللہ تعالیٰ اعلم)

سورۃ آل عمران مدنیۃ — آیت ۱۴۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّآ أَن قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا

اور انہوں نے سوائے اس کے کچھ نہیں کہا کہ اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش دے اور جو ہمارے کام میں ہم سے

فِىٓ أَمْرِنَا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَٰفِرِينَ ﴿١٤٧﴾

زیادتی ہوئی ہے اور ہمارے قدم جمادے اور کافروں کی قوم پر ہمیں مدد دے

خلاصہ

انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مل کر جن اللہ والوں نے جہاد کیا وہ غم پریشانی اور مصیبت کے وقت ایکطرف تو ثابت قدمی سے جہاد کرتے رہے اور دوسری طرف وہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعائیں مانگتے رہے:

1. یا اللہ ہمارے گناہ معاف فرما۔
2. اس جہاد کے عمل میں ہم سے جو غلطیاں ہوئی ہیں وہ معاف فرما۔
3. ہمیں ثابت قدمی عطاء فرما۔
4. ہمیں دشمنوں پر غلبہ نصیب فرما۔

نکتہ

پہلے گناہوں کی معافی مانگ کر پاکی حاصل کی اور اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق جوڑا پھر ثابت قدمی مانگ کر وفاداری کا اظہار کیا اور پھر دشمنوں پر غلبے کی دعاء مانگی۔ واللہ اعلم

فائدہ

یعنی مصائب وشدائد کے ہجوم میں نہ گھبراہٹ کی کوئی بات کہی نہ مقابلہ سے ہٹ جانے اور دشمن کی اطاعت قبول کرنے کا ایک لفظ زبان سے نکالا بولے تو یہی بولے کہ خداوندا ہم سب کی تقصیرات اور زیادتیوں کو معاف فرمادے اور ہمارے دلوں کو مضبوط و مستقل رکھ تا کہ ہمارا قدم جادۂ حق سے نہ لڑکھڑائے اور ہم کو کافروں کے مقابلہ میں مدد پہنچا۔ وہ سمجھے کہ بسا اوقات مصیبت کے آنے میں لوگوں کے گناہوں اور کوتاہیوں کو دخل ہوتا ہے اور ہم میں کون دعویٰ کرسکتا ہے کہ اس سے کبھی کوئی تقصیر نہ ہوئی ہوگی۔ بہر حال بجائے اس کے کہ مصیبت سے گھبرا کر مخلوق کی طرف جھکتے اپنے خالق و مالک کی طرف جھکے (تفسیر عثمانی)

فائدہ

آیت سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

❶ جہاد میں شکست اور مصیبت کے وقت عام لوگوں کو جان کی فکر پڑ جاتی ہے مگر مخلص اللہ والے مجاہدین کو ایمان کی فکر لگ جاتی ہے اور وہ استغفار کرنے لگتے ہیں۔

❷ جہاد میں شکست کے وقت عام لوگ دنیوی سہارے ڈھونڈتے ہیں مگر مخلص مجاہدین اللہ تعالیٰ کے سامنے جھولی پھیلا کر اس کا سہارا مانگتے ہیں۔

❸ جہاد میں شکست کے وقت عام لوگ ایک دوسرے کی غلطیاں اچھالنے لگتے ہے جبکہ مخلص اللہ والوں کی نظر فوراً اپنے گریبان پر پڑتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگنے لگ جاتے ہیں۔

❹ جہاد میں شکست کے وقت عام لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اب ہم کبھی دشمن پر غالب نہیں آسکتے مگر مخلص مجاہدین اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتے ہیں اور انہیں امید ہوتی ہے کہ وہ دشمن پر غالب آسکتے ہیں چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ سے اسکی دعاء کرتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دعاء

ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا وثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین۔(آمین یا رب العلمین)

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۴۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا ثواب اور آخرت کا عمدہ بدلہ دیا اور اللہ تعالیٰ

يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

نیک کاموں کو پسند کرتا ہے

خلاصہ

ان کی اس استقامت اور دعاء کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا کا بھی بدلہ دیا یعنی فتح وکامیابی اور آخرت کا بھی عمدہ بدلہ دیا یعنی ثواب اور جنت اور اللہ تعالیٰ کو ایسے محسنین سے محبت ہے۔

فائدہ

یعنی دنیا میں ان کی فتح وظفر کا سکہ بٹھادیا وجاہت وقبول عطاء کیا اور آخرت کا جو بہترین ثواب ملا اس کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔ دیکھو جو لوگ خدا تعالیٰ سے اپنا معاملہ ٹھیک رکھیں اور نیک کام کریں ان سے خدا ایسی محبت کرتا ہے اور ایسا پھل دیتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ثواب الدنيا يعنى النصر والظفر على عدوهم (قرطبی)

دنیا کے ثواب سے مراد دشمنوں کے مقابلے میں نصرت اور فتح ہے۔

فائدہ

پھر (اللہ تعالیٰ) ان کی سعی اور کوشش کا نتیجہ ذکر کر کے رغبت دلاتا ہے کہ خدا نے انکو دنیا میں عمدہ بدلہ دیا مخالفوں کی حکومت اور ملک اور عمدہ باغ اور مکان سب اہل حق کو دیئے چنانچہ یوشع بن نون علیہ السلام کے عہد میں بنی اسرائیل نے ملک شام لیا اور خدا انکو آخرت میں بھی اچھا بدلہ دے گا بلکہ دے دیا وہاں ان کے لئے وہ کچھ ہے جس کا بیان (کما حقہ ممکن) نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

والله يحب المحسنين اور اللہ تعالیٰ محسنین سے محبت فرماتا ہے علامہ ابو حیان رحمہ اللہ نے یہاں "المحسنين" کے دو معنی بیان فرمائے ہیں۔

❶ وهو من احسن مابينه وبين ربه فى لزوم طاعته۔ جو اللہ تعالیٰ کی پکی فرمانبرداری کے ذریعہ اس کے ساتھ اپنا معاملہ ٹھیک کرلے

❷ او من ثبت فی القتال مع نبیه حتی یقتل اویغلب یا محسن۔ سے مراد وہ ہے جو اپنے نبی کے ساتھ جہاد میں ڈٹا رہے یہاں تک کہ شہید ہو جائے یا غالب ہو جائے۔ (البحر المحیط)

عجیب نکتہ

آیت کے الفاظ پر ذرا غور کر لیا جائے ''دنیا'' کے ساتھ محض ''ثواب'' (نتیجہ عمل یا معاوضہ) کا لفظ ہے اور ''آخرت'' کے ساتھ ''حسن ثواب'' کا۔ حسن تو آخرت ہی کے ساتھ مخصوص ہے دنیا غریب کی قسمت میں حسن کہاں؟ یہاں تو نری نمائش ہی نمائش رہتی ہے۔ (تفسیر ماجدی)

نکتہ

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

انہوں نے جب اپنے ''مسیء'' یعنی گناہگار ہونے کا اعتراف کیا اور اللہ پاک سے معافی مانگی ربنا اغفر لنا ذنوبنا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں ''محسنین'' نیکوکار قرار دے دیا گویا کہ اللہ پاک نے فرمایا جب تم نے اپنی برائی اور عاجزی کا اعتراف کر لیا تو میں نے تمہیں اپنا محسن اور اپنا محبوب قرار دے دیا پس بندہ اللہ تعالیٰ تک ذلت، مسکنت اور عاجزی کے حقیقی اظہار ہی کے ذریعہ پہنچ سکتا ہے۔ (التفسیر الکبیر)

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۴۹، ۱۵۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰۤى

اے ایمان والو اگر تم کافروں کا کہا مانو گے تو وہ تمہیں الٹے پاؤں

اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ

پھیر دیں گے پھر تم نقصان میں جا پڑو گے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے اور وہ

خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾

بہترین مدد کرنے والا ہے

خلاصه

ظاہری شکست کے اس موقع کا فائدہ اٹھا کر تمہارے دشمن کفار و منافقین تمہیں غلط راستے پر لیجانے کی کوشش کریں گے۔ تم ان کی بات نہ مانو ورنہ سخت خسارہ اٹھاؤ گے۔ تمہیں کسی سے تعاون مانگنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا حامی و مددگار ہے اور اسی کی مدد سب سے بہتر ہے۔

ربط

شکست کے موقع پر ہمت بندھانے کے لئے ماضی کے اللہ والے مجاہدین کا تذکرہ ہوا اب گمراہی سے بچنے کے لئے اس بات کی ہدایت دی جا رہی ہے کہ تم ماضی کے اللہ والے مجاہدین کے طریقہ پر چلو اور کافروں کی بات نہ مانو۔ ایسے مواقع پر کفار و منافقین مسلمانوں کو دین سے اور جہاد سے پھیرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

تفسیری اقوال

❶ واعلم ان هذه الاية من تمام الكلام الاول وذلك لان الكفار لما ارجفوا ان النبي صلى الله عليه وسلم قد قتل ودعا المنافقون بعض ضعفة المسلمين الى الكفر منع الله المسلمين بهذه الاية عن الالتفات الى كلام اولئك المنافقين. یعنی یہ آیت پچھلے کلام کا تتمہ ہے اور وہ اس طرح کہ جب کفار نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کا اعلان کر کے خوف پھیلا دیا اور منافقین نے بعض کمزور مسلمانوں کو کفر اختیار کرنے کی دعوت دی تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں مسلمانوں کو منافقین کی باتوں کی طرف توجہ کرنے سے روک دیا (التفسیر الکبیر)

ان تطیعو الذين كفروا اگر تم نے کافروں کی اطاعت کی۔ یہاں کافروں سے کون مراد ہے۔ امام رازی

رحمہ اللہ نے چار اقوال ذکر فرمائے ہیں۔

① مراد ابوسفیان ہیں کیونکہ وہ اس دن کافروں کے سردار تھے۔ (اور شکست کے وقت مسلمانوں کو ترغیب دی جا رہی تھی کہ عبداللہ بن ابی منافق کو بیچ میں ڈال کر ابوسفیان سے امان لے لی جائے تو منع فرما دیا گیا کہ ابوسفیان کے سامنے نہ جھکو۔)

② کفروا سے مراد عبداللہ بن ابی اور اس کے منافق ساتھی ہیں، یہی لوگ کمزور دل مسلمانوں کے دلوں میں شبہات ڈال رہے تھے اور کہہ رہے تھے اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رسول ہوتے تو ان کے ساتھ یہ واقعہ پیش نہ آتا وہ (نعوذ باللہ) عام آدمی ہیں کبھی فتح حاصل کرتے ہیں اور کبھی شکست اس لئے تم لوگ واپس اپنے دین کی طرف لوٹ آؤ۔

③ اس سے مراد یہودی ہیں۔ کیونکہ مدینہ میں یہودیوں کا ایک ایسا گروہ موجود تھا جس کے افراد مسلمانوں کے دلوں میں شبہات ڈالتے رہتے تھے خصوصاً غزوۂ احد کے واقعہ کے بعد۔

④ زیادہ درست بات یہ ہے کہ اس سے تمام کافر مراد ہیں اور یہ جو ان کی بات نہ ماننے کا حکم دیا گیا ہے تو یہ عام نہیں ہے کہ ہر بات نہ مانی جائے بلکہ یہ خاص ہے کہ وہ دین اسلام اور جہاد کے خلاف جو باتیں کرتے ہیں وہ نہ مانی جائیں۔ (مستفاد از تفسیر کبیر)

بل اللہ مولکم بلکہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا مددگار ہے۔

والمعنیٰ انکم تطیعون الکفار لینصروکم ویعینوکم علی مطالبکم وھذا جھل لانھم عاجزون متحیرون ،والعاقل یطلب النصرۃ من اللہ تعالیٰ لانہ الذی ینصرکم علی العدو ویدفع عنکم کیدہ.(التفسیر الکبیر)

مطلب یہ ہے کہ تم کافروں کا کہنا اس لئے مانتے ہوتا کہ وہ تمہاری مدد کریں اور تمہارے مقاصد میں تمہاری اعانت کریں تو یہ جہالت کی بات ہے کیونکہ کافر خود عاجز و بے بس ہیں، عقلمند آدمی تو صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مدد مانگتا ہے کیونکہ صرف وہی دشمنوں کے مقابلے میں تمہاری مدد کرتا ہے اور تم سے ان کے شر کو دور کرتا ہے۔

خیر الناصرین (''اللہ تعالیٰ کی مدد سب سے بہتر ہے'')

اللہ تعالیٰ کی مدد بہتر ہے کئی وجوہ سے۔

① تم جو کچھ بھی چاہتے ہو اس میں تمہاری مدد پر صرف اللہ تعالیٰ ہی قادر ہے۔

② اسی کے پاس علم حقیقی ہے پس تمہارا پکارنا اور گڑگڑانا اس سے کسی حال میں مخفی نہیں رہتا۔

③ وہ ایسا کریم ہے جو سخاوت کرنے میں بخل نہیں فرماتا۔

④ وہ دنیا اور آخرت دونوں جگہ تمہاری مدد کرتا ہے۔

کیا بندوں میں سے کوئی ایسا ہے جس میں یہ ساری صفات ہوں؟ بالکل نہیں تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد ہی بہترین ہوئی۔ (مستفاد من التفسیر الکبیر)

اقوال وحوالے

❶ کلام برکت

یعنی اس جنگ میں جو مسلمانوں کے دل ٹوٹے تو کافروں نے اور منافقوں نے وقت (یعنی موقع) پایا بعضے الزام (یعنی طعنے) دینے لگے۔ بعضے خیر خواہی کے پردے میں سمجھانے لگے تا (کہ) آگے لڑائی پر دلیری نہ کریں (یعنی یہ سب کچھ اس لئے کر رہے تھے تاکہ مسلمان آئندہ جہاد پر دلیری نہ کریں) حق تعالیٰ خبردار کرتا ہے کہ دشمن کا فریب نہ کھاؤ (موضح القرآن)

معلوم ہوا کہ کافر و منافق ایسے موقع کی تاک میں رہتے ہیں کہ کب مسلمان مجاہدین کو شکست ہو تو وہ اسلام اور جہاد کے خلاف منفی شور شرابا شروع کریں۔ اس لئے مسلمانوں کو سمجھا دیا گیا کہ اگر ظاہری شکست کا حادثہ ہو جائے تو پھر کافروں کے شور شرابے اور ان کی باتوں سے اپنے کان بالکل بند کر لیں اور ماضی کے اولوالعزم مجاہدین کے قصے یاد کریں اور اللہ پاک کے حضور خوب استغفار کریں یوں شکست کے اثرات سے ابھرنا آسان ہو جائے گا۔ واللہ اعلم

❷ غرض کسی طرح (یہ کافر) تمہارے دوست نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا دوست اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے پس اسی کی دوستی پر اکتفا کرو اور اسی کو مددگار سمجھو دوسرا مخالف اگر نصرت کی بھی تدبیر بتلادے خلاف حکم خداوندی عمل مت کرو (بیان القرآن)

❸ أعداء حق اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر تمہیں ایسی راہ لگانا چاہتے ہیں کہ راہ حق سے بے دل ہو جاؤ وہ تمہیں دشمنوں کی کثرت وطاقت کے افسانے سنا کر مرعوب کرنا چاہتے ہیں لیکن اگر تم راہ حق میں ثابت قدم رہے اور انسانی طاقتوں کی جگہ اللہ تعالیٰ کی کارسازی و رفاقت پر بھروسہ رکھا تو وہ وقت دور نہیں جب تمہاری ہیبت سے ان کے دل کانپ اٹھیں گے۔ (ترجمان القرآن)

❹ بلکہ اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے اور اسکی مدد سب سے بہتر ہے لہذا اسی کا کہنا ماننا چاہیے اور اسی کی مدد پر بھروسہ رکھنا چاہیے جسکی مدد پر خدا ہو اس کو کیا حاجت ہے کہ دشمنان خدا کی مدد کا منتظر رہے یا ان کے سامنے گردن اطاعت خم کرے۔ حدیث میں ہے کہ احد سے واپسی کے وقت ابوسفیان نے ’’ھبل‘‘ کی جے پکاری اور کہا ’’لنا العزی ولا عزی لکم‘‘ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جواب دو ’’اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم‘‘ (تفسیر عثمانی)

☆☆☆

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰن مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۵۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا

اب ہم کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈال دیں گے اس لیے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا جس کی

لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا وہ بہت بڑا ٹھکانا ہے

خلاصہ

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا مولیٰ ہے اور اسکی مدد ہی ''بہترین'' ہے چنانچہ اس نے اپنی خاص مدد کے ذریعے کافروں کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیا۔ (یہ وہ نصرت ہے جو کوئی اور نہیں کرسکتا) کافروں پر یہ رعب اس لئے ڈالا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور چیزوں کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ شرک کرنا ظلم ہے پس ایسے ظالموں کو جہنم کے برے ٹھکانے میں ڈال دیا جائے گا۔ (معلوم ہوا کہ عقیدہ توحید سے قوت پیدا ہوتی ہے اور شرک کی وجہ سے دل کمزور ہو جاتا ہے۔)

ربط

❶ اعلم أن هذه الاية من تمام ماتقدم ذكره فانه تعالىٰ ذكر وجوها كثيرةً فى الترغيب فى الجهاد وعدم المبالاة بالكفار ومن جملتها ماذكرفى هذه الاية انه تعالىٰ يلقى الخوف فى قلوب الكفار (التفسير الكبير)

یہ آیت پچھلے مضمون کا تتمہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دینے اور انہیں کافروں کی اطاعت سے بچانے کے لئے کئی باتیں ارشاد فرمائیں جن میں سے ایک کا ذکر اس آیت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے دل میں خوف ڈال دے گا۔ (پس مسلمان جہاد میں ڈٹے رہیں اور کافروں کی باتوں اور طاقت کی پرواہ نہ کریں)

❷ اوپر (پچھلی آیت میں) اللہ تعالیٰ کا مولیٰ اور ناصر ہونا مذکور تھا آگے (اس آیت میں) ایک واقعہ سے اس کا اثبات ہے۔ (بیان القرآن)

اقوال وحوالے

❶ علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے آیت کے شان نزول میں دو قول ذکر فرمائے ہیں:

اوّل: لما ارتحل ابوسفيان والمشركون يوم أحد متوجهين نحومكة الخ یعنی جب ابوسفیان اور باقی مشرکین احد کے دن مکہ کی طرف واپس لوٹے تو راستے میں انہیں ندامت ہوئی اور وہ آپس میں کہنے لگے یہ تم

نے کیا کیا؟ تم نے مسلمانوں کو مارا اور جب ان کا لشکر بکھر گیا اور ان میں دم نہیں رہا تو تم لوٹ آئے اب واپس چلو اور چل کر ان کا مکمل خاتمہ کردو اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ بے ہمت ہو کر لوٹ گئے راستے میں انکو ایک بدو ملا تو اس کو کچھ اُجرت دیکر کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کو ڈرا دینا کہ ہم واپس حملہ کرنے آرہے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حالات کی خبر دی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا پیچھا کیا یہاں تک کہ حمراء الاسد تک جا پہنچے۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

دوم: وقیل ان الایة نزلت فی یوم الأحزاب اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت غزوۂ احزاب کے بارے میں نازل ہوئی۔ (روح المعانی)

❷ امام رازی رحمہ اللہ نے اس پر بحث فرمائی ہے کہ ”القاء رعب“ یعنی رعب ڈالنے کا یہ وعدہ غزوۂ احد کے ساتھ خاص تھا یا یہ وعدہ عام ہے۔ بعض مفسرین اسے غزوۂ احد کے ساتھ خاص قرار دیتے ہیں جبکہ دیگر حضرات کے نزدیک یہ وعدہ عام ہے۔

والقول الثانی: أن هذا الوعد غیر مختص بیوم احد بل هو عام قال القفال رحمه الله: کانه قیل انه ان وقعت لکم هذه الواقعه فی یوم احد الاان الله تعالیٰ سیلقی الرعب منکم بعدذلك فی قلوب الکافرین حتی یقهر الکفار ویظهر دینکم علی سائر الادیان وقد فعل الله ذلك حتی صار دین الاسلام قاهرا لجمیع الادیان والملل ونظیر هذه الایة قوله علیه السلام "نصرت بالرعب مسیرة شهر"

قفال رحمہ اللہ فرماتے ہیں: گویا کہ اس آیت میں فرمایا گیا کہ احد کے دن تو تمہارے ساتھ یہ (آزمائش والا) واقعہ ہو گیا مگر اب اللہ تعالیٰ اسکے بعد تمہارا رعب کافروں کے دلوں میں ڈال دے گا یہاں تک کہ کافروں کو مغلوب فرمادے گا۔ اور تمہارے دین کو تمام ادیان پر غالب فرمادے گا اور اللہ پاک نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ دین اسلام تمام قوموں اور ادیان پر غالب آگیا اور اس آیت کی نظیر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے۔ مجھے ایک ماہ کی مسافت سے طاری ہونے والے رعب کے ذریعہ مدد دی گئی۔ (التفسیر الکبیر)

اردو مفسرین میں سے بڑے اہل تحقیق حضرات کی رائے بھی یہی ہے کہ رعب کا یہ وعدہ عام ہے غزوۂ احد کے فوراً بعد بھی اس کا ظہور ہوا کہ مشرکین واپس نہ آسکے اور پھر آئندہ بھی اس وعدہ کا ظہور ہوتا رہا ملاحظہ فرمائیے چند عبارتیں:

☆ ہم کفار کے دل میں کفر کی شامت سے رعب ڈال دیں گے، ان کا کروفر ظاہری کچھ کام نہ آوے گا چنانچہ اس پیشن گوئی کے مطابق واقع ہوا روم اور ایران کے جرار سپاہ کے دل میں صحابہ کا رعب ڈال دیا گیا جو کمبلی پوش اور بے سروسامان تھے۔ (تفسیر حقانی)

☆ دشمنان دین کے دلوں میں القاء رعب یا ہیبت حق کے معجزانہ ظہور کی ایک یادگار مثال تاریخ کے صفحات میں یوں محفوظ ہے کہ معرکۂ احد میں جب آخری فتح بظاہر مشرکین مکہ کو ہوگئی تو اب قدرتی نتیجہ یہ نکلنا تھا کہ وہ لوگ وہیں

سے شہر مدینہ پر چڑھ دوڑتے فاصلہ اب رہ ہی کتنا گیا تھا۔ لیکن ہمت اس کی انہیں کسی طرح نہ پڑی بلکہ الٹے انہیں واپس جاتے ہی بنی۔ اور تعاقب اس کے برعکس خود ”شکست خوردہ“ مسلمانوں نے اپنے بے مثل و بے مثال سالار لشکر کے ماتحت مدینہ سے آٹھ میل دور ”حمراء الاسد“ تک کیا یہاں تین دن تک مسلمانوں کا کیمپ رہا اور لگے ہاتھوں غنیم (یعنی دشمن) کا ایک آدمی بھی گرفتار کرتے لائے۔ (تفسیر ماجدی)

☆ مشرک خواہ کتنا ہی زور دکھلائے اس کا دل کمزور رہتا ہے کیونکہ وہ کمزور مخلوق کی عبادت کرتا ہے بس جیسا معبود ویسے عابد ضعف الطالب والمطلوب (الحج) اور ویسے بھی اصلی زور و قوت تو فی الحقیقت خدا کی تائید و امداد سے ہے جس سے کفار مشرکین یقیناً محروم ہیں۔ اس لئے جب تک مسلمان مسلمان رہے۔ ہمیشہ کفار ان سے خائف و مرعوب رہے بلکہ ہم آج تک مشاہدہ کرتے ہیں کہ باوجود مسلمانوں کے سخت انتشار و تشتت اور ضعف و تنزل کے دنیا کی تمام کافر طاقتیں اس سوئے ہوئے زخمی شیر سے ڈرتی رہتی ہیں، اور ہمیشہ فکر رکھتی ہیں کہ یہ قوم بیدار ہونے نہ پائے علمی اور مذہبی مناظروں میں بھی اسلام کا یہ ہی رعب مشاہدہ کیا جاتا ہے، حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا رعب ایک مہینہ کی مسافت سے دشمنوں کے دل میں ڈال دیا جاتا ہے، بے شک اسی کا اثر ہے جو امت کو ملا فللّٰہ الحمد علی ذلک ولہ المنة (تفسیر عثمانی)

نکتہ

آج بھی جو مسلمان کافروں کی فرمانبرداری نہیں کرتے اور صرف اللہ تعالیٰ کو اپنا مولیٰ اور مالک مانتے ہیں اور اسی کی بہترین مدد پر بھروسا رکھتے ہیں۔ ان مسلمانوں کا رعب دنیا بھر کے اسلام دشمن کافروں کے دلوں پر چھایا ہوا ہے۔ اور خود کو ”بڑی طاقت“ سمجھنے والے ان بوریا نشین مسلمانوں سے لرزہ براندام ہیں۔

کلام برکت

یعنی وہ (کافر) چور ہیں اللہ تعالیٰ کے اور چور کے دل میں ڈر رہتا ہے اس واسطے ان کے دل میں اللہ تعالیٰ ہیبت ڈالے گا (موضح القرآن)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ رعب کی اصل وجہ کفر و شرک ہے جو قیامت تک قائم ہے اس لئے قیامت تک کے کافروں کے دلوں میں اصلی اور سچے مسلمانوں کا رعب ہوتا ہے اور اس رعب کی وجہ سے وہ کمزور ہوتے ہیں پس مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی اس بہترین نصرت کا فائدہ اٹھانا چاہیے (واللہ اعلم)

فائدہ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی رعب نصیب فرمایا۔ علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت کی تفسیر میں ایسی کئی احادیث ذکر فرمائی ہیں جن میں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ”پر عظمت رعب“ کا تذکرہ ہے شائقین وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

☆☆☆

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۵۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا

اور اللہ تعالیٰ تو اپنا وعدہ تم سے سچا کر چکا جب تم اسکے حکم سے انہیں قتل کرنے لگے یہاں تک کہ جب

فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ

تم نے بزدلی کی اور کام میں جھگڑا ڈالا اور نافرمانی کی بعد اسکے کہ تم کو دکھادی

مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ

وہ چیز جسے تم پسند کرتے تھے بعض تم میں سے دنیا چاہتے تھے اور بعض تم میں سے

الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ

آخرت کے طالب تھے پھر تمہیں ان سے پھیر دیا تاکہ تمہیں آزمائے اور البتہ تحقیق تمہیں اس نے معاف کردیا ہے

وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

اور اللہ تعالیٰ ایمان والوں پر فضل والا ہے

خلاصہ

منافق تمہیں جنگ احد کی شکست یاد دلا کر ڈرا رہے ہیں تاکہ آیندہ دشمنوں کے مقابلہ کی جرأت نہ کرو لیکن تم اچھی طرح جانتے ہو کہ احد کے میدان میں جو کچھ پیش آیا اسکی حقیقت کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا وعدۂ نصرت اس موقع پر بھی پورا ہوا تھا تم انہیں خوب قتل کر رہے تھے اور دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے تھے لیکن جب تم نے عین حالت جنگ میں حکم رسول کی نافرمانی کی اور اسکی وجہ سے تم میں نزاع اور کمزوری پیدا ہوگئی تو میدان جنگ کا نقشہ پلٹ گیا اور فتح ہوتے ہوتے شکست ہوگئی پس یہ جو کچھ ہوا دشمنوں کی طاقت وکثرت سے نہیں ہوا جس سے منافق تمہیں ڈرا رہے ہیں۔ بلکہ تمہارے حالات کی وجہ سے ہوا۔ مگر اب اللہ پاک نے تمہیں معاف فرما دیا ہے اور بے شک وہ ایمان والوں پر بہت فضل فرمانے والا ہے۔ (مفہوم ترجمان القرآن)

شانِ نزول

❶ لما رجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی المدينة بعد أحد وقد اصيبوا قال بعضهم لبعض من اين اصابنا هذا وقد وعدنا اللہ النصر فنزلت هذه الاية وذلك انهم قتلوا صاحب لواء المشركين وسبعة نفر منهم بعد ہ علی اللواء وكان الظفر ابتداءً

للمسلمین غیر انهم اشتغلوا بالغنیمة وترک بعض الرماة ایضا مرکزهم طلباً للغنیمة فکان ذلک سبب الهزیمة (قرطبی)۔

یعنی غزوۂ احد کے بعد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو مسلمانوں کو اس جنگ میں کافی مصائب پہنچے تھے تو وہ آپس میں کہنے لگے ہم پر یہ حالات کیسے آئے؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو ہم سے نصرت کا وعدہ فرمایا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اس جنگ کے آغاز میں مسلمانوں نے مشرکین کے آٹھ علم بردار یکے بعد دیگرے قتل کر دیئے تھے اور شروع میں مسلمانوں کو فتح مل گئی تھی مگر پھر وہ مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے اور بعض تیر اندازوں نے اپنا مرکز (جس پر انہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمایا تھا۔) غنیمت جمع کرنے کے لئے چھوڑ دیا تو یہ شکست کا سبب بن گیا۔

❷ پہلی آیت میں تھا کہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ فتح دینے والا ہے اور نیز پہلے عموماً اسلام کی فتحمندی اور ظہور کا وعدہ دیا گیا تھا اس پر احد میں شکست سی واقع ہوئی تو مدینہ میں آ کر بعض منافق مسلمانوں سے کہنے لگے لو صاحب! اچھا وعدہ خدا نے پورا کیا ارے میاں ایسے وعدوں کا کیا اعتبار ہے؟ ان آیتوں میں خدا تعالیٰ نے جواب دیا کہ اس نے تو تم سے اپنا وعدہ پورا کر دیا تھا کہ تم نے تو اول ہی حملہ میں کفار کی جماعت کو تہ تیغ کر کے بھگا دیا مگر تم نے خود نافرمانی کر کے یہ مصیبت سر پر لی (تفسیر حقانی)

وعدہ کیا تھا؟

ولقد صدقکم اللہ وعدہ اور اللہ تعالیٰ نے تم سے اپنا وعدہ سچا کر دکھایا یہ وعدہ کیا تھا اور کب ہوا تھا؟ اس بارے میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں۔

❶ یہ وعدہ اس آیت میں کیا گیا تھا۔

بلی ان تصبروا وتتقوا ویاتوکم من فورھم ھذا یمددکم ربکم۔ (ال عمران۔۱۲۵)

اس میں شرط تھی کہ اگر تم استقامت اور تقویٰ پر قائم رہے تو اللہ پاک تمہاری نصرت فرمائے گا ابتداء میں یہ نصرت ہوئی اور وعدہ سچا ہوا مگر جب شرط پر عمل نہ رہا تو نصرت اٹھ گئی۔ (روح المعانی، تفسیر کبیر)

❷ یہ وعدہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے ادا ہوا تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس تیر اندازوں کو گھاٹی پر مقرر کر کے ارشاد فرمایا۔ فلن نزال غالبین ماثبتم مکانکم ہم برابر اپنے دشمنوں پر غالب رہیں گے جن تک تم لوگ اپنی جگہ ڈٹے رہو گے۔ (ان کے ڈٹے رہنے تک وعدہ پورا ہوا۔) (تفسیر کبیر، روح المعانی)

❸ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک مینڈھا ذبح فرما رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خواب کو سچا فرما دیا اور وہ اس طرح کہ مشرکین کا علمبردار طلحہ بن عثمان مارا گیا اور اس کے بعد تو مزید علمبردار بھی مارے گئے۔ تو وعدہ سچا ہونے سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کا

سچا ہونا ہے (تفسیر کبیر)

❹ یہ وعدہ سورۃ الحج کی اس آیت میں ہے ولینصرن اللہ من ینصرہ (الحج ۴۰) یہ وعدہ بھی مشروط ہے۔ (تفسیر کبیر)

❺ پچھلی آیت میں فرمایا سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب کہ ہم کافروں کے دل میں رعب ڈال دیں گے یہ وعدہ تھا اور ابتداء میں وہ لوگ مرعوب ہو کر بھاگ گئے تھے۔ (تفسیر کبیر)

شانِ صحابہ

❶ اس آیت سے صحابہ کے حال پر بڑی عنایت معلوم ہوئی کہ عتاب (تنبیہ) میں بھی چند در چند (کئی ایک) تسلیاں فرمائیں۔ ایک یہ کہ سزا نہ تھی بلکہ اس میں بھی تمہاری مصلحت تھی (لیبتلیکم) پھر مواخذہ (آخرت کی پکڑ) سے بے فکر کر دیا (ولقد عفا عنکم) چونکہ ظاہر ہے کہ ایسے حضرات جو ایسی عنایات (یعنی مہربانیوں) کے مورد ہوں طالب دنیا نہیں ہو سکتے اس لئے یرید الدنیا میں دنیا کا مراد بالذات ہونا مراد نہیں ہو سکتا (یعنی دنیا برائے دنیا ان کا مطلوب نہیں تھی بلکہ دنیا برائے آخرت مطلوب تھی تاکہ مال جمع کر کے کفار کو نقصان پہنچائیں اور اس مال کے ذریعہ آئندہ جہاد میں قوت حاصل کریں) اور اس پر قرینہ عقلی بھی ہے وہ یہ کہ اگر یہ حضرات غنائم کو جمع نہ بھی کرتے تب بھی حسب قانون شریعت، شریک و مستحق غنیمت یقیناً تھے اس سے معلوم ہوا کہ اس میں بھی آخرت ہی مقصود تھی کہ حفاظت مورچہ کا ثواب حاصل کر کے اب ترہیب و تخریب کفار (یعنی کافروں کو ڈرانے اور انہیں تباہ کرنے) کا ثواب بھی لیں اسی لئے بعض اقطاب نے اس آیت میں فرمایا منکم من یرید الدینا للآخرة ومنکم من یرید الآخرة الصرفة (یعنی کچھ تم میں سے دنیا چاہتے تھے آخرت کی خاطر اور کچھ تم میں سے صرف آخرت کے طلبگار تھے) مگر چونکہ طریق ثواب کا نص (حکم) کے خلاف تھا اس لئے محمود (پسندیدہ) نا ہوا (بیان القرآن)

❷ کفار کا نشانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس تھی، اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد و پیش جمع ہو گئی دشمن تیر پر تیر چلاتے ہیں مگر کیا مجال ہے کہ ایک مسلمان بھی اپنی جان بچانے کی خاطر وہاں سے ہٹ جائے ایک آہنی دیوار ہے کہ اپنی جگہ پر قائم ہے، ایک شخص تلوار کا وار کرتا ہے تو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنا ہاتھ کٹوا لیتے ہیں مگر اس ذات اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) پر آنچ نہیں آنے دیتے۔ ابن قمیہ آگے بڑھتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دے، مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ علمبردار درمیان میں حائل ہو جاتے ہیں اور خود شہید ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جان نثار کر دیتے ہیں۔ ابو دجانہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کفار کی جانب پشت کر کے کھڑے ہیں کہ اس وجود مقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) کے لئے ڈھال بن جائیں، جو تیر ان کو لگتا ہے وہ نکال کر اپنے ہمراہی کو دیتے ہیں کہ اسی سے دشمن کو نشانہ بنایا جائے اللہ اکبر! اگر یہ مصیبت نہ آتی اور کفار یوں رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ نہ کرتے تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی خوبیوں کا دنیا کو کیا پتہ لگتا۔ (تفسیر الفرقان)

❸ اس میں بتایا جاتا ہے کہ جب تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی کی تو تم کو ان سے ہٹا دیا کہ اب خدائے قدوس تمہیں امتحان میں مبتلا کرے اور اسکی صورت یہ ہوئی کہ جب کفار نے تیر اندازوں کی جگہ کو خالی پایا اور ان کی زد سے محفوظ ہوگئے تو لوٹ کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے یہی ابتلاء تھا اس کا مقصد یہ تھا کہ تم میں جو بہترین افراد ہیں ان کے فضائل وکمالات کا اظہار ہو اور دنیا دیکھ لے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کسی کو جانثار اور فدا کار نصیب نہیں ہوئے (تفسیر الفرقان)

فائدہ

آزمائش کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ مخلص اور غیر مخلص مؤمن اور منافق اور پکے اور کچے کی چھانٹی ہو جائے۔ (مستفاد من عثمانی)

فائدہ

حتی اذا فشلتم وتنازعتم فی الامر وعصیتم گویا فشل کا سبب تنازع اور تنازع کا سبب عصیان تھا (تفسیر عثمانی) یعنی کم ہمتی اور بزدلی آپس کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوئی اور آپس کا اختلاف حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے پیدا ہوا۔

دعاء

اللهم یا ذاالفضل العظیم نسئلك من فضلك ورحمتك آمین یا ذاالفضل العظیم۔

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۱۵۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓی اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ یَدْعُوْکُمْ فِیْٓ

جس وقت تم چڑھے جاتے تھے اور کسی کو مڑ کر نہ دیکھتے تھے اور رسول تمہیں تمہارے پیچھے سے

اُخْرٰىکُمْ فَاَثَابَکُمْ غَمًّا بِغَمٍّ لِّکَیْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ

پکار رہے تھے سو اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس کی پاداش میں غم دیا بسبب غم دینے کے تاکہ تم مغموم نہ ہو اس پر جو ہاتھ سے نکل گئی

وَلَا مَآ اَصَابَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

اور نہ اس پر جو تمہیں پیش آئی اور اللہ تعالیٰ خبردار ہے اس چیز سے جو تم کرتے ہو

خلاصہ

اس وقت بھی اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا اور تمہیں معاف فرمادیا جب تم بے تحاشا بھاگ رہے تھے اور پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھ رہے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں پیچھے سے پکار رہے تھے، تب تم پر غموں کی بوچھاڑ ہوئی تاکہ تم آئندہ کے لئے مضبوط ہو جاؤ۔

اقوال وحوالے

❶ یعنی تم بھاگ کر پہاڑوں جنگلوں کو چڑھے جارہے تھے اور گھبراہٹ میں پیچھے مڑ کر بھی کسی کو نہ دیکھتے تھے۔ اس وقت خدا کا پیغمبر بدستور اپنی جگہ کھڑا ہوا تم کو اس قبیح حرکت سے روکتا تھا اور اپنی طرف بلا رہا تھا۔ مگر تم تشویش واضطراب میں آواز کہاں سننے والے تھے۔ آخر جب کعب بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ چلائے تب لوگوں نے سنا اور واپس آکر اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہوگئے۔ فاثابکم غمابغم یعنی تم نے رسول کا دل تنگ کیا اس کے بدلے تم پر تنگی آئی۔ غم کا بدلہ غم ملا تا (کہ) آگے کو یاد رکھو کہ ہر حالت میں رسول کے حکم پر چلنا چاہیے خواہ کوئی نفع کی چیز مثلاً غنیمت وغیرہ ہاتھ سے جائے یا کچھ بلا سامنے آئے۔ (تفسیر عثمانی)

تنبیہ

اکثر مفسرین نے فاثا بکم غما بغم کے معنیٰ یوں کئے ہیں کہ خدا نے تم کو غم پر غم دیا۔ یعنی ایک غم تو ابتدائی فتح و کامیابی کے فوت ہونے کا تھا دوسرا اپنے آدمیوں کے مارے جانے اور زخمی ہونے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر شہادت مشہور ہونے سے پہنچا بعض نے یہ مطلب لیا ہے کہ فتح وکامرانی کے فوت ہونے، غنیمت کے ہاتھ سے نکل جانے اور نقصان جانی وبدنی اٹھانے کا جو غم تھا اس کے عوض میں ایک ایسا بڑا غم دے دیا گیا جس نے پہلے سب غموں کو

بھلا دیا۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقتول ہونے کی افواہ اسی غم کی شدت میں آگے پیچھے کا کچھ ہوش نہ رہا حتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بھی نہ سنی، جیسا کہ ایکطرف ہمہ تن ملتفت ہونے کے وقت دوسری طرف سے ذہول وغفلت پیش آجاتی ہے (تفسیر عثمانی)

❷ والرسول یدعوکم اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں پکار رہے تھے کان یقول الی عباداللہ انا رسول اللہ من کر فلہ الجنۃ۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے۔ میری طرف آؤ اے اللہ کے بندو! میں اللہ کا رسول ہوں جو واپس میدان میں آئے گا اس کے لئے جنت کا وعدہ ہے۔ (تفسیر کبیر)

❸ "والرسول یدعوکم رسول اسلام علیہ الصلوۃ والسلام علاوہ اپنے دوسرے کمالات وفضائل کے ہمت وشجاعت میں بھی منفرد و بے عدیل تھے حال کے ایک مسلمان جنگی مورخ کے الفاظ ہیں:

اس پورے معرکہ (احد) میں اسلامی جھنڈا کسی وقت بھی سرنگوں نہیں ہوا، جھنڈے کو اونچا رکھنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کی حفاظت کے لئے غزوۂ احد میں مجاہدین نے جس جانبازی وایثار کا ثبوت دیا، وہ ابد تک یادگار رہے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی انتہائی ماندہ اور زخمی ہونے کے باوجود دشمن سے برابر لڑتے رہے، بھالے سے لڑنے میں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کمال کا ثبوت دیا کہ مسلمانوں کی ہمتیں دوچند ہوگئیں۔ لوٹ مار میں عجلت اور تیر اندازوں کے مورچوں سے ہٹ جانے کی وجہ سے لشکر اسلام کو سخت نقصان پہنچا تھا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی مستقل مزاجی سے باقی آدمیوں کو ساتھ لے کر جنگ کرتے تھے۔" (تفسیر ماجدی)

❹ کفار نے نہایت شدت سے مسلمانوں پر حملہ کیا، اب یہ لوگ کفار کا تعاقب کرنے کی بجائے خود اپنی مصیبت میں گرفتار ہوگئے، بے ترتیب اور منتشر ہونے کی وجہ سے ہر ایک بھاگا جاتا تھا اور کسی کی طرف مڑ کر بھی نہ دیکھتا تھا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حالت دیکھی تو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کو جمع کرنے کے لئے فرمایا: الیّ عباد اللہ ! انی رسول اللہ اللہ کے بندو میں اللہ کا رسول ہوں۔ میری طرف آؤ۔ غور کیجئے دشمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو فنا کرنا چاہتا ہے مسلمان پریشان ہو کر منتشر ہو چکے ہیں مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام مشکلات کی مطلقاً پرواہ نہیں کرتے اور تمام مسلمانوں کو جمع کرنے کیلئے بلند آواز سے پکارتے ہیں۔ جس پر تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہونا شروع ہو جاتے ہیں غزوۂ حنین میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی شجاعت کا اظہار کیا ہے، مسلمان بھاگے جا رہے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کی صف کی طرف بڑھکر یہ ارشاد فرماتے ہیں۔ انا النبی لاکذب۔ میں حقیقت میں خدا کا فرستادہ ہوں اور نبی کے لئے ناممکن ہے کہ وہ میدان جنگ سے ایک انچ بھی ہٹ جائے۔ انا ابن عبدالمطلب۔ "میں عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہوں، جس کی شجاعت وبسالت سے عرب کا بچہ بچہ واقف ہے، ایسے اعلیٰ ترین خاندان کا فرزند ان مشکلات وموانع میں کبھی بھاگ سکتا ہے بلکہ یہی میدان جنگ اس

کے کمالات وفضائل قومی کے اظہار کا بہترین محل ہے‘‘ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرزِ عمل حکام فوج (یعنی فوج کے کمانڈروں) کے لئے ایک اسوۂ حسنہ ہے کہ ان کو کسقدر جانباز ہونا چاہیے، وہ اپنے آپ کو سب سے آگے رکھیں تا کہ سپاہوں میں ہمت اور جوش پیدا ہو (تفسیر الفرقان)

❺ فاثابکم غما بغم تفسیر عثمانی کے حوالے سے اس جملے کے بعض معانی بیان ہو چکے ہیں حضرت امام رازی رحمہ اللہ نے اس پر جو تقریر فرمائی ہے ذیل میں اسکی تلخیص ملاحظہ فرمایئے۔

’’غما بغم‘‘ میں ب یا تو معاوضہ کے معنیٰ میں ہے یعنی تمہیں غم کے بدلے غم پہنچایا یا بمعنیٰ ’’مع‘‘ ہے یعنی تمہیں غم پر غم پہنچایا۔

اگر ب معاوضہ کے معنیٰ ہیں تو اس میں چند اقوال ہیں:

☆ تم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نافرمانی کے ذریعہ غم پہنچایا تو اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں غم پہنچایا یہ زجاج رحمہ اللہ کا قول ہے۔

☆ بدر کے دن مشرکین کو جو غم پہنچا تھا اس کے بدلے اب تمہیں غم پہنچا تا کہ تمہارا دل دنیا سے بالکل بے رغبت ہو جائے، نہ دنیا کے ملنے سے خوش ہو اور نہ اسکے منہ موڑنے سے غمگین ہو یہ حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے۔

☆ فاثابکم کی ضمیر رسول کی طرف راجع ہو مطلب یہ کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی دیکھا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے غم میں مبتلا ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دیکھا کہ ان سے نافرمانی ہوئی اور پھر ان کا نقصان ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی وجہ سے غم میں مبتلا ہوئے۔

اگر ب بمعنیٰ مع ہو کہ تمہیں ایک غم کے ساتھ دوسرا غم پہنچایا تو اس میں درج ذیل صورتیں ہیں:

❶ پہلا غم نزاع اور بزدلی کا اور دوسرا غم شکست کا۔

❷ پہلا غم غنیمت کے فوت ہونے کا اور دوسرا غم مشرکین کے جوابی حملے میں نقصانات شدیدہ کا۔

❸ پہلا غم مشرکین کے ہاتھوں قتل ہونے اور نقصان اٹھانے کا اور دوسرا غم اس خوف کا کہ اگر مشرکین راستے سے واپس لوٹ آئے تو وہ سب کو شہید کر دیں گے۔

❹ پہلا غم اپنی جان و مال کے نقصان کا اور دوسرا غم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر کا (جس نے باقی تمام غم بھلا دیئے)۔ اسی صورت کو تھوڑے سے فرق کے ساتھ اختیار کرتے ہوئے ایک مفسر تحریر فرماتے ہیں:

مسلمانوں کو پہلے تو یہ غم تھا کہ دشمن ہمارے تعاقب سے بچ گیا اور مال غنیمت وصول نہ ہو سکا مگر اب جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حالت دیکھی تو اپنا غم تو بھول گئے، تمام تکلیفیں اور مصیبتیں فراموش ہو گئیں اور آپ کی مصیبت ان

سب پر غالب آ گئی وہ حیران تھے کہ یہ کیا ہو گیا، ایک عورت کو خبر دی گئی کہ اس کا والد، اس کا بیٹا اور اس کا خاوند تینوں اس جنگ میں شہید ہو گئے ہیں اس نے تمام باتوں کے جواب میں صرف اتنا پوچھا کہ بتاؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا وہ خیریت سے ہیں اس پر وہ بول اٹھی:

"کل مصیبة بعدك جلل"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو کچھ پرواہ نہیں، یہ تمام مصیبتیں ہیچ ہیں۔

جب مدینہ کی عورتوں کو یہ اطلاع مل گئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو انہوں نے اپنے خاوندوں، بیٹوں اور بھائیوں کی وفات پر ذرہ برابر بھی اظہار رنج نہ کیا (تفسیر الفرقان)

امام رازی رحمہ اللہ ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

وفی الآیة قول ثالث اختاره القفال رحمه الله تعالیٰ قال: وعندنا ان الله تعالیٰ ما اراد بقوله "غمابغم" اثنین وانما اراد مواصلة الغموم وطولها ای ان الله عاقبکم بغموم کثیرة۔

یعنی آیت کی تفسیر میں ایک تیسرا قول بھی ہے جسے امام قفال رحمہ اللہ نے اختیار کیا ہے وہ فرماتے ہیں کہ غمابغم میں دو غم مراد نہیں ہیں بلکہ مسلسل غموں کی بوچھاڑ مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے بہت سے غموں کے ذریعہ تمہیں تنبیہ فرمائی۔ (التفسیر الکبیر)

❻ لکیلا تحزنوا علی مافاتکم ولا مااصابکم تا کہ تم غم نہ کرو اس پر جو ہاتھ سے نکل گئی اور نہ اس مصیبت پر جو تمہیں پیش آئی۔ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

انها متصله بقوله ولقد عفا عنکم اس کا تعلق ولقد عفاعنکم کے ساتھ ہے گویا کہ فرمایا گیا کہ اللہ پاک نے تمہیں معاف فرمادیا تا کہ تم غم نہ کرو الخ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معافی ہر غم اور صدمے کو دور کر دیتی ہے۔

والثانی ان اللام متصله بقوله فاثابکم یا اس کا تعلق فاثابکم کے ساتھ ہے۔ (التفسیر الکبیر)

❼ کلام برکت: "یعنی تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل تنگ کیا اس کے بدلے میں تم پر تنگی آئی تا (کہ) آگے کو یاد رکھو کہ حکم (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) پر چلیے کچھ ہاتھ سے جاوے یا کچھ بلا سامنے آوے۔ (موضح القرآن)

یہ لکیلا تحزنوا کی عجیب تفسیر ہے کہ اللہ پاک نے یہ غم اس لئے دیئے تا کہ دنیا کا غم دل سے نکل جائے اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جذبہ پختہ ہو جائے۔ بے شک دنیا کے غموں کو زیادہ محسوس کرنے والے اطاعت کے جذبہ سے محروم ہو کر اپنی فکر میں مبتلا ہو جاتے ہیں، اس کے بعد والی آیت پر غور کیا جائے تو اس تفسیر کی قدر و قیمت اور بڑھ جاتی ہے۔ (واللہ اعلم)

لكيلا تحزنوا فالمعنىٰ لتتمرنوا على الصبر فی الشدائد فلا تحزنوا على نفع مافات أوضرآت.

یعنی یہ مطلب ہے کہ تمہیں مصیبتوں پر صبر کرنے کی مشق ہوجائے تاکہ تم کسی نفع کے فوت ہونے یا کسی نقصان کے آنے سے غمگین نہ ہوجایا کرو۔ (روح المعانی)

فائدہ

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اس آیت مبارکہ کے ذیل میں غزوۂ احد کے مستند واقعات پر مبنی بہت سی احادیث جمع فرمادی ہیں فجزاهم الله خيرا شائقین تفسیر ابن کثیر میں ملاحظہ فرمالیں۔

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۵۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً

پھر اللہ تعالیٰ نے اس غم کے بعد تم پر چین یعنی اونگھ بھیجی اس نے بعضوں کو تم میں سے

مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ

ڈھانک لیا اور بعضوں کو اپنی جان کا فکر پڑ رہا تھا اللہ تعالیٰ پر جھوٹے خیال

الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ

جاہلوں جیسے کر رہے تھے کہتے تھے ہمارے ہاتھ میں کچھ کام ہے

قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ

کہہ دو کہ سب کام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے وہ اپنے دل میں چھپاتے ہیں جو تیرے سامنے ظاہر نہیں

لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ

کرتے کہتے ہیں اگر ہمارے ہاتھ میں کچھ کام ہوتا تو ہم اس جگہ مارے نہ جاتے

قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ

کہہ دو اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے البتہ اپنے گرنے کی جگہ پر باہر نکل آتے وہ لوگ جن پر

الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ

قتل ہونا لکھا جاچکا تھا اور تاکہ اللہ تعالیٰ آزمائے جو تمہارے سینوں میں ہے

وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾

اور تاکہ اس چیز کو صاف کردے جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید جاننے والا ہے

خلاصہ

❶ اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی نصرت دیکھو کہ غزوۂ احد کے سخت ترین لمحات میں مخلص مجاہدین پر اونگھ طاری فرمائی تاکہ انہیں امن، سکون اور اطمینان نصیب ہو جائے۔ جن لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور دین کی فکر تھی اللہ پاک نے انہیں سکون عطاء فرمادیا۔

❷ گروہ منافقین جن کو بس اپنی جان کی فکر تھی وہ خوف اور پریشانی میں ہی مبتلا رہے اور وہ اونگھ سے محروم رہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے بارے میں غلط گمان باندھتے رہے۔

❸ منافق واویلا کر رہے تھے کہ ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے۔ بظاہر یہ جملہ ٹھیک تھا مگر ان کے دل میں ایک غلط مطلب چھپا ہوا تھا اور وہ یہ کہ اگر جنگ کے شروع میں ہمارا کہنا مانا جاتا تو ہم اس بری طرح سے یہاں احد میں قتل نہ ہوتے۔

❹ ان منافقین کو بتا دیا جائے کہ بے شک اختیار تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کا چلتا ہے۔ باقی جہاں تک تمہارے مشورے کا تعلق ہے تو وہ بالکل فضول بات ہے۔ جس آدمی کے مقدر میں جب اور جہاں مرنا لکھا ہوتا ہے وہ اسی وقت اور اسی جگہ مرتا ہے۔ تم بھی اگر گھر بیٹھ جاؤ تو موت کے وقت اللہ تعالیٰ تمہیں تمہارے مرنے کی جگہ ضرور نکال لائے گا۔

❺ احد میں جو کچھ ہوا اس کا مقصد چھانٹی اور صفائی تھا۔ چھانٹی جماعت میں اور صفائی دلوں کی۔

اقوال وحوالے

❶ ثم انزل علیکم من بعد الغم مخلص مسلمانوں پر حق تعالیٰ نے ایکدم غنودگی طاری کر دی، لوگ کھڑے کھڑے اونگھنے لگے۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاتھ سے کئی مرتبہ تلوار چھوٹ کر زمین پر گری، یہ ایک حسی اثر اس باطنی سکون واطمینان کا تھا جو ایسے ہنگامہ رست خیز میں مؤمنین کے قلوب پر محض خدا کے فضل ورحمت سے وارد ہوا اسکے بعد دشمن کا خوف وہراس سب کافور ہو گیا، یہ کیفیت عین اس وقت پیش آئی جب لشکر مجاہدین میں نظم وضبط قائم نہ رہا تھا۔ بیسیوں لاشیں خاک وخون میں تڑپ رہی تھیں۔ سپاہی زخموں سے چور ہو رہے تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی افواہ نے رہے سہے ہوش وحواس کھو دیئے تھے، گویا یہ سونا بیدار ہونے کا پیام تھا۔ غنودگی طاری کر کے ان کی ساری تھکن دور کر دی گئی اور متنبہ فرما دیا کہ خوف وہراس اور تشویش واضطراب کا وقت جا چکا۔ اب مامون ومطمئن ہو کر اپنا فرض انجام دو فوراً صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو کر لڑائی کا محاذ قائم کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد مطلع صاف تھا دشمن سامنے سے بھاگتا نظر آیا (تنبیہ) ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ عین لڑائی کے موقع پر نعاس (اونگھ) کا طاری ہونا اللہ تعالیٰ کی طرف سے (فتح وظفر کی علامت ہے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فوج کو "صفین" میں ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ (تفسیر عثمانی)

❷ عن عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال : النعاس فی القتال من اللہ وفی الصلوٰۃ من الشیطان (ابن کثیر)

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اونگھ قتال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور نماز میں شیطان کی طرف سے۔

عن ابی طلحۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: کنت ممن تغشہ النعاس یوم احد حتی سقط سیفی من یدی مرارا یسقط وآخذہ ویسقط وآخذہ (بخاری ، ابن کثیر)

حضرت ابو طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں بھی ان میں سے ہوں جن پر احد کے دن اونگھ طاری ہوئی تھی۔

میری تلوار کئی بار میرے ہاتھ سے گری اور میں نے ہر بار گرنے کے بعد اسے اٹھایا۔

❸ وطائفة قدا همتهم انفسهم اور کچھ لوگ ایسے تھے کہ انہیں صرف اپنی جان کی فکر پڑی ہوئی تھی۔

”یہ بزدل اور ڈرپوک منافقین ہیں جن کو نہ اسلام کی فکر تھی نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی (وہ) محض اپنی جان بچانے کی فکر میں ڈوبے ہوئے تھے کہ کہیں ابوسفیان کی فوج نے دوبارہ حملہ کر دیا تو ہمارا کیا حشر ہوگا؟ اس خوف وفکر میں اونگھ اور نیند کہاں؟ (تفسیر عثمانی)

❹ یعني المنافقین معتب بن قشیر واصحابه ،وکانوا خرجوا طمعاً في الغنیمة وخوف المومنین فلم یغشهم النعاس وجعلوا یتاسفون علی الحضور (قرطبی)

(جن کو اپنی فکر پڑی تھی) یعنی منافقین معتب بن قشیر اور اس کے ساتھی، یہ لوگ غنیمت کے لالچ اور مسلمانوں کے ڈر سے میدان احد میں آ گئے تھے ان پر اونگھ طاری نہیں ہوئی اور یہ لوگ میدان جہاد میں آنے پر افسوس کر رہے تھے۔

❺ مابهم الاهم انفسهم لاهم الدین ولا هم رسول الله صلی الله علیه وسلم والمسلمین (البحر المحیط) ان لوگوں کو بس اپنی جان کی فکر تھی، انہیں دین کی، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور مسلمانوں کی کوئی فکر نہیں تھی۔

❻ اپنی جان کی فکر بجائے خود کوئی بری چیز نہیں اگر یہ امر طبعی کے درجہ میں رہے (اور عقلی نظریہ نہ بن جائے) یہاں مراد یہ ہے کہ ان منافقین کو اپنی ہی پڑی تھی اور طبعاً نہ دین کی کوئی فکر تھی نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی خیال تھا۔ (تفسیر ماجدی)

شکست اور پریشانی کے وقت اہل نفاق کا ہمیشہ یہی طرز عمل رہتا ہے اللهم انا نعوذبك من النفاق والشقاق وسوء الاخلاق۔

❼ یظنون بالله غیر الحق ظن الجاهلیة وہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹے خیال جاہلوں جیسے کر رہے تھے۔

”یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے وعدے کہاں گئے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا قصہ ختم ہوا، اب پیغمبر اور مسلمان اپنے گھر واپس جانے والے نہیں سب یہیں کام آئیں گے (مارے جائیں گے) جیسے دوسری جگہ فرمایا بل ظننتم ان لن ینقلب الرسول والمومنون الی اهلیهم ابدا (الفتح) (تفسیر عثمانی)

❽ یظنون ان امر محمد (صلی الله علیه وسلم) باطل وانه لا ینصر (قرطبی)

وہ گمان کر رہے تھے کہ (نعوذ باللہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دین باطل ہے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی نصرت نازل نہیں ہوگی۔

❾ یقولون هل لنا من الامر من شئی کہتے تھے ہمارا کچھ اختیار چلتا ہے؟

یعنی کچھ بھی ہمارا کام بنارہے گا یا بالکل بگڑ چکا، یا یہ کہ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ دینے والوں کے ہاتھ میں کچھ بھی فتح وظفر آئی؟۔ یا یہ معنیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے جو چاہا سو کیا ہمارا یا کسی اور کا کیا اختیار؟ یہ تو الفاظ کے ظاہری معنیٰ تھے لیکن جو دل میں نیت تھی وہ آگے آتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

⓾ لفظه الاستفهام ومعناه الجحد. هل لنا میں استفہام ”جحد“ یعنی انکار کے معنیٰ میں ہے کہ ہمارا کچھ اختیار نہیں ہے۔ (قرطبی)

⑪ قل ان الامر كله لله فرما دیجئے کہ اختیار تو سارا اللہ تعالیٰ کا ہے۔ ”یعنی منافقین کا یہ قول هل لنا من الامر من شئی (یہ) كلمة حق اريد بها الباطل ہے بے شک یہ صحیح ہے کہ تمہارے ہاتھ میں کچھ نہیں سب کام اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے بنائے یا بگاڑے، غالب کرے یا مغلوب، آفت بھیجے یا راحت، کامیاب کرے یا ناکام ایک واقعہ کو ایک قوم کے حق میں رحمت اور دوسری کے لئے نقمت (یعنی عذاب) بنادے سب اسی کے قبضہ میں ہے۔ مگر تم اس قول سے اپنے دل میں جو معنیٰ لے رہے ہو خدا تمہارے دلوں کے چور سے واقف ہے جسے آگے بیان کیا جائے گا (تفسیر عثمانی)

⑫ امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس کے دو معنیٰ بیان کئے ہیں (الف) ای النصر بيد الله ينصر من يشاء ويخذل من يشاء یعنی مدد اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہتا ہے غالب کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے رسوا کرتا ہے۔

ب يعني القدر خيره وشره من الله. یعنی تقدیر اچھی ہو یا بری سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے (تفسیر القرطبی)

⑬ يقولون لو كان لنا من الامر شئی ماقتلنا ههنا کہتے کہ اگر کچھ بھی ہمارا اختیار چلتا (یعنی ہماری بات مانی جاتی) تو ہم یہاں نہ مارے جاتے۔

”اصل چور دل کا یہ تھا هل لنا من الامر من شئی کہہ کر دل میں یہ مطلب لیتے تھے اور پکے مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر آپس میں کہتے ہونگے کہ میاں شروع میں ہماری رائے نہ مانی چند جوشیلے ناتجربہ کاروں کے کہنے پر مدینہ سے باہر لڑنے چلے گئے، آخر منہ کی کھائی، اگر کچھ کام ہمارے اختیار میں ہوتا اور ہمارے مشورہ پر عمل کیا جاتا تو اس قدر نقصان کیوں اٹھانا پڑتا۔ ہماری برادری کے اتنے آدمی مارے گئے۔ یہ کیوں مارے جاتے، اکثر منافقین نسبا انصار مدینہ کی برادری میں شامل تھے اس لئے ماقتلنا ههنا میں ان کے مارے جانے کو اپنا مارا جانا کہا یا یہ مطلب ہے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے کے موافق فتح وظفر اور غلبہ مسلمانوں کے لئے ہوتا تو یہ قتل وجرح کی مصیبت ہم پر کیوں ٹوٹتی۔ (تنبیہ) بظاہر یہ باتیں منافقین نے مدینہ میں کہیں کیونکہ عبداللہ بن ابی جنگ شروع ہونے سے پیشتر اپنی جمعیت کو ساتھ لیکر واپس ہو گیا تھا۔ اس صورت میں ههنا کا اشارہ قرب کی وجہ سے احد کی طرف ہوگا، لیکن بعض

روایات سے ایک منافق معتب بن قشیر کا میدان جنگ میں یہ کلمات کہنا ثابت ہوتا ہے تو شاید بعض منافقین عبداللہ بن ابی کے ہمراہ کسی مصلحت سے واپس نہ ہوئے ہونگے واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

⑭ قال الزبير أرسل علينا النوم ذلك اليوم ،وانی لاسمع قول معتب بن قشير والنعاس يغشانی يقول:لوكان لنا من الامر شئی ماقتلنا ههنا. (قرطبی)

حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ احد کے دن ہم پر اونگھ طاری کی گئی میں اونگھ کی حالت میں معتب بن قشیر (منافق) کا یہ قول سن رہا تھا لوكان لنا من الامر شئی ماقتلنا ههنا.

⑮ ان المنافقين قالوالوكان لنا عقل ماخرجنا لقتال اهل مكة ولما قتل رؤ ساء نا.

یعنی منافقین نے کہا اگر ہمارے اندر عقل ہوتی تو ہم مکہ والوں سے لڑنے کے لئے نہ نکلتے اور نہ ہمارے بڑے قتل کئے جاتے اللہ تعالیٰ نے آیت کے اگلے حصے میں ان کو جواب دیا (قرطبی)

⑯ قل لو كنتم فی بيوتكم یعنی اس طعن و تشنیع یا حسرت وافسوس سے کچھ حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی جو اجل، موت کی جگہ، سبب اور وقت لکھ دیا ہے کبھی ٹل نہیں سکتا، اگر تم گھروں میں گھسے بیٹھے رہتے اور فرض کرو تمہاری رائے سنی جاتی تب بھی جن کی قسمت میں احد کے قریب جس جس پڑاؤ پر مارا جانا لکھا جا چکا تھا وہ کسی نہ کسی سبب سے ضرور ادھر نکلتے اور وہیں مارے جاتے، یہ خدا کا انعام ہے کہ جہاں مارا جانا مقدر تھا مارے گئے مگر اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خوشی کے ساتھ بہادروں کی موت شہید ہوئے، پھر اس پر پچھتانے اور افسوس کرنے کا کیا موقع ہے مردان خدا کو اپنے اوپر قیاس مت کرو۔ (تفسیر عثمانی)

⑰ وليبتلی الله مافی صدوركم فرض الله عليكم القتال والحرب ولم ينصركم يوم احد ليختبر صبر كم وليمحص عنكم سيئاتكم ان تبتم واخلصتم.

یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر قتال اور جنگ کو فرض فرمایا اور تمہیں احد کے دن غلبہ نہیں دیا تا کہ تمہارے صبر واستقامت کا امتحان لے اور تمہارے گناہوں کو مٹا دے اگر تم توبہ کرو اور اخلاص پر رہو۔ (قرطبی)

⑱ والله عليم بذات الصدور "یعنی اللہ تعالیٰ تو دلوں کے پوشیدہ بھید جانتا ہے اس سے کسی کی کوئی حالت پوشیدہ نہیں۔ مقصود یہ تھا کہ تم سب کو ایک آزمائش میں ڈالا جائے تا (کہ) جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے وہ باہر نکل پڑے، امتحان کی بھٹی میں کھرا کھوٹا الگ ہو جائے مخلصین کامیابی کا صلہ پائیں اور ان کے قلوب آئندہ کے لئے وساوس اور کمزوریوں سے پاک وصاف ہوں۔ منافقین کا اندرونی نفاق کھل جائے اور لوگ صاف طور پر ان کے خبث باطن کو سمجھنے لگیں۔ (تفسیر عثمانی)

⑲ وفيها تنبيهٌ على ان الله تعالىٰ غنی عن الابتلاء وانمايبرز صورة الابتلاء لحكم

یعلمها کتمرین المومنین اواظهار حال المنافقین۔ یعنی واللہ علیم بذات الصدور میں اس بات پر بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کا امتحان لینے سے غنی ہے وہ تو ان بعض حکمتوں کی وجہ سے جنہیں وہ خود جانتا ہے امتحان کی صورت ظاہر فرماتا تھا۔ مثلاً ایمان والوں کو مشق کرانے کے لئے یا منافقین کی حالت لوگوں پر ظاہر کرنے کیلئے۔ (روح المعانی)

دعاء

اللھم انا نعوذبک من النفاق والشقاق وسوء الاخلاق۔ اے ہمارے پروردگار ہم آپکی پناہ چاہتے ہیں۔ نفاق، ضد اضدی اور برے اخلاق سے۔ (آمین یا ارحم الراحمین)

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۱۵۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ

بے شک وہ لوگ جو تم میں پیٹھ پھیر گئے جس دن دونوں فوجیں ملیں سو شیطان نے ان کے گناہ کے

الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۗ اِنَّ

سبب سے انہیں بہکادیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کردیا ہے بے شک

اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾

اللہ تعالیٰ بخشنے والا تحمل کرنے والا ہے

خلاصہ

اور جو لوگ اس روز (یعنی غزوۂ احد کے دن) بھاگے تھے تو ان کو شیطان نے ان کے بعض گناہوں کی شامت سے ڈگمگا دیا تھا جو انہوں نے رسول کا کہنا نہیں مانا گھاٹی کو چھوڑ دیا اور خیر اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے معاف کردیا کیونکہ وہ غفور حلیم ہے۔ (تفسیر حقانی)

اقوال وحوالے

۱ استزلهم الشيطان شیطان نے انہیں پھسلا دیا ذکرهم تلك الخطايا فكرهوا لقاء الله معها فاخروا الجهاد حتى يصلح امرهم ويجا هدوا على حال مرضية (تفسير كبير ، كشاف)

شیطان نے انہیں ان کی خطائیں یاد دلا دیں پس انہوں نے ان خطاؤں کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کو پسند نہ کیا اور جہاد کو مؤخر کردیا تاکہ ان کے معاملے کی اصلاح ہوجائے اور پھر وہ اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ حالت میں جہاد کرسکیں۔

۲ واعلم ان المراد: ان القوم الذين تولوا يوم احد عند التقاء الجمعين وفارقوا المكان وانهزموا قد عفا الله عنهم۔

آیت کی مراد یہ ہے کہ وہ حضرات جو غزوۂ احد میں لڑائی کے وقت پیٹھ پھیر کر اپنی جگہ چھوڑ گئے تھے اور پسپا ہوگئے تھے اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا ہے (التفسیر الکبیر)

۳ مخلصین سے بھی بعض اوقات کوئی چھوٹا بڑا گناہ سرزد ہوجاتا ہے اور جس طرح ایک طاعت سے دوسری طاعت کی توفیق بڑھتی ہے ایک گناہ کی نحوست سے شیطان کو موقع ملتا ہے کہ دوسری غلطیوں اور لغزشوں کی طرف آمادہ کرے، جنگ احد میں بھی جو مخلصین مسلمان ہٹ گئے تھے، کسی پچھلے گناہ کی شامت سے شیطان نے بہکا کر ان کا قدم

ڈگمگا دیا چنانچہ ایک گناہ تو یہی تھا کہ تیراندازوں کی بڑی تعداد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی پابندی نہ کی مگر خدا کا فضل دیکھو کہ اسکی سزا میں کوئی تباہ کن شکست نہیں دی بلکہ ان حضرات پر اب کوئی گناہ بھی نہیں رہا حق تعالیٰ کلیۃ ان کی تقصیر معاف فرما چکا ہے کسی کو طعن وملامت کا حق نہیں (تفسیر عثمانی)

❹ ان اللہ غفور حلیم بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے تحمل کرنے والا یہاں دو صفات باری کا اثبات کیا ہے غفور ایک صفت غفر کا اس کا ظہور آخرت میں ہوگا حلیم دوسرے صفت حلم کا اس کا ظہور اسی دنیا میں ہوتا رہتا ہے کہ فوراً مؤاخذہ نہیں کرتا بلکہ توبہ واستغفار کا موقع برابر دیتا رہتا ہے (تفسیر ماجدی)

❺ کلام برکت

اس (آیت) سے معلوم ہوا کہ اس جنگ میں جو لوگ ہٹ گئے ہیں ان پر گناہ نہیں رہا۔ (موضح القرآن)

سورۃ آل عمران مدنیۃ — آیت ۱۵۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا
اے ایمان والو تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جو کافر ہوئے اور وہ اپنے

لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا
بھائیوں سے کہتے ہیں جب وہ ملک میں سفر پر نکلیں یا جہاد پر جائیں اگر ہمارے پاس رہتے تو

عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً
نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تاکہ اللہ تعالیٰ اس خیال سے ان کے دلوں

فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
میں افسوس ڈالے اور اللہ تعالیٰ ہی جلاتا اور مارتا ہے اور اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو

بَصِيْرٌ ﴿۱۵۶﴾
دیکھنے والا ہے

خلاصہ

"ایمان والوں کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ تم اپنی گفتگو میں منافقین جیسے نہ ہو جاؤ کہ ان کی سی باتیں کرنے لگو اس قسم کی باتیں صرف ایمان سے محروم لوگ ہی کر سکتے ہیں، وہ جب دیکھتے ہیں کہ جہاد میں لوگوں کو شہادت نصیب ہوئی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ لوگ اگر جہاد میں نہ جاتے اور ہمارے ساتھ گھروں میں بیٹھے رہتے تو نہ مرتے، گویا (ان کے نزدیک) موت صرف جنگ میں آ سکتی ہے جو آدمی اپنے گھر بیٹھا رہے گا وہ کبھی مرنے والا نہیں۔ ان کی باتوں سے صرف دل میں حسرت اور افسوس پیدا ہوتا ہے جو ایک روحانی عذاب اور بے فائدہ چیز ہے قضا تو کہیں ٹل نہیں سکتی۔ زندگی موت سب اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس لئے سچا مومن موت سے نہیں ڈرتا اور کبھی اس ڈر سے قدم پیچھے نہیں ہٹاتا۔"

عجیب تنبیہ

ظاہری شکست کے بعد ایک خطرناک فتنہ یہ اٹھتا ہے کہ مسلمانوں میں گھسے ہوئے منافقین (جن کو مسلمان ہی سمجھا جاتا ہے) یہ کہنا شروع کر دیتے ہیں کہ شہید ہونے والے مجاہدین اگر ہماری طرح گھر بیٹھے رہتے اور جہاد میں نہ جاتے تو وہ اس طرح سے نہ مارے جاتے۔ ان کا یہ شور اس قدر شدید ہوتا ہے کہ کمزور دل مسلمان بھی ان ہی کی طرح سوچنا شروع کر دیتے ہیں اس لئے اس آیت مبارکہ میں واضح تنبیہ فرما دی کہ اے مسلمانو! تم کافروں والی باتیں اپنی زبان

پر نہ لایا کرو جہاد میں موت سمجھنے والے منافق دراصل کافر اور اللہ تعالیٰ کے منکر ہیں اس لئے ان کا عقیدہ بگڑا ہوا ہے اور وہ اس واضح حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور موت کا وقت اور مقام مقرر ہے ایسے بدنصیب لوگ ہمیشہ افسوس اور حیرت کی آگ میں جلتے رہتے ہیں اس لئے تم ان کے غلط اور کفریہ عقیدے کو زبان پر ہرگز نہ لاؤ۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس واضح تنبیہ نے مسلمانوں کی اصلاح فرمادی اور موت کے بارے میں ان کے عقیدے کو چٹان کی طرح مضبوط بنادیا۔ آج بھی جب کسی جہاد میں مسلمانوں کو ظاہری شکست اور افراد کی شہادت کا سامنا ہوتا ہے تو سچے مسلمان یہی کہتے ہیں کہ ہر کسی کی موت اسکے وقت پر ہی آئی ہے البتہ جو شہید ہوگئے وہ خوش قسمت رہے کہ اللہ پاک نے انہیں قبول فرمالیا ہے۔ مگر کچھ لوگ یہی شور مچاتے ہیں کہ ہائے مرگئے، فلاں نے مروادیا، اگر یہ لوگ نہ جاتے تو بچ جاتے۔ اللہ تعالیٰ کافروں جیسی ان باتوں سے اہل اسلام کی حفاظت فرمائے۔ آمین واللہ اعلم بالصواب۔

اقوال وحوالے

❶ موت وزندگی دونوں کے اسباب تمام تر اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، اس مسبب الاسباب وعلت حقیقی کو چھوڑ کر نظر ظاہری اور فوری اسباب پر جانا اور سفر یا جہاد کو موت یا قتل کی علت تامہ قرار دینا ایک شدید جہالت وسفاہت ہے امریکہ میں اس وقت سوشیالوجی (عمرانیات) کا ایک ماہر فاضل "ڈینی سن" ہے وہ اپنی کتاب میں ایک جگہ لکھتا ہے۔ "مسلمانوں کے اس عقیدۂ تقدیر یا ہر امر تکوینی کو خدا کے تفویض کردینے کی عادت نے نیز عقیدۂ شہادت نے (کہ شہید معاً جنت میں داخل ہوجاتا ہے جہاں اسے بہتر حوریں ملتی ہیں اور کھانے کیلئے سونے کے ظروف) مسلمانوں میں معرکہ جنگ کے اندر بڑی ہی قوت اور استقامت پیدا کردی تھی (ص ۲۰۶) امریکی فاضل کا ایمان نہ عقیدہ تقدیر پر ہے نہ عقیدہ شہادت پر اس پر بھی وہ ان عقیدوں کی نافعیت اور ان کی حیثیت افادی کی داد دینے پر اپنے کو مجبور پا رہا ہے۔ (تفسیر ماجدی)

(اسی لئے امریکہ اور یورپ مسلمانوں کے اس عقیدے کو کمزور کرنے کے لئے بھرپور محنت کررہے ہیں)

❷ کلام برکت

یعنی نیک کام پر نکلے اور مرگئے یا مارے گئے تو نکلنے پر افسوس نہ کرے اس میں انکار (لازم) آتا ہے تقدیر کا۔ اور آخرت کا فائدہ نہ دیکھنا دنیا کے جینے کو عزیز رکھنا سب خصلت ہے کافروں کی (موضح القرآن)

❸ یعنی تم منافقوں کی طرح ایسے لغو (بیہودہ) خیالات کو زنہار (یعنی ہرگز) دل میں جگہ نہ دینا کہ گھر میں بیٹھے رہتے تو نہ موت آتی نہ مارے جاتے۔ (تفسیر عثمانی)

❹ منافقین کہتے ہیں کہ اگر ہمارے وہ رشتہ دار جو جنگ میں مارے گئے ہیں ہمارے ہی پاس رہتے اور لڑائی میں شریک نہ ہوتے اور ہماری ہی طرح (جہاد میں جانے سے) انکار کردیتے تو ان پر یہ مصیبت نہ آتی ظاہر ہے جو کچھ ہونا تھا وہ تو ہوگیا، البتہ ایک حسرت ہے جو ان کے دلوں میں باقی رہ گئی ہے، اس کا غم انہیں زندگی بھر رہے گا

اور اسی میں گھل گھل کر مر جائیں گے، اصل بات یہ ہے کہ زندگی اور موت کا رشتہ فقط خداوند قدوس کے ہاتھ میں ہے، اس کے سوا کوئی بڑی سے بڑی طاقت بھی یہ اختیار نہیں رکھتی، اگر تمام مادی اور جسمانی قوتیں بھی کام کرنے سے رک جائیں، پھر بھی اللہ تعالیٰ روحانی قوتوں کی مدد سے ہمیں زندگی نوازش کر سکتا ہے، جب حالت یہ ہے تو پھر زندگی اور موت کے جھگڑے میں ایک مسلمان کو پڑنے کی کیا ضرورت ہے اسے تو ہمیشہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے پاک نام پر قربان کرنے کو تیار رہنا چاہیے۔ (تفسیر الفرقان)

❺ وہ منافق شہید ہونے والے مسلمانوں کے بارے میں کہتے ہیں لو کانو اعندنا ماماتوا وما قتلوا کہ اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ قتل کئے جاتے۔ ''یعنی خواہ مخواہ باہر نکل کر مرے ہمارے پاس اپنے گھر پڑے رہتے تو کیوں مرتے یا کیوں مارے جاتے، یہ کہنا اس غرض سے تھا کہ سننے والے مسلمانوں کے دل میں حسرت وافسوس پیدا ہو کہ واقعی بے سوچے سمجھے نکل کھڑے ہوئے اور لڑائی کی آگ میں کود پڑنے کا یہ نتیجہ ہوا گھر رہتے تو یہ مصیبت کیوں دیکھنی پڑتی، مگر مسلمان ایسے کچے نہ تھے جوان چکموں میں آ جاتے، ان باتوں سے الٹا منافقین کا بھرم کھل گیا، بعض مفسرین نے لیجعل اللہ ذلک حسرۃ فی قلوبھم میں ''لام عاقبت'' لے کر یوں معنی کئے ہیں کہ منافقین کے زبان و دل پر یہ باتیں اس لئے جاری کی گئیں کہ خدا ان کو ہمیشہ اسی حسرت وافسوس کی آگ میں جلتا چھوڑ دے اور دوسری حسرت ان کو یہ رہی کہ مسلمان ہماری طرح نہ ہوئے اور ہماری باتوں پر کسی نے کان نہ دھرا، گویا اس طرح ''لیجعل'' کا تعلق لاتکونوا سے بھی ہو سکتا ہے (تفسیر عثمانی)

ایک سوال

اس آیت میں فرمایا گیا کہ اے ایمان والو کافروں کی طرح نہ ہو جانا الخ حالانکہ یہ بات کہ لو کانو اعندنا ماماتوا وما قتلوا کافروں نے نہیں منافقوں نے کہی تھی۔

جواب

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فالآیۃ تدل علی ان الایمان لیس عبارۃ عن الاقرار باللسان الخ۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ ایمان صرف زبان سے اقرار کر لینے کا نام نہیں ہے ورنہ منافقوں کو کافر نہ کہا جاتا کیونکہ وہ زبان سے مسلمان ہونے کا اقرار کرتے تھے۔ (تفسیر کبیر)

بعض علماء کے نزدیک اس آیت میں مسلمانوں کو ہر اس کافر جیسا بننے سے منع کیا گیا ہے جو اس طرح کی باتیں کریں (کہ موت جہاد میں ہے وغیرہ) خواہ وہ کافر منافق ہو یا نہ ہو۔ (تفسیر کبیر)

نکتہ

لیجعل اللہ ذلک حسرۃ فی قلوبھم کے تعلق اور معنی کی تعیین میں امام رازی رحمہ اللہ کے دلچسپ کلام

کا خلاصہ ملاحظہ فرمایئے:

لیجعل کا تعلق یا تو قالوا کے ساتھ ہے یعنی منافقوں نے یہ بات کہی تا کہ اللہ تعالیٰ اس بات کو ان کے دل میں حسرت بنادے۔ یہ بات ان کے دل میں حسرت کا باعث کیسے بنی اس پر چھ اقوال ہیں۔

❶ منافقوں نے کہا یہ لوگ اگر جہاد میں نہ جاتے تو نہ مرتے۔ ان کی اس بات سے شہید کے خاندان والوں کے دل میں حسرت وافسوس پیدا ہوتا ہے کہ ہائے کاش ہم اس کو نہ جانے دیتے اور سختی سے روک لیتے، چونکہ ہم نے اسے جانے دیا اس لئے وہ مارا گیا تو گویا ہم اس کی موت کے ذمہ دار ہیں یہ بات سوچ کر ان کے دلوں میں غم اور حسرت کا درد اور بڑھ جاتا ہے۔ مگر یہ بات وہی لوگ کہتے اور سوچتے ہیں جن کے دلوں میں نفاق ہوتا ہے ورنہ سچا مسلمان تو اس غلط نظریہ کو مانتا ہی نہیں اس لئے وہ حسرت سے محفوظ رہتا ہے، تو گویا منافقین کی اس بات سے منافقین ہی کی حسرت بڑھتی ہے۔

❷ منافقین نے جب یہ بات پھیلائی کہ جہاد میں موت ہے تو وہ اور ان کے ساتھی جہاد سے بیٹھ رہے پھر جب مسلمانوں کو جہاد میں فتوحات، غنیمتیں اور غلبہ ملا تو پیچھے بیٹھ رہنے والے ان منافقین کے دل میں افسوس اور حسرت کی آگ لگ گئی۔

❸ یہ حسرت قیامت کے دن کی ہے جب منافقین دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ مجاہدین کو اتنے اونچے درجات اور اعلیٰ انعامات سے نواز رہا ہے تب انہیں اپنی اس بات پر حسرت اور پچھتاوا ہوگا۔

❹ منافقین نے جب یہ شبہ ڈالا تو بعض کمزور دل مسلمانوں نے اسے قبول کرلیا اس پر منافقین نے خوشی منائی کہ ان کا مکروفریب کامیاب رہا تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ عنقریب ان کا یہ عمل ان کے دل میں حسرت اور افسوس بن جائے گا جب انہیں معلوم ہوگا کہ وہ یہ شبہ ڈالنے میں باطل پر تھے۔

❺ ان منافقین کا ہر وقت گمراہی اور شبہات پھیلانے کے لئے محنت کرنا خود ان کے دل کو تنگی، حسرت اور پریشانی میں ڈال دیتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ومن یرد ان یضله یجعل صدره ضیقا حرجًا (الانعام ۱۲۵)

❻ منافقین جب اپنا یہ شبہ پکے مسلمانوں کے دلوں میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں تو وہ ان کی بات نہیں سنتے، تب انہیں اپنی ناکامی اور ذلت پر حسرت ہوتی ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ لیجعل کا تعلق لاتکونوا کے ساتھ ہے تب مطلب یہ ہوا کہ اے ایمان والو! تم ان کافروں، منافقوں جیسے نہ بنو تا کہ تمہارا ان جیسا نہ بننا ان کے دلوں میں افسوس اور حسرت کا باعث بن جائے، کیونکہ منافقین کے عقیدے اور ان کی باتوں کی مخالفت ان کو غم وغصے میں ڈالتی ہے۔ (التفسیر الکبیر)

دعوتِ فکر

آیت مبارکہ کا مطلب بالکل واضح ہے اس کے باوجود ان تمام عبارات کو نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دور حاضر کے مسلمانوں کا عقیدہ کفر اور نفاق کے اثر سے محفوظ ہوجائے۔ پس ہم سب مسلمانوں پر لازم ہے کہ ہم اپنے عقیدے

کو درست کریں اور کبھی بھی کافروں اور منافقوں والا یہ عقیدہ اختیار نہ کریں کہ موت جہاد میں ہے اگر ہم جہاد چھوڑ کر بیٹھ جائیں گے تو ہم بچ جائیں گے۔ بلکہ ہم اپنا عقیدہ اس آیت سے اگلی آیت کے مطابق یہ بنائیں کہ جہاد میں شہادت یا موت کا آنا اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت کا ذریعہ اور بہت اونچی سعادت ہے۔ اور موت کا وقت اور مقام مقرر ہے، جس میں ہرگز تبدیلی نہیں ہوتی۔

واللہ یحیی ویمیت اور اللہ تعالیٰ ہی زندہ کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے

❶ **ای یقدر علی ان یحیی من یخرج الی القتال ویمیت من اقام فی اھلہ (قرطبی)** یعنی وہ اس پر قادر ہے کہ جہاد میں جانے والے کو زندہ رکھے اور گھر بیٹھنے والے کو موت دے دے۔

❷ **وفیہ منع المومنین عن التخلف فی الجہاد لخشیۃ القتل.(روح المعانی)**
اس میں مسلمانوں کو موت کے ڈر سے جہاد چھوڑنے سے منع کیا گیا ہے۔

دعاء

یا اللہ کافروں اور منافقوں جیسے نظریات رکھنے اور ان جیسی غلط باتیں کرنے سے ہم سب مسلمانوں کی حفاظت فرما۔

ربنا لاتزغ قلو بنا بعد اذ ھدیتنا وھب لنا من لدنک رحمۃ انک انت الوھاب

آمین یارب العالمین

سُورَۃُ اٰلِ عِمْرٰن مَدَنِیَّۃ آیت ۱۵۷

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ

اور اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے یا مر گئے تو اللہ تعالیٰ کی بخشش

وَرَحْمَۃٌ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

اور اس کی مہربانی اس چیز سے بہتر ہے جو وہ جمع کرتے ہیں

خلاصہ

جہاد میں شہادت یا موت کا ملنا تمہارے لئے خوب نفع کی چیز ہے۔ کیونکہ اس سے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت نصیب ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت دنیا کی ان تمام نعمتوں سے بہت افضل ہے جن نعمتوں کو لوگ بہت شوق سے چاہتے اور جمع کرتے ہیں۔

ایک شعر

فان تکن الابدان للموت انشئت
فقتل امری ء بالسیف واللّٰہ افضل

ترجمہ: جب بدن موت ہی کیلئے بنائے گئے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی قسم آدمی کا تلوار سے قتل ہونا ہی زیادہ بہتر اور افضل ہے۔
علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ شعر حضرت سیدنا حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے۔ (روح المعانی)

منافقین کے شبہ کا جواب

واعلم ان ھذا ھو الجواب الثانی عن شبھۃ المنافقین الخ۔

اس آیت میں منافقین کے شبہ کا دوسرا جواب دیا گیا ہے، کہ موت نے یقیناً آنا ہے اور کوئی انسان موت یا قتل سے نہیں بچ سکتا تو پھر اگر یہ موت یا قتل اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اور اسکی رضا جوئی میں نصیب ہو جائے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ انسان دنیا حاصل کرنے اور اسکی لذتوں کو جمع کرنے میں مر جائے کیونکہ مرنے کے بعد دنیا کی کسی نعمت سے انسان فائدہ حاصل نہیں کر سکتا۔

یہ جواب بہت عمدہ اور بہت مضبوط ہے۔ کیونکہ انسان جب جہاد میں لگ جاتا ہے تو اپنے دل کو دنیا سے ہٹا کر آخرت کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔ پھر جب اسے موت آتی ہے تو گویا اسکی اپنے دشمن (یعنی دنیا) سے جان چھوٹ گئی اور اسے اپنے محبوب و مطلوب کا وصال نصیب ہو گیا۔ اس کے برعکس اگر وہ موت کے ڈر سے گھر میں بیٹھا رہا

اور دنیا جمع کرنے کی حرص میں لگا رہا تو جب اسے موت آتی ہے تو گویا وہ اپنے محبوب سے جدا ہو گیا اور ایک انجانی (مصیبت کی) جگہ ڈال دیا گیا۔

فلا شك فی کمال سعادة الاول وکمال شقاوة الثانی۔ (التفسیر الکبیر)

اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت بہت بہتر ہے

ارشاد فرمایا گیا

ترجمہ: اگر تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے یا مر گئے تو اللہ تعالیٰ کی بخشش اور اسکی مہربانی اس چیز سے بہتر ہے جو لوگ جمع کرتے ہیں امام رازی رحمہ اللہ نے اس پر ایمان افروز بحث فرمائی ہے وہ لکھتے ہیں:

ان رحمت اللہ ومغفرته خیر من نعیم الدنیا لوجوہ۔

بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت دنیا کی نعمتوں سے بہتر ہے کئی وجوہات کی بنا پر۔

پھر وہ چھ وجوہات ذکر فرماتے ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے: ❶ جو شخص مال جمع کر رہا ہے وہ آج اس کے حصول کی مشقت اور تکلیف اٹھا رہا ہے اور ممکن ہے کہ وہ کل اس مال سے کوئی فائدہ بھی نہ اٹھا سکے اور کل آنے سے پہلے مر جائے، مگر جس نے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مغفرت چاہی (اور حاصل کر لی) وہ ضرور اس سے نفع اٹھائے گا کیونکہ اللہ پاک وعدہ خلافی نہیں فرماتا۔ ❷ ٹھیک ہے وہ مال جمع کرنے والا شخص کل تک نہ مرا اور زندہ رہا مگر یہ تو ممکن ہے کہ اس کا مال کل تک باقی نہ رہے اور ضائع ہو جائے، جبکہ آخرت کی نعمتیں لازوال ہیں۔ ❸ چلیں فرض کر لیں مال جمع کرنے والا بھی کل تک نہ مرا اور اس کا مال بھی ضائع نہ ہوا مگر یہ تو ممکن ہے کہ اس کے ساتھ کوئی ایسا حادثہ پیش آ جائے کہ وہ اپنے مال سے فائدہ اٹھانے کے قابل ہی نہ رہے، مثلاً وہ کسی مرض یا تکلیف میں مبتلا ہو جائے۔ جبکہ آخرت کے نفع میں ایسا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ ❹ ممکن ہے کہ مال جمع کرنے والے کو کل اپنے مال سے فائدہ اور لذت اٹھانے کا موقع مل جائے، مگر دنیا کی تمام لذتوں اور راحتوں کے ساتھ تکلیفیں اور پریشانیاں جڑی ہوئی ہیں، جبکہ آخرت کی لذتیں ہر نقصان اور تکلیف سے پاک ہیں۔ ❺ چلیں فرض کر لیں دنیا کے طلبگار کو یہاں ایسی لذتیں اور فائدے مل گئے جن میں کوئی تکلیف یا نقصان نہیں ہے مگر یہ تو حقیقت ہے کہ دنیا کی لذتیں اور فائدے دائمی نہیں ہیں، بلکہ ختم اور فنا ہونے والے ہیں بلکہ یہاں کی جو لذت جتنی مضبوط اور اچھی ہوتی ہے اسکے ختم اور فنا ہونے کا غم اور افسوس اتنا سخت ہوتا ہے جبکہ آخرت کے فائدے فنا سے محفوظ ہیں۔ ❻ دنیا کے فوائد حسی ہیں اور آخرت کے فوائد عقلی ہیں حسی (یعنی بدنی) فوائد ادنی اور گھٹیا ہوتے ہیں جبکہ عقلی فوائد اعلیٰ اور افضل ہوتے ہیں، کیا ایک گدھے کا اپنے پیٹ اور شرمگاہ سے لذت اٹھانا اس لذت کے برابر ہو سکتا ہے جو مقرب فرشتوں کو انوار الٰہی نصیب ہوتے وقت حاصل ہوتی ہے؟ ان چھ وجوہات کو ذکر کرنے کے بعد امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فهذه المعاقد الستة تنبهك علی مالا نهاية لها من الوجوه الدالة علی صحة قوله سبحانه

وتعالیٰ لمغفرة من الله ورحمة خير مما يجمعون۔

یعنی وجوہات تو بے شمار ہیں ان چھ سے ان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔(التفسیر الکبیر)

❶ اعلم ان المنافقين كانوا يعيرون المومنين فی الجهاد مع الكفار بقولهم الخ.

یعنی منافقین مسلمانوں کو کافروں کے خلاف جہاد کرنے پر طعنے دیا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر یہ لوگ ہمارے ساتھ رہتے (اور جہاد پر نہ جاتے) تو یہ نہ مرتے اور نہ قتل کئے جاتے پھر بعض مسلمانوں سے جہاد میں کمزوری اور سستی سرزد ہوئی یہاں تک کہ احد کے دن کا واقعہ پیش آیا تب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے مسلمانوں کو معاف فرمادیا اور مسلمانوں کو منع فرمایا کہ وہ منافقین جیسی باتیں ہرگز اپنی زبان سے نہ نکالیں، چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے ایمان والو جو شخص تم میں سے جہاد کیلئے جا رہا ہو تو اسے یہ نہ کہو کہ اگر تم نہیں نکلو گے تو نہیں مرو گے اور نہ قتل کئے جاؤ گے بے شک اللہ تعالیٰ ہی زندگی اور موت دیتا ہے۔

فمن قدرله البقاء لم يقتل فی الجهاد ومن قدرله الموت لم يبق وان لم يجاهد.

پس جس کی زندگی کے دن مقدر میں باقی ہونگے وہ جہاد میں قتل نہیں ہوگا اور جس کی موت لکھی ہوگی وہ جہاد میں نہ بھی جائے تب بھی نہیں بچے گا۔اور یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے فرمان والله يحيی ويميت سے اور جو شخص جہاد میں شہید ہوجاتا ہے وہ اگر جہاد میں نہ بھی نکلتا تب بھی ضرور مرجاتا، پس جب موت لازمی چیز ہے اور جہاد میں قتل ہونا ثواب عظیم کا باعث ہے تو پھر بلا فائدہ مرنے سے شہید ہونا ہی انسان کیلئے زیادہ بہتر ہے اور یہی مراد ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول سے ولئن قتلتم فی سبيل الله الاية.(التفسير الكبير)

دعاء

اللهم ارزقنا شهادة فی سبيلك.

اے ہمارے پروردگار ہمیں اپنے راستے کی شہادت نصیب فرما۔آمین یا اللہ یا شہید۔

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۵۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

اور اگر تم مرگئے یا مارے گئے تو البتہ تم سب اللہ تعالیٰ ہی کے ہاں جمع کیے جاؤ گے

خلاصہ

جان بچانے کی فکر چھوڑ دو۔ بلکہ اس بات کی فکر کرو کہ تم سب نے ایک دن ضرور اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ (تب یہاں قربانی دینے والوں کو وہاں خوب نوازا جائے گا)

عبارات وحوالے

❶ امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وعظ وعظهم الله بهذا القول اى لا تفروا من القتال ومما امركم به بل فروا من عقابه واليم عذابه فان مردكم اليه لا يملك لكم احد ضرا ولا نفعاً غيره والله سبحانه وتعالیٰ اعلم (قرطبی)

لا لى الله تحشرون اللہ تعالیٰ نے اس فرمان کے ذریعہ نصیحت فرمائی ہے کہ جہاد سے اور اللہ تعالیٰ کے احکامات سے نہ بھاگو بلکہ اللہ تعالیٰ کی سزا اور اس کے دردناک عذاب سے بچنے کے لئے بھاگو کیونکہ تم سب نے اسی کے پاس لوٹ کے جانا ہے جہاں اس کے سوا تمہارے نفع اور نقصان کا کسی کو کوئی اختیار نہیں ہوگا واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

❷ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

كانه قيل ان تركتم الجهاد واحترزتم عن القتل والموت بقيتم اياماً قليلة فى الدنيا مع تلك اللذات الخسيسة ثم تتركونها لامحالة. فتكون لذاتها لغيركم وتبعاتها عليكم اما لو اعرضتم عن لذات الدنيا وطيباتها وبذلتم النفس والمال للمولىٰ يكون حشركم الى الله ووقوفكم على عتبة رحمة الله وتلذذكم بذكر الله، فشتان مابين هاتين الدرجتين والمنزلين۔ (التفسير الكبير)

یعنی اس آیت میں گویا کہ یوں کہا گیا کہ اگر تم نے جہاد چھوڑ دیا اور (اپنے گمان میں) خود کو شہادت اور موت سے بچالیا تو تم دنیا میں تھوڑے ہی دن (جو تمہاری زندگی کے باقی ہونگے) گھٹیا لذتوں کے ساتھ گذارو گے اور پھر یقیناً تم اس دنیا کو چھوڑ جاؤ گے۔ تمہاری لذتیں دوسروں کے قبضے میں چلی جائیں گی اور ان کا بوجھ تمہارے سر رہ جائے گا۔ لیکن اگر تم نے دنیا کی لذتوں اور نعمتوں سے منہ موڑ لیا اور اپنی جان اور مال کو اپنے مولیٰ کی خاطر قربان کردیا تو تمہیں

اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضری نصیب ہوگی اور تم اکی رحمت کے دروازے پر جگہ پاؤ گے اور تم اللہ تعالیٰ کے ذکر سے لذت اٹھاؤ گے۔ان دونوں درجوں اور منزلوں کے درمیان کتنا بڑا فرق ہے؟

۳ یعنی فرض کرو تم سفر یا جہاد میں نہ نکلے اور فی الحال موت سے بچ گئے مگر (یہ بات) ضروری ہے کہ کبھی نہ کبھی مرو گے یا مارے جاؤ گے پھر بہر حال خدا کے سامنے سب کو جمع ہونا ہے اس وقت پتہ چل جائے گا کہ جو خوش قسمت اللہ تعالیٰ کی راہ میں نیک کام کرتے ہوئے مرے یا مارے گئے تھے ان کو خدا تعالیٰ کی بخشش و مہربانی سے کیا حصہ ملا جس کے سامنے تمہاری دنیا کی کمائی اور جمع کی ہوئی دولت وثروت سب ہیچ ہے۔ حاصل اگر منافقین ہی کا قول تسلیم کر لیا جائے کہ گھر سے نہ نکلتے تو نہ مارے جاتے ،تب بھی سراسر خسارہ تھا کیونکہ اس صورت میں اس موت سے محروم رہ جاتے جس پر ایسی لاکھوں زندگیاں قربان کی جاسکتی ہیں بلکہ جو حقیقت میں موت نہیں حیات ابدی ہے۔

فنا فی اللہ کی تہ میں بقاء کا راز مضمر ہے

جو جینا ہے تو مرنے کے لئے تیار ہو جاؤ

(تفسیر عثمانی)

۴ ولئن متم او قتلتم کہ اگر تم سفر یا جہاد میں مر گئے یا مارے گئے مر کر نیست و نابود نہیں ہو جاؤ گے بلکہ ایک دوسرے پیکر (یعنی جسم) میں حیات جاودانی (یعنی ہمیشہ والی زندگی) پاؤ گے اور اللہ تعالیٰ کے پاس جمع ہو گے، یہ نجات حقیقی ہے کس (اس) لئے کہ وہ نور اصل جملہ روحانیات نورانیہ کا ماویٰ و ملجأ ہے تمام ذرات آفتاب کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں مگر جب کوئی حائل ہو جاتا ہے تو مطلوب حقیقی تک نہ پہنچنے کے سبب جو اضطراب ہوتا ہے وہی بڑا عذاب ہے،اس جملہ میں مر جانے کو مارے جانے پر مقدم کر کے یہ ثابت کر دیا کہ خدا کی رضامندی میں مر جانا بھی فلاح کا باعث ہے،انسان کی تین حالتیں ہیں اول غفلت و گناہ اس کے لئے تو شہادت ''مغفرت'' ہے دوئم (حالت) اصلاح وطاعت ایسی حالت میں شہادت ''رحمت'' (یعنی) باعث ترقی درجات ہے سوئم (حالت) خدا کا شوق ایسی حالت میں شہادت باعث تقرب ہے۔جس کو الی اللہ تحشرون سے تعبیر کیا ہے۔(تفسیر حقانی)

فائدہ

صاحب تفسیر حقانی نے جو نکتہ بیان فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان دو آیات میں شہید کے لئے ترتیب کے ساتھ تین انعامات کا ذکر ہے۔ ۱ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت ۲ رحمت ۳ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری۔تو ان تین انعامات کا تعلق شہید ہونے والے انسان کی تین حالتوں سے ہے اگر وہ گناہ گار انسان ہے تو شہادت سے اسے اللہ تعالیٰ کی مغفرت مل جاتی ہے،اگر وہ اطاعت گذار انسان ہے تو شہادت سے اسے مزید اونچا مقام جو ''رحمت'' کہلاتا ہے نصیب ہو جاتا ہے صاحب روح المعانی کے نزدیک رحمت جنت کا ایک نام بھی ہے اور اگر وہ انسان اللہ تعالیٰ سے

ملاقات کا شوق اور جذبہ رکھتا ہے تو اسے خصوصی "لقاء اللہ" نصیب ہو جاتا ہے۔ حضرت امام رازی رحمہ اللہ نے اس نکتے کو دوسرے طریقہ سے بہت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا ہے ان کے کلام کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں مجاہدین کو اپنی مغفرت کی طرف رغبت دلائی اور اس آیت میں ان کا درجہ بڑھا کر انہیں خود اپنی ذات مبارک کی طرف رغبت دلائی۔ پس کچھ لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں اس کے عذاب سے بچنے کے لئے۔ اور کچھ لوگ عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا اجر پانے کیلئے۔ اور کچھ مقرب لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہی بس اسی کی ذات کے لئے ہیں۔ چنانچہ لمغفرة من اللہ میں اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جو عذاب سے بچنے کے لئے عبادت (جہاد) کرتے ہیں۔ رحمة میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو اجر کے لئے عبادت کرتے ہیں اور لالی اللہ تحشرون میں ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے عبادت کرتے ہیں۔ اور یہی عبدیت کا سب سے اونچا اعلیٰ اور آخری مقام ہے۔ امام رازی رحمہ اللہ اس بحث کا اختتام ان ایمان افروز کلمات پر فرماتے ہیں:

فبين ان هولاء الذين بذلوا انفسهم وابدانهم فی طاعته ومجاهدة عدوه يكون حشرهم اليه۔ واستئنا سهم بكرمه، وتمتعهم بشروق نور ربوبيته۔ (التفسير الكبير)

پس اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اسکے دشمنوں سے جہاد میں اپنی جانیں اور مال قربان کرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضری کا شرف پائیں گے اور اس کے کرم سے انس اور خوشی حاصل کریں گے اور اس کے نور ربوبیت کی روشنی کے مزے لوٹیں گے۔

❺ حالانکہ جو شخص کسی دینی خدمت کے لئے نکلا اور وہاں مرگیا تو اس کا مرنا سب گذشتہ گناہوں کا جبر (یعنی کفارہ) ہوگا اور اگر وہ کام پورا ہونے سے پہلے فوت ہو گیا ہے تو بھی اس کا عمدہ بدلہ اور تنخواہ بند نہیں ہوگی، اگر بالفرض تم سفر نہ کرو اور میدان میں نہ جاؤ تو بھی ضرور مرو گے اور حساب کتاب دو گے جب یہ باتیں ضروری ہیں تو پھر انسان اچھے کام میں کیوں نہ مرے (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

(اس عبارت میں مغفرت، رحمت، موت اور قتل کے الگ الگ مفاہیم کی طرف بہت لطیف اشارہ کیا گیا ہے طلبہ علم غور فرمالیں)

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰن مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۵۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ

پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سبب سے تو ان کیلئے نرم ہوگیا اور اگر تو تند خو اور

الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ

سخت دل ہوتا تو ضرور تیرے گرد سے بھاگ جاتے پس انہیں معاف کردے اور ان کے واسطے بخشش مانگ

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ

اور کام میں ان سے مشورہ لیا کر پھر جب تو اس کام کا ارادہ کرچکا تو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

بے شک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو پسند کرتا ہے

خلاصہ

غزوۂ احد کے موقع پر اگرچہ آپ کے بعض مخلص رفقاء سے غلطی سرزد ہوئی۔ اس غلطی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ان پر سختی کرتے تو آپ حق بجانب تھے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ آپ ان کے لئے نرم مزاج ہیں۔ (اس نرم مزاجی کو اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت اس لئے فرمایا کہ خوش اخلاقی عبادت ہے اور عبادت کی توفیق اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوتی ہے) اگر آپ سخت مزاج اور سخت دل والے ہوتے تو آپ کے پاس سے منتشر ہوجاتے (پھر ان کو یہ فیوض وبرکات کیسے میسر ہوتے) پس آپ کے حکم میں ان سے جو کوتاہی ہوئی ہے اس کو آپ (دل سے بھی) انکو معاف کر دیجئے (اور جو کچھ ان سے اللہ تعالیٰ کے حکم میں کوتاہی ہوئی) اس میں آپ ان کے لئے استغفار کیجئے آپ کا استغفار ان کے ساتھ آپ کی زیادہ شفقت کی علامت ہوگی جس سے ان کو اور زیادہ خوشی نصیب ہوگی اور آپ (بدستور) ان سے خاص خاص باتوں (مثلاً جہاد وجنگ وغیرہ کے معاملات) میں مشورہ لیتے رہا کیجئے (تاکہ امت میں مشورہ کی سنت قائم ہوجائے اور مسلمانوں کی جماعت مضبوط ہوجائے) پھر (مشورہ لینے کے بعد) جب آپ (ایک جانب) رائے پختہ کرلیں (خواہ وہ ان کے مشورہ کے موافق ہو یا مخالف ہو) تو اللہ تعالیٰ پر اعتماد (کر کے اس کام کو کر ڈالا) کیجئے بے شک اللہ تعالیٰ اپنے اوپر توکل کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔ (مستفاد من بیان القرآن وجلالین وغیرھما)

فائدہ

سورۃ آل عمران کی اس آیت (۱۵۹) سے لیکر آیت (۱۶۴) تک مسلمانوں کے امیر اور قائد کی صفات کا بیان

ہے کہ اس میں کون کون سی صفات ہونی چاہییں ، اور اس بات کی طرف بھی اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ جب شکست کیوجہ سے جماعت کا شیرازہ بکھر چکا ہو تو امیر جماعت کو جماعت کو جوڑنے اور دوبارہ ابھارنے کے لئے کیا کیا اقدامات کرنے چاہییں ۔ نیز شکست کے بعد امیر اور مامورین کے تعلق میں جو کھنچاؤ اور پھیکا پن آ جاتا ہے اس کو دور کرنے کا طریقہ بھی سمجھایا گیا کہ امیر اپنے دل کو صاف کر کے نرمی کا معاملہ کرے ، شوریٰ کا نظام قائم کرے وغیرہ اور مامورین اپنے امیر کے خلاف منافقین کے پھیلائے ہوئے وساوس کا شکار نہ ہوں بلکہ پہلے سے بڑھ کر اسکی قدر و منزلت اپنے دل میں رکھیں تا کہ اطاعت آسان رہے اور جماعت مضبوط ہو ۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

اقوال و حوالے

❶ مسلمانوں کو ان کی کوتاہیوں پر متنبہ فرمانے اور معافی کا اعلان سنانے کے بعد نصیحت کی تھی کہ آئندہ اس مار آستین (منافقین کی) جماعت کی باتوں سے فریب مت کھانا اس آیت میں ان کے عفو تقصیر (یعنی غلطی کی معافی) کی تکمیل کی گئی ہے ۔ چونکہ جنگ احد میں سخت خوفناک غلطی اور زبردست کوتاہی مسلمانوں سے ہوئی تھی ۔ شاید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل خفا ہوا ہوگا اور چاہا ہوگا کہ آئندہ ان سے مشورہ لیکر کام نہ کیا جائے اس لئے حق تعالیٰ نے نہایت عجیب پیرایہ (یعنی انداز) میں ان کی سفارش کی ۔ اوّل اپنی طرف سے معافی کا اعلان کر دیا ، کیونکہ خدا کو معلوم تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ اور رنج خالص اپنے پروردگار کے لئے ہوتا ہے پھر فرمایا فبما رحمة من الله لنت لهم یعنی اللہ تعالیٰ کی کتنی بڑی رحمت آپ پر اور ان پر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر خوش اخلاق اور نرم خو بنا دیا ۔ کوئی اور ہوتا تو خدا جانے ایسے سخت معاملہ میں کیا رویہ اختیار کرتا ، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی مہربانی ہے کہ تجھ جیسا شفیق ، نرم دل پیغمبر ان کو مل گیا ۔ فرض کیجئے اگر خدانخواستہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل سخت ہوتا اور مزاج میں شدت ہوتی تو یہ قوم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد کہاں جمع رہ سکتی تھی ۔ ان سے کوئی غلطی ہوتی اور آپ سخت پکڑتے تو شرم و دہشت کے مارے پاس بھی نہ آ سکتے اس طرح یہ لوگ بڑی خیر اور سعادت سے محروم رہ جاتے اور جمعیت اسلامی کا شیرازہ بکھر جاتا لیکن حق تعالیٰ نے آپ کو نرم دل اور نرم خو بنایا ۔ آپ اصلاح کے ساتھ ان کی کوتاہیوں سے اغماض (یعنی چشم پوشی) کرتے رہتے ہیں ۔ سو یہ کوتاہی بھی جہاں تک آپ کے حقوق کا تعلق ہے معاف کر دیجئے اور گو خدا اپنا حق معاف کر چکا ہے ، تاہم ان کی مزید دلجوئی اور تطییب خاطر کے لئے ہم سے بھی ان کے لئے معافی طلب کریں تا (کہ) یہ شکستہ دل آپکی خوشنودی اور انبساط محسوس کر کے بالکل مطمئن اور منشرح ہو جائیں اور صرف معاف کر دینا ہی نہیں آئندہ بدستور ان سے معاملات میں مشورہ لیا کریں ، مشاورت کے بعد جب ایک بات طے ہو جائے اور پختہ ارادہ کر لیا جائے پھر خدا پر توکل کر کے اس کو بلا پس و پیش کر گذریے ، خدا تعالیٰ متوکلین کو پسند کرتا اور ان کے کام بنا دیتا ہے ۔ (تفسیر عثمانی)

تنبیہ

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا۔ ''عزم'' کیا ہے؟ فرمایا مشاورة اهل الرائے ثم اتباعهم (ابن کثیر) اور مجمع الزوئد میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے یارسول اللہ جو بات ہم کتاب وسنت میں نہ پائیں اس میں کیا طریقہ استعمال کریں؟ فرمایا فقہاء عابدین (سمجھدار خدا پرستوں) سے مشورہ کرو ولا تمضو افیه رأی خاصه اور کسی اکے دکے کی رائے مت جاری کرو (تفسیر عثمانی)

۲ نرمی کی حدود:

لیکن نرمی وملاطفت کے بھی شریعت میں حدود مقرر ہیں، جہاں دین کی توہین ہورہی ہو یا احکام دین کے اجرا کی ضرورت ہو وہاں سختی اور سزا لازم ہو جاتی ہے۔

اللین والرفق انما یجوز اذالم یفض الی اهمال حق من حقوق الله فاما اذا ادی الی ذلك لم یجز (کبیر) (تفسیر ماجدی)

۳ اسلام کے نظام سیاسی کو شخصی اور جمہوری (یا عمومی) دونوں سے الگ جو نظام شوریٰ دیا گیا اسکی یہ ایک اہم بنیادی بھی آیت قرآنی ہے۔ اس مشاورت کے بارے میں دونوں قول فقہاء امت سے منقول ہیں، ایک یہ کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر مشورہ لینا واجب تھا۔ دوسرا یہ کہ محض مستحب تھا، وقد اختلف الفقهاء هل کان واجباً علیه او من باب الندب تطییبا لقلو بهم علی قولین (ابن کثیر) ظاهر الامر للوجوب فقوله شاورهم یقتضی الوجوب وحمل الشافعی رحمه الله ذلك علی الندب (کثیر)

بہرصورت (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی) عادت مبارک مشورہ کی تھی بہت زائد (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت کثرت سے مشورہ فرماتے تھے) عن عروة عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها قالت ما رأیت رجلاً اکثر استشارةً للرجال من رسول الله صلی الله علیه وسلم (معالم) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مشورہ کرنے والا نہیں دیکھا (تفسیر ماجدی)

۴ فیصلہ کثرت رائے پر یا؟

اس سے معلوم ہوا کہ امور انتظامیہ متعلقہ بالرائے والمشورہ (یعنی وہ انتظامی معاملات جن میں رائے اور مشورہ لینے کا حکم فرمایا گیا) میں کثرت رائے کا ضابطہ محض بے اصل ہے ورنہ یہاں عزم میں یہ قید ہوتی کہ بشرطیکہ آپ کا عزم کثرت رائے کے خلاف نہ ہو (بیان القرآن)

۵ امیر کی نرم مزاجی محبوب ہے

وقال علیه الصلوة والسلام لا حلم احب الی الله تعالیٰ من حلم امام ورفقه ولا جهل ابغض الی الله من جهل امام وخرقه۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ امیر کا تحمل اور اسکی نرمی

اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اور امیر کی جہالت اور خود سری اللہ تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے (تفسیر کبیر)

❻ خوش اخلاقی کی وجہ

حسن خلق کا باعث یہ ہوتا ہے کہ جب روح پر انوار قدس (یعنی مقدس انورات) فائض (یعنی جاری) ہوتے ہیں تو اس (روح) کی قوت نظریہ اور علمیہ (یعنی عقیدہ اور عمل کی قوت) دونوں مکمل ہو جاتی ہیں پھر جو کچھ صدمہ اس کو پہنچتا ہے اس کو خدا ہی کی طرف سے جانتا ہے نہ کسی پر اس کو (اپنی ذات کی خاطر) غصہ آتا ہے نہ (اپنی ذات کے لئے) انتقام لیتا ہے یا جو راحت (اس کے) غیر کو پہنچتی ہے حسد نہیں کرتا علی ھذا القیاس جس قدر باتیں بدخلقی کی خام خیالی کے متعلق ہیں سب دور ہو جاتی ہیں اور جب اس کو روحانیت کا مشاہدہ ہوتا ہے تو جسمانیات اور یہاں کے لذائذ اسکی آنکھوں میں حقیر ہو جاتے ہیں۔ نہ شہوت ناجائز رہتی ہے نہ حب جاہ ومال جو تمام خرابیوں کا سرچشمہ ہے اور اسی لئے بزرگوں کے اخلاق حمیدہ (یعنی اچھے اور پسندیدہ) ہوتے ہیں۔ آنحضرت علیہ السلام کے اخلاق اس درجہ حمیدہ تھے کہ قرآن میں متعدد جگہ اللہ تعالیٰ نے آپکی مدح کی ہے انك لعلی خلق عظیم (تفسیر حقانی)

❼ بعض جگہ سختی کا حکم

انه تعالیٰ منعه من الغلظة فی هذه الایة وامره بالغلظة فی قوله واغلظ علیهم (التوبه ۷۳) فههنا نهاه عن الغلظة علی المومنین وهناك امره بالغلظة مع الکافرین الخ۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سختی کرنے سے منع فرمایا اور دوسری جگہ فرمایا واغلظ علیهم اور آپ ان پر سختی کریں تو دراصل یہاں آپ کو مسلمانوں پر سختی کرنے سے روکا گیا اور وہاں کافروں پر سختی کرنے کا حکم دیا گیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی طرح ہے اذلة علی المومنین اعزة علی الکافرین (المائدہ ۵۴) کہ وہ اللہ تعالیٰ کے محبوب لوگ مسلمانوں کے لئے نرم ہوں گے اور کافروں کے لئے سخت ہوں گے۔

اور اللہ تعالیٰ کا فرمان اشداء علی الکفار رحماء بینهم (الفتح ۲۹)

(صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کافروں پر سخت اور آپس میں رحم دل ہیں)

تحقیقی بات یہ ہے کہ افراط اور تفریط دونوں برے ہیں اور فضیلت اعتدال میں ہے اس لئے بعض جگہ سختی کا حکم اور بعض جگہ سختی سے منع کیا گیا تاکہ افراط وتفریط سے دور رہیں اور اس اعتدال پر قائم رہیں جو صراط مستقیم ہے (التفسیر الکبیر)

❽ امت کے لئے مشورہ کی افادیت

قال علیه السلام ! "ماتشاور قوم قط الا هدوا لارشد امرهم" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو قوم مشورہ کرتی ہے اسے درست معاملے کی طرف رہنمائی عطاء کر دی جاتی ہے (امام قرطبی رحمہ اللہ نے اسے حسن بصری رحمہ اللہ کا قول قرار دیا ہے۔ قرطبی) قال الحسن وسفیان بن عیینة انما امر بذلك

لیقتدی به غیره فی المشاورة ویصیر سنة فی امته۔ حسن بصری رحمہ اللہ اور سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کا حکم اس لئے دیا گیا تا کہ دوسرے لوگ اس میں آپ کی اقتداء کریں اور مشورہ اس امت کا طریقہ بن جائے۔ (تفسیر کبیر)

⑨ مشورہ کا حکم جہاد کے ساتھ خاص تھا یا نہیں؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے رفقاء کے ساتھ مشاورت کا حکم دیا گیا تھا یہ مشاورت امور جہاد میں تھی یا ان تمام امور میں جن میں وحی کا نزول نہیں ہوتا تھا۔ امام رازی رحمہ اللہ نے دونوں طرح کے اقوال ودلائل کے ساتھ جمع فرمادیئے ہیں تفسیر کبیر ملاحظہ فرمالیجئے۔

⑩ اسباب توکل کے منافی نہیں ہیں

دلت الاية على انه ليس التوكل ان يهمل الانسان نفسه كما يقوله بعض الجهال والالكان الامر بالمشاورة منافياً بالتوكل بل التوكل هو ان يراعى الانسان الاسباب الظاهرة ولكن لا يعول بقلبه عليها بل يعول على عصمة الحق (التفسير الكبير)

یعنی اسباب کا اختیار کرنا توکل کے منافی ہوتا تو مشورہ کا حکم نہ دیا جاتا۔ اس لئے توکل کا معنیٰ یہ ہے کہ ظاہری اسباب اختیار تو کیے جائیں مگر اعتماد ان پر نہیں اللہ تعالیٰ پر رہے۔

⑪ اعتماد کی چیز اللہ تعالیٰ کی ذات ہے نہ کہ انسانی مشورے

قال قتادة امر الله تعالىٰ نبيه عليه السلام اذا عزم على امر ان يمضى فيه ويتوكل على الله لا على مشاورتهم۔ (قرطبی)

قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ جب آپ کسی کام کا عزم کرلیں تو وہ کرگزریں اور توکل اللہ تعالیٰ پر کریں نہ کہ ان کے مشورہ پر۔ (یعنی مشورہ اچھی چیز ہے مگر وہ بھی سبب کے درجہ میں ہے اس لئے اصل بھروسہ اللہ تعالیٰ کی ذات پر ہو)

⑫ مشورہ کے بارے میں چند اقوال

☆قال ابن عطية: والشورىٰ من قواعد الشريعة وعزائم الاحكام من لا يستشير اهل العلم والدين فعزله واجب ابن عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مشورہ شریعت کی بنیادوں اور اہم احکامات میں سے ہے پس جو حاکم اہل علم اور علم دین سے مشورہ نہ کرتا ہو اسے معزول کردینا واجب ہے۔

☆وكان يقال ماندم من استشار۔ یعنی کہا جاتا تھا کہ جو مشورہ کرتا ہے اسے پچھتانا نہیں پڑتا۔

☆وكان يقال من أعجب برايه ضل۔ اور کہا جاتا تھا کہ جسے اپنی رائے پر عجب ہو وہ گمراہ ہو جاتا ہے۔

☆وقال بعضهم شاور من جرب الامور ،فانه يعطيك من رأيه ماوقع عليه غالياً وانت تأخذه مجانا۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ تجربہ کار لوگوں سے مشورہ کیا کرو کیونکہ وہ تمہیں ایسی رائے مفت دے دے گا جس تک وہ بہت قیمت خرچ کر کے پہنچا ہوگا۔

☆قال البخاری رحمه الله وكانت الائمة بعد النبی صلی الله عليه وسلم يستشيرون الامناء من اهل العلم فی الامور المباحة ليا خذوا باسهلها۔

☆وقال سفيا ن الثوری :ليكن اهل مشور تك اهل التقویٰ والامانة ومن يخشی الله تعالیٰ۔
سفیان ثوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تمہارے اہل مشورہ تقویٰ والے امانت دار اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے لوگ ہونے چاہییں۔ یہ تمام اقوال امام قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں نقل فرمائے ہیں۔

امیر کی صفات

اس آیت مبارکہ سے امیر کی درج ذیل صفات معلوم ہوئیں۔

❶ نرم دل اور اچھے اخلاق والا ہو۔

❷ اپنے رفقاء کو (شرعی حدود میں رہتے ہوئے) معاف کرنے والا ہو۔

❸ اپنی جماعت اور رفقاء کے لئے استغفار کرتا ہو۔ (اشارۃ معلوم ہوا کہ خود اپنے لئے بھی کثرت سے توبہ استغفار کا عادی ہو)

❹ جماعت کا نظام مشورہ سے چلاتا ہو۔

❺ صاحب عزم یعنی پختہ عزم کا مالک ہو۔

❻ توکل صرف اللہ تعالیٰ پر کرتا ہو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۶۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا

اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا تو تم پر کوئی غالب نہ ہو سکے گا اور اگر اس نے مدد چھوڑ دی تو پھر ایسا کون ہے

الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

جو اس کے بعد تمہاری مدد کر سکے اور مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے

خلاصہ

فتح اور شکست اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، وہ نصرت فرمادے تو فتح کو کوئی روک نہیں سکتا اور اگر وہ نصرت اٹھالے تو کسی اور کی مدد کچھ کام نہیں آتی۔ پس ایمان والوں کا کام ہے کہ اللہ تعالیٰ سے جڑے رہیں اور اسی پر کامل بھروسا رکھیں۔

اقوال وحوالے

① اطاعت کی ترغیب

امام رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

المقصود من الآية الترغيب في الطاعة والتحذير عن المعصية (تفسير الكبير) آیت کا مقصود اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ترغیب دینا اور اسکی نافرمانی سے روکنا ہے کیونکہ اس کی نصرت اسی سے نصیب ہوتی ہے۔

② ازالۂ حسرت

بعض مفسرین مثلاً امام ابوحیان رحمہ اللہ وغیرہ کے نزدیک آیت کا مقصد صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے دلوں سے اس حسرت کو دور کرنا ہے جو شکست کی وجہ سے ان کے قلوب پر طاری تھی چنانچہ صاحب بیان القرآن تحریر فرماتے ہیں۔

حاصل ازالۂ حسرت کا یہ ہوا کہ غالب و مغلوب کرنا خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے مثلاً بدر میں اپنی رحمت سے غالب کردیا، احد میں اپنی حکمت سے مغلوب کردیا پس جب پورا پورا یہ امر تمہاری قدرت میں نہیں تو اس قدر اس کے پیچھے اپنے جی کو نہ ڈالو، جو ہوگیا سو ہوگیا، اسمیں جو آفت معصیت سے آئی اس سے توبہ کرلو آئندہ کے لئے اللہ تعالیٰ پر نظر رکھو یعنی اس سے توفیق مانگو کہ معصیت سے محفوظ رکھیں۔ (بیان القرآن)

③ جہاد جاری رکھیں

مسلمانوں کا فرض ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ میں کسی رکاوٹ کی پرواہ نہ کریں، ضرور انہیں کو کامیابی ہوگی۔ (تفسیر الفرقان)

فائدہ

اس آیت سے امیر کی یہ صفات سمجھی جاسکتی ہے کہ وہ توکل علی اللہ کے اس مقام پر فائز ہو کہ فتح وشکست ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ جڑا رہے اور جماعت کو بھی جوڑے رکھے نیز وہ خود کو اور اپنی جماعت کو اللہ تعالیٰ کی طاعت میں لگائے اور معصیت سے روکے تاکہ اللہ تعالیٰ کی نصرت نازل ہو اور وہ مخلوق اور سامان کی بجائے اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر جہاد کو جاری رکھنے والا ہو۔ (واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ — آیت ۱۶۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ

اور کسی نبی کو یہ لائق نہیں کہ خیانت کرے اور جو کوئی خیانت کرے گا اس چیز کو

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ

قیامت کے دن لائے گا جو خیانت کی تھی پھر ہر کوئی پورا پالے گا جو اس نے کمایا تھا اور وہ

لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

ظلم نہیں کیے جائیں گے

خلاصہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بہت بلند ہے، آپ امانت کے سب سے اونچے درجے پر فائز ہیں۔ خیانت کا کوئی بھی کام آپ کے قریب نہیں آسکتا۔ اس لئے کہ خیانت تو بڑا گناہ ہے، اور جو شخص خیانت کرے گا قیامت کے دن اس چیز کو اور اس کے وبال کو اپنے اوپر اٹھا کر لائے گا۔ پھر ان خائنوں کو ان کے جرم کی پوری پوری سزا دی جائے گی اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

فائدہ

❶ شکست کے بعد جماعت کو سنبھلنے اور ابھرنے کا نسخہ بتایا جا رہا ہے، جس کا ایک اہم جزو یہ ہے کہ جماعت صحابہ کے تمام افراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بدظنی اور بدگمانی نہ رکھیں اور نہ منافقین کی باتوں میں آکر ان کے دلوں میں آپ کا احترام اور ادب کمزور ہو۔ شکست کے بعد عمومی طور پر یہ فتنہ بھی آتا ہے کہ امام کے خلاف آوازیں اٹھنا شروع ہو جاتی ہیں۔ اگر جماعت کے لوگ اس کا اثر لے لیں تو جماعت کی قوت اور شوکت ختم ہو جاتی ہے اور اس کا رعب ٹوٹ جاتا ہے۔

صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں: اس میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم غنائم کے تقسیم کرنے میں کوئی مصلحت ملحوظ رکھیں یا قوم یا رفاہ عام کے لئے اس میں سے کچھ حصہ بیت المال میں جمع کریں یا کسی وجہ سے تقسیم غنائم میں دیر ہو تو تم منافقوں کے کہنے سے اپنے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف ایسی بدگمانی جائز نہ رکھو، منافق عبداللہ بن ابی وغیرہ ایسے ایسے شبہات مسلمانوں کے دلوں میں ڈالا کرتے تھے اور یہ ضرور (یعنی لازمی بات) ہے کہ جب سردار (یعنی امام اور امیر) کی نسبت ناجائز بدگمانیوں کا دروازہ کھلتا ہے تو (اس کا) انجام (یہ

ہوتا ہے کہ) بغاوت اور پھوٹ پڑ کر قوم اور ملت کی شوکت اور برکت جاتی رہتی ہے یہ (یعنی اس آیت میں) اہل اسلام کو اپنے سرداروں اور پیشواؤں کی نسبت ادب ملحوظ رکھنا تعلیم فرمایا (تفسیر حقانی)

❷ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ نرمی اور خوش اخلاقی کا حکم دیا گیا۔اب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو سمجھایا جارہا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نرمی، تواضع اور خوش اخلاقی کا یہ مطلب نہیں کہ تمہارے دلوں میں انکے ادب واحترام میں کمی آجائے اور منافقوں کی باتیں عام لوگوں کی زبانوں پر آجائیں۔وہ اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے تم سے نرمی رکھتے ہیں تو تم بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ان کے بلند مقام اور شان کو سمجھو اور اس کے مطابق ان کے ساتھ معاملہ کرو۔

❸ شکست کے بعد جماعت میں جو پھوٹ اور کمزوری آجاتی ہے اس کو دور کرنے کے لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل مبارکہ کا بیان چل رہا ہے تاکہ مامورین اپنے امیر سے پوری محبت اور عقیدت کے ساتھ جڑ جائیں اور اس طرح سے جماعت مضبوط ہو جائے۔(واللہ اعلم بالصواب)

مطالبِ آیت

’’اس (آیت) سے غرض یا تو مسلمانوں کی پوری طرح خاطر جمع کرنا ہے (یعنی ان کو تسلی دینا ہے) تا (کہ وہ) یہ وسوسہ نہ لائیں کہ شاید حضرت نے ہم کو بظاہر معاف کر دیا اور دل میں خفا ہیں پھر کبھی خفگی نکالیں گے۔(یعنی غلول کا معنیٰ ’’چھپانا‘‘ اور مطلب یہ ہوا کہ نبی زبان سے کچھ کہیں اور دل میں کچھ اور چھپائیں تو ایسا ممکن نہیں ہے) یہ کام نبیوں کا نہیں کہ دل میں کچھ اور ظاہر میں کچھ۔یا مسلمانوں کو سمجھانا ہے کہ حضرت کی عظمت اور عصمت و امانت کو پوری طرح (اپنے دل دماغ اور عمل میں) متحضر (یعنی حاضر) رکھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کبھی کوئی لغو اور بیہودہ خیال (دل و دماغ میں) نہ لائیں مثلاً یہ گمان نہ کریں کہ غنیمت کا کچھ مال چھپا رکھیں گے (العیاذ باللہ) شاید یہ اس واسطے فرمایا کہ وہ تیرانداز غنیمت کے لئے مورچہ چھوڑ کر دوڑے تھے، کیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو حصہ نہ دیتے؟ یا بعضی چیزیں چھپا رکھتے؟ اور بعض روایات میں ہے کہ بدر کی لڑائی میں ایک چیز (چادر یا تلوار) غنیمت میں گم ہوگئی تھی، کسی نے کہا شاید حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے واسطے رکھی ہوگی۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔بہر حال مسلمانوں کو سمجھانا ہے کہ اگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نرم خوئی اور خوش خلقی سے تمہاری غلطیوں کو معاف کرتے ہیں تو تم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان اور عصمت و نزاہت کا زیادہ پاس (یعنی خیال) رکھنا چاہیے، کسی قسم کا کمزور اور رکیک خیال مؤمنین کے پاس نہ آئے۔(تنبیہ) ’’غلول‘‘ کے اصل معنیٰ غنیمت میں خیانت کرنے کے ہیں۔لیکن کبھی مطلق خیانت کے معنیٰ میں آتا ہے بلکہ بعض اوقات محض ایک چیز کے چھپالینے پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا غلوا مصاحفکم (تفسیر عثمانی)

نبی معصوم ہیں

ماکان لنبی ان یغل نبی کا کام نہیں کہ خیانت کرے۔

والمعنیٰ انه لایمکن ذلك منه لان الغلول معصیة والنبی صلی الله علیه وسلم معصوم من المعاصی (البحر المحیط)

مطلب یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خیانت کا ہونا ممکن ہی نہیں کیونکہ خیانت گناہ ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمام گناہوں سے معصوم ہیں۔

غنیمت میں خیانت کبیرہ گناہ ہے۔قال العلماء والغلول کبیرة من الکبائر بدلیل هذه الایة ومانکرنا ہ من حدیث ابی هریرة انه یحمله علی عنقه وقد قال فی مدعم والذی نفسی بیده الخ. علماء فرماتے ہیں کہ مال غنیمت میں خیانت کبیرہ گناہ ہے اس قول کی دلیل ایک تو یہ آیت مبارکہ ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ روایت جو ہم ذکر کر چکے ہیں کہ خیانت کرنے والا اس چیز کو جو اس نے خیانۃً لی تھی قیامت کے دن اپنی گردن پر لاد کر لائے گا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدعم (ایک غلام جو جہاد میں مارے گئے تھے) کے بارے میں فرمایا قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے وہ چادر آگ بن کر اس پر بھڑک رہی ہے جو اس نے خیبر کے دن غنیمت تقسیم ہونے سے پہلے اٹھالی تھی جب لوگوں نے یہ بات سنی تو ایک صاحب ایک یا دو تسمے لیکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے (کہ یہ میں نے تقسیم سے پہلے اٹھا لئے تھے) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک تسمہ یا دو تسمے آگ کے ہیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا (غلام پر آگ کے بھڑکنے کو) قسم کھا کر بیان فرمانا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسکی نماز جنازہ ادا نہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ مال غنیمت میں خیانت بہت بڑا گناہ ہے اور یہ کبائر میں سے ہے۔(القرطبی)

اسلام میں نبی کی شان

مشرک غریب تو سرے سے جانتے ہی نہ تھے کہ مرتبۂ نبوت کس منصب عظیم کا نام ہے، اور پیغمبرانہ اخلاق کے معنیٰ کیا ہوتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ البتہ پیغمبروں کے نام اور کارناموں سے آشنا تھے، لیکن ان ظالموں نے بھی رفتہ رفتہ مرتبۂ نبوت کی اخلاقی عظمت کو بالکل ہی بھلا دیا تھا اور نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کاہن قسم کا محض ایک پیشگوئی کرنے والا انسان سمجھ رکھا تھا آیت ان سب غلط خیالوں کی اصلاح کر رہی ہے (اور نبی کی عظمت، شان اور پاکی بیان کر رہی ہے) (تفسیر ماجدی)

خائن قیامت کے دن

ومن یغلل یأت بما غل یوم القیمة اور جو کوئی خیانت کرے گا اس چیز کو قیامت کے دن لائے گا جو

خیانت کی تھی۔اس کی تفسیر میں علامہ قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں

ای یأتی به حاملا له علی ظهره ورقبته معذبابحمله وثقله ومرعوباً بصوته وموبخا باظهارخیانته علی رؤوس الاشهاد (القرطبی)

یعنی وہ اس چیز کو اپنی پیٹھ اور گردن پر اٹھا کر لائے گا اس چیز کے بوجھ سے اسے عذاب دیا جائے گا۔اس چیز کی آواز سے وہ دہشت زدہ ہوگا اور تمام لوگوں کے سامنے اسکی خیانت کا اعلان کر کے اسے ذلیل کیا جائے گا۔(العیاذ باللہ)

فائدہ

امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک اس آیت میں دو قرأتیں ہیں یَغُلَّ (کہ نبی خیانت نہیں کر سکتے) اور یُغَلَّ (کہ نبی کے ساتھ خیانت نہ کی جائے) پہلی قرأت کے اعتبار سے اس آیت کے شان نزول میں چھ روایتیں ہیں اور دوسری قرأت کے مطابق اس میں مسلمانوں کو خیانت سے منع کیا گیا ہے اور اس کا شان نزول ہوازن کی غنیمت میں سے ایک شخص کا چھوٹی سی خیانت کرنا ہے۔ یہ ہے خلاصہ امام رازی رحمہ اللہ کی تقریر کا۔شان نزول کی چھ روایات اور مال غنیمت میں خیانت کی وعیدوں کی تفصیل کے لئے شائقین تفسیر کبیر کی طرف رجوع فرمائیں۔

نکتہ

گذشتہ آیت میں احد کا واقعہ مذکور تھا کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کی بکھری ہوئی قوت کو کس طرح جمع کیا،اب یہ سوال وارد ہو سکتا تھا کہ آئندہ اس کام کے کرنے والے کس قسم کے آدمی ہونگے لہذا بتلایا گیا کہ جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صفت کا اپنے آپ کو نمونہ بنالیں گے وہ خیانت نہیں کریں گے اور کوئی چیز مسلمانوں سے چھپا کر اپنے لئے خاص نہیں کریں گے اس قسم کے آدمی آپ کے نائب ہونگے۔(حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

فائدہ

اس آیت سے امام اور امیر کی یہ لازمی صفت معلوم ہوگئی کہ وہ امانتدار ہو۔مال میں خیانت نہ کرے امانتدار سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ وہ ''حب دنیا'' کا مغلوب نہ ہو۔(واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۱۶۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰہِ کَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰہِ وَمَاْوٰىہُ

آیا وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا تابع ہے اس کے برابر ہوسکتا ہے جو غضب الٰہی کا مستحق ہوا اور اس کا ٹھکانا

جَھَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ (۱۶۲)

جہنم ہے اور وہ کیسی بری جگہ ہے

خلاصہ

نبی تو سراسر رضا مندیٔ الٰہی کے تابع ہوتے ہیں وہ صرف وہی کام کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہوتے ہیں اور خیانت کرنے والا تو اللہ تعالیٰ کی ناراضی حاصل کر کے جہنم کی بری جگہ کو اپنا ٹھکانا بناتا ہے۔ یہ دونوں کبھی برابر نہیں ہوسکتے۔

اقوال وحوالے

❶ افمن اتبع رضوان اللہ یرید بترک الغلول والصبر علی الجهاد کمن بآء بسخط من اللہ یرید بکفر او غلول اوتول عن النبی صلی اللہ علیه وسلم فی الحرب۔(قرطبی)

اللہ تعالیٰ کی رضا چاہنے سے مراد خیانت نہ کرنا اور جہاد پر ڈٹ جانا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی کمانے سے مراد کفر یا خیانت یا جہاد میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جانا ہے۔

❷ وقال الزجاج ایضاً رضوان اللہ الجهاد والسخط الفرار (البحر المحیط)

زجاج رحمہ اللہ کا یہ بھی قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا جہاد اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی جہاد سے فرار ہے۔

❸ امام غزالی رحمہ اللہ نے افمن اتبع رضوان اللہ اور کمن باء بسخط من اللہ کے مصداق میں کئی اقوال نقل فرمائے ہیں تفسیر کبیر میں ان تمام اقوال کو نقل کرنے کے بعد وہ لکھتے ہیں۔

وقال القاضی کل واحد من هذه الوجوه صحیح ولکن لایجوز قصر اللفظ علیه لان اللفظ عام فوجب ان یتناول الکل الخ۔ اور قاضی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تمام اقوال درست ہیں لیکن لفظ کو کسی ایک معنیٰ کے ساتھ خاص کر دینا درست نہیں ہے کیونکہ لفظ عام ہے اس لئے سب کو شامل ہوگا پس جو بھی اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرے گا وہ اتبع رضوان اللہ میں شامل ہے اور جو بھی اپنے نفس اور خواہشات کی پیروی میں پڑ جائے گا وہ کمن باء بسخط من اللہ میں داخل ہوگا۔(التفسیر الکبیر)

فائدہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بہت بلند ہیں اور آپ سے خیانت کا تصور بھی محال ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ آپ سراسر اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے تابع ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف وہی کام کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتے ہیں۔ پس اخلاص کا یہ اونچا مقام اور اپنی ذاتی اغراض کا بالکل چھوڑ دینا یہ بات انسان کے اندر اعلیٰ اخلاق اور امانت پیدا کرتی ہے۔ پس امیر اور امام کی یہ صفت بھی اس آیت سے سمجھی جاسکتی ہے کہ وہ اپنی ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات کا تابع نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا طالب ہو۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فقط وہی شخص اسلامی خدمت کر سکے قابل ہے جو قانون الٰہی پورا کرنے کے لئے اپنے مقاصد کو موخر کر سکتا ہو۔ (یعنی ذاتی مقاصد کو) (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

نکتہ

جب انسان کی روح پر تجلی ذاتی ہوتی ہے اور کدورات بشریہ کو آب عصمت سے دھویا جاتا ہے تو اس سے ہرگز معصیت سرزد نہیں ہوسکتی یہاں سے آنحضرت علیہ السلام کا معصوم ہونا پایا گیا۔ (تفسیر حقانی)

دعاء

اللھم انا نعوذ برضاك من سخطك وبمعافاتك من عقوبتك ونعوذبك منك جل وجهك لا نحصي ثناءً عليك انت كما اثنيت على نفسك۔

سورۃ آل عمران مدنیۃ آیت ۱۶۳

بسم اللہ الرحمن الرحیم

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

اللہ تعالیٰ کے ہاں لوگوں کے مختلف درجے ہیں اور اللہ تعالیٰ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں

خلاصہ

ان میں سے ہر ایک کے اللہ تعالیٰ کے ہاں الگ الگ درجات ہیں اور اللہ تعالیٰ سب کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔

اقوال و حوالے

❶ کلام برکت:...... یعنی نبی اور سب خلق برابر نہیں طمع (یعنی لالچ) کے کام اونی (یعنی گھٹیا کام) نبیوں سے نہیں ہوتے (موضح القرآن)

❷ من اتبع رضوان اللہ اور من باء بسخط من اللہ والوں کے بے انتہا مدارج نکل سکتے ہیں چونکہ دونوں جنسیں (یعنی دونوں قسم کے لوگ) برابر نہیں ہیں اس لئے نیابت نبوی کے لئے من اتبع رضوان اللہ والوں میں سے آدمی ہونا چاہیے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

❸ پھر فرماتا ہے کہ یہ اہل اصلاح خدا کے نزدیک باعتبار استعداد نفوس کے سعادت اور کمال کے مختلف درجوں پر ہیں۔ (تفسیر حقانی)

نکتہ

جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب انسانوں کا درجہ برابر نہیں تو دنیا میں انسانوں کو بھی درجات کا لحاظ رکھنا چاہیے اور یہ سمجھ کر کہ سب انسان برابر ہیں نبی کے ادب واحترام میں کمی نہیں کرنی چاہیے اور نہ ان کی اطاعت میں کمزوری دکھانی چاہیے۔ اللہ پاک نے ہر ایک کو الگ درجہ دیا ہے پس لوگوں کے ساتھ ان کے درجات کے مطابق معاملہ کرنا چاہیے اس میں بھی ”اطاعت امام“ کا پہلو نکلتا ہے۔ چنانچہ امام ابوحیان، حضرت مجاہد اور قتادہ رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ای ذو درجات فان بعض المومنین افضل من بعض (البحر المحیط) یعنی لوگ درجات والے ہیں کیونکہ بعض مسلمان دوسرے بعض سے افضل ہیں۔ پس اسی افضلیت کا دل سے اعتراف انسان کے لئے اطاعت کو آسان کرتا ہے۔ اور اس سے دین اور جماعت کو مضبوطی ملتی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

❹ واللہ بصیر بمایعملون اور اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔“ پھر تنبیہ کرتا ہے کہ خدا بندوں کے اعمال دیکھ رہا ہے اس سے ہر شخص کو ہر وقت ڈرنا چاہیے امانت ملحوظ رکھنے کے لئے یہ جملہ کہا (یعنی فرمایا) ہے (یہ) تاکید (ہے) اور (سابقہ) مضمون کی لہر (یعنی حصہ) ہے۔ (تفسیر حقانی)

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰن مَدَنِیَّۃٌ آیت ۱۶۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ

اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان کیا ہے جو ان میں انہی میں سے رسول بھیجا

اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب

وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾

اور دانش سکھاتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے

خلاصہ

بے شک اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان کے پاس ایک ایسے رسول مبعوث فرمائے جو ان ہی میں سے ہیں۔ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھکر سناتے ہیں۔ اور ان کا تزکیۂ نفس کر کے انہیں ہر طرح کی برائیوں سے پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اللہ اور حکمت کی تعلیم دیتے ہیں حالانکہ اس سے پہلے یہ لوگ کھلی گمراہی میں بھٹک رہے تھے۔

ربط

پچھلی آیات میں تذکرہ غزوۂ احد کے حالات واثرات وغیرہ کا چل رہا ہے۔ تو اس آیت کا ماقبل سے کیا ربط ہے اور جہاد سے کیا تعلق ہے؟ حضرات مفسرین کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

❶ مال غنیمت میں خیانت ایسی ہستی سے کس طرح ممکن ہے جن کا وجود پورے عالم پر احسان ہے، اور تلاوت آیات، تزکیۂ قلوب اور تعلیم کتاب وحکمت جن کے اعمال ہیں۔ اور جن کے آنے سے پہلے تم لوگ خود ذلت وگمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ ان کی تعلیم وتربیت نے تمہیں جو اعلیٰ مقامات دیئے ان سے اندازہ لگالو کہ خود ان کا مقام کیا ہوگا؟ کیا ایسی ہستی سے ''غلول'' جیسا گناہ ممکن ہے اور کیا ایسی ہستی فرض امانت کے اداء کرنے میں کسی طرح کی کوئی خیانت اور کمی کرسکتی ہے؟ (تفسیر کبیر اور بیان القرآن وغیرہ میں ربط کی جو وجوہات لکھی ہیں یہ ان سب کا خلاصہ ہے)

❷ انہ لما فی الشرف والمنقبة بحیث یمن اللّٰہ بہ علی عبادہ وجب علیٰ کل عاقل ان یعینہ بأقصی مایقدر علیہ، فوجب علیکم ان تحاربوا اعدائہ وان تکونوا معہ بالید واللسان والسیف والسنان، والمقصود منہ العود الی ترغیب المسلمین فی

مجاهدة الكفار (التفسير الكبير).

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اور عزت اسقدر بلند ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعے سے اپنے بندوں پر احسان فرماتا ہے تو پھر ہر عقلمند انسان پر لازم ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حد درجہ تعاون کرے۔ پس اے مسلمانو! تم پر لازم ہے کہ تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں سے لڑو اور اپنے ہاتھ، زبان، نیزے اور تلوار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دو، تو آیت کا مقصود مسلمانوں کو کفار کے خلاف جہاد کی ترغیب ہے۔ (یعنی اس مضمون کی طرف لوٹنا ہے جو پہلے چل رہا تھا)

فائدہ

مسلمانوں کو شکست کے اثرات سے ابھارا جا رہا ہے اور انہیں تسلی دی جا رہی ہے کہ مایوس ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ تمہارا سب کچھ سلامت ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری تلاوت، تزکیہ اور تعلیم موجود ہے اس لئے ہمت سے کام لو اور خود کو مضبوط بناؤ۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

شکست کے وقت کا ایک فتنہ امام کے خلاف اٹھنے والی آوازیں اور وساوس ہیں اس آیت میں بھی اس فتنے کا علاج ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم جو تمہارے امام و امیر ہیں ان کے تم پر یہ عظیم احسانات ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

شکست کے بعد افراتفری کا عالم ہوتا ہے تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اس افراتفری سے بچانے کے لئے مرکز کی طرف بلایا جا رہا ہے کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو جاؤ قرآن پاک سنو اور پڑھو اپنے دلوں کو پاک کرو علم الٰہی کی روشنی حاصل کرو، انتشار اور افراتفری ختم ہو جائے گی اور دلوں کے زخم دور ہو جائیں گے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

شکست کے بعد جماعت کی تازہ اور مضبوط تربیت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ وہ غلطی آئندہ نہ ہو جسکی وجہ سے شکست ہوئی ہے تو جماعت کی تربیت کا نصاب ایک بار پھر یاد دلایا گیا ہے وہ نصاب یہ ہے۔

❶ تلاوت قرآن پاک ❷ تزکیۂ نفس ❸ تعلیم کتاب اللہ ❹ تعلیم حکمت۔

فائدہ

شکست کے بعد کمزور دل لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اب ہمارا کام ختم ہو جائے گا اور ہماری جماعت مٹ جائے گی۔ اور منافقین بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ اب اسلام کا کام ختم اور مسلمان بھی عنقریب ختم۔ غزوۂ احد کے بعد بھی ایسے ہی حالات تھے اور منافقین اور کفار سمجھ رہے تھے کہ بس اب مسلمان دوبارہ نہیں ابھر سکیں گے اور عنقریب ختم ہو جائیں گے۔ ان کو جواب دیا گیا کہ اسلام کی بنیاد بہت مضبوط ہے اور وہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف

لانا جو قیامت تک کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔اور اسلامی جماعت کا نظام تربیت بہت مضبوط ہے۔اور جس جماعت کا نصاب اور نظام تربیت تلاوت، تزکیہ اور تعلیم کتاب وسنت پر قائم ہو وہ کبھی نہیں مٹ سکتی۔واللہ اعلم بالصواب۔

نکتہ

حضرت لاہوری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس فرض کے انجام دینے کے لئے بھیجا گیا ہے لہٰذا اس کسوٹی پر آئندہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے متبعین کو پرکھ لیا جائے گا۔(حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

یعنی جن لوگوں میں تلاوت، تزکیہ اور تعلیم کتاب وحکمت کے اعمال زندہ ہوں گے وہی لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے متبع اور پیروکار ہونگے، اور جو ان تمام چیزوں کو یا ان میں سے بعض کو چھوڑ دیں گے وہ دین سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے (نعوذ باللہ) دور ہو جائیں گے۔

فائدہ

مسلمانوں کے امیر کی یہ صفت بھی معلوم ہوگئی کہ وہ اپنے لئے اور اپنی جماعت کے لئے تلاوت، تزکیہ اور تعلیم کتاب وسنت کا اہتمام کرنے والا ہو۔واللہ اعلم بالصواب

فائدہ

جہاد کے مسلسل بیان کے درمیان اس آیت کو لانے سے یہ بات بھی سمجھی جاسکتی ہے کہ مجاہدین کو خصوصی طور پر ان چار چیزوں کا اہتمام کرنا چاہیے اور خود کو پوری طرح سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جوڑے رکھنا چاہیے۔(واللہ اعلم بالصواب)

دعاء

اللهم ارحمنابالقرآن العظيم واجعله لنا اماماونورا وهدى ورحمة

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۶۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى

کیا جب تمہیں ایک تکلیف پہنچی حالانکہ تم تو اس سے دوچند تکلیف پہنچا چکے ہو تو کہتے ہو یہ کہاں

هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ

سے آئی کہہ دو یہ تکلیف تمہیں تمہاری ہی طرف سے پہنچی ہے بے شک اللہ تعالیٰ ہر

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۶۵﴾

چیز پر قادر ہے

خلاصہ

غزوۂ احد میں تمہیں جتنی تکلیف پہنچی، اس سے دگنی مصیبت تمہارے ہاتھوں سے مشرکین کو پہنچ چکی ہے مگر اس کے باوجود کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم پر شکست کیوں آئی حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں موجود ہیں اور ہم مسلمان ہیں، ان لوگوں کو بتلا دیا جائے کہ یہ جو کچھ ہوا خود تمہاری وجہ سے ہوا۔ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

اعلم ان اللہ تعالیٰ لما اخبر عن المنافقین الخ۔

حاصل یہ کہ اس آیت میں منافقین کے ایک دوسرے شبہ کا جواب ہے پہلے ان منافقین نے (نعوذ باللہ) حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم پر خیانت کے اشارے کئے تو پچھلی آیات میں ان کو جواب دے دیا گیا پھر ان منافقین نے کہا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) رسول ہوتے تو انہیں احد کے دن شکست نہ ہوتی تو اس شبہ کا جواب اس آیت میں دیا گیا۔ (التفسیر الکبیر)

تفسیری اقوال

❶ قد اصبتم مثلیھا تم اپنی مصیبت سے دگنی مصیبت کافروں کو پہنچا چکے تھے یوم بدر بأن قتلتم منھم سبعین واسرتم سبعین۔ (قرطبی)

یعنی بدر کے دن تم نے انہیں دگنی مصیبت پہنچائی کہ ان میں سے ستر کو قتل کیا اور ستر کو قید کیا۔ (زجاج رحمہ اللہ اس قول پر رد کرتے ہیں۔ (البحر المحیط)

❷ قد اصبتم مثلیھا ان المسلمین ھزموا الکفار یوم بدر وھزموھم ایضاً فی الاول یوم احد (التفسیر الکبیر) مسلمانوں نے بدر میں بھی کافروں کو شکست دی اور احد کے آغاز میں بھی انہیں شکست

دی یوں مسلمانوں نے دوبار کافروں کو ہزیمت سے دوچار کیا جبکہ خود ان کی ظاہری شکست ایک بار ہوئی (واحدی رحمہ اللہ اس قول پر رد کرتے ہیں۔ الکبیر)

❸ قلتم انی هذا تم نے کہا ہمیں یہ شکست کیسے ہوگئی؟

قلتم متعجبين یعنی تمہارا یہ کہنا بطور تعجب کے تھا (بطور اعتراض کے نہیں۔ جلالین)

❹ قلتم انی هذا ای من این اصابناهذا الانهزام والقتل ونحن نقاتل فی سبيل الله ونحن مسلمون وفيناالنبی والوحی وهم مشرکون (قرطبی)۔ یعنی یہ شکست ہمیں کس طرح سے ہوئی حالانکہ ہم اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کر رہے ہیں، اور ہم مسلمان ہیں، اور ہم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور وحی موجود ہے اور ہمارے مقابل مشرکین ہیں۔

❺ قل هو من عند انفسکم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرما دیجئے کہ یہ شکست تمہیں خود تمہاری وجہ سے پہنچی ہے۔

يعنی مخالفة الرماة. ومامن قوم اطاعوا نبيهم فی حرب الانصروا لانهم اذا اطاعوا فهم حزب الله وحزب الله هم الغالبون (قرطبی)۔ یعنی تیراندازوں کی نافرمانی کی وجہ سے شکست ہوئی ہے۔ (ورنہ) جس قوم نے بھی جنگ میں اپنے نبی کی فرمانبرداری کی وہ ضرور غالب ہوئی کیونکہ جب قوم والے نبی کی فرمانبرداری کرتے ہیں تو وہ "حزب اللہ" بن جاتے ہیں اور حزب اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی جماعت) تو غالب ہی رہتی ہیں۔

❻ قل هومن عند انفسکم قال قتادة والربيع بن انس: يعنی سوالهم النبی ان يخرج بعد ما اراد الاقامة بالمدينة (قرطبی) قتادہ رحمہ اللہ اور ربیع رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خود تمہاری وجہ سے شکست ہونے کا مطلب یہ ہے کہ خود تم نے ہی مدینہ سے باہر نکل کر لڑنے کی درخواست کی تھی جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں ٹھہر کر مقابلہ کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

❼ قل هو من عند انفسکم .هو اختيار هم الفداء يوم بدر علی القتل (قرطبی)۔ یعنی غزوۂ احد میں جو تکلیف پہنچی اسکی وجہ خود مسلمانوں کا بدر کے موقع پر ستر قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنا ہے۔ (چنانچہ بہت سی روایات سے ثابت ہے کہ بدر کے دن مسلمانوں کو اختیار دیا گیا تھا کہ یا تو وہ قیدیوں کو قتل کریں یا فدیہ لیکر چھوڑ دیں مگر فدیہ لینے کی صورت میں تم میں سے ستر افراد شہید ہونگے، اختلاف آراء کے باوجود فیصلہ فدیہ لینے کا ہوا چنانچہ خود تمہارے اس فیصلے کے مطابق اب غزوۂ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے ہیں) اس روایت کی تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیے (تفسیر قرطبی اور تفسیر کبیر)

❽ کلام برکت

یعنی تم بدر کی لڑائی میں ستر کافروں کو مار چکے ہو اور ستر کو پکڑ لائے تھے۔ تمہارے اس لڑائی میں ستر آدمی شہید ہوئے، تو بد دل کیوں ہوتے ہو سو (یہ تکلیف بھی تمہیں) اپنے قصور سے (پہنچی) کہ بے حکمی (نافرمانی) سے لڑے یا قصور یہ کہ بدر کے اسیروں کو نہ مارا (اور) مال لیکر چھوڑ دیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر ان کو چھوڑتے ہو تو تم میں ستر آدمی شہید ہونگے لوگوں نے قبول کر کر مال لیا اور ان کو چھوڑا (موضح القرآن)

نکتہ

اس آیت میں لفظ مصیبت استعمال ہوا کہ جب تم پر مصیبت آئی عام طور پر اس سے مراد ستر مسلمانوں کا شہید ہونا لیا گیا ہے جبکہ ابوحیان رحمہ اللہ نے اس کے ایک اور معنیٰ بھی لکھے ہیں وکفهم عن الثبات للقتال یعنی میدان میں ثابت قدمی سے جنگ نہ کرسکنا (یہ بھی مصیبت تھی جو ان پر آئی تھی) (البحر المحیط)

❾ ان اللہ علی کل شئی قدیر بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ونبه بذلك علی ان ما اصابهم کان لوهن فی دینهم لا لضعف فی قدرة الله (البحر المحیط)

یعنی اس جملہ سے اس بات پر تنبیہ فرمائی کہ مسلمانوں پر جو شکست آئی ہے وہ خود ان کی غلطی سے آئی ہے اللہ تعالیٰ کی قدرت میں کمزوری کی وجہ سے نہیں (اسکی قدرت میں کوئی کمزوری نہیں ہے)

☆☆☆

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۶۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾

اور جو کچھ تمہیں اس دن پیش آیا جس دن دونوں جماعتیں ملیں سو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوا اور تاکہ اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو ظاہر کردے

خلاصہ

غزوۂ احد کے دن جو کچھ پیش آیا وہ مقدر تھا (اور اس میں بہت سی حکمتیں تھیں جن میں سے ایک حکمت یہ تھی کہ) اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ظاہر کردے (یعنی علانیہ اس کا فیصلہ ہوجائے کہ مومن کون کون ہے اور منافق کون کون؟)

اقوال

وما اصابکم یوم التقی الجمعان۔

❶ یعنی یوم احدمن القتل والجرح والهزیمة (قرطبی)

یعنی احد کے دن تمہیں جو قتل، زخم اور شکست کے ذریعہ تکلیف پہنچی۔

❷ بہرحال (احد کے دن) جو کچھ ہوا اس (یعنی اللہ تعالیٰ) کے حکم ومشیت سے ہوا جس کا سبب تم تھے اور حکمت یہ تھی کہ ایک طرف ہر مومن مخلص کے ایمان واخلاص کا اور دوسری جانب ہر منافق کے نفاق کا درجہ ظاہر ہوجائے، کھرے کھوٹے اور کچے پکے میں کسی کو کوئی التباس نہ رہے۔ (تفسیر عثمانی)

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۱۶۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ

اور تاکہ منافقوں کو ظاہر کردے اور انہیں کہا گیا تھا کہ آؤ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑو

اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا تَّبَعْنٰكُمْ ۭ هُمْ

یا دشمنوں کو دفع کرو تو انہوں نے کہا اگر ہمیں علم ہوتا کہ آج جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے وہ

لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ

اس وقت بہ نسبت ایمان کے کفر سے زیادہ قریب تھے وہ اپنے مونہوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے

مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿١٦٧﴾

دلوں میں نہیں ہیں اور جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے

خلاصہ

غزوۂ احد میں مسلمانوں کو شکست کے حالات اس لئے پیش آئے (تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو ظاہر کردے) اوران لوگوں کو بھی ظاہر کردے جو منافق تھے مسلمانوں نے ان منافقوں کو بھی غزوۂ احد میں شرکت کے لئے بلایا تھا کہ تم خود کو مسلمان کہتے ہو تو آؤ اور ہمارے ساتھ ملکر جہاد کرو اور جہاد نہیں کرتے تو کم از کم دفاع تو کرو ان منافقین نے جواب دیا کہ اگر کوئی ڈھنگ کا مقابلہ ہوتا تو ہم تمہارے ساتھ چلتے (اتنے بڑے لشکر کے مقابلہ میں نکلنا تو محض خودکشی ہے)

اس دن یہ منافقین ظاہری طور پر بھی ایمان کی بنسبت کفر کے زیادہ قریب نظر آرہے تھے۔ ان کی زبانیں کچھ کہتی تھیں اوران کے دل کچھ اور چھپاتے تھے اور جو کچھ وہ دل میں چھپاتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔

شانِ نزول

هي الى عبد الله بن ابى واصحابه الذين انصرفوامعه عن نصرة النبى صلى الله عليه وسلم وكانوا ثلثمائة فمشى فى اثرهم عبدالله بن عمر و بن حرام الانصارى ابو جابر عبدالله فقال لهم اتقوالله ولا تتركوا نبيكم وقاتلوافى سبيل الله اوادفعوا ونحو هذا من القول فقال له ابن ابى ! ما ارى ان يكون قتال ولو علمنا ان يكون قتال لكنا معكم فلما يئس منهم۔ عبدالله قال: اذهبوا اعداء الله فسيغنى الله رسوله عنكم ومضى مع النبى صلى الله

علیه وسلم واستشهد رحمه الله تعالیٰ (القرطبی)

یعنی اس آیت میں عبداللہ بن ابی اور اسکے ساتھیوں کا ذکر ہے یہ تین سو افراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت چھوڑ کر واپس مدینہ چلے گئے تھے، حضرت عبداللہ بن حرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے پیچھے گئے اور انہیں فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اپنے نبی کا ساتھ نہ چھوڑو آؤ اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑو یا (کم از کم) دفاع تو کرو اور اسی طرح کی اور باتیں کیں، اس پر ابن ابی (منافق) نے کہا میں سمجھتا ہوں کہ جنگ نہیں ہوگی، اگر مجھے جنگ ہوتی نظر آتی تو ہم تمہارے ساتھ نکل پڑتے، جب حضرت عبداللہ بن حرام ان سے مایوس ہوگئے تو فرمایا! جاؤ اللہ تعالیٰ کے دشمنو! اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو تمہارا احتیاج نہیں فرمائے گا پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نکلے اور انہوں نے جام شہادت نوش فرمایا رحمہ اللہ تعالیٰ۔

اقوال وحوالے

❶ ولیعلم الذین نافقوا اور اللہ تعالیٰ ظاہر کردے منافقین کو، ای لیمیز وقیل لیری وقیل لیظهر ایمان المومنین بثبوتهم فی القتال ولیظهر کفر المنافقین باظهارهم الشماتة (قرطبی)

یعنی مومن اور منافق کو الگ الگ کردے۔ یا مومن اور منافق کو دیکھ لے یا مؤمنوں کا ایمان جہاد میں ثابت قدمی کے ذریعہ ظاہر فرمادے اور منافقین کا کفران کی شماتت کے ذریعے ظاہر فرمادے۔

❷ قاتلوا فی سبیل الله اوادفعوا۔

قاتلوا فی سبیل الله کا معنیٰ تو واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں جہاد کرو۔ مگر اوادفعوا (یا دفاع کرو) کا مطلب کیا ہے؟

چند اقوال ملاحظہ فرمائیے:

☆کثروا سوادنا وان لم تقاتلوا معنا (قرطبی عن السدی) یعنی ہماری تعداد بڑھاؤ اگرچہ جنگ میں حصہ نہ لو۔

☆یعنی ان کان فی قلبکم حب الدین والاسلام فقاتلوا للدین والاسلام وان لم تکونوا کذلك فقاتلوادفعا عن انفسکم واهلیکم واموالکم (تفسیر کبیر)

☆یعنی اگر تمہارے دل میں دین اور اسلام کی محبت ہے تو پھر اسلام کی خاطر جہاد کرو اور اگر دل میں دین کی محبت نہیں تو پھر بھی (کم از کم) اپنی جان، و مال اور گھر والوں کے دفاع کے لئے جنگ میں حصہ لو (کیونکہ اگر مشرکین غالب آگئے تو وہ تمہیں بھی مسلمان سمجھ کر نہیں چھوڑیں گے)

☆انما هو استدعاء الی القتال حمیة (قرطبی) یعنی اوادفعوا کا مطلب قومی غیرت کے لئے

جنگ کرنے کی دعوت ہے، کہ اگر دین کی خاطر نہیں لڑتے ہو تو کم از کم اپنی قوم کی خاطر تو جنگ میں شامل ہو جاؤ۔ ایسی دعوت انہیں بعض انصاری مسلمانوں نے دی تھی۔

❸ لو نعلم قتالًا لا اتبعنكم اگر ہم جنگ دیکھتے تو تمہارے ساتھ چل پڑتے۔ اس جملے کے مفہوم میں مفسرین کے کئی اقوال ہیں۔

☆ یعنی ہمیں جنگ ہوتی نظر نہیں آتی ورنہ ہم ضرور نکل پڑتے۔

☆ کوئی مناسب ڈھنگ کی جنگ ہوتی تو ہم نکلتے، اپنے سے کئی گنا طاقتور لشکر کا مقابلہ تو واضح خودکشی ہے۔

☆ اگر ہمیں جنگ کا تجربہ اور سلیقہ ہوتا تو ہم ضرور نکلتے مگر ہم تو ناواقف لوگ ہیں۔ چونکہ عبداللہ بن ابی کی رائے یہ تھی کہ مدینہ منورہ میں رہ کر مقابلہ کیا جائے مگر جب اس کی رائے نہیں مانی گئی تو اس نے طنزاً کہا کہ آپ لوگوں کے نزدیک ہم جنگ کی باریکیوں کو سمجھتے ہی نہیں اس لئے ہمارے جانے میں کیا فائدہ؟ تینوں میں سے جو مطلب بھی لیا جائے اس کا جھوٹ، فریب اور طنز ہونا بالکل واضح ہے۔ (تفسیر کبیر وغیرہ)

❹ هم للكفر يومئذ اقرب منهم للايمان

☆ اي بينوا حالهم ، وهتكوا استار هم وكشفوا عن نفاقهم لمن كان يظن انهم مسلمون۔ (قرطبی)

☆ منافقین دل سے کافر اور زبان سے ایمان کا اظہار کرتے تھے اور اسی زبانی اسلام کی بناء پر مسلمانوں میں ملے جلے رہتے تھے، اس روز عین موقع پر پیغمبر علیہ السلام اور مسلمانوں کو چھوڑ کر چلے جانے اور جھوٹے حیلے تراشنے سے اچھی طرح نفاق کی قلعی کھل گئی اب ظاہر میں بھی بہ نسبت ایمان کے کفر سے زیادہ قریب ہو گئے اور اپنے فعل سے مسلمانوں کو نقصان اور کافروں کو تقویت پہنچائی۔ (تفسیر عثمانی)

ایک ایمان افروز واقعہ

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس آیت مبارکہ کے ذیل میں ایک واقعہ لکھا ہے:

وقال انس بن مالك رأيت يوم القادسية عبدالله بن ام مكتوم الاعمىٰ وعليه درع يجر اطرافها وبيده رأية سوداء قيل له اليس قد انزل الله عذرك قال بلىٰ ولكنى اكثر سواد المسلمين بنفسى (قرطبی)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جنگ قادسیہ کے دن نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا کہ زرہ پہن کر اسے گھسیٹتے پھر رہے ہیں اور انہوں نے ہاتھ میں کالا جھنڈا اٹھا رکھا ہے۔ ان سے عرض کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو معذور قرار نہیں دیا؟ فرمانے لگے کیوں نہیں؟ مگر میں مسلمانوں کی تعداد بڑھانے کے لئے نکلا ہوں۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ)

★★★

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ — آیت ۱۶۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ

یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں حالانکہ خود بیٹھ رہے تھے اگر وہ ہماری بات مانتے تو قتل نہ کیے جاتے کہہ دو

فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

اگر تم سچے ہو تو اپنی جانوں سے موت کو ہٹادو

خلاصہ

ان منافقین کے جرائم میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ خود تو جہاد میں شریک نہ ہوئے اور گھروں میں بیٹھے رہے دوسری طرف شہید ہونے والے مسلمانوں پر باتیں بناتے رہے کہ وہ اگر ہمارا کہنا مان لیتے تو قتل نہ کیے جاتے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرمادیجئے (اے منافقو) تم خود کو موت سے بچالو اگر تم سچے ہو (اپنی اس بات میں کہ میدان میں جانے سے ہلاکت ہوتی ہے)

تفسیری اقوال

❶ جہاد سے روکنے کی کوشش:

یہ بھی منافقوں کا ایک شبہ مسلمانوں کو جہاد فی سبیل اللہ سے روکنے کے لئے کہ وہ اپنے ان بھائیوں کی نسبت جو کہ جنگ میں شہید ہوگئے یہ کہا کرتے تھے کہ اگر وہ ہمارا کہا مانتے تو مارے نہ جاتے چونکہ حیات (یعنی زندگی) ایک مرغوب چیز اور مرنے سے ڈرنا ایک طبعی بات ہے پھر جب اُس کو اس شبہ سے قوت دیجائے تو خواہ مخواہ گھر میں چھپ کر بیٹھنے کو دل چاہے گا اس لئے خدا نے اس کا جواب دیا (تفسیر حقانی)

فائدہ

یہ عبارت امام رازی رحمہ اللہ کے کلام کے مطابق ہے امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فخوفوا من مراده موافقة الرسول فی محاربة الکفار بالقتل لما عرفوا ماجری یوم احد من الکفار علی المسلمین من القتل لان المعلوم من الطباع محبة الحیاة۔ (تفسیر کبیر) یعنی ان کی ان باتوں کا مقصد لوگوں کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں جانے سے روکنا تھا اور وہ لوگوں میں زندہ رہنے کا طبعی شوق بھڑکاتے تھے۔

❷ یہ احمق پھر اسی پر قناعت نہیں کرتے، بلکہ اپنے مشوروں کی اہمیت، اصابت رائے اور دانشمندی جتانے کے

لئے کہتے ہیں کہ اگر وہ مسلمان بھی ہمارا کہنا مان لیتے جو جنگ میں شریک ہوئے ہیں تو ہر گز قتل نہ ہوتے اور نہ ان کے مما لک ان کے قبضے سے نکلتے ان سے کہہ دو کہ اگر تمہاری بات ماننے سے انسان نہیں مرتا، اور تمہاری صحبت و یکجائی زندگی بخش ہے تو ذرا اپنی موت کو تو ٹال دو، جب ایسا نہیں کر سکتے اور وہ ضرور آ کر رہے گی تو اس موت سے یقیناً یہ بہتر ہے کہ ایک مسلم جہاد فی سبیل اللہ میں اپنی جان دے دے۔ (تفسیر الفرقان)

❸ وقعدوا اور وہ بیٹھے رہے۔

قالوا هذا القول وقعدوا بانفسهم عن الجهاد (قرطبی) ومعنیٰ هذا القعود القعود عن الجهاد (تفسیر کبیر)

یعنی بیٹھے رہنے سے مراد یہ ہے کہ جہاد میں نہیں نکلے۔

❹ قالوا لاخوانهم ای قالوا لا جل اخوانهم. انہوں نے اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا۔ (التفسیر الکبیر)

❺ قالوا لاخوانهم وهم الشهداء المقتولون من الخزرج وهم اخوة نسب ومجاورة لا اخوة الدين (قرطبی)

ان کے بھائیوں سے مراد قبیلہ خزرج کے شہید ہونے والے مسلمان تھے جو ان منافقین کے نسب اور پڑوس کے اعتبار سے بھائی تھے نہ کہ دین کے اعتبار سے۔

وقيل لا شكالهم من المنافقين اور ایک قول یہ ہے کہ منافقین نے یہ بات اپنے جیسے منافقین کے بارے میں کہی تب ان کے دینی بھائی مراد ہونگے۔ (قرطبی)

نکتہ

جہاد کے دوران منافقین کے طرز عمل کا خلاصہ:

”جنگ احد کا معاملہ منافقوں کے لئے جو مخلص مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے زندگی بسر کر رہے تھے، ایک فیصلہ کن آزمائش تھی، اس موقع پر ان کا نفاق پوری طرح کھل گیا، جنگ کے ابتدائی مشورے سے لیکر جنگ کے بعد تک کوئی موقع ایسا نہیں کہ فتنہ پردازی سے باز رہے ہوں، جب کثرت رائے سے یہ بات قرار پائی کہ شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے تو لوگوں کو بہکانے لگے کہ باہر نکل کے لڑنا موت کے منہ میں جانا ہے جب ان سے کہا گیا کہ اچھا شہر کی مدافعت کرو تو لگے طرح طرح کے حیلے بہانے کرنے، کہتے تھے کہ ہمیں امید نہیں کہ لڑائی کی نوبت آئے اگر امید ہوتی تو ضرور تیاری کرتے، پھر جب (بعض) لوگوں کی کمزوری اور نافرمانی سے فتح ہوتے ہوتے شکست ہوگئی تو انہیں فتنہ و شرارت کا نیا موقع ہاتھ آ گیا کبھی کہتے یہ سب کچھ اسی لئے ہوا کہ ہماری بات نہیں مانی گئی، کبھی کہتے روز روز کی لڑائیوں سے فائدہ؟ نجات اسی میں ہے کہ دشمنوں کو راضی کر لیا جائے، مقصود یہ تھا کہ کسی نہ کسی طرح مسلمانوں کے

دلوں میں مایوسی اور ہراس پیدا کردیں اور انکی کوئی بات بھی ٹھیک طور پر بن نہ سکے، ان آیات میں منافقوں کی جو نفسیاتی حالت دکھائی گئی ہے وہ کوئی مخصوص صورتحال نہیں ہے اگر غور کروگے تو معلوم ہوجائے گا کہ جماعت کے کمزور اور مذبذب افراد ہمیشہ ایسی ہی صورتحال پیدا کردیا کرتے ہیں۔" (ترجمان القرآن)

❻ قل فادرؤا عن انفسکم الموت فرمادیجئے کہ دور کرو اپنے آپ سے موت کو اگر تم سچے ہو۔

"یعنی اگر گھر میں بیٹھ رہنے سے جان بچ سکتی ہے تو دیکھیں موت کو گھر میں کس طرح نہ آنے دیں گے۔ اگر یہاں رہ کر بھی موت پیچھا نہیں چھوڑتی تو پھر بہادروں کی طرح میدان میں عزت کی موت کیوں نہ مریں (عثمانی)

❼ وقال ابوالليث السمرقندي :سمعت بعض المفسرين بسمرقند يقول ، لما نزلت الاية قل فادرءوا عن انفسكم الموت مات يومئذ سبعون نفسا من المنافقين (قرطبی)

امام ابواللیث سمرقندی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے سمرقند میں کسی مفسر سے سنا وہ فرمارہے تھے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی (ترجمہ: اے منافقو! اگر تم سچے ہو تو خود کو موت سے بچالو) تو اسی دن ستر منافقین مرگئے۔

یعنی منافقین کہہ رہے تھے کہ جہاد میں جانے سے موت آتی ہے احد کے شہداء اگر ہماری طرح گھروں میں بیٹھے رہتے تو نہ مرتے تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی کہ تم لوگ بھی مرہی جاؤ گے اور پھر اسی دن ان میں سے ستر افراد مرگئے۔ واللہ اعلم

تنبیہ

یہ روایت بلاسند ذکر کی گئی ہے چنانچہ تفسیر قرطبی کے محشی لکھتے ہیں:

تفرد بذكره ابو الليث وهو معضل لا حجة فيه ولوصح لجاء مسندا (حاشیہ قرطبی)

فائدہ

شہداء احد بھی دنیا میں نہ رہے اور ان کی شہادت پر آوازیں کسنے والے منافقین بھی اس دنیا کو چھوڑ گئے۔ یہ دنیا فانی ہے، سب نے ضرور جانا ہے البتہ شہداء احد سعادتوں کی جھولیاں بھر کے لے گئے اور منافقین ذلت، رسوائی اور ناکامی کا بوجھ اٹھا کر مرے۔ مرنا سب نے ہے مگر قسمت اپنی اپنی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں شہادت وسعادت نصیب فرمائے اور نفاق سے ہماری حفاظت فرمائے۔ اگلی آیت میں بتایا کہ (یہ منافق تو مرجائیں گے) اور جن کے بارے میں یہ شور مچارہے ہیں کہ وہ مرگئے، وہ مرگئے وہ تو زندہ ہیں اپنے رب کے پاس کھاپی رہے ہیں مزے کررہے ہیں۔

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۱۶۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ○

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ

اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے ہیں انہیں مردے نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں

عِنْدَ رَبِّھِمْ یُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

اپنے رب کے ہاں سے رزق دیئے جاتے ہیں

خلاصہ

از بیان القرآن

"اور (اے مخاطب) جولوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں (یعنی دین کے واسطے) قتل کئے گئے ان کو (دوسرے مردوں کی طرح) مردہ خیال نہ کرو بلکہ وہ لوگ (ایک ممتاز حیات کے ساتھ) زندہ ہیں (اور) اپنے پروردگار کے مقرب (یعنی مقبول ہیں) ان کورزق بھی ملتا ہے"۔

شانِ نزول

❶ شہداء کرام کو جب اللہ پاک کے ہاں عزت اونچے مقامات، اعلیٰ روزی اور خوشیاں ملیں تو انہوں نے کہا کاش پیچھے رہ جانے والے مسلمانوں تک ہماری ان نعمتوں کی خبر پہنچ جائے تا کہ ان کا شوق جہاد بڑھ جائے تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں ان تک تمہاری خبر پہنچاتا ہوں اس کے بعد یہ آیات نازل فرمائیں۔

❷ جو حضرات شہید ہوگئے ان کے گھر والے جب دنیا کی کوئی نعمت اور خوشی پاتے تو حسرت سے کہتے ہم تو مزے اور سرور میں ہیں اور ہمارے شہید بھائی قبور میں ہیں۔ تب یہ آیات نازل ہوئیں اور بتایا گیا کہ اصل مزے اور سرور میں تو وہی لوگ ہیں جو شہید ہو چکے ہیں۔

وھل سبب ذلک قول من استشھد، وقد دخل الجنۃ فاکل من ثمارھا من یبلغ عنا اخواننا انا فی الجنۃ نرزق لا تزھدوا فی الجھاد فقال اللہ انا ابلغ عنکم فنزلت، أو قول من لم یستشھد من اولیاء الشھداء اذا اصابتھم نعمۃ نحن فی النعمۃ والسرور وآباؤنا و اخواننا فی القبور فنزلت (القرطبی، والبحر المحیط، واللفظ لہ)

شہداء احد بدر یا بئر معونہ

وقال ابو الضحیٰ: نزلت ھذہ الآیۃ فی اھل احد خاصۃ (قرطبی) ابوالضحیٰ فرماتے ہیں کہ یہ

آیت خصوصی طور پر شہداء احد کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

وقال بعضهم:نزلت فی شهداء بدر (قرطبی)

اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ آیت شہداء بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

وقیل نزلت فی شهداء بئر معونة (قرطبی) اور ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت شہداء بئر معونہ کے متعلق نازل ہوئی۔

امام رازی رحمہ اللہ کی عجیب تقریر

هذا الآیة واردة فی شهداء بدر واحد لان فی وقت نزول هذه الآ یة لم یکن احد من الشهداء الا من قتل فی هذین الیومین۔ یہ آیت شہداء بدر اور شہداء احد کے بارے میں نازل ہوئی کیونکہ آیت کے نزول کے وقت انہیں دو مشہور دنوں میں قتل ہونے والوں کے علاوہ مسلمانوں میں کوئی شہید نہیں تھا۔

والمنافقون انما ینفرون المجاهدین عن الجهاد لئلا یصیروا مقتولین مثل من قتل فی هذین الیومین من المسلمین اور منافقین مجاہدین کو یہی بتا کر جہاد سے دور کرنے کی کوشش کرتے تھے کہ تم بھی ان دو دنوں کے مقتولین کی طرح مارے جاؤ گے۔(اگر تم ہماری بات مان کر جہاد سے باز نہ آئے) واللّٰه تعالیٰ بین فضائل من قتل فی هذین الیومین لیصیر ذلك داعیاً الی التشبه بما جاهد فی هذین الیومین وقیل۔

اللہ تعالیٰ نے ان دو دنوں میں قتل ہونے والوں کے فضائل (اس آیت میں) بیان فرمادیئے تا کہ مسلمانوں کو اس بات کی دعوت دی جائے کہ وہ بھی بدر و احد کے جہاد میں شہید ہونے والوں جیسے بنیں۔

وتحقیق الکلام ان من ترك الجهاد فربما وصل الی نعیم الدنیا و ربما لم یصل وبتقدیر ان یصل الیه فهو حقیر وقلیل ومن اقبل علی الجهاد فاز بنعیم الآخرة قطعاً وهو نعیم عظیم ومع کونه عظیماً فهو دائم مقیم واذا کان الامر کذلك ظهر أن الاقبال علی الجهاد افضل من ترکه۔

اور مطلب اس کلام کا یہ ہے کہ جو شخص جہاد چھوڑتا ہے وہ کبھی دنیا کی نعمتوں سے فائدہ اٹھاتا ہے اور کبھی نہیں، اور اگر فائدہ اٹھا بھی لے تو دنیا کی نعمتیں تھوڑی اور حقیر ہیں۔ اور جو شخص جہاد میں جاتا ہے تو وہ یقیناً آخرت کی نعمتیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے اور آخرت کی نعمتیں عظیم ہونے کے ساتھ ساتھ دائمی اور پائیدار بھی ہیں۔ تو جب معاملہ اس طرح ہے تو پھر جہاد میں نکلنا جہاد چھوڑنے سے بہتر ہی ہوا۔ (التفسیر الکبیر)

ربط

ما قبل کی آیت سے ربط واضح ہے، منافقین لوگوں کو جہاد سے روک رہے تھے اور وجہ یہ بتا رہے تھے کہ جہاد میں

موت آتی ہے، دیکھو احد میں کتنے لوگ مارے گئے، وہ اگر ہماری بات مان لیتے اور جہاد میں نہ جاتے تو بچ جاتے۔ ان منافقین کو جواب دیا گیا کہ موت تو اپنے وقت پر آتی ہے تم لوگ جو گھروں میں بیٹھے ہو موت سے نہیں بچ سکو گے۔ اور اس آیت میں یہ جواب دیا گیا کہ جس موت سے تم لوگوں کو ڈرا رہے ہو وہ موت تو حقیقت میں مزیدار ترین زندگی ہے۔ (محصلہ تفسیر کبیر)

❷ شہداء کا اتنا اونچا مقام بتا کر شکست کا غم دھویا جا رہا ہے اور مسلمانوں کو دوبارہ ابھرنے کی ہمت دلائی جا رہی ہے، جیسا کہ پچھلی کئی آیات سے یہ مضمون چل رہا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دو احادیث

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے اس آیت کے شان نزول میں مسند احمد اور ترمذی کی دو مرفوع احادیث ذکر فرمائی ہیں، ان کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

❶ **اخرج الامام احمد وجماعة عن ابن عباس قال: قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه وسلم الخ** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب تمہارے بھائی احد میں قتل ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی ارواح سبز پرندوں کے جسموں میں داخل کر دیں، وہ جنت کی نہروں پر اترتے ہیں، جنت کے پھل کھاتے ہیں، اور عرش کے سائے میں لٹکی ہوئی سونے کی قندیلوں میں رہتے ہیں، جب انہوں نے اپنے لئے اتنا عمدہ اور بہترین کھانا، پینا اور رہنا دیکھا تو کہنے لگے۔ کون ہمارے بھائیوں تک خبر پہنچائے گا کہ ہم جنت میں زندہ ہیں اور ہمیں رزق ملتا ہے تا کہ (ہمارے بھائی) جہاد نہ چھوڑیں اور جنگ میں کمزوری نہ دکھائیں اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں تمہاری طرف سے ان تک یہ بات پہنچا دوں گا، پھر یہ آیات نازل ہوئیں (روح المعانی)

❷ **واخرج الترمذی وحسنه والحاکم وصححه وغیرهما عن جابر بن عبد اللّٰہ قال الخ** حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملے تو ارشاد فرمایا اے جابر کیا ہوا؟ میں تمہیں پریشان دیکھتا ہوں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے والد شہید ہو گئے ہیں اور پیچھے قرضہ اور عیال چھوڑ گئے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں خوشخبری نہ سناؤں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد سے کس طرح ملاقات فرمائی میں نے عرض کیا ضرور ارشاد فرمائیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس سے بھی کلام فرماتے ہیں پردے کے پیچھے سے کلام فرماتے ہیں مگر تیرے والد کو اللہ تعالیٰ نے زندہ فرما کر بلا حجاب کلام فرمایا اور ارشاد فرمایا اے میرے بندے مجھ سے جو چاہو مانگو میں عطاء فرماؤں گا انہوں نے عرض کیا اے میرے رب مجھے زندہ فرما دیجئے (یعنی دنیا میں بھیج دیجئے) تا کہ میں دوبارہ آپ کی خاطر شہید کیا جاؤں رب تعالیٰ نے فرمایا میری طرف سے پہلے یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ (دنیا میں) واپسی نہیں ہوگی انہوں نے عرض کیا ٹھیک ہے میرے رب میرے پیچھے والوں کو (میری خبر) پہنچا دیجئے تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ (روح المعانی)

بل أحياءٌ بلکہ شہداء زندہ ہیں۔

❶ کلام برکت

شہیدوں کو مرنے کے بعد ایک طرح کی زندگی (حاصل) ہے کہ اور مردوں کو (حاصل) نہیں (ہے) کھانا، پینا اور عیش اور خوشی ان (شہیدوں) کو پوری (طرح حاصل) ہے (ان کے علاوہ) اوروں کو قیامت کے بعد ہوگی۔ (موضح القرآن)

❷ (جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں) ایسے مقتول کو شہید کہتے ہیں اور اسکی نسبت گو یہ کہنا کہ وہ مرگیا صحیح اور جائز ہے لیکن اسکی موت کو دوسرے مردوں کی سی موت سمجھنے کی ممانعت کی گئی ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ بعد مرنے کے گو برزخی حیات (یعنی برزخ کی زندگی) ہر شخص کی روح کو حاصل ہے اور اسی سے جزا و سزا کا ادراک ہوتا ہے لیکن شہید کو اس حیات میں اور مردوں سے ایک گونہ امتیاز ہے اور وہ امتیاز یہ ہے کہ اسکی یہ حیات آثار میں اوروں سے قوی ہے۔ پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں پھر شہداء پھر اور معمولی مردے۔ (بیان القرآن)

❸ ان لوگوں کو جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل کئے گئے ہیں یہ نہ سمجھو کہ وہ مر گئے بلکہ وہ اپنے خدا کے پاس زندہ ہیں اور یہ زندگی کچھ فرضی نہیں جیسا کہ نیک نام کو لوگ مجازاً زندہ کہہ دیا کرتے ہیں اس معنیٰ سے کہ لوگوں میں اس کا نام زندہ ہے بلکہ ان کو حیات جاودانی اور حقیقی زندگی (حاصل) ہے وہ یرزقون روزی دیئے جاتے ہیں۔ شہیدوں کے زندہ ہونے سے ابوالقاسم وغیرہ معتزلہ نے یہ مراد لی ہے کہ وہ قیامت کو زندہ کئے جاویں گے اہلسنت کے نزدیک یہ قول غلط ہے اس لئے کہ خدا تعالیٰ ان کو احیاء (یعنی بالفعل زندہ ہیں) فرما رہا ہے۔ وہ احادیث جو شہیدوں کے بالفعل زندہ ہونے پر دلالت کر رہی ہیں حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں صحاح اور دیگر کتب حدیث ان سے مالا مال ہیں۔ بعض حمقاء نے اس سے مجازی معنیٰ مراد لئے ہیں کہ ان کا نام زندہ رہتا ہے کیونکہ (وہ) قوم اور ملت پر قربان ہوئے ہیں مگر یہ بھی لغو (یعنی فضول بات) ہے کیونکہ سیاق اور سباق کلام (اللہ) اور احادیث اور اجماع امت کے برخلاف اور تاویل باطل ہے۔ (تفسیر عثمانی)

نکتہ

اگر صرف یہ کہا جائے کہ شہید کی روح زندہ ہوتی ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ عام مردوں کی روح بھی زندہ ہوتی ہے۔ اگر کہا جائے کہ شہید کو حیات برزخی حاصل ہے تو عام مردوں کو بھی حیات برزخی حاصل ہے۔ پھر فرق کیا ہے؟ قرآن پاک بار بار سمجھا رہا ہے کہ شہید عام مردوں کی طرح نہیں ہے۔ یعنی اس میں اور عام مردوں میں بہت فرق ہے۔ قرآن پاک سمجھا رہا ہے کہ شہید "زندہ" ہے اگر اس سے مراد صرف یہ ہو کہ اسکی روح زندہ ہے تو یہ کونسی خاص بات ہے۔ یہ خصوصی زندگی کیا ہے؟ (جو قتل ہوتے ہی اس طرح سے فوراً شروع ہو جاتی ہے کہ گویا کہ دنیا والی زندگی ختم ہی

نہیں ہوئی) اور اس زندگی کی حقیقت اور کیفیت کیا ہے؟ اس کو کما حقہ سمجھنا تو انسان کے بس کی بات نہیں تاہم حضرات مفسرین اور فقہاء کرام نے اس پر تفصیلی کلام فرمایا ہے۔ یہاں اکابر کی وہ بعض عبارتیں ذکر کردی گئیں ہیں جن میں بہت بلیغ اشارات موجود ہیں۔ صاحب تفسیر حقانی نے اس موقع پر معتزلہ کے مسلک کی خوب تردید فرمائی ہے جو حیات شہداء کے منکر ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

جو لوگ شہید ہوگئے وہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے نفع اٹھا رہے ہیں جس طرح زندگی میں انسان نعمتوں سے متمتع ہوتا ہے (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

فائدہ

شہداء زندہ ہیں، اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت مقرب ہیں، انہیں رزق دیا جاتا ہے۔ ان باتوں پر ایمان لانا ضروری ہے، یہ فضائل ہر سچے مسلمان کے دل میں شوق شہادت پیدا کرنے کے لئے کافی ہیں اور یہ ان تمام وسوسوں کا جواب ہیں جو جہاد کے بارے میں دنیا پرست منافق ہر زمانے میں پھیلاتے ہیں ان کو شہادت (نعوذ باللہ) ہلاکت نظر آتی ہے کیونکہ دنیا کی زندگی اور اسکی نعمتیں ان کا مقصود ہوتی ہیں (واللہ اعلم بالصواب)

عند ربهم عندهنا تقتضي غاية القرب (قرطبی)

مقربون عنده ذو و زلفی (کشاف) یعنی شہداء کو اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت قرب حاصل ہے وہ اللہ تعالیٰ کے خصوصی مقرب ہیں۔ یرزقون انہیں رزق دیا جاتا ہے مثل ما یرزق سائر الاحیاء یاکلون ویشربون یعنی جس طرح تمام زندوں کو رزق دیا جاتا ہے وہ کھاتے پیتے ہیں۔ (کشاف) ”اور رزق ملنے کی کیفیت احادیث صحیحہ میں وارد ہے کہ ان کی ارواح قنادیل عرش میں رہتی ہیں اور جنت کی انہار سے پانی پیتی ہیں اور اس کے اثمار (یعنی پھلوں) سے کھاتی ہیں رواہ احمد وابو داؤد والحاکم عن ابن عباس مرفوعاً کذافی لباب النقول میں کہتا ہوں کہ یہ حصہ انہار و ثمار کا کسی ایسے مقام سے مل جاتا ہوگا جو جنت کے متعلق ہوگا پس یہ اشکال لازم نہیں آتا کہ جنت میں جا کر پھر حشر کے وقت کیسے نکالے جاویں گے (بیان القرآن)

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّة آیت ۱۷۰ تا ۱۷۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جو انہیں دیا ہے اس پر خوش ہونے والے ہیں اور ان کی طرف سے بھی خوش ہوتے ہیں جو

لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

ابھی تک ان کے پیچھے سے ان کے پاس نہیں پہنچے اس لیے کہ نہ ان پر خوف ہے اور نہ وہ

يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ

غم کھائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل سے خوش ہوتے ہیں اور اس بات سے کہ اللہ تعالیٰ

لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

ایمان والوں کی مزدوری کو ضائع نہیں کرتا

خلاصہ

(اور) وہ (شہداء کرام) خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل (اور کرم) سے عطاء فرمائی (مثلاً درجات قرب وغیرہ یعنی رزق حسی (کھانا پینا وغیرہ) بھی ملتا ہے اور رزق معنوی یعنی مسرت (اور خوشی بھی) اور (جس طرح وہ اپنے حال پر خوش ہیں اس طرح) جو لوگ (ابھی دنیا میں زندہ ہیں اور اسوجہ سے) ان کے پاس نہیں پہنچے (بلکہ) ان سے پیچھے (دنیا میں) رہ گئے ہیں ان کی بھی اس حالت پر وہ (شہداء) خوش ہوتے ہیں کہ (اگر وہ بھی شہید ہوجاویں تو ہماری طرح) ان پر بھی کسی طرح کا خوف (ناک سانحہ) واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ (کسی طرح) مغموم ہونگے (غرض انکو دو خوشیاں حاصل) ہیں اپنی بھی اور اپنے تعلق والوں کی بھی آگے ان دونوں خوشیوں کا سبب بتلاتے ہیں) وہ (اپنی حالت پر تو) خوش ہوتے ہیں بوجہ نعمت وفضل خداوندی کے (جو ان کے ساتھ مبذول ہے یعنی ان کی طرف متوجہ ہے) اور (دوسروں کی حالت پر خوش ہوتے ہیں) بوجہ اس کے کہ (وہاں جا کر آنکھوں سے دیکھ لیا کہ) اللہ تعالیٰ اہل ایمان (کے اعمال) کا اجر ضائع نہیں فرماتے (بلکہ جس درجہ کا عمل ہوتا ہے اسی درجہ کا اجر دیتے ہیں پس شہادت کہ ''افضل الاعمال'' ہے اس پر ''افضل اجور'' (یعنی افضل ترین اجر) ملے گا جس کے لوازم میں سے ہے کہ اصلا (یعنی بالکل) خوف وحزن نہ ہو (بیان القرآن)

جامع ومختصر تفسیر

''یعنی گھر میں بیٹھے رہنے سے موت تو رک نہیں سکتی ہاں آدمی اس موت سے محروم رہتا ہے جس کو موت کے

بجائے حیات جاودانی کہنا چاہیے۔ شہیدوں کو مرنے کے بعد ایک خاص طرح کی زندگی ملتی ہے جو اور مردوں کو نہیں ملتی ان کو حق تعالیٰ کا ممتاز قرب حاصل ہوتا ہے۔ بڑے عالی درجات و مقامات پر فائز ہوتے ہیں، جنت کا رزق آزادی سے پہنچتا ہے، جس طرح ہم اعلیٰ درجے کے ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر ذرا سی دیر میں جہاں چاہیں اڑے چلے جاتے ہیں، شہداء کی ارواح ''حواصل طیور خضر'' (یعنی سبز پرندوں کے جسموں میں) داخل ہو کر جنت کی سیر کرتی رہتی ہیں ''ان طیور خضر'' کی کیفیت وکلانی کو اللہ تعالیٰ ہی جانے، وہاں کی چیزیں ہمارے احاطۂ خیال میں کہاں آسکتی ہیں؟ اس وقت شہداء بے حد مسرور مبتہج ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دولت شہادت عنایت فرمائی، اپنی عظیم نعمتوں سے نوازا اور اپنے فضل سے ہر آن مزید انعامات کا سلسلہ قائم کر دیا، جو وعدے شہیدوں کے لئے پیغمبر علیہ السلام کی زبانی کئے گئے تھے انہیں آنکھوں سے مشاہدہ کر کے بے انتہا خوش ہوتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی محنت ضائع نہیں کرتا بلکہ خیال وگمان سے بڑھ کر بدلہ دیتا ہے، پھر نہ صرف یہ کہ اپنی حالت پر شاداں وفرحاں ہوتے ہیں بلکہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کا تصور کر کے بھی انہیں ایک خاص خوشی حاصل ہوتی ہے جن کو اپنے پیچھے جہاد فی سبیل اللہ اور دوسرے امور خیر میں مشغول چھوڑ آتے ہیں کہ وہ بھی اگر ہماری طرح اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے گئے یا کم از کم ایمان پر مرے تو اپنی حیثیت کے موافق ایسی ہی پر لطف اور بے خوف زندگی کے مزے لوٹیں گے نہ ان کو اپنے آگے کا ڈر ہو گا نہ پیچھے کا غم، مامون و مطمئن سیدھے خدا کی رحمت میں داخل ہو جائیں گے، بعض روایات میں ہے کہ شہدائے احد یا شہدائے بئیر معونہ نے خدا کے ہاں پہنچ کر تمنا کی تھی کہ کاش ہمارے اس عیش و تنعم کی خبر کوئی ہمارے بھائیوں تک پہنچا دے تا (کہ) وہ بھی اس (شہادت والی) زندگی کی طرف جھپٹیں اور جہاد سے جان نہ چرائیں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں (یہ خبر) پہنچاتا ہوں، اس پر یہ آیات نازل کیں اور ان کو مطلع کر دیا گیا کہ ہم نے تمہاری تمنا کے موافق خبر پہنچا دی اس پر وہ اور زیادہ خوش ہوئے (تفسیر عثمانی)

اقوال وحوالے

❶ ویستبشرون بالذین لم یلحقوابھم من خلفھم

(وہ پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں بھی، خوش ہوتے ہیں)

☆قال السدی : یؤتی الشھید بکتاب فیه ذکر من یقدم علیه من اخوانه فیستبشر کما یستبشر اھل الغائب بقدومه (قرطبی)

سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں شہید کو ایک فہرست دی جائے گی جس میں اس کے ان بھائیوں (یعنی مسلمانوں) کے نام ہونگے جو (شہید ہو کر) اس کے پاس پہنچیں گے پس وہ ایسے خوش ہو گا جس طرح کسی گمشدہ آدمی کے گھر والے اس کی واپسی کی خبر پر خوش ہوتے ہیں۔

☆وقال قتادة وابن جريج والربيع وغيرهم:استبشارهم بانهم يقولون: اخواننا الذين تركنا خلفنافي الدنيا يقاتلون في سبيل الله مع نبيهم فيستشهدون فينا لون من الكرامة مثل مانحن فيه فيسرون ويفرحون لهم بذلك (قرطبي). یعنی ان کی خوشی کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں ہمارے جو بھائی جہاد میں مشغول ہیں وہ بھی شہید ہو کر آئیں گے تو ایسے انعامات پائیں گے۔

☆وقيل ان الاشارة بالا ستبشار للذين لم يلحقوا بهم الى جميع المومنين وان لم يقتلوا الخ (قرطبي)

یعنی ایک قول یہ ہے کہ وہ پیچھے رہ جانے والے تمام مسلمانوں کے بارے میں خوش ہوں گے وہ شہید ہوں یا نہ ہوں کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ کے انعامات حاصل کر کے دین اسلام کے برحق ہونے کا عین الیقین حاصل ہو جائے گا۔

☆وقال سعيد بن جبير رحمه الله! لما دخلوا الجنة ورأوامافيها من الكرامة للشهداء قالو......الخ.

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شہداء جب جنت میں داخل ہوئے اور انہوں نے اس میں شہداء کے اعلیٰ اعزاز و اکرام کو دیکھا تو کہنے لگے کاش ہمارے دنیا میں رہ جانے والے بھائیوں کو اس اعزاز و اکرام کا علم ہو جائے تاکہ وہ خود جہاد میں نکلیں اور لڑائی میں حصہ لے کر شہید ہوں اور پھر ہماری طرح یہ اعزاز و اکرام پائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی بات پہنچادی پھر ان سے فرمایا کہ ہم نے تمہاری بات اور تمہاری موجودہ حالت کی خبر پہنچادی ہے، اس پر شہداء خوش ہوئے۔ (یعنی پیچھے والوں تک خبر پہنچنے سے انہیں خوشی ہوئی آیت میں اس کا ذکر ہے) (تفسیر ابن کثیر)

❷ ان (شہداء) کو وہاں ہر وقت خدا کی بے شمار نعمتوں سے فرحت اور سرور بھی (حاصل) ہے اور جو لوگ ان کے اقارب اور دوستوں میں سے ابھی زندہ ہیں اور ان (شہیدوں) کو ان (اقارب اور دوستوں) کی طرف سے فکر ہے کہ دیکھئے! وہ کیسے اعمال کرتے ہیں اور مر کر کہاں جاتے ہیں: جیسا کوئی مسافر منزل سخت اور ہولناک طے کر کے اپنے مقام پر جہاں ہر قسم کا آرام ہے پہنچ جائے۔ اور اس کے متعلق (یعنی تعلق والے) لوگ پیچھے ہوں اور اس کو فکر ہو کہ دیکھئے! (وہ لوگ) منزل کیونکر (یعنی کس طرح) طے کرتے ہیں سو ان (شہداء) کو وہاں خوشی سنائی جاتی ہے کہ تمہاری برکت سے ان پر بھی کچھ خوف و غم نہیں وہ بھی تمہارے ہی پاس آتے ہیں (عالم روحانی میں ان احیاء (زندہ شہیدوں) کو دنیا کا علم اور اشتیاق بھی رہتا ہے) اور یہ بھی مژدہ سنایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کے اجر اور دینی خدمت کو ضائع نہیں کرتا، تم اپنی نوکری پوری کر چکے ہو اب تم پر رحمت ہے (تفسیر حقانی)

❸ يستبشرون بنعمة من الله وفضل . وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل پر خوش ہوتے ہیں۔

حضرات مفسرین کے نزدیک نعمت سے مراد ان کے اعمال کا اجر جنت، مغفرت وغیرہ اور فضل سے مراد استحقاق

سے بڑھ کر مزید انعامات (جن کو رب تعالیٰ ہی جانتا ہے)

☆ای بجنة من الله ویقال: بمغفرة من الله وفضل هذا لزیادة البیان والفضل داخل فی النعمة، وفیه دلیل علی اتساعها وانها لیست کنعم الدنیا (قرطبی)

☆نعمت یہ کہ اجرانہیں پوراپورامل رہاہے ای ثوابالاعمالهم (بیضاوی) فضل یہ کہ انعام واکرام استحقاق سے کہیں بڑھ کر ملا ای زیادة علیه (بیضاوی) (تفسیر ماجدی)

ایک حدیث شریف

امام قرطبی رحمہ اللہ نے نعمت اور فضل کی تفسیر اس حدیث پاک سے فرمائی ہے:

عن المقدام بن معدی کرب قال قال رسول الله صلی الله علیه وسلم للشهیدعند الله ست خصال. یغفرله فی اول دفعةٍ ویری مقعده من الجنة ویجار من عذاب القبر ویأ من الفزع الاکبر ویوضع علی راسه تاج الوقار الیاقوتة منها خیر من الدنیا وما فیها ویزوج اثنتین وسبعین زوجة من الحور العین ویشفع فی سبعین من اقاربه (قرطبی).

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ شہید کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں چھ انعامات ہیں۔ پہلے ہی لمحے اسکی بخشش کردی جاتی ہے۔ وہ جنت میں اپنا ٹھکانا دیکھ لیتا ہے۔ اسے عذاب قبر سے بچادیا جاتا ہے۔ اور وہ (قیامت کے دن کے) بڑے خوف سے مأمون رہتا ہے۔ اور اس کے سر پر وقار کا تاج رکھا جاتا ہے جس کا ایک موتی دنیا و مافیھا سے بہتر ہے اور بہتر (۷۲) حورعین سے اسکی شادی کرادی جاتی ہے اور اس کے اقارب میں سے ستر کے حق میں اسکی شفاعت قبول کی جاتی ہے۔ ترمذی کی یہ روایت لکھنے کے بعد امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وهذا تفسیر للنعمة والفضل والآثار فی هذا المعنیٰ کثیرة وروی عن مجاهد انه قال السیوف مفاتیح الجنة (قرطبی)

یہ ہے نعمت اور فضل کی تفسیر۔ اور اس بارے میں آثار بہت زیادہ ہیں مجاہد رحمہ اللہ کے بارے میں آتا ہے کہ انہوں نے فرمایا تلواریں جنت کی چابیاں ہیں۔ (قرطبی)

دعاء

اللهم یا ربنا یا ربنا یا ربنا یا ربنا یا ربنا ارزقنا شهادة فی سبیلك.

★★★

سورۃ آل عمران آیت ۱۷۲ تا ۱۷۵ کے مضامین غزوۂ حمراء الاسد اور غزوۂ بدر موعد سے متعلق ہیں، اس لیے ان آیات مبارکہ کی تفسیر پڑھنے سے پہلے ان دونوں غزوات کا مختصر تذکرہ ملاحظہ فرمائیں!

غزوۂ حمراء الاسد

۱۶ شوال یوم یکشنبہ ۳ھ

قریش جب جنگ احد سے واپس ہوئے اور مدینہ سے چل کر مقام روحاء میں ٹھہرے تو یہ خیال آیا کہ کام ناتمام رہا جب ہم محمد کے بہت سے اصحاب کو قتل کر چکے اور بہت سوں کو زخمی تو بہتر یہ ہے کہ پلٹ کر دفعۃً مدینہ پر حملہ کر دینا چاہئے مسلمان اس وقت بالکل خستہ اور زخمی ہیں مقابلہ کی تاب نہ لا سکیں گے، صفوان بن امیہ نے کہا کہ بہتر یہ ہے کہ مکہ واپس چلو۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اصحاب جوش میں بھرے ہوئے ہیں ممکن ہے کہ دوسرے حملہ میں تم کو کامیابی نہ ہو۔

۱۵ شوال یوم شنبہ کی شام کو قریش روحاء میں پہنچے اور یکشنبہ کی شب میں یہ گفتگو ہوئی یکشنبہ کی یہ شب گزرنے نہ پائی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخبر نے عین صبح صادق کے وقت اس کی اطلاع دی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھیج کر تمام مدینہ میں منادی کرا دی کہ خروج کیلئے تیار ہو جائیں اور فقط وہی لوگ ہمراہ چلیں کہ جو معرکہ احد میں شریک تھے۔ جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ یارسول اللہ میرے باپ غزوۂ احد میں شہید ہوئے بہنوں کی خبر گیری کی وجہ سے میں احد میں شریک نہ ہو سکا۔ اب میں ساتھ چلنے کی اجازت چاہتا ہوں، آپ نے ساتھ چلنے کی اجازت دی اس خروج سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ دشمن یہ نہ سمجھ لے کہ مسلمان کمزور ہو چکے ہیں۔ باوجود یہ کہ صحابہ خستہ اور نیم جان ہو چکے تھے اور ایک شب بھی آرام نہ کیا تھا کہ آپ کی ایک آواز پر پھر نکل کھڑے ہوئے۔

رشتہ در گردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

۱۶ رشوال یوم یکشنبہ کو مدینہ سے چل کر آپ نے مقام حمراء الاسد پر قیام فرمایا جو مدینہ سے تقریباً آٹھ دس میل کے فاصلہ پر ہے آپ مقام حمراء الاسد میں مقیم تھے کہ قبیلہ خزاعہ کا سردار معبد خزاعی، احد کی شکست کی خبر سن کر بغرض تعزیت آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ کے ان اصحاب کی تعزیت کی جو احد میں شہید ہوئے تھے معبد آپ سے رخصت ہو کر ابو سفیان سے جا کر ملا۔ ابو سفیان نے اپنا خیال ظاہر کیا کہ میرا ارادہ ہے کہ دوبارہ مدینہ پر حملہ کیا جائے۔ معبد نے کہا کہ محمد تو بڑی عظیم الشان جمعیت لے کر تمہارے مقابلہ اور تعاقب کیلئے نکلے ہیں ابو سفیان یہ سنتے ہی مکہ واپس ہو گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تین دن قیام فرما کر جمعہ کے روز مدینہ تشریف لائے۔

اسی بارے میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

الذین استجابوا للہ والرسول من بعد ما اصابھم القرح للذین احسنوا منھم واتقوا اجر عظیم۔ (آل عمران آیت ۱۷۲)

جن لوگوں نے اللہ اور رسول کی بات کو مانا بعد اس کے کہ ان کو زخم پہنچ چکا تھا تو ایسے نیکوکاروں اور پرہیز گاروں کیلئے اجر عظیم ہے۔

(فتح الباری ص ۳۸۷ ج ۷ باب قول اللہ عز وجل الذین استجابوا للہ والرسول البدایۃ والنھایۃ ص ۴۸ ج ۴ زرقانی ص ۵۹ ج ۲۔ ماخوذ از سیر المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، مؤلفہ حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ)
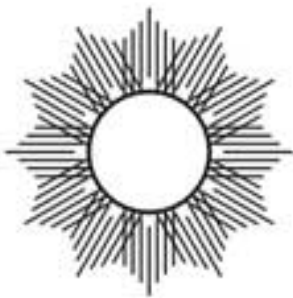
غزوۂ بدر موعد

شعبان ۴ھ

غزوۂ ذات الرقاع سے واپسی کے بعد آخر رجب تک آپ مدینہ ہی میں مقیم رہے۔ احد سے واپسی کے وقت چونکہ ابوسفیان سے وعدہ ہو چکا تھا کہ سال آئندہ بدر میں لڑائی ہوگی اس بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ سو صحابہ کو اپنے ہمراہ لے کر ماہ شعبان میں بدر کی طرف روانہ ہوئے بدر پہنچ کر آٹھ روز تک ابوسفیان کا انتظار فرمایا۔ ابوسفیان بھی اہل مکہ کو لے کر مر الظہران تک پہنچا لیکن مقابلہ کی ہمت نہ ہوئی اور یہ کہہ کر واپس ہوا کہ یہ سال قحط اور گرانی کا ہے جنگ وجدال کا نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ روز کے انتظار کے بعد جب مقابلہ سے ناامید ہوئے تو بلا جدال وقتال مدینہ واپس ہوئے۔ (ابن ہشام ج ۴ ص ۱۳۶)

ابوسفیان اگرچہ احد سے واپسی کے وقت یہ کہہ گیا تھا کہ سال آئندہ پھر بدر پر لڑائی ہوگی۔ مگر اندر سے ابوسفیان کا دل مرعوب تھا، دل سے یہ چاہتا تھا کہ حضور پرنور بھی بدر پر نہ آئیں تاکہ مجھے ندامت اور شرمندگی نہ ہو۔ اور الزام مسلمانوں پر رہے۔ نعیم [1] بن مسعود نامی ایک شخص مدینہ جا رہا تھا اس کو مال دینا منظور کیا کہ مدینہ پہنچ کر مسلمانوں میں یہ مشہور کرے کہ اہل مکہ نے مسلمانوں کے استیصال کیلئے بڑی بھاری جمعیت اکٹھی کی ہے لہٰذا تمہارے لیے بہتر یہی ہے کہ قریش کے مقابلہ کیلئے نہ نکلو۔ ابوسفیان کا مقصد یہ تھا کہ جب اس قسم کی خبریں مشہور ہوں گی تو مسلمان خوف زدہ ہو جائیں گے۔ اور جنگ کے لئے نہیں نکلیں گے۔ (جس کو آج کل کی اصطلاح میں پروپیگنڈا کہتے ہیں) سنتے ہی مسلمانوں کے جوش ایمانی میں اور اضافہ ہو گیا۔ اور حسبنا اللہ ونعم الوکیل پڑھتے ہوئے بدر کی طرف روانہ ہو گئے اور حسب وعدہ بدر پہنچے وہاں ایک بڑا بازار لگتا تھا تین روز رہ کر تجارت کی اور خوب نفع اٹھایا اور خیر وبرکت کے ساتھ مدینہ واپس ہوئے اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی:

الذین استجابوا للّٰہ والرسول من بعد ما اصابھم القرح للذین احسنوا منھم واتقوا اجر عظیم ٥ الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم فاخشوھم فزادھم ایمانا وقالوا حسبنا اللّٰہ ونعم الوکیل ٥ فانقلبوا بنعمۃ من اللّٰہ وفضل لم یمسسھم سوٓء واتبعوا رضوان اللّٰہ واللّٰہ ذو فضل عظیم ٥ انما ذلکم الشیطن یخوف اولیآء ہ فلا تخافوھم وخافون ان کنتم مؤمنین ۔ (سورۃ آل عمران ۱۷۵)

---

[1] علامہ ابن حجرؒ کی وضاحت کے مطابق یہ نعیم بن مسعود بعد میں مسلمان ہو گئے تھے (رضی اللہ عنہ) (فتح الباری ج ۹ ص ۹۷)

فائدہ

اس آیت میں جھوٹی خبریں مشہور کرنے والے کو حق تعالیٰ نے شیطان فرمایا ہے۔ قال تعالیٰ انما ذلکم الشیطن یخوف اولیآءہ اور حق تعالیٰ نے پروپیگنڈہ کا علاج اور جواب یہ بتلا دیا ہے کہ تم اپنی قدرت کے مطابق جہاد وقتال کی تیاری کرو اور حسبنا اللہ ونعم الوکیل پڑھو یعنی بھروسہ اللہ پر رکھو۔ معاذ اللہ یہ نہ کرنا کہ شیطان کی طرح تم بھی اپنے دشمنوں کے متعلق جھوٹی خبریں اڑانے لگو جھوٹ کا جواب سچائی سے دو۔ معاذ اللہ اگر تم نے بھی جھوٹ کے جواب میں جھوٹ بولا تو پھر فائدہ ہی کیا ہوا۔ اسلام اپنے دشمنوں کے متعلق بھی جھوٹ بولنے کی اجازت نہیں دیتا۔ (ماخوذ از سیرت المصطفیٰ مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ)
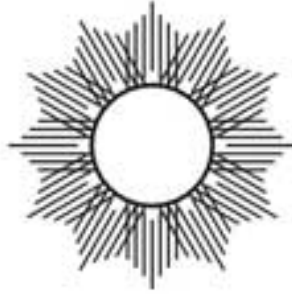
سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۷۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ

جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم مانا بعد اس کے کہ انہیں زخم پہنچ چکے تھے

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ (۱۷۲)

جو ان میں سے نیک ہیں اور پرہیزگار ہوئے ان کے لئے بڑا اجر ہے

خلاصہ

غزوۂ احد کے بعد جن لوگوں نے زخمی حالت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم مانا اور جہاد کے لئے نکلے۔ ان محسن و متقی لوگوں کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔

شانِ نزول

اکثر مفسرین حضرات کے نزدیک یہ آیت غزوۂ حمراء الاسد کے مجاہدین کی شان میں نازل ہوئی ہے۔ (علامہ قرطبی رحمہ اللہ نے اسے جمہور کا قول قرار دیا ہے۔ هذا تفسير الجمهور لهذه الاية (قرطبی)

مگر بعض مفسرین حضرات نے ان آیات کا تعلق غزوۂ بدر صغریٰ سے جوڑا ہے امام قرطبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مجاہد رحمہ اللہ اور عکرمہ کا قول ہے۔

وشذ مجاهد وعكرمه رحمهما الله تعالىٰ فقالا: ان هذه الاية انما نزلت فی خروج النبی صلی اللہ علیه وسلم الی بدر الصغریٰ (قرطبی)۔

حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ نے اسی قول کو اختیار فرمایا ہے چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

جب جنگ احد فتح ہوئی ابوسفیان کہ سردار تھا کافروں کا کہہ گیا کہ اگلے سال بدر پر پھر لڑائی ہے اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کر لیا۔ جب اگلا سال آیا حضرت نے لوگوں کو حکم دیا کہ چلو لڑائی کو، اس وقت جنہوں نے رفاقت کی اور تیار ہوئے ان کو بشارت ہے کہ شکست کے بعد پھر جرأت کی۔ (موضح القرآن)

امام رازیؒ کی عجیب تحقیق

امام رازی رحمہ اللہ نے ان آیات کو الگ الگ کر دیا ہے ان کے نزدیک یہ آیت (۱۷۲) غزوۂ حمراء الاسد کے متعلق ہے اما غزوة حمراء الاسد فهی المراد من هذه الاية (تفسير كبير) اور اگلی آیت (۱۷۳) اور (۱۷۴) غزوۂ بدر صغریٰ کے بارے میں ہے۔ (تفسیر کبیر)

شان نزول کے اقوال وواقعات

❶ عن عروة بن الزبير قال: قالت لي عائشة رضي الله عنها كان ابوك من الذين استجابوا لله والرسول من بعدما اصابهم القرح (قرطبی).

حضرت عروہ بن زبیر بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا تمہارے والد بھی ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے (اس آیت کے مطابق) زخمی ہونے کی حالت میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا حکم مانا۔

❷ فانتدب ابو بكر والزبير فی سبعين. (قرطبی)

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت پر حضرت ابو بکر اور حضرت زبیر سمیت ستر افراد نکلے۔

❸ استنفر الرسول لطلب الكفار فاستجاب له تسعون (البحر المحيط).

یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کا پیچھا کرنے کے لئے نکلنے کا حکم دیا تو نوے افراد نے (فوراً) لبیک کہی۔

❹ لما كان فی يوم الأحد وهو الثانی من يوم احد نادى رسول الله صلى الله عليه وسلم فی الناس باتباع المشركين وقال لايخرج معنا الا من شهدها بالامس فنهض معه مأتا رجل من المومنين. (قرطبی)

جب اتوار کا دن آیا یعنی غزوۂ احد کے بعد والا دن تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کا تعاقب کرنے کے لئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہما کو پکارا اور ارشاد فرمایا ہمارے ساتھ صرف وہی لوگ نکلیں جو کل جنگ میں شریک تھے، یہ سنکر دو سو افراد آپ کے ساتھ روانہ ہوگئے۔ (تعداد میں اختلاف ہے زیادہ مضبوط قول تو ستر افراد والا ہے۔ جبکہ سیرت حلبیہ میں لکھا ہے کہ وہ تمام صحابہ کرام جو غزوۂ احد میں شریک تھے اور شہید نہیں ہوئے تھے غزوۂ حمراء الاسد میں نکلے)

❺ ایک عجیب واقعہ

وقيل ان الاية نزلت فی رجلين من بنی عبدالاشهل كانا مثخنين بالجراح يتوكأ احدهما على صاحبه الخ. (قرطبی)

یعنی ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت قبیلہ بنی عبدالاشھل کے دو افراد کے متعلق نازل ہوئی یہ دونوں زخموں کی وجہ سے خون میں لت پت تھے۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پکارنے پر حمراء الاسد کی طرف اس طرح نکلے کہ دونوں ایکدوسرے کا سہارا لیکر چلتے تھے۔

❻ ایک نادر قول

قال ابوبكر الاصم: نزلت هذه الاية فی يوم احد الخ. یعنی ابوبکر الاصم رحمہ اللہ کا قول یہ ہے کہ آیت خود غزوۂ احد کے بارے میں ہے کہ جب مشرکین نے فتح حاصل کرلی تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی

اللہ عنہما کو پکارا۔زخمی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جمع ہو کر دوبارہ حملہ کیا اور مشرکین کو بھگا دیا۔(التفسیر الکبیر)

۷ جہاد میں نکلنے کے مناظر

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وروی انہ کان فیھم من یحمل صاحبہ علی عنقہ ساعۃ ثم کان المحمول یحمل الحامل ساعۃ أخری وکان کل ذلک لاثخان الجراحات فیھم وکان فیھم من یتوکأ علی صاحبہ ساعۃ ویتوکأ علیہ صاحبہ ساعۃ (التفسیر الکبیر)

یعنی مروی ہے کہ غزوہ حمراء الاسد میں نکلنے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے بعض اس حالت میں تھے کہ ان کا ساتھی کچھ دیر انہیں اٹھا کر چلتا تھا پھر تھوڑی دیر کے لئے وہ اپنے ساتھی کو اٹھا کر چلتے (یعنی باری باری ایکدوسرے کو اٹھاتے تھے) اور ایکدوسرے کا سہارا لیکر چلتے تھے، اس لئے کہ وہ زخموں سے چور تھے۔

۸ فربما کان فیھم المثقل بالجراح لایستطیع المشی ولا یجد مرکوبا فربما یحمل علی الاعناق وکل ذلک امتثال لامر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ورغبۃ فی الجھاد (قرطبی)

ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں کئی افراد زخموں سے بوجھل تھے نہ خود چل سکتے تھے اور نہ ان کے پاس سواری تھی بعض اوقات وہ کندھوں پر اٹھا کر لیجائے گئے یہ سب کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری اور جہاد کے شوق میں برداشت کیا جا رہا تھا۔

لغت

استجابو بمعنیٰ اجابوا ہے اور احسنوامنھم میں من تبعیض کے لئے نہیں تبیین کے لئے ہے کیونکہ وہ سب محسن ومتقی تھے۔

"استجاب بمعنیٰ اجاب۔ قال صاحب الکشاف من" فی قولہ للذین احسنوا منھم للتبیین لان الذین استجابوا اللہ والرسول قداحسنو واتقوا کلھم لا بعضم۔ (التفسیر الکبیر)

سُوْرَةُ آلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۷۳، ۱۷۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ

جنہیں لوگوں نے کہا کہ مکہ والوں نے تمہارے مقابلہ کیلئے سامان جمع کیا ہے سو تم ان سے ڈرو

فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا

تو ان کا ایمان اور زیادہ ہوا اور کہا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ پھر مسلمان

بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا

اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ لوٹ آئے انہیں کوئی تکلیف نہ پہنچی اور اللہ تعالیٰ کی

رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾

مرضی کے تابع ہوئے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے

خلاصہ

زخمی حالت میں جہاد کے لئے جانے والے یہ لوگ ایسے مخلص اور بہادر ہیں کہ جب ان کو بتایا گیا کہ دشمنوں نے تمہارے خلاف خوب تیاری کر لی ہے اور بہت سامان جنگ جمع کر لیا ہے اس لئے تم لوگ ڈر جاؤ تو یہ سن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انہوں نے کہا۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

ہماری مدد کے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔ پھر یہ لوگ میدان جنگ سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے فضل کی جھولیاں بھر کر صحیح سالم لوٹ آئے۔ انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچی اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع رہے۔ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

اقوال وحوالے

۱ غزوۂ حمراء الاسد ہو یا غزوۂ بدر صغریٰ (ثانیہ)

مشرکین کے سردار ''ابوسفیان'' نے مسلمانوں کے خلاف جنگ کا ایک مؤثر طریقہ اختیار کیا۔ اس نے حمراء الاسد کے موقع پر کچھ دیہاتی مسافروں کو اور بدر صغریٰ کے موقع پر نعیم بن مسعود ثقفی کو مال دیکر خریدا اور ان کے ذمہ یہ کام لگایا کہ وہ مسلمانوں کو مشرکین مکہ کے لشکر سے خوفزدہ کریں۔ دراصل ابوسفیان کو احد میں جو فتح ملی تھی اسے وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ محض ایک اتفاقی فتح ہے۔ اس نے احد کے دن بھی جنگ کے شروع اور آخر میں مسلمان مجاہدین کی جانبازی، سرفروشی اور دیوانگی دیکھ لی تھی۔ اور اب اس کے دل سے مقابلہ کی ہمت نکل چکی تھی۔ اس لئے اس نے

کرائے کے افراد بھرتی کئے جو مسلمانوں کو جا کر کفار کی طاقت سے مرعوب کریں اور ایسی باتیں پھیلائیں کہ مسلمان خوفزدہ ہو کر مقابلہ پر ہی نہ آئیں چنانچہ ان افراد نے آ کر مسلمانوں کو ڈرانے کی خوب کوشش کی۔ مگر ان کی ہر تدبیر الٹی پڑی اور ان کی باتوں سے مخلص مسلمانوں کا ایمانی جذبہ بڑھتا چلا گیا۔ اور وہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل کا نعرۂ مستانہ لگا کر میدان میں اتر آئے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

تدبیر نا کام

❷ فقدم علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وافزع الناس وخوفهم اللقاء فقال الرسول صلی اللہ علیہ وسلم والذی نفسی بیدہ لاخرجن ولووحدی فاما الجبان فرجع واما الشجاع فتجهز للقتال وقال: حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ (البحر المحیط)

یعنی ابو نعیم اشجعی نے دس اونٹ معاوضہ کے طور پر لئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر لوگوں کو خوفزدہ کرنے لگا اور جنگ سے ڈرانے لگا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں ضرور جہاد کے لئے نکلوں گا اگر چہ مجھے اکیلا ہی نکلنا پڑے۔ پس جو بزدل تھے وہ ڈر کی وجہ سے رک گئے اور جو بہادر تھے وہ نکلنے کے لئے تیار ہو گئے اور انہوں نے کہا حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

عجیب نکتہ

اگر کسی کو اپنی جان کی فکر ہو اور اس کے نزدیک دنیا میں زندہ رہنا اور مزے کرنا ہی سب سے اہم کام ہو تو وہ ضرور دشمنوں کی طاقت کا سنکر ڈر جاتا ہے۔ مگر جس کا مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا اور دین کی سربلندی ہو تو اسے دشمنانِ اسلام کی طاقت کا سن کر اور زیادہ غصہ آتا ہے۔ کیونکہ دشمنانِ اسلام کا طاقتور ہونا دین کی سربلندی کے لئے خطرناک ہے۔ تب اسکی غیرت ایمانی جوش میں آجاتی ہے۔ اور وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے لڑنے کے لئے بے تاب ہو جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

نکتہ

جس کو دنیا کی زندگی سب کچھ نظر آتی ہو اسے جب بتایا جائے کہ طاقتور دشمن حملہ کرنے آ رہا ہے تو وہ ڈر جاتا ہے۔ کیونکہ اسے اپنی دنیا کی زندگی کے ختم ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ مگر جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے لئے تڑپ رہا ہو۔ اور جس کے دل میں شہادت کا شوق مچل رہا ہو۔ ایسے آدمی کو جب بتایا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی خوشی اور تیاری میں اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

❸ کلام برکت

ابو سفیان نے چاہا کہ حضرت وعدے پر نہ آویں تو الزام انہیں پر رہے اور لڑائی سے خوف کھا کر ایک شخص مدینے کی طرف جاتا تھا اس کو کچھ دینا کیا (یعنی کچھ مال دیا) کہ وہاں اس طرف کی ایسی خبریں کہیو کہ وہ خوف کھاویں اور جنگ کو

نہ آویں۔ وہ شخص مدینے میں پہنچ کر کہنے لگا کہ مکے کے لوگوں نے بڑی جمعیت (تیار) کی ہے تم کو لڑنا بہتر نہیں۔ مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے استقلال دیا اور (انہوں نے) یہی کہا کہ ہم کو اللہ بس (کافی) ہے آخر بدر پر گئے، تین روز رہ کر تجارت کر کر نفع لے کر پھر آئے۔ (موضح القرآن)

❷ وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

روی البخاری رحمہ اللہ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال فی قولہ تعالیٰ الذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم الی قولہ وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل قال ابراھیم الخلیل علیہ السلام حین اُلقی فی النار وقالھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم حین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم۔ (واللہ اعلم)

یعنی بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل وہ کلمہ ہے کہ جسے حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام نے کہا جب ان کو آگ میں ڈالا گیا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا جب ان کو بتایا گیا کہ مشرکین مکہ نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف خوب تیاری کر لی ہے۔ واللہ اعلم (قرطبی)

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال: قال :رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا وقعتم فی الامر العظیم فقولوا ! حسبنا اللہ ونعم الوکیل (ابن کثیر)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم کسی بڑے معاملے میں پڑ جاؤ تو کہو حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں حسبنا اللہ ونعم الوکیل کے فضائل پر مزید بھی کئی روایات ذکر فرمائی ہیں۔ وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

"واخرج ابن ابی الدنیا عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اذا اشتد غمہ مسح بیدہ علی رأسہ ولحیتہ ثم تنفس الصعداء وقال: حسبی اللہ ونعم الوکیل۔ (روح المعانی)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت غم پہنچتا تو آپ سر اور ڈاڑھی مبارک پر ہاتھ پھیرتے اور لمبا سانس لیکر فرماتے حسبی اللہ ونعم الوکیل۔

نکتہ

قرآن پاک کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جہاد کے موقع پر یہ کلمہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل کہا تھا جو اللہ تعالیٰ کو پسند آیا۔ پس مجاہدین کو اس کا خاص اہتمام کرنا چاہیے۔

❺ فانقلبوا بنعمة من الله وفضل۔

''پھر مسلمان اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ لوٹ آئے'' نعمت اور فضل سے کیا مراد ہے؟ حضرات مفسرین نے کئی اقوال نقل فرمائے ہیں۔ ایک جامع قول ملاحظہ فرمائیں:

بنعمة من الله نعمت مقبولیت اور ترقی ایمان کے ساتھ۔

فضل یعنی دنیوی نفع کے ساتھ بھی۔

چنانچہ یہاں (اللہ تعالیٰ) کا فضل مسلمانوں پر ان صورتوں میں ظاہر ہوا۔ ❶ ان کے درجہ ایمان میں ترقی ہوئی۔ ❷ انہیں معرکہ جہاد میں نکلنے کی توفیق ہوئی۔ ❸ وہ پُر قوت دشمن کی شوکت وصولت سے ذرا مرعوب نہ ہوئے مقابلہ کی ہمت قائم رکھی۔ ❹ مالی وتجارتی منافع حاصل ہوئے۔ ❺ اجر عظیم کی بشارت ملی۔ (تفسیر ماجدی)

قال علماءُ نا: لما فو ضوا امورهم اليه ،واعتمدوا بقلو بهم عليه اعطاهم من الجزاء اربعة معانٍ:النعمة، والفضل، وصرف السوء، واتباع الرضا فرضا هم عنه،ورضی عنهم (قرطبی)

''یعنی اللہ تعالیٰ کا فضل دیکھو نہ کچھ لڑائی کرنی پڑی، نہ کانٹا چبھا، مفت میں ثواب کمایا، تجارت میں نفع حاصل کرکے اور دشمنوں پر دھاک بٹھلا کر خدا تعالیٰ کی خوشنودی لئے ہوئے صحیح سلامت گھر واپس آ گئے۔ (تفسیر عثمانی)

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۷۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَ

سو یہ شیطان ہے کہ اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے پس تم ان سے مت ڈرو اور

خَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱۷۵

مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان دار ہو

خلاصہ

اے مسلمانو! جو شخص تمہیں اپنے یاروں یعنی کافروں سے ڈرا رہا ہے وہ شیطان ہے۔ کافروں سے ڈر کر جہاد میں کمزوری نہ دکھاؤ بلکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور جہاد میں نکلو اگر تم ایمان والے ہو۔

اقوال وحوالے

یخوف اولیاءہ وہ تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے۔

❶ ای باؤلیاءہ یعنی یخوف المومن بالکافر۔ (القرطبی)

یعنی وہ شیطان مسلمانوں کو کافروں سے ڈراتا ہے۔

ان المرادھذا الذی یخوفکم بجمع الکفار شیطان من شیاطین الانس۔ (قرطبی)

یعنی مطلب یہ ہے کہ جو شخص تمہیں کافروں کی طاقت سے ڈرا رہا ہے وہ انسانی شیطانوں میں سے ایک شیطان ہے۔

❷ یعنی جو ادھر سے آکر مرعوب کن خبریں پھیلاتا ہے وہ شیطان ہے یا شیطان کے اغوا (یعنی بہکانے) سے ایسا کر رہا ہے جسکی غرض یہ ہے کہ اپنے چیلوں چانٹوں یا بھائی بندوں کا رعب تم پر بٹھلا کر خوفزدہ کر دے سو اگر تم ایمان رکھتے ہو (اور ضرور رکھتے ہو جس کا ثبوت عملاً دے چکے ہو) تو ان شیطانوں سے اصلاً (بالکل) مت ڈرو صرف مجھ سے ڈرتے رہو (تفسیر عثمانی)

❸ القول الثالث ان معنی الایۃ یخوف اولیائہ المنافقین لیقعد ھم عن قتال المشرکین والمعنیٰ الشیطان یخوف اولیائہ الذین یطیعونہ ویؤ ثرون امرہ فاما اولیاء اللہ فانھم لا یخافو نہ اذا خوفھم ولا ینقادون لامرہ۔ وھذا قول الحسن والسدی۔

یعنی ایک قول یہ ہے کہ شیطان اپنے یار منافقین کو ڈراتا ہے تاکہ وہ مشرکین کے خلاف جہاد نہ کریں، مقصد یہ ہے کہ شیطان اپنے ان یاروں کو جو اس کا کہنا مانتے ہیں اور اسکی بات کا اثر لیتے ہیں جہاد سے ڈراتا ہے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ

کے دوست شیطان کی بات میں نہیں آتے اور نہ اس کے خوفزدہ کرنے سے ڈرتے ہیں۔ (التفسیر الکبیر)

(۴) شیطان کہیں بھی اپنی اصلی صورت میں آ کر حملہ نہیں کرتا، جب وار کرتا ہے کسی نہ کسی انسانی شکل وقالب ہی میں آ کر، اور یہی اولیاء الشیطان (شیطان کے یار) کہلاتے ہیں، یہاں اس جماعت کا لیڈر نعیم ثقفی تھا۔ (تفسیر ماجدی)

۵ کلام برکت

یعنی وہ شخص جو خبر کہتا تھا اسکو شیطان سکھاتا تھا۔ (موضح القرآن)

۶ فلا تخافوھم پس تم کافروں سے نہ ڈرو فتقعدوا عن القتال وتجبنوا. (التفسیر الکبیر)

کہ ان سے ڈر کر جہاد سے بیٹھ جاؤ اور بزدلی دکھانے لگو۔

۷ وخافون اور مجھ (اللہ تعالیٰ) سے ڈرو فجاھدوا مع رسولی وسارعوا الی مایامرکم به. پس میرے رسول کے ساتھ جہاد میں نکلو اور وہ جس بات کا حکم دیں اسے فوراً بجالاؤ۔ (التفسیر الکبیر)

۸ ان کنتم مومنین اگر تم ایمان والے ہو یعنی أن الایمان یقتضی ان تؤثروا خوف الله علی خوف الناس.

یعنی ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے خوف کو لوگوں کے خوف پر ترجیح دو۔ (التفسیر الکبیر)

فائدہ

کئی مفسرین حضرات کے نزدیک اس آیت پر غزوۂ احد کی بحث مکمل ہوگئی آگے بعض دیگر مضامین کا ذکر ہے۔

"یہاں غزوۂ احد کی بحث ختم ہوگئی۔ (تفسیر الفرقان)

مگر بعض مفسرین اگلی آیات کا تعلق بھی اس مضمون سے جوڑتے ہیں ملاحظہ فرمایئے تفسیر کبیر۔ تب اگلی آیات کو بھی جہادی مضامین میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ (واللہ اعلم)

فائدہ

اس آخری آیت میں اس بات کی تنبیہ معلوم ہوتی ہے کہ شکست کے بعد جماعت کا ابھرنا تبھی ممکن ہوگا جب کافروں کی طاقت کا پروپیگنڈہ کرنے والے منافقوں اور شیطانوں کی باتوں کو نہ سنا جائے اور اپنے دل کو کافروں کی طاقت کے رعب سے پاک رکھا جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کا نور بھرا جائے اور اللہ تعالیٰ کے خوف سے اپنے دلوں کو منور کیا جائے۔ (واللہ اعلم)

نکتہ

غزوۂ احد کے مفصل تذکرہ کے بعد غزوۂ حمراء الاسد کا بیان اس بات کا اشارہ دیتا ہے کہ شکست کے بعد اگر آرام کی بجائے کام شروع کر دیا جائے تو جماعت کی قوت مضبوط ہو جاتی ہے اور اس کے لئے دوبارہ ابھرنا

اور منظم ہونا آسان ہو جاتا ہے ورنہ اگر شکست کے بعد ہر کوئی آرام اور علاج کے لئے گھروں میں بیٹھ جائے تو پھر اجتماعیت اور قوت کو شدید نقصان پہنچ سکتا ہے۔ اس لئے اشارۃً ترغیب دی گئی کہ جہاد میں ظاہری شکست کے بعد دوبارہ قوت حاصل کرنے کا طریقہ بھی جہاد ہے۔ اور آزمائش کے بعد جو لوگ ''کچھ عرصہ آرام'' کے بہانے گھر بیٹھ جاتے ہیں ان کا دوبارہ میدان عمل میں آنا مشکل ہوتا ہے۔ اور ان پر منافقوں اور شیطانوں کی باتیں بھی سخت اثر ڈالتی ہیں۔ اس لئے زخمی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کا رستہ نہ چھوڑا جائے اور نہ تکلیف اور پریشانی کا عذر کر کے جہاد سے غفلت کی جائے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

موجودہ دور میں مسلمانوں کو ظاہری شکست کا سامنا ہے جو انہیں افغانستان وغیرہ میں کفریہ طاقتوں کے مقابلہ میں ہوئی۔ مگر اس شکست میں بڑی حکمتیں ہیں اور مسلمانوں کے لئے بے شمار سبق ہیں، اور ان شاء اللہ اس کے بعد فتح کا دور ہے۔ سورۃ ال عمران کی آیات (۱۳۹) تا (۱۷۵) موجودہ دور میں مسلمانوں کو سنبھلنے اور ابھرنے کا پورا نصاب سمجھاتی ہیں۔ اور ان تمام شبہات کا جواب دیتی ہیں جو آج ہر طرف پھیلائے جا رہے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا اس امت پر احسان ہے کہ قرآن پاک جیسی کتاب اس نے اس امت کو عطا فرمائی ہے۔ جس میں ہر زمانے اور حالات کے لئے مکمل ہدایات موجود ہیں۔ سورۃ ال عمران کی ان آیات کا بار بار مذاکرہ کیا جائے۔ اور اس میں سمجھائے گئے اسباق پر عمل کیا جائے تو ان شاء اللہ بہت جلد مسلمانوں کے لئے اچھے حالات آسکتے ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم

سُورَةُ آلِ عِمْرَانَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۹۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ

اے رب ہمارے اور ہمیں دے جو تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعے سے وعدہ کیا ہے اور ہمیں قیامت کے دن

اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

رسوا نہ کر بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا

خلاصہ

اے ہمارے پروردگار آپ نے ہم سے اپنے رسولوں کے ذریعے جس (نصرت، فتح غلبے اور آخرت کی) کامیابی کا وعدہ فرمایا ہے وہ ہمیں عطاء فرما دیجئے۔ اور ہمیں (دنیا) آخرت کی رسوائی سے بچا لیجئے۔ بے شک آپ تو وعدہ پورا فرمانے والے ہیں۔

اقوال وحوالے

❶ لیعنی پیغمبروں کی زبانی، ان کی تصدیق کرنے پر جو وعدے آپ نے کئے مثلاً دنیا میں آخر کار اعداء اللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کے دشمنوں) پر غالب و منصور کرنا اور آخرت میں جنت و رضوان سے سرفراز فرمانا ان سے ہم کو اس طرح سے بہرہ اندوز کیجئے (یعنی نوازیئے) کہ قیامت کے دن ہماری کسی قسم کی ادنیٰ سے ادنیٰ رسوائی بھی نہ ہو۔ (تفسیر عثمانی)

❷ (وعدہ یہ ہے کہ) جو میرے کام میں لگے میں اسے دین و دنیا میں ہر قسم کی امداد دوں گا۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

❸ ففسر هذا الموعود بالجنة قال ابن عباس وقيل: الموعود به النصر على الاعداء. (البحر المحيط)

یعنی رسولوں کے ذریعے جو وعدہ کیا گیا ہے۔ وہ جنت کا وعدہ ہے یہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد دشمنوں پر غلبے کا وعدہ ہے۔

❹ والموعود هو الثواب وقيل النصرة على الاعداء. وعدہ سے مراد اجر کا وعدہ ہے اور ایک قول یہ ہے کہ دشمنوں پر غلبے کا وعدہ مراد ہے۔ (کشاف)

❺ ان الله تعالىٰ وعد المومنين بان ينصرهم فى الدينا ويقهر عدوهم فهم طلبوا تعجيل ذلك. (التفسير الكبير)

یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے وعدہ فرمایا ہے کہ وہ دنیا میں ان کی نصرت فرمائے گا اور ان کے دشمنوں کو مغلوب فرمائے گا تو اس دعاء میں ایمان والوں نے یہ وعدہ جلدی پورا ہونے کی درخواست کی ہے۔

❻ لاتخزنا ہمیں رسوانہ فرما۔

لاتخزنا فی الدنیا بغلبة العدوعلینا فکانهم قالوا: لاتخزنافی الدنیا ولا تخزنا فی الآخرة. (روح المعانی)

یعنی ہم پر دشمنوں کو غالب کر کے ہمیں دنیا میں رسوانہ فرما۔ تو گویا انہوں نے یوں دعاء کی یا اللہ ہمیں دنیا میں رسوانہ فرما اور ہمیں آخرت میں رسوانہ فرما۔

فائدہ

سورۃ اٰل عمران میں نصاریٰ (یعنی عیسائیوں) کی اصلاح مقصود بالذات ہے۔ جیسا کہ حضرت شاہ عبدالقادر رحمہ اللہ اور حضرت لاہوری رحمہ اللہ کا خیال ہے۔ تو پچھلی آیت میں اس بات کا اعلان ہے کہ ہم نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر لبیک کہی ہے اور ہم ایمان لے آئے ہیں پس ہمارے گناہ معاف فرما دیجئے۔ پھر اس آیت میں یہ دعاء مانگی گئی کہ اس امت محمدیہ کے لئے آپ نے نصرت اور غلبے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور یہ وعدہ ماضی کے تمام رسول بھی دہراتے رہے ہیں اس لئے اب ہمارے لئے یہ وعدہ پورا فرما دیجئے۔ علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقیل: ان الموعود به هوا لنصر لا غیر، والقوم قد علموا ذلك لکنهم لم یوقت لهم فی الوعد لیعلموه فرغبوا الی الله تعالیٰ فی تعجیل ذلك لمافیه من السرور بالظفر. والیٰ هذا ذهب الطبری وقال: ان الآیة مختصة بمن هاجر من اصحاب البنی صلی الله علیه وسلم واستبطئوالنصر علی اعدائهم بعد ان وعدو به. (روح المعانی)

سورۃ البقرہ کے آخر میں بھی کفار پر غلبے کی دعاء تھی۔ جبکہ اس سورۃ میں مقصود بالذات یہودیوں کی اصلاح تھی۔ اور اب اس سورۃ میں بھی غلبے کی دعاء مانگی گئی ہے، جبکہ زیادہ تذکرہ عیسائیوں کا ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ یہود و نصاریٰ میں سے جو اسلام قبول کرلیں گے وہ تو کامیاب ہو جائیں گے۔ اور جو اسلام کے مقابلے میں کھڑے ہونگے تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی نصرت فرما کر ان کو مغلوب کردے گا اور آخرت میں سخت سزا دے گا۔ اگلی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کو غلبہ ضرور ملے گا مگر اس کے لئے انہیں چند کام کرنے ہونگے۔ ان کاموں کا ذکر بعد والی آیت (۱۹۵) میں ہے کہ انہیں دین کی خاطر ہجرت اور جہاد کے عمل کو زندہ کرنا ہوگا۔ اب سوال یہ اٹھا کہ کافر تو بہت طاقتور ہیں، ساری زمین ان کی دسترس میں ہے اور وہ مزے سے جہاں چاہیں گھومتے پھرتے ہیں تو بعد والی تین آیات (۱۹۶۔۱۹۷۔۱۹۸) میں اس کا جواب دیا گیا کہ مسلمان کافروں کی ظاہری ترقی سے مرعوب نہ ہوں، بلکہ اپنی نظر آخرت کی نعمتوں پر رکھیں تب

اسلام کو غلبہ اور مسلمانوں کو کامیابی ملے گی۔ اب یہ خیال آیا کہ اہل کتاب کی تعداد تو بہت زیادہ ہے کیا مسلمانوں کو سب سے جنگ کرنی ہوگی۔ تو آیت (۱۹۹) میں فرمایا گیا کہ ان اہل کتاب میں سے ایک بڑی تعداد مسلمان ہو جائے گی اور ان لوگوں کو بہت اجر ملے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور عیسائیوں کی بہت بڑی تعداد نے اسلام قبول کیا۔ (بعض مفسرین کے نزدیک آیت (۱۹۹) میں مسلمانوں کو سمجھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ماضی میں عیسائیوں کو فلاں فلاں صفات (جن کا تذکرہ آیت میں موجود ہے) کی وجہ سے غلبہ دیا اب اہل اسلام کو چاہیے کہ وہ بھی ان صفات کو اختیار کریں یہ تو ہوا آیت (۱۹۴) تا (۱۹۹) کا ربط اور جہادی مضمون، باقی آیت (۲۰۰) کا ربط اور جہادی مضمون تو بالکل واضح ہے۔ اس سورۃ میں ایمان اور جہاد کی فضیلت اور مسلمانوں کے لئے غلبے کا وعدہ ہے، اب آخری آیت میں ایمان اور غلبے دونوں کی حفاظت کا طریقہ سمجھا دیا کہ ایمان کی حفاظت صبر سے ہوگی اور غلبے کی حفاظت رباط فی سبیل اللہ (یعنی پہرے داری اور مسلسل جہاد) سے ہوگی۔ اور ہر عمل میں کامیابی کا راز تقویٰ میں پوشیدہ ہے۔

گویا کہ مسلمانوں نے پوچھا کہ ہمیں ایمان کی دولت نصیب ہوگئی۔ اور کافروں پر غلبہ بھی مل گیا۔ اب ایمان اور غلبے کی حفاظت کیسے ہوگی تو سورۃ آل عمران کی آخری آیت میں اس کا مکمل نصاب بیان فرما دیا گیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

اسلام اور مسلمان ابھی مدینہ منورہ میں تھے، اور قرآن پاک اعلان کر رہا تھا کہ مسلمانوں نے غلبے کی جو دعاء مانگی ہے وہ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی ہے۔ اس میں مستقبل کے لئے بشارت بھی تھی اور پیشین گوئی بھی کہ دنیا سے کفر کا اقتدار ختم ہونے والا ہے اور اسلام کی حکومت قائم ہونے والی ہے۔ چنانچہ قیصر کا اقتدار بھی ختم ہو گیا اور کسریٰ کی حکومت بھی ٹوٹ گئی۔ اور ہر طرف اسلام چھا گیا وللہ الحمد والمنہ۔ موجودہ دور میں جو طاقت کافروں کو حاصل ہے وہ اس وجہ سے نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے بلکہ یہ سب حالات اس وجہ سے ہیں کہ مسلمانوں نے کامیابی اور غلبے کا راستہ چھوڑ دیا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّۃٌ آیت ۱۹۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ

پھر ان کے رب نے ان کی دعا قبول کی کہ میں تم میں سے کسی کام کرنے والے کا کام ضائع نہیں کرتا

مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ

خواہ مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک دوسرے کے جز ہو پھر جن لوگوں نے وطن چھوڑا اور

اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَ اُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَ قٰتَلُوْا وَ قُتِلُوْا

اپنے گھروں سے نکالے گئے اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے

لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

البتہ میں ان سے ان کی برائیاں دور کروں گا اور انہیں باغوں میں داخل کروں گا جن کے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ

نیچے نہریں بہتی ہوں گی یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سے بدلہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے ہاں اچھا

الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

بدلہ ہے

خلاصہ

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء قبول فرمائی کیونکہ وہ کسی کی محنت اور عمل کو ضائع نہیں فرماتا۔ یہ عمل کرنے والا کوئی مرد ہو یا عورت اللہ تعالیٰ کا قانون سب کے لئے ایک ہے اور مرد اور عورت آپس میں ایک ہیں۔ پس جس مسلمان نے بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہجرت کی یا اسے مسلمان ہونے کی وجہ سے اس کے گھر سے نکالا گیا۔ اور وہ مسلمان جن کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں تکلیفیں پہنچائی گئیں اور انہوں نے جہاد کیا اور شہید ہوگئے، ان میں سے کسی کا عمل ضائع نہیں ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرما دے گا اور انہیں اپنی پاکیزہ جنتوں میں داخل فرمائے گا اور بھی اچھی اچھی نعمتوں کے ساتھ ان کو بدلہ دے گا۔ ان تمام اعمال کا اصل بدلہ تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے (یعنی اس کا دیدار)۔

اقوال وحوالے

❶ یعنی جب کسی عمل کرنے والے کا چھوٹا موٹا عمل بھی ضائع نہیں ہوتا، پھر ان مردان خدا کا تو پوچھنا ہی کیا ہے،

جنہوں نے کفر وعصیان چھوڑنے کے ساتھ دارالکفر بھی چھوڑ دیا، وطن، خویش، اقارب، اہل وعیال اور مال ومنال سب کو خیرباد کہہ کر دارالاسلام کی طرف نکل کھڑے ہوئے کفار نے ان پر وہ ظلم وستم توڑے کہ گھروں میں ٹھہرنا محال ہوگیا۔ وطن چھوڑنے اور گھربار ترک کرنے پر بھی دشمنوں نے چین نہ لینے دیا، طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے رہے اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ وہ میرا نام لیتے تھے اور میرا کلمہ پڑھتے تھے۔

یخرجون الرسول وایاکم أن تو منوا باللہ ربکم (الممتحنہ) ومانقموا منھم الاان یؤمنوا باللہ العزیز الحمید (البحر المحیط)

آخر وہ میرے راستے میں لڑے اور لڑ کر جان دی، یہ بندے ہیں جن کی تقصیرات معاف کردی گئیں اور جنت ان کا انتظار کررہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

❷ یہ پورا خاکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ہے۔ جب تم ایسے بن گئے پھر تمہارے سامنے عیسائیوں کی سلطنتیں منقاد (یعنی مغلوب ومفتوح) ہوسکیں گی (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

(مطلب یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے ہجرت کی، دین کی خاطر تکلیفیں برداشت کیں، اور شہادتیں پائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین پر بڑی بڑی سلطنتیں عطاء فرمائیں اور آخرت میں کامیابی کا پکا وعدہ کیا، اب عیسائی اپنے طریقہ سے ہٹ چکے ہیں، اور وہ اسلام کی دعوت بھی قبول نہیں کررہے چنانچہ اب مسلمان اگر ان صفات ہجرت وجہاد کو اختیار کریں گے تو اللہ تعالیٰ عیسائیوں کی سلطنت ان کو عطاء فرمادے گا۔ الحمدللہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان صفات کو اپنایا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین پر خلافت عطاء فرمائی۔)

❸ سورۃ بقرہ کا خاتمہ اس دعاء پر ہوا تھا، فانصرنا علی القوم الکافرین :(یا اللہ ہمیں کافروں پر غلبہ عطاء فرمایئے) اس سورۃ میں اس دعاء کو شرف اجابت بخشا گیا۔ اور یہ فیصلہ کردیا گیا کہ یہودیوں، عیسائیوں اور مشرکوں کی تمام حکومتیں مسلمانوں کو مل کر رہیں گی، لیکن اس فتح وکامرانی کے لئے ایک شرط بھی ہوگی، وہ یہ کہ محض دعاء پر قناعت نہ کربیٹھیں، بلکہ دعاء بھی کریں اور ہاتھ پاؤں بھی ماریں، کام کروگے، اور جان ومال قربان کروگے تو ان نتائج وثمرات سے بہرہ اندوز ہوگے۔ (تفسیر الفرقان)

❹ امام رازی رحمہ اللہ نے الذین ھاجروا اور الذین أخرجوا من دیارھم میں باہم فرق کیا ہے الذین ھاجروا سے مراد وہ ہیں جنہوں نے دین کی خاطر خود ہجرت اختیار کی اور الذین أخرجوا سے مراد وہ ہیں جن کو کفار نے زبردستی نکالا۔ یہ بہت باریک فرق اور سمجھنے کی بات ہے۔

ملاحظہ فرمائیں تفسیر کبیر کی اس آیت پر تقریر۔

❺ ہجرت اور جہاد وغیرہ جن اعمال کا اس آیت میں تذکرہ ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے تین انعامات کا وعدہ فرمایا:

☆ برائیوں کا مٹادینا اور گناہوں کا معاف کردینا لاکفرن عنھم سیئاتھم ۔

☆بدلہ عطاء فرمانا ولادخلنهم جنات الایہ

☆اس کے بدلے کے ساتھ ان کو بہت اونچا مقام اور بہت عزت واعزاز بھی ملے گا جسکی طرف من عند الله سے اشارہ ہے۔ (التفسیر الکبیر)

صاحب روح المعانی نے یہ روایت بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جنہوں نے جہاد اور قتال کیا اور دین کی خاطر تکلیفیں اٹھائی بلاحساب وکتاب جنت میں داخل فرمائے گا فرشتے جب ان کے اس اعزاز کو دیکھیں گے تو عرض کریں گے کہ اے ہمارے رب یہ کون لوگ ہیں جنہیں آپ نے ہم پر بھی فضیلت دی ہے اللہ تعالیٰ فرمائیں گے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے میرے راستے میں قتال کیا اور تکلیفیں برداشت کیں تب فرشتے ان پر ہر دروازے سے سلام کرتے ہوئے داخل ہوں گے۔ وان الله تعالىٰ يدعو يوم القيمة الجنة فتاتى بزخرفها وزينتها فيقول أين عبادى الذين قاتلوا فى سبيلى وأوذوا فى سبيلى وجاهدوا فى سبيلى ادخلوا الجنة فيد خلونها بغير عذاب ولا حساب وتأتى الملئكة فيسجدون ويقولون: ربنا نحن نسبح لك الليل والنهار ونقدس لك ماهؤلاء الذين آثرتهم علينا؟ فيقول: هؤلاء عبادى الذين قاتلوا فى سبيلى وأوذوا فى سبيلى فتدخل الملئكة عليهم من كل باب سلام عليكم بما صبرتم فنعم عقبى الدار ۔ (روح المعانى)

❺ وقاتلوا وقتلوا اور انہوں نے قتال کیا اور شہید ہوئے۔

وهذا اعلى المقامات ان يقاتل فى سبيل الله فيعقر جواده ويعفر وجهه بدمه وترابه۔

یعنی یہ سب سے اونچا مقام ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتال کرے اور اس کا گھوڑا بھی مارا جائے اور اس کا چہرہ مٹی اور خون میں لت پت ہو جائے۔ (ابن کثیر)

فائدہ

پہلے ارشاد فرمایا کہ ہم کسی محنت کرنے والے کی محنت اور عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتے پھر اپنے پسندیدہ اعمال کا ذکر فرمایا۔ ہجرت، تکلیفیں، جہاد، شہادت، گویا کہ یہ اعمال جن میں اللہ تعالیٰ کے لئے قربانی ہے اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہیں۔ جن پر وہ اپنی طرف سے خاص بدلے عطاء فرماتا ہے، مطلب یہ ہوا کہ دعاء کی قبولیت کے لئے عمل ضروری ہے اور وہ اعمال جن کا بدلہ یقینی اور اجر بے شمار ہے ہجرت، جہاد وغیرہ قربانی والے اعمال ہیں۔ ان اعمال سے مسلمانوں کو اجتماعی فائدہ بھی ملتا ہے اور انفرادی بھی۔ اور ان اعمال کی بدولت اسلام اور مسلمانوں کو غلبہ نصیب ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

دعاء

ربنا واتنا ما وعدتنا على رسلك ولا تخزنا يوم القيمة انك لاتخلف الميعاد آمين

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرَان مَدَنِیَّة آیت ۱۹۶، ۱۹۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ

تجھ کو کافروں کا شہروں میں چلنا پھرنا دھوکہ نہ دے۔ یہ تھوڑا سا فائدہ ہے

ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾

پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے

خلاصہ

کافروں کا دنیا کے شہروں میں گھومنا پھرنا (اور مال و دولت میں ترقی کرنا) مسلمانوں کو مغالطے میں نہ ڈالے (کہ ان چیزوں کی کوئی وقعت ہے) یہ چند روزہ بہار ہے (کیونکہ مرتے ہی اس کا نام ونشان نہ رہے گا) پھر ان کا ٹھکانا جہنم میں ہوگا اور وہ بری آرامگاہ ہے۔ (مستفاد من بیان القرآن)

اقوال وحوالے

❶ یعنی کفار جو ادھر اُدھر تجارت وغیرہ کر کے دولت کماتے اور اکڑتے پھرتے ہیں مسلمان کو چاہیے کہ ان سے دھوکہ نہ کھائے یہ محض چند روز کی بہار ہے، اگر ایک شخص کو چار دن پلاؤ قورمے کھلانے کے بعد پھانسی یا حبس دوام کی سزا دی جائے تو وہ کیا خوش عیش ہوا؟ خوش عیش وہ ہے جو تھوڑی سی محنت اور تکلیف اٹھا کر ہمیشہ کے لئے اعلیٰ درجہ کی راحت و آسائش کا سامان مہیا کر لے۔ (تفسیر عثمانی) (جیسا کہ پچھلی آیت میں ہجرت، جہاد اور شہادت کے اعلیٰ اجر کا تذکرہ ہے)

❷ تمہیں یہ خیال پیدا نہ ہو کہ ان کے ہاں پورا ساز و سامان موجود ہے اور تمہارے ہاں نہیں۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

فائدہ

کافر کا مقصود چونکہ دنیا کی زندگی اور اس کا عیش و آرام ہے تو اس کی خاطر وہ ہر وقت محنت کرتا رہتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے ڈھیل دی جاتی ہے۔ اس لئے ہر زمانے میں وہ دنیا کی چمک دمک جمع کر لیتا ہے۔ اب اگر مسلمانوں کی نظر کافروں کی اس ترقی اور چمک دمک پر ہوگی۔ اور وہ اس کو کوئی عزت اور وقعت والی چیز سمجھنے لگے تو وہ سخت نقصان اٹھائیں گے اور اپنے مقصد سے ہٹ جائیں گے۔ اور ممکن ہے کہ جہاد اور غلبے سے بھی محروم ہو جائیں۔ اور دین کی خاطر دنیا چھوڑنے کی بجائے، دنیا کی خاطر دین چھوڑنے لگ جائیں۔ اس لئے قرآن پاک

کی ''دعوت جہاد'' کا ایک اہم سبق یہ ہے کہ مسلمان کافروں کی مادی اور ظاہری ترقی سے مرعوب نہ ہوں اور نہ اس عارضی چمک دمک کو کوئی حیثیت اور وقعت دیں۔ اور نہ اس ترقی کو اپنی زندگی کا مقصد بنائیں۔ بلکہ ان کی نظر ہمیشہ آخرت کی نعمتوں پر رہنی چاہیے۔ اس لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار مدینہ سے صرف جنت ہی کا وعدہ فرمایا تھا۔ اگر مسلمان کا نظریہ اس بارے میں قرآن پاک کے مطابق ہوجائے تو وہ آسانی سے ہجرت اور جہاد کی تکلیف برداشت کرسکتا ہے ورنہ نہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

مسلمان جب دنیا کی ظاہری چمک دمک اور ترقی کو وقعت نہیں دیتا اور اپنی نظر آخرت پر رکھتا ہے تو یہ دنیا اس کے قدموں میں گرتی ہے۔ جیسا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اسلاف امت کے ساتھ ہوا۔ لیکن جب مسلمان قرآن پاک کے اس حکم کو بھول جاتا ہے اور دنیا کی مادی ترقی اسکی نظروں میں اہم ہوجاتی ہے تو وہ قدم قدم پر رسوا ہوتا ہے اور اسے کافروں کی نوکری چاکری اور غلامی کرنی پڑتی ہے جیسا کہ اس زمانہ میں بکثرت ہورہا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قرآن پاک میں یہ اہم مضمون مختلف مقامات پر بار بار بیان کیا گیا ہے تاکہ اچھی طرح سے دلنشین ہوجائے اور احادیث مبارکہ میں تو یہ مضمون بہت کثرت سے بیان ہوا ہے۔

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰن مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۹۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہے ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مہمانی ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ نیک بندوں کیلئے بدرجہا بہتر ہے

خلاصہ

مسلمان کی نظر ان نعمتوں پر رہے جو اللہ پاک نے اپنے متقی بندوں کے لئے تیار کر رکھی ہیں، ہمیشہ کی جنتیں اور اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ اور بہترین مہمان نوازی۔

فائدہ

یہ ہے راز کامیابی کا اور یہ ہے طریقہ دنیا کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا کر اس میں اسلام نافذ کرنے کا۔ مسلمان اپنی نظر آخرت کی زندگی اور نعمتوں پر رکھے اور پھر ان کے حاصل کرنے کے لئے جہاد سمیت اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو زندہ کرے اور موت کے ڈر سے بے پرواہ ہو کر آگے بڑھتا چلا جائے۔ جنت اور آخرت کا شوق مؤمن کو فولاد بنا دیتا ہے۔ اور پھر دنیا کی کوئی طاقت اس کے مقابلے میں نہیں ٹھہر سکتی لیکن اگر مومن خود دنیا کی محبت میں مبتلا ہو جائے تو وہ خاک کا ڈھیر اور مکڑی کا جالا بن جاتا ہے۔ جسے اس کے مخالف روند ڈالتے ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۹۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ

اور اہل کتاب میں بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں اور جو چیز تمہاری طرف نازل کی گئی

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

اور جو ان کی طرف نازل کی گئی اللہ تعالیٰ کے سامنے عاجزی کرنے والے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر

ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ

تھوڑا مول نہیں لیتے یہی ہیں جن کے لئے ان کے رب کے ہاں مزدوری ہے بے شک اللہ تعالیٰ جلد

الْحِسَابِ ۝۱۹۹

حساب لینے والا ہے

خلاصہ

اہل کتاب میں سے ایسے خوش بخت لوگ بھی ہیں جو اللہ تعالیٰ پر مکمل اور درست ایمان رکھتے ہیں۔ قرآن پاک سمیت اللہ تعالیٰ کی تمام کتابوں کو مانتے ہیں۔ ان کے دل اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سامنے جھکے رہتے ہیں، وہ دنیا کی خاطر دین کو نہیں بیچتے، ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں بہترین بدلہ ہے، بے شک اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے۔

فائدہ

اس امت کے غلبے کے لئے ان صفات کو اپنانا مسلمانوں پر لازم ہے، حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ان صفات کو اپنایا، اور دنیا و آخرت میں پورا پورا بدلہ پایا۔ اہل کتاب میں سے جو کامیابی چاہتا ہے اس کے لئے یہی کامیابی کا نصاب ہے، چنانچہ جنہوں نے عمل کیا وہ کامیاب رہے۔ (واللہ اعلم بالصواب) (تفصیل کے لئے ملاحظہ فرمایئے حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

سُوْرَةُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۰۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۲۰۰

اے ایمان والو صبر کرو اور مقابلہ کے وقت مضبوط رہو اور لگے رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو تاکہ تم نجات پاؤ

خلاصہ

ایمان کی حفاظت اور دنیا و آخرت میں کامیابی کا نصاب:

❶ صبر یعنی دین پر استقامت۔ ❷ مصابرہ یعنی جہاد کے دوران ثابت قدمی۔ ❸ رباط یعنی ہر وقت جہاد کے لئے تیار رہنا۔

❹ تقویٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اسکی نافرمانی سے بچنا۔

اقوال وحوالے

❶ خاتمہ پر مسلمانوں کو نہایت جامع ومانع نصیحت فرمادی جو گویا ساری سورۃ کا ماحصل ہے یعنی اگر کامیاب ہونا اور دنیا و آخرت میں مراد کو پہنچنا چاہتے ہو تو سختیاں اٹھا کر بھی طاعت پر جمے رہو، معصیت سے رکو، دشمنوں کے مقابلے میں مضبوطی اور ثابت قدمی دکھلاؤ اسلام اور حدود اسلام کی حفاظت میں لگے رہو جہاں سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا خطرہ ہو وہاں آہنی دیوار کی طرح سینہ سپر ہو کر ڈٹ جاؤ۔ واعدوالھم مااستطعتم من قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدواللہ وعدوکم۔ (انفال) اور ہر وقت ہر کام میں خدا سے ڈرتے رہو۔ یہ کر لیا تو سمجھو کہ مراد کو پہنچ گئے (تفسیر عثمانی)

❷ کلام برکت

ثابت رہو یعنی دین پر اور مقابلے میں (مضبوطی کرو) یعنی جہاد میں اور لگے رہو یعنی کافروں کے سامنے (حفاظت اور تیاری میں) (موضح القرآن)

❸ اے ایمان والو اپنے فرض پر مرمٹو اور دوسروں کو مرمٹنے پر تیار کرو دشمنوں کی گھات میں لگے رہو اور خدا تعالیٰ سے تعلق درست رکھو تاکہ تم ہر مصیبت میں نجات پاسکو۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

❹ اے ایمان والو (تکالیف پر) خود صبر کرو اور جب کفار سے مقاتلہ (یعنی جنگ) ہو تو مقابلہ میں صبر کرو اور

احتمال مقاتلہ (یعنی جنگ کے امکان) کے وقت مقابلہ کے لئے مستعد رہو اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور حدود شرع سے نہ نکلو تم پورے کامیاب ہو آخرت میں تو ضرور ہی اور اکثر اوقات دنیا میں بھی۔ (بیان القرآن)

فائدہ

صبر، مصابرہ، رباط، تقویٰ ان چار الفاظ کے جامع معانی سمجھنے کے لئے اوپر دی گئی چار عبارات میں باریکی سے غور کریں تو ان شاء اللہ بہت سے نکات معلوم ہو جائیں گے۔

❺ یا ایھاالذین امنو اصبروا علی الطاعات، والمصائب، وعن المعاصی وصابروا الکفار فلا یکونوا اشد صبرا منکم ورابطوا اقیموا علی الجھاد۔ (جلالین)

یعنی صبر کا معنیٰ نیکیوں پر ڈٹے رہنا، مصیبت میں حوصلہ رکھنا اور گناہوں سے بچنا۔ اور مصابرہ کا معنیٰ کفار سے ڈٹ کر لڑنا پس ایسا نہ ہو کہ وہ کفار تم سے زیادہ ڈٹ کر لڑنے والے ہوں اور رباط کا معنیٰ جہاد میں لگے رہنا اور جہاد کو قائم رکھنا۔

❻ وقال الاصم لما کثرت تکالیف اللہ فی ھذہ السورۃ امرھم بالصبر علیھا ولما کثر ترغیب اللہ تعالیٰ فی الجھاد فی ھذہ السورۃ امرھم بمصابرۃ الاعداء (التفسیر الکبیر)

یعنی امام ابو بکر اصم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چونکہ اس سورۃ میں کثرت سے اللہ تعالیٰ کے احکامات (جن کا انسان مکلف ہوتا ہے) بیان ہوئے ہیں اس لئے آخر میں اس پر صبر یعنی استقامت کا حکم دیا۔ اور چونکہ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے کثرت سے جہاد کی ترغیب دی ہے تو آخری آیت میں مصابرۃ یعنی دشمنوں سے ڈٹ کر مقابلہ کرنے کا حکم دیا۔

❼ مرابطہ کے معنی دشمنوں سے مقابلہ کی تیاری (مباراۃ الاعداء) کے ہیں اور اس تحت میں ہر قسم کی جنگی تیاریاں آجاتی ہیں جو عصر جدید کے تقاضوں کے تحت دشمنان دین کے مقابلہ میں کی جائیں۔ (تفسیر ماجدی)

❽ اصبروا ہر وقت اپنے مقصد حیات پر مرنے کے لئے تیار رہو وصابروا مسلمانوں کو ہمیشہ جہاد وقتال فی سبیل اللہ کے لئے جوش دلاتے رہو اور ان کو بھی اعلیٰ مقاصد زندگی پر مرنے کے لئے تیار کرو ورابطوا جس قدر تمہارے مخالفین ہیں ان کی نقل وحرکت کی نگرانی کرو تاکہ اگر وہ کوئی تدبیر اسلام کی بربادی کی سوچیں تو تم اس کا رد عمل کرو (تفسیر الفرقان)

❾ صابروا اعداء اللہ فی الجھاد ،ای غالبوھم فی الصبر علیٰ شدائد الحرب لاتکونوا اقل صبرا منھم وثباتا ورابطوا واقیموا فی الثغور رابطین خیلکم فیھا مترصدین مستعدین للغزو قال اللہ عزوجل ومن رباط الخیل ترھبون بہ عدو اللہ وعدوکم۔ (کشاف)

یعنی صابروا کا معنیٰ جہاد میں اللہ کے دشمنوں سے ڈٹ کے لڑنا یعنی جنگ کی شدتوں میں اپنے دشمنوں سے بڑھ کر استقامت دکھاؤ تاکہ تم صبر اور ثابت قدمی میں ان سے کم نہ رہو (گویا ثابت قدمی سے ان کا مقابلہ کرو اور اس

میں ان پر غالب رہو کہ تمہاری ثابت قدمی ان کی ثابت قدمی سے زیادہ ہو) اور رابطوا کا معنیٰ اسلامی سرحدوں پر واقع محاذوں پر گھوڑے باندھ کر موجود رہو۔ وہاں پہرہ دو، دشمن کی نگرانی کرو اور جنگ کے لئے تیار رہو رباط کا لفظ رباط الخیل سے ہے جس کا تذکرہ آیت ومن رباط الخیل میں ہے یعنی گھوڑے باندھنا۔

⑩ ختم اللّٰہ تعالیٰ ھذہ السورۃ بھذہ الوصایۃ التی جمعت الظھور فی الدنیا علی العدو والفوز بنعیم الآخرۃ فامر اللّٰہ بالصبر والمصابرۃ والرباط (البحر المحیط) یعنی اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ کا اختتام ان نصیحتوں پر فرمایا جو دنیا میں دشمنوں پر غلبے اور آخرت میں کامیابی کے جامع طریقے بتاتی ہیں۔ یعنی صبر، مصابرہ اور رباط۔

⑪ وقال الحسن وقتادۃ والضحاک وابن جریج اصبروا علیٰ طاعۃ اللّٰہ فی تکالیفہ، وصابروا اعداء اللّٰہ فی الجھاد ورابطوا فی الثغور فی سبیل اللّٰہ ای ارتبطوا الخیل کما یرتبطھا اعداء کم۔ (البحر المحیط)

⑫ مصابرہ کے ایک عجیب معنیٰ وقال ابی و محمد بن کعب القرظی ھی مصابرۃ وعداللّٰہ بالنصر أی لاتسأموا وانتظروا الفرج۔ یعنی مصابرہ کے معنیٰ ہیں اللہ تعالیٰ کی نصرت کے پورا ہونے کا انتظار کرنا۔ مطلب یہ ہوا کہ اکتاؤ نہیں (اور مایوس نہ ہو جاؤ بلکہ) اچھے حالات یعنی اللہ تعالیٰ کی نصرت کا انتظار کرو۔ (البحر المحیط)

⑬ والمرابط فی سبیل اللّٰہ عند الفقھاء ھوالذی یشخص الی ثغرمن الثغور لیرابط فیہ مدۃ۔ (البحر المحیط)

یعنی فقہاء کے نزدیک مرابط فی سبیل اللہ وہ ہے جو اسلامی سرحدوں کے کسی محاذ پر پہرہ دینے کے لئے کچھ عرصہ موجود رہے۔

⑭ ورابطوا فقال جمھور الامۃ رابطوا اعداء کم بالخیل ای ارتبطوھا کما یرتبطھا اعداء کم (قرطبی)

یعنی جمہور امت کا قول یہ ہے کہ رباط کا معنیٰ گھوڑے باندھ کر دشمن کے مقابلے کے لئے موجود رہنا جس طرح وہ تمہارے خلاف لڑنے کے لئے گھوڑے باندھتے ہیں۔

⑮ قال ابن عطیۃ!والقول الصحیح ھو ان الرباط الملازمۃ فی سبیل اللّٰہ اصلھا من ربط الخیل، ثم کل ملازم لثغر من ثغور الاسلام مرابطاً فارساً کان أوراجلاً۔ یعنی رباط کے اصل معنیٰ تو جہاد کو لازم پکڑنے کے ہیں اور اس میں گھوڑے باندھنے کا معنیٰ بھی موجود ہے۔ پھر ہر وہ شخص جو کسی اسلامی سرحدی محاذ پر جہاد کے لئے موجود ہو مرابط کہلاتا ہے خواہ گھڑ سوار ہو یا پیدل۔ (قرطبی)

فائدہ

روایات سے رباط کے درج ذیل معانی معلوم ہوتے ہیں:

(۱) اسلامی سرحدوں اور لشکر کی پہرے داری کرنا۔ (۲) جہاد کو لازم پکڑنا۔ (۳) جہاد کی تیاری میں لگے رہنا۔

(۴) دشمنوں پر گھات لگانا اور انکی نقل و حرکت اور تدابیر پر نظر رکھنا۔

(۵) ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا۔ (۶) اپنا دل مسجد سے جوڑنا وغیرہ۔

رباط کے فضائل

رباط فی سبیل اللہ یعنی پوری جنگی تیاری کے ساتھ اسلامی سرحدوں اور محاذوں پر موجود رہنا اور پہرہ دینا۔ یا اسلامی لشکر یا امیر جہاد کا پہرہ دینا وغیرہ۔ یہ بہت ہی افضل عمل ہے۔ اور جہاد کا اونچا درجہ ہے۔ احادیث مبارکہ میں اس عمل کے بے شمار فضائل مذکور ہیں۔ یہ تمام احادیث اگر جمع کی جائیں تو ایک مکمل کتاب بن جائے۔ یہاں بطور تبرک مختصر طور پر ان چند فضائل کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے جو احادیث مبارکہ میں مذکور ہیں۔

❶ ایک دن کا رباط دنیا ومافیھا سے بہتر ہے۔ یعنی اگر کوئی شخص ساری دنیا کا مالک ہو جائے پھر وہ اپنا مال اللہ تعالیٰ کی طاعت میں خرچ کر دے تب بھی وہ ایک دن کے رباط کے مقام تک نہیں پہنچ سکے گا۔ ❷ ایک دن رات کا رباط ایک مہینے کے قیام اور روزوں سے افضل ہے۔ ❸ مرابط کا عمل قیامت تک جاری رہے گا اور مرنے کے بعد اس کا اجر اسے ملتا رہے گا۔ ❹ مرابط شیطان سے محفوظ رہتا ہے۔ ❺ مرابط کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے۔ ❻ وہ قبر کے فرشتوں سے امن میں رہتا ہے۔ ❼ تمام صدقات جاریہ کا اجر مرنے کے بعد اس وقت تک جاری رہتا ہے جب تک وہ صدقہ اور نیکی اور اس کے اثرات جاری رہیں۔ جب اثرات ختم تو اجر بھی بند مگر مرابط کا اجر قیامت تک جاری رہتا ہے کیونکہ وہ پورے دین کی حفاظت کرتا ہے، شعائر اسلام کی حفاظت کرتا ہے اور یہ تمام چیزیں قیامت تک رہنے والی ہیں۔ (تفسیر قرطبی میں پوری بحث ملاحظہ فرمالیں)

❽ مرابط قیامت کے دن کی گھبراہٹ اور خوف سے محفوظ رہے گا۔

دعاء

یا اللہ ہمیں ایمان، صبر، مصابرہ، رباط، تقویٰ، اور فلاح نصیب فرما۔

آمین یا ارحم الراحمین

(۶ صفر ۱۴۲۷ھ)

سُورَةُ
النِّسَاءِ
مَدَنِيَّةٌ

ابتدائیہ

اس تالیف میں **سورۃ النساء** کی درج ذیل بیالیس (۴۲) آیات کے مضامین جہاد کو بیان کیا گیا ہے:

آیات ۶۹ تا ۸۵

آیات ۸۸ تا ۹۱

آیات ۹۴ تا ۱۰۴

آیات ۱۳۸ تا ۱۴۷

بیالیس (۴۲) آیات میں مضامین جہاد کا خلاصہ

آیت (۶۹) (۷۰)-شہداء کرام پر اللہ تعالیٰ کا خاص انعام ہے۔

آیت (۷۱)-جہاد کے لئے بھرپور جنگی اور دفاعی تیاری کرو اور حکمت عملی کے ساتھ نکلو۔

آیت (۷۲)-منافق جہاد سے محروم رہتا ہے اور اپنی اس محرومی کو اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھتا ہے۔

آیت (۷۳)-جہاد میں مسلمانوں کو فتح نصیب ہو تو منافق حسد اور حسرت میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

آیت (۷۴)-آخرت میں کامیابی کے طلبگار جہاد میں نکل پڑیں وہ شہید ہوں یا غالب ان کے لئے کامیابی ہے۔

آیت (۷۵)-تمہارے لئے کیا عذر ہے کہ تم اپنے رب اللہ تعالیٰ کے لئے جہاد نہیں کرتے۔اور مظلوم مسلمانوں کی خلاصی کے لئے جہاد نہیں کرتے۔

آیت (۷۶)-مسلمان اللہ تعالیٰ کے لئے لڑتے ہیں جبکہ کافر طاغوت کی خاطر جنگ کرتے ہیں۔

آیت (۷۷)-کافروں سے نہ ڈرو، دنیا کی فانی زندگی سے دل نہ لگاؤ بلکہ اپنی آخرت کے لئے خوب جہاد کرو۔

آیت (۷۸)-جہاد سے بھاگنے والو، مضبوط قلعوں میں جا بیٹھو موت وہاں بھی تمہیں پکڑ لے گی، منافق شکست کی آڑ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تنقید کرتے ہیں۔

آیت (۷۹)-جہاد میں شکست کا قصور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ ڈالو۔

آیت (۸۰)-جہاد کے خلاف منافقین کی باتوں میں نہ آؤ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے۔

آیت (۸۱)- مسلمانوں کو جہاد میں منافقین کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔

آیت (۸۲)-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جہاد کی مخالفت کرنے والے قرآن پاک میں غور نہیں کرتے؟

آیت (۸۳)-جماعت اور جہاد کی حفاظت کے لئے افواہوں اور خبروں پر قابو پانا، اور مجاہدین کا قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلسل رہنمائی لینا ضروری ہے۔

آیت (۸۴)-اے نبی آپ جہاد کیجئے اگرچہ آپ اکیلے ہوں اور ایمان والوں کو جہاد پر ابھاریئے، آپکے جہاد کرنے سے اللہ تعالیٰ کافروں کے زور جنگ کو توڑ دے گا۔

آیت (۸۵)-دعوت جہاد دینے والوں کے لئے بشارت۔

آیت (۸۸)-منافقین سے لڑنے کے بارے میں دو فریق نہ بنو۔

آیت (۸۹)-جو منافق کھلم کھلا مرتد ہو چکے ہیں وہ اگر سچی توبہ اور ہجرت نہ کریں تو ان سے لڑو۔

آیت (۹۰)- جو کافرتم سے مصالحت اور امن کے ساتھ رہنے کی ترتیب بنائیں ان سے نہ لڑو۔

آیت (۹۱)- جو منافق دھوکا بازی کے ذریعے تمہیں نقصان پہنچانا چاہیں ان سے لڑو۔

آیت (۹۴)- مجاہدین کو چاہئے کہ جہاد کے معاملات میں خوب تحقیق سے کام لیا کریں اور ناحق قتل سے بہت بچیں۔

آیت (۹۵)- گھر بیٹھنے والے مسلمان درجات اور فضیلت میں مجاہدین کے برابر نہیں ہیں۔

آیت (۹۶)- مجاہدین کے لئے اونچے اونچے درجے، خاص مغفرت اور خصوصی رحمت ہے۔

آیت (۹۷)- ہجرت و جہاد چھوڑنے اور کافروں کا ساتھ دینے کا برا انجام۔

آیت (۹۸)(۹۹)- جو واقعی ہجرت سے معذور ہیں ان کے لئے معافی ہے۔

آیت (۱۰۰)- جس کا راستے میں انتقال ہو گیا اس کی ہجرت پوری اور اس کا اجر پکا۔

آیت (۱۰۱)- شرعی سفر جہاد میں نماز کا مسئلہ کہ قصر ادا ہو گی۔

آیت (۱۰۲)- جنگ کے دوران نماز کا طریقہ۔

آیت (۱۰۳)- جہاد میں ذکر اللہ۔

آیت (۱۰۴)- جہاد میں سستی ناجائز ہے۔

آیت (۱۳۸)- منافقوں کے لئے دکھ والی مار ہے۔

آیت (۱۳۹)- منافق عزت اور حفاظت کی خاطر کافروں سے یاری کرتے ہیں۔

آیت (۱۴۰)- اللہ تعالیٰ کے کسی بھی حکم کے خلاف کوئی بات نہ سنو۔

آیت (۱۴۱)- منافق فتح میں تم مسلمانوں کے ساتھ اور شکست میں تمہارے مخالف۔

آیت (۱۴۲)- منافق دھوکے باز، نماز میں سست اور ریاکار۔

آیت (۱۴۳)- منافق کبھی ادھر کبھی ادھر۔

آیت (۱۴۴)- مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کرنا نفاق کی دلیل ہے۔

آیت (۱۴۵)- جہنم میں منافقوں پر کافروں سے زیادہ سخت عذاب ہوگا۔

آیت (۱۴۶)- منافق سخت عذاب سے بچنا چاہتے ہیں تو چار کام کر کے مؤمنین کی جماعت میں شامل ہو جائیں۔

آیت (۱۴۷)- اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گذاری اور ایمان کا راستہ اختیار کرو۔ یعنی نفاق چھوڑ دو۔

دیگر

امام رازی رحمہ اللہ کے نزدیک النساء آیت (۶۹) سے پہلے بھی بعض آیات میں جہادی مضامین موجود ہیں ملاحظہ فرمائیں ''التفسیر الکبیر''۔

اور حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے نزدیک سورۃ النساء کی آیت (۸۵) آیت (۱۱۰) آیت (۱۵۰) میں بھی جہادی مضامین بیان ہوئے ہیں، ملاحظہ فرمائیں حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ۔

سُوْرَۃُ النِّسَاۗءِ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۶۹، ۷۰

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰۗئِکَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ

اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا فرمانبردار ہو تو وہ ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے

عَلَیْہِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّہَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِیْنَ

انعام کیا وہ نبی اور صدیق اور شہید اور صالح ہیں

وَحَسُنَ اُولٰۗئِکَ رَفِیْقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِکَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰہِ وَکَفٰی بِاللّٰہِ

اور یہ رفیق کیسے اچھے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے احسان ہے اور اللہ تعالیٰ کافی ہے

عَلِیْمًا ﴿۷۰﴾

جاننے والا

خلاصہ

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کا یہ صلہ ہے کہ ایسے لوگوں کو آخرت میں حضرات انبیاء علیہم السلام، حضرات صدیقین، حضرات شہداء اور صالحین کی رفاقت نصیب ہوگی۔ اور انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ ایسے حضرات کی اچھی اور عمدہ رفاقت کامل جاننا اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔

انعام یافتہ کامیاب حضرات

سورۃ فاتحہ میں دعاء مانگی جاتی ہے کہ یا اللہ ہمیں اُن لوگوں کے راستے پر چلا جن پر تیرا کامل انعام ہے۔ یعنی اُن کا دین تیرے نزدیک مقبول ہے اور وہ تیرے ہاں کامیاب اور انعام یافتہ ہیں۔ اس آیت میں بتا دیا گیا کہ مقبول، کامیاب اور پکے انعام یافتہ یہ چار طبقے ہیں (۱) انبیاء علیہم السلام (۲) صدیقین (۳) شہداء (۴) صالحین۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حضرات شہداء کرام

ان چار یقینی کامیاب طبقوں میں سے ایک شہداء کرام کا طبقہ بھی ہے۔

(۱) والشھداء الذین استشھدوا فی سبیل اللہ (المدارک) یعنی وہ حضرات جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہوتے ہیں۔

(۲) ”شہداء یعنی وہ حضرات جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے دین کو بلند کرنے کے لئے دشمنان اسلام سے جنگ لڑی

اور کافروں کے ہاتھوں مقتول ہوگئے یہ بھی مقربین بارگاہ الٰہی ہیں اور ان کے بڑے درجات ہیں۔" (انوار البیان)

❸ "اور شہید وہ جن کو پیغمبر کے حکم پر ایسا صدق (یقین) آیا کہ اس پر جان دیتے ہیں۔ (موضح القرآن)

❹ والشهداء القتلیٰ فی سبیل الله۔ یعنی شہداء سے مراد اللہ تعالیٰ کے راستے میں مقتول ہونے والے ہیں۔" (جلالین)

❺ اما الشهید: فهو المقتول فی سبیل الله، المخصوص بفضل المیتة وفرق الشرع حکمهم فی ترك الغسل والصلوٰة لانهم اکرم من ان یشفع فیهم. (البحر المحیط)

یعنی شہید سے مراد اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل ہونے والا ہے۔ اس کی موت کو خصوصی فضیلت حاصل ہے۔ اور شریعت نے انہیں امتیازی احکامات سے نوازا ہے کہ انہیں غسل نہیں دیا جاتا اور ان کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جاتی۔ کیونکہ وہ اس بات سے بلند ہیں کہ کوئی ان کی بخشش کے لئے (نماز جنازہ میں) سفارش کرے۔

(احناف کے نزدیک شہداء کرام کی نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے جیسا کہ شہداء غزوہ احد کی ادا کی گئی، حضرت ابوحیانؒ رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کو اختیار فرمایا ہے)

عظیم فضیلت

سورۃ فاتحہ کی دعاء اور پھر اس آیت کو مکمل غور اور یقین سے پڑھا جائے تو شہادت کی فضیلت سمجھنے کے لئے یہ آیت مبارکہ ہی کافی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک قول

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والمراد هنا بالشهداء عمر وعثمان وعلی، والصالحین سائر الصحابة رضی الله عنهم اجمعین۔ یعنی (صدیقین میں تو حضرت ابوبکر صدیق آگئے، جبکہ شہداء سے مراد حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں اور صالحین سے تمام صحابہ مراد ہیں) (القرطبی) اس قول کو ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

قلت واللفظ یعم کل صالح وشهید۔ یعنی میرے نزدیک صالح اور شہید کا لفظ تمام صلحاء اور شہداء کے لئے عام ہے۔ (یعنی صرف حضرات صحابہ کرام مراد نہیں ہیں) (قرطبی)

صاحب تفسیر ماجدی نے الشهداء کے اطلاق کو بہت عام کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ "مقتولیت کوئی اپنے اختیار کی چیز ہے بھی نہیں" اس پر کہا جا سکتا ہے کہ جناب! کوئی مقام بھی اپنے اختیار کی چیز نہیں ہے انسان دعاء اور کوشش کر سکتا ہے اور راستہ اختیار کر سکتا ہے۔

دعاء

اللهم اهدنا الصراط المستقیم، صراط الذین انعمت علیهم من الانبیاء والصدیقین والشهداء والصالحین۔ یاذا الفضل العظیم۔ (آمین یارب العالمین)

سُورَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّة — آیت ۷۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ

اے ایمان والو! اپنے ہتھیار لے لو پھر جدا جدا فوج ہو کر نکلو

اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ۝۷۱

یا سب اکٹھے ہو کر نکلو

خلاصہ

اے ایمان والو اپنا اسلحہ اور جنگی دفاع کا مکمل سامان لے لو۔ اور پھر ضرورت اور جنگی حکمت عملی کے تحت چھوٹے چھوٹے دستوں کی صورت میں نکلو یا بڑے لشکر کی صورت میں۔

ربط

اس آیت کے ماقبل کے ساتھ ربط میں مفسرین حضرات کے چند اقوال ملاحظہ فرمائیں:

۱ جہاد سب سے بڑا کام ہے:

واعلم انه تعالىٰ عاد بعد الترغيب فى طاعة الله وطاعة رسوله الى ذكر الجهاد الذى تقدم لانه اشق الطاعات ولانه اعظم الامور التى بها يحصل تقوية الدين.

یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی ترغیب کے بعد اللہ تعالیٰ دوبارہ جہاد کا تذکرہ فرما رہا ہے کیونکہ جہاد سب سے مشکل عبادت ہے۔ اور وہ ان کاموں میں سب سے بڑا کام ہے جن سے دین کو قوت ملتی ہے۔ (التفسیر الکبیر)

۲ جہاد اصل الاصول ہے:

”جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم پکا ہو چکا تو وہ خاص چیزیں جن میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت زیادہ ضروری ہے کا بیان شروع ہوتا ہے اور ان میں بڑی اصل الاصول بات جہاد ہے اس لئے اس تمہید کے بعد اس کا حکم دیتا ہے کہ ایماندارو! ہتھیار اٹھاؤ اور دشمن کے مقابلہ کے لئے ایک ایک جماعت ہو کر نکلو یا سب مل کر چلو۔“ (ملخص از حقانی)

۳ انبیاء و صدیقین کی معیت کے لئے جہاد ضروری ہے:

”یہاں سے جہاد کا ذکر ہے اس سے پہلی آیت میں یہ ذکر تھا کہ جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی

فرمانبرداری کرے گا اسکو انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین کی رفاقت انعام میں ملے گی اور احکام خداوندی میں حکم جہاد چونکہ شاق اور دشوار ہے، خصوصاً منافقین پر جن کا ذکر اوپر سے آرہا ہے، اس لئے جہاد کا حکم فرمایا کہ ہر کوئی انبیاء وصدیقین وغیرہم کی رفاقت اور معیت کی امید نہ کرنے لگے، منقول ہے کہ شروع اسلام میں بہت سے ضعیف الاسلام بھی دعوت اسلام قبول کر چکے تھے، پھر جب جہاد فرض ہو گیا تو بعض متزلزل ہو گئے اور بعض کفار کے ہم زبان ہو کر آپ کی مخالفت کرنے لگے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! منافقوں کی کیفیت تو تم کو پہلے سے معلوم ہو چکی اب خیر اسی میں ہے کہ تم اپنا ہر طرح سے بچاؤ اور اپنی خبر داری اور احتیاط کر لو، ہتھیاروں سے ہو یا تدبیر سے، عقل سے ہو یا سامان سے اور دشمنوں کے مقابلہ اور مقاتلہ کے لئے گھر سے باہر نکلو متفرق طور پر یا سب اکٹھے ہو کر جیسا موقع ہو“ (تفسیر عثمانی)

۴ شکست کے صدمہ سے ابھارا جارہا ہے:

” قرآن مجید کی اکثر آیتوں کی طرح ان آیتوں کو بھی پوری طرح سمجھنے کے لئے ان کا پس منظر پیش نظر رکھنا ضروری ہے احد میں ابھی حال ہی میں مسلمانوں کو عارضی شکست ہوئی تھی اور مشرکین کی ٹوٹی ہوئی ہمتیں اس سے قدرتاً بڑھ گئی تھیں اور اکیلے قریش مکہ ہی نہیں گردوپیش کے دوسرے قبیلے بھی متحد ہو کر اسلام کے خلاف زبردست محاذ تیار کر چکے تھے، مسلمانوں کو ہمت، ثبات واستقامت کے یہ درس عین اس وقت دیئے جارہے ہیں۔ خذوا حذركم حذر کا مفہوم بہت وسیع وجامع ہے ہر وہ چیز جو دشمن سے بچاؤ کے کام میں آتی ہے اس میں شامل ہے خواہ ہتھیار ہوں خواہ تدبیریں، وقس علیٰ ھذا گویا کہا جارہا ہے کہ دشمن کے مقابلہ میں ہر طرح کے کیل کانٹے سے درست اور آمادہ رہو“ (تفسیر ماجدی)

آیت کا ربط سمجھنے کے بعد اب خذوا حذركم کا معنیٰ ملاحظہ فرمایئے:

خذو حذرکم

۱ وقال الواحدی رحمه الله فيه قولان احدهما المراد بالحذر السلاح والمعنىٰ خذوا سلاحكم: الخ۔

واحدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں دو قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ حذر سے مراد اسلحہ ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اپنا اسلحہ ساتھ لے لو۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ دشمن سے خود کو بچاؤ اور دشمن سے بچاؤ بھی اسلحہ ہی کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔ تب بھی مطلب یہی ہوا کہ اپنا اسلحہ لے لو۔ (التفسیر الکبیر)

۲ ای احترزوا منه وتيقظوا له. یعنی دشمن سے اپنا دفاع کرو اور اس سے خوب ہوشیار رہو۔ (یعنی غفلت نہ کرو کہ تمہیں غافل پا کر نقصان پہنچادے) (جلالین)

امام قرطبیؒ لکھتے ہیں:

❸ هذا خطاب للمومنين المخلصين من امة محمدٍ صلى الله عليه وسلم وامر لهم بجهاد الكفا ر والخروج في سبيل الله وحماية الشرع.

یعنی اس آیت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے مخلص ایمان والوں سے خطاب ہے اوران کو کفار سے جہاد کرنے، اللہ کے راستے میں نکلنے اور شریعت کی حمایت میں لڑنے کا حکم ہے۔

آیت کا ربط بیان کرنے کے بعد امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وامرهم الايقتحموا على عدوهم علیٰ جهالة حتى يتحسسوا الى ماعندهم، ويعلموا كيف يردون عليهم، فذلك اثبت لهم فقال خذوا حذركم فعلمهم مباشرة الحروب. (القرطبی)

یعنی اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حکم دیا کہ وہ دشمن پر ایسے نہ چڑھ دوڑیں کہ اس کے مکمل حالات سے واقف نہ ہوں بلکہ اچھی طرح سے دشمن کی قوت کا پتا لگائیں اور پھر اس تک پہنچنے کے راستوں اور طریقوں کو سمجھیں (اور پھر حملہ کریں) یہ ترتیب ان کے غلبے اور مضبوطی کا ذریعہ بنے گی اسی لئے ارشاد فرمایا خذوا حذرکم اور انہیں جنگ کرنے کا طریقہ سکھا دیا۔

کلام برکت

یعنی لڑائی میں اپنا بچاؤ کرنا زرہ (پہن) کر یا سپر (یعنی ڈھال اٹھا) کر یا تدبیر کر یا ہنر کر منع نہیں۔ (موضح القرآن)

چاروں اقوال کا خلاصہ

ان چاروں اقوال میں غور کیا جائے تو جہاد کا پورا دفاعی نظام سمجھ میں آ جاتا ہے۔ اور یہ بات بھی معلوم ہو جاتی ہے کہ جہاد کے دوران زیادہ فکر دشمن کو نقصان پہنچانے کی، اور اپنے بچاؤ کی رکھنی چاہیے۔ دشمن کی مکمل جاسوسی کرنا۔ راستوں کا کھوج لگانا۔ مناسب طرف سے حملہ کرنا، محفوظ راستہ اختیار کرنا۔ دشمن کی نقل وحرکت پر مکمل نظر رکھنا۔ اس کی جنگی تیاری کے مطابق اپنا اسلحہ تیار کرنا۔ اپنے جسم کو دشمن کی ضرب سے بچانے کے لئے حفاظتی لباس پہننا، خوب تدبیر اور حکمت عملی سے لڑنا۔ دشمن کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچانے کے لئے اپنے ذہنی ہنر کو بروئے کار لانا۔ جنگ کا ایسا طریقہ اختیار کرنا جس میں دشمن کا نقصان اور اپنے لشکر کا بچاؤ ہو۔ الغرض جہاد کے دوران دشمن کا نقصان اور اپنا دفاع مدنظر رکھ کر مقابلے میں کود پڑو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

نکتہ

حذر کا معنیٰ بچاؤ آتا ہے مگر اس سے یہ بچاؤ مراد نہیں کہ انسان جہاد اور جنگ سے ہی بھاگ جائے۔ بلکہ جنگ کے دوران اپنا اور اسلامی لشکر کا زیادہ سے زیادہ دفاع مراد ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ کے الفاظ سے بالکل ظاہر اور واضح ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فانفروا ثباتٍ اوانفروا جميعاً.

پھر چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر کوچ کر دیا اکٹھے۔

فانفروا انهضوا لقتال العدو. یعنی دشمن سے لڑنے کے لئے نکلو۔ (قرطبی)

ثباتٍ كناية عن السرايا. یعنی چھوٹے چھوٹے سریئے اور دستے بنا کر نکلو۔ (قرطبی)

جميعاً معناه الجيش الكثيف. یعنی بڑے لشکر میں نکلو۔ (قرطبی) باقی مفسرین نے بھی تقریباً یہی معنیٰ بیان کئے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے یہ دو عبارتیں:

(۱) ثباتٍ متفرقين، سرية بعد أخرى اوانفروا جميعاً مجتمعين (جيشاً واحداً) (جلالين)

(۲) معناه انفروا الى العدو اما ثبات اى جماعات متفرقة، سرية بعد سرية، واما جميعاً اى مجتمعين كوكبة واحدة. (التفسير الكبير)

اقوال کا خلاصہ

ان تمام اقوال کا خلاصہ بھی وہی ہوا جو امام قرطبی رحمہ اللہ کے حوالے سے گذر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس آیت میں مسلمانوں کو جنگ کرنے کا طریقہ سکھا رہے ہیں۔ پہلے پورا دفاعی نظام خذوا حذركم کے جامع الفاظ میں ارشاد فرما دیا۔ اور اب انفروا سے لڑائی کے لئے نکلنے کا طریقہ ارشاد فرما دیا کہ اصل مقصود چونکہ اعلاء کلمۃ اللہ کی خاطر دشمنان اسلام سے لڑنا ہے۔ اس لئے جنگی حکمت عملی کے تحت وہ صورت اختیار کرو جس میں دشمن کا زیادہ سے زیادہ نقصان اور اسلامی لشکر کا زیادہ سے زیادہ دفاع اور فائدہ ہو۔ چنانچہ اگر گوریلا جنگ مناسب ہو تو انفروا ثباتٍ اور مکمل لشکر کشی مناسب ہو تو انفروا جميعاً۔ اور (واللہ اعلم) یہ بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ مکمل جاسوسی، نگرانی اور تدبیر کے بعد پہلے انفروا ثباتٍ ایک ایک، دو دو افراد اور چھوٹے دستے گوریلا کاروائیاں کر کے دشمن کو نقصان پہنچائیں، تنگ کریں، اور اس کے راستے تباہ کریں۔ اور پھر اگر ضرورت باقی رہے تو اس کمزور اور تنگ شدہ دشمن پر، انفروا جميعاً پورا لشکر حملہ آور ہو جائے۔ مگر لفظ أو کے ہوتے ہوئے یہ معنیٰ بعید ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فائدہ

حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”مسلمانوں کو حکم بنا کر بھیجا اور محاکمہ بالعدل کا قانون دیا گیا۔ اب اس قانون کی نشر و اشاعت کے لئے آگے بڑھیں گے تو اسباب قتال پیدا ہوں گے، ضعیف افراد یا جماعتیں اس قانون کو سر آنکھوں پر رکھنا چاہیں گی، لہٰذا مرکزی جماعت کا فرض ہوگا کہ اس ضعیف جماعت کو اعدائے اسلام کے پنجے سے چھوڑائے اور ان کے چھوڑانے کے لئے قتال کرنا پڑے گا نویں رکوع تک مبلغین حق کی تکمیل کا پروگرام بتا دیا گیا، اب دسویں رکوع سے سفر تبلیغ شروع ہوتا ہے۔ (انتہیٰ)

اس جملہ معترضہ کے بعد آیت کا مطلب ان الفاظ میں لکھتے ہیں: اے مسلمانو! نشر واشاعت قانون الٰہی یعنی قرآن کے لئے نکلو تو اپنی حفاظت کے لئے ہتھیار باندھ کر نکلو۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

فائدہ

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی اطاعت، اور جنت میں اونچی رفاقت کے لئے اس آیت میں جو نسخہ بتایا گیا ہے وہ جہاد فی سبیل اللہ کا ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس پر پورا عمل فرمایا انہوں نے چھوٹے چھوٹے دستوں کے ذریعے بھی کاروائیاں کیں۔ خصوصاً گستاخانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمۃ الکفر کا خاتمہ انفرو اثبات کے ذریعے کیا اور وہ بڑے لشکر بنا کر بھی نکلے جس سے انہوں نے اقوام عالم کو شکست دی مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ جنگ کے ان دونوں آسمانی طریقوں کو ہر زمانے میں زندہ رکھیں۔ اور خذوا حذرکم کے لازمی حکم سے کبھی غافل نہ ہوں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ جلیلہ

علامہ آلوسی رحمہ اللہ ''سریہ'' اور ''جیش'' کے معنیٰ متعین کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ویسمی الجیش اذا اجتمع ولم ینتشر کتیبة، وللقطعة المنتخبة المنقطعة منه سرية. یعنی لشکر جب اکٹھا ہو اور الگ الگ دستوں میں منتشر نہ ہو تو ''جیش'' کہلاتا ہے اور اس ''جیش'' میں سے چند منتخب افراد کے دستے کو سریہ کہتے ہیں۔ وعن بعضهم انها التی تخرج لیلاً وتعود الیه وهی من مائة الی خمسمائة أو من خمس انفس الی ثلاثمائة واربعمائة. اور بعض کے نزدیک سریہ وہ دستہ ہے جو رات کو کاروائی کے لئے جاتا ہے۔ اور پھر لشکر کی طرف لوٹ آتا ہے ان کی تعداد ایک سو سے پانچ سو افراد تک ہوتی ہے یا پانچ افراد سے تین سو اور چار سو افراد تک، وما زاد علی السرية "منسر" کمجلس ومنبر الی الثمانمائة. اور سریہ سے بڑے دستے کو ''منسر'' کہتے ہیں ان کی تعداد آٹھ سو تک ہوتی ہے۔ فان زاد یقال له جیش الی اربعة آلاف فان زاد یسمی جحفلاً۔ ویسمّی الجیش العظیم، خمیسا۔ وما افترق من السرية. بعثا. وقد تطلق السرية علی مطلق الجماعة.

اور جب تعداد آٹھ سو سے زائد ہو تو ''جیش'' کہلاتا ہے چار ہزار کی تعداد تک، پھر اگر تعداد اس سے زیادہ ہو تو ''جحفل'' کہلاتا ہے۔ اور بڑے لشکر کو ''خمیس'' کہتے ہیں اور ''سریہ'' میں سے چند افراد کا اگر دستہ الگ بھیجا جائے تو وہ ''بعث'' کہلاتا ہے۔ اور کبھی سریہ کا لفظ مطلق جماعت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ (روح المعانی)

دعاء

اللہ تعالیٰ اسلامی حکومتوں، اور دینی جماعتوں کو ان اصطلاحات کو زندہ کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔

(آمین یا ارحم الراحمین)

سُورَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۷۲، ۷۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَ اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ

اور بے شک تم میں بعض ایسا بھی ہے جو لڑائی سے جی چراتا ہے پھر اگر تم پر کوئی مصیبت آجائے تو کہتا ہے کہ

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فضل کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ نہ تھا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر

فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ

فضل ہو تو اس طرح کہنے لگتا ہے کہ گویا تمہارے اور اس کے درمیان دوستی کا کوئی

مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿۷۳﴾

تعلق ہی نہیں کہ کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی مراد پاتا

اے مسلمانو! تم میں کچھ ایسے (منافق) لوگ بھی گھس گئے ہیں جو خود جہاد میں نہیں جاتے اور دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ پھر جب تم پر شکست وغیرہ کی مصیبت اور آزمائش آتی ہے تو اپنے جہاد پر نہ جانے سے خوش ہوتے ہیں اور اسے اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھتے ہیں۔ اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ فتح عطاء فرماتا ہے تو وہ حسد اور حسرت کی آگ میں یوں جلنے لگتے ہیں گویا کہ ان کا تم سے کبھی کوئی تعلق ہی نہیں تھا۔ اگر وہ تمہارے ہمدرد ہوتے تو تمہاری فتح پر حسد اور حسرت کی بجائے خوشی کا اظہار کرتے۔ (مگر وہ مال کے لالچی، خودغرض اور جہاد کے مقاصد سے ناآشنا لوگ ہیں۔)

فائدہ

جہاد کا حکم دیتے ہی مسلمانوں کو ان داخلی دشمنوں سے خبردار کیا گیا جو مسلمان بن کر "جماعت اسلام" کی صفوں میں گھسے رہتے ہیں۔ مگر ان کی کم ہمتی، خودغرضی، بزدلی اور بے وفائی ہمیشہ مسلمانوں کو نقصان پہنچاتی ہے، اور جہاد کی دعوت اور اس کی ترتیب کو خراب کرتی ہے، پس مسلمانوں کو ایسے منافق صفت لوگوں سے ہوشیار رہنا چاہئے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اقوال وحوالے

۱ دوسروں کو جہاد سے روکنے والے:

قال مجاهد وغيرواحد:نزلت في المنافقين ،وقال مقاتل بن حيان:ليبطئنّ اى ليتخلفن عن الجهاد ، ويحتمل ان يكون المراد انه يتباطأ هوفي نفسه ،ويبطئ غيره عن الجهاد كماكان عبدالله بن ابى ابن سلول. قبحه الله. يفعل يتأخر عن الجهاد ويثبط الناس عن

الخروج فيه وهذا قول ابن جريج وابن جرير. (تفسير ابن كثير)

یعنی مجاہد رحمہ اللہ اور کئی حضرات کا قول یہ ہے کہ یہ آیت منافقین کے بارے میں نازل ہوئی مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں لیبطئن کا معنیٰ ہے جہاد سے پیچھے رہ جاتا ہے اور یہ معنیٰ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ خود بھی جہاد میں سستی کرتا ہے اور دوسروں کو بھی جہاد سے روکتا ہے جیسا کہ عبداللہ بن ابی (اللہ اسے رسوا کرے) کیا کرتا تھا کہ خود بھی جہاد سے پیچھے رہتا تھا اور لوگوں کو بھی جہاد میں نکلنے سے روکتا تھا۔

❷ منافق کی مقاصد جہاد سے بے خبری:

"فانفروا نفر کے معنیٰ کوچ کرنے اور تیار ہونے کے ہیں اور ایسے آمادۂ جنگ لوگوں کو نفیر کہا کرتے ہیں۔ یعنی اگر چھوٹی جماعت کہ جس کو سریہ کہتے ہیں ضرورت پڑے تو وہ نکلے اور اگر سب کی ضرورت ہو تو سب نکلیں۔ لڑائی کا انجام یا فتح و کامیابی، دشمن کا مال و ملک قبضہ میں آنا۔ یا شکست پانا، زخم اٹھانا ہے، چونکہ یہ جنگ دنیاوی بادشاہوں کی جنگ نہیں جسکی صرف "فتح" میں فائدہ تصور ہو، اور جہاں ظاہری فتح نظر نہ آئے یا مشقت و تکلیف دکھلائی دے تو کنارہ کشی اور پہلوتہی کی جائے۔ بلکہ یہ اس آسمانی سلطنت کی جنگ ہے جس کے ظہور کی انبیاء علیہم السلام خصوصاً حضرت یسعیا علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت دانیال علیہ السلام، اور حضرت مسیح علیہ السلام خبر دیتے آئے ہیں، جس جنگ کا مقصد بت پرستی کی شوکت (وقوت) توڑنا، اور سچائی، تہذیب اور توحید کے مٹانے والوں کو مٹانا ہے، اس جنگ کی فتح تو فتح ہے مگر اس کی شکست میں بھی عالم آخرت کے لئے اس فوج کے سپاہیوں کو حیات ابدی اور جنت الفردوس کی دائمی پنشن ملتی ہے۔ پس اس کی شکست کو قہر اور مصیبت سمجھ کر اور اس کی ہزیمت کو زہر سمجھ کر اس میں سستی نہیں کرنی چاہیے، مگر مدینہ میں کچھ لوگ منافق اور سست ایمان والے ایسے بھی تھے کہ جو اس جنگ کے شریک ہونے میں حیلہ جوئی اور سستی کرتے تھے اور جب کبھی لشکر اسلام پر مصیبت و ہزیمت پڑ جاتی تھی تو خوش ہو کر یہ کہتے تھے کہ خدا نے ہم پر بڑی مہربانی کی جو ہم اس جنگ میں شریک نہ ہوئے ورنہ ہم پر بھی مصیبت پڑتی وہ اپنے شریک نہ ہونے کو حالت شکست میں انعام الٰہی سمجھتے ہیں۔ اور مسلمانوں کی فتح و نصرت کے وقت تأسف کر کے اور اپنے آپ کو بالکل اجنبی سمجھ کر گویا ان میں اور اہل اسلام میں کبھی کوئی محبت اور دوستی کا رشتہ ہی نہ تھا یہ کہتے ہیں کہ کاش ہم بھی ان کے ساتھ ہوتے تو اس غنیمت میں شریک ہو کر بڑے ہی نہال ہوتے۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی یہ غرض ہے کہ اے ایمان والو! تم کو ایسا سست ایمان اور حیلہ جو (یعنی بہانے خور) نہیں ہونا چاہیے خصوصاً ایسے کام (یعنی جہاد) میں کہ جس پر تمہاری سعادت دارین (یعنی دونوں جہانوں کی کامیابی) موقوف ہے۔" (ملخصہ تفسیر حقانی)

فائدہ

جہاد کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے حضرت حقانی رحمہ اللہ کی اس عبارت کو بار بار پڑھا اور سمجھا جائے کیونکہ اس حقیقت کو سمجھنے سے ہی جہاد پر استقامت آسان رہتی ہے اور انسان نفاق کے اثرات سے محفوظ رہتا ہے۔ اور اسے جہاد کا وہ

اصل فلسفہ سمجھ آجاتا ہے جو فتح وشکست سے بالاتر ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

۳ منافق کا مقصود دنیا ہے:

کلام برکت

یعنی ایسا شخص منافق ہے کہ خدا کے حکم پر نہیں دوڑتا بلکہ نفع دنیا تکتا ہے۔ اگر لوگوں کو اس کام (یعنی جہاد) میں تکلیف پہنچی تو اپنے الگ رہنے پر ریجھتا ہے (یعنی فخر کرتا ہے) اور اگر لوگوں کو فائدہ پہنچا تو پچھتاتا ہے اور دشمنوں کی طرح حسد کرتا ہے۔ (موضح القرآن)

فائدہ

وہ لوگ جو اچھے حالات میں مجاہد بن جاتے ہیں اور برے حالات میں اپنے بچ جانے پر فخر کرتے ہیں وہ اس عبارت سے عبرت حاصل کریں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

۴ جماعت سے الگ لوگ:

”ہر جماعت میں کچھ لوگ ایمان ویقین سے محروم اور عزم وہمت سے تہی دست ہوتے ہیں، وہ جب دیکھتے ہیں کہ عزم وہمت کا کوئی قدم اٹھایا جارہا ہے تو اپنی کمزوری سے خود بھی باز رہتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ دوسروں کو بھی باز رکھیں، پھر جب جماعت قدم اٹھا دیتی ہے تو الگ تھلگ رہ کر غیروں کی طرح تماشہ دیکھتے ہیں، اگر کوئی حادثہ پیش آ گیا تو خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں، اچھا ہوا ہم ان لوگوں کے ساتھ شریک نہ ہوئے، اگر کامیابی ہوتی ہے تو رشک وحسد سے جل مرتے ہیں اور کہنے لگتے ہیں، کاش ہم نے بھی ساتھ دیا ہوتا تو آج کامیابی میں ہمارا حصہ ہوتا، گویا ان کی شخصیت جماعت کی ہستی سے بالکل الگ ہے، نہ تو اس کا نقصان ان کا نقصان ہے اور نہ اس کی کامیابی ان کی کامیابی۔“ (ترجمان القرآن)

۵ منافقین کا شہداء سے مذاق:

امام ابوحیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

منافق کہا کرتے تھے: اذ لم اکن معهم شهيدا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر انعام کیا کہ میں مسلمانوں کے ساتھ جہاد میں نہیں گیا، شهيدا کے ایک معنیٰ حاضر کے ہیں یعنی اچھا ہوا کہ میں شکست اور مصیبت میں ان کے ساتھ حاضر وموجود نہیں تھا۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ شهيدا کو اصلی معنیٰ میں لیا جائے تو گویا وہ مذاق اڑانے کے لئے کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر فضل کیا کہ ہم شہید ہونے سے بچ گئے۔ (نعوذ باللہ)

”والشهيد هنا الحاضر معهم فی معترك الحرب، او المقتول فی سبيل الله يقوله المنافق استهزاءً لانه لا يعتقد حقيقة الشهادة فی سبيل الله۔ (البحر المحيط)

کیونکہ منافق شہادت کی حقیقت کا یقین نہیں رکھتا۔

دعاء

اللھم انانعوذبک من الشقاق والنفاق وسوء الاخلاق۔اللھم طھر قلوبنامن النفاق وارزقنا شھادۃ فی سبیلک۔ (آمین یاارحم الراحمین)

سُوْرَةُ النِّسَاۗءِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۷۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

سو چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہ لوگ لڑیں جو دنیا کی زندگی کو

بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ

آخرت کے بدلے بیچتے ہیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑے پھر مارا جائے یا غالب رہے

فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۷۴

تو اسے ہم بڑا ثواب دیں گے

خلاصہ

جو آخرت کی کامیابی کا طلبگار ہو وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتال کرے۔اور جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرے گا وہ شہید ہو یا غالب،اس کے لئے ہر حال میں عظیم الشان اجر ہے۔

فائدہ

منافق ’’اسلامی جہاد‘‘ کے فلسفے اور مقصد کو نہیں سمجھتے تھے،اس لئے وہ ظاہری فتح اور شکست کا اثر لیتے تھے۔جبکہ ایمان والوں کو سمجھایا گیا کہ جہاد تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا نام ہے۔اور جہاد ایک کامیاب ترین سودا ہے۔اور جہاد میں آخرت کی بڑی کامیابی ہے۔باقی رہی ظاہری فتح اور شکست تو اس پر جہاد کی قبولیت اور اجر موقوف نہیں ہے۔مسلمان شہید ہو جائے یا غالب ہر حال میں وہی کامیاب اور بامراد ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

آیت کے تین ترجمے

حضرات مفسرین نے اس آیت مبارکہ کے تین مختلف ترجمے کئے ہیں۔یہ تینوں ترجمے جہاد کے الگ الگ پہلوؤں کو نمایاں کرتے ہیں۔

پہلا ترجمہ:

سو چاہیے لڑیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہ لوگ جو بیچتے ہیں دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے۔(ترجمہ شاہ عبدالقادر، شیخ الہند،حضرت لاہوری رحمہم اللہ وغیرہم)

اس ترجمے کے مطابق یشرون بمعنی یبیعون ہے۔اور فلیقاتل کا فاعل الذین یشرون ہے۔اور خطاب ایمان والوں کو ہے کہ دنیا کی فانی زندگی بیچ کر وہ جہاد کے ذریعے آخرت کے طلبگار بنیں۔

فکان معنی الایة فلیقاتل فی سبیل اللہ الذین یبیعون الحیاۃ الدنیابالآخرۃ وھوکقولہ ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ ۔ (التفسیر الکبیر)

دوسرا ترجمہ:

جولوگ آخرت کے بدلہ دنیا والی زندگی کو اختیار کرتے ہیں ان کو چاہیے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتال کریں (انوارالبیان وغیرہ)

یعنی دنیا کے طالب منافقین کو حکم دیا جارہا ہے کہ تم نے آخرت کو چھوڑ کر دنیا کو مقصود بنالیا ہے جو بہت بڑی غلطی ہے، اب تمہیں چاہیے کہ توبہ کرو اور ایمان لاکر جہاد میں لگ جاؤ تاکہ آخرت کی کامیابی سے محروم نہ ہو۔

اس صورت میں یشرون بمعنی یشترون ہوگا۔

والقول الثانی معنیٰ قولہ یشرون ای یشترون :قالوا والمخاطبون بھذا الخطاب ھم المنافقون الذین تخلفوا عن أحد (التفسیر الکبیر)

قیل نزلت فی المنافقین الذین تخلفوا عن أحد ویشرون بمعنیٰ یشترون۔ (البحر المحیط)

تیسرا ترجمہ:

توہاں اس شخص کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑے جو آخرت کے بدلے دنیوی زندگی کو اختیار کئے ہوئے ہیں۔(بیان القرآن)

یعنی الذین یشرون الحیوۃ الدنیا سے مراد کفار ہیں۔کہ ان کافروں سے لڑنا چاہیے جنہوں نے آخرت کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی کو مقصود بنایا ہوا ہے تب الذین۔ فلیقاتل کا مفعول ہوگا۔

فلیقاتل ای المومن النافر فی سبیل اللہ الذین یشرون الحیوۃ الدنیا بالآخرۃ ای یبیعون دینھم بعرض قلیل من الدنیا وما ذلک الالکفرھم وعدم ایمانھم. (تفسیر ابن کثیر)

جہاد کے مختلف پہلو

آپ نے تین ترجمے اور ان کے حوالہ جات ملاحظہ فرمالئے۔ان تینوں ترجموں میں جہاد کے مختلف پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔پہلی بات تو یہ ہے کہ اس آیت میں قتال فی سبیل اللہ کی ترغیب ہے،جیسا کہ بالکل ظاہر اور واضح ہے اور اس میں فرضیتِ جہاد کی دلیل بھی موجود ہے کیونکہ فلیقاتل امر کا صیغہ ہے۔

پھر پہلے ترجمے کے اعتبار سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جہاد بندے کا اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک کامیاب سودا ہے۔پس جس کا ایمان سلامت ہو اور عقل درست ہو وہ دنیا کی اس حقیر اور فانی زندگی کو آخرت کی اعلیٰ اور باقی زندگی

کے بدلے خوشی سے بیچ دیتا ہے۔ایک مسلمان کا جہاد میں نکلنا ہی اس سودے کو پکا کردیتا ہے آگے اللہ تعالیٰ کی مرضی کہ وہ جب چاہے جان قبول فرمائے۔ دوسرے ترجمے کے اعتبار سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ جہاد بہت بڑے بڑے گناہوں کا کفارہ ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جو غزوہ احد سے رہ گئے تھے اور نفاق جیسے جرم میں مبتلا تھے ان کو سمجھایا جارہا ہے کہ اب بھی توبہ کرکے جہاد میں آجاؤ تو تمہارے گناہ معاف ہوجائیں گے اور ساتھ ہی اجر عظیم بھی ملے گا۔گویا زندگی بھر کے گناہوں سے جان چھڑانی ہو تو بندہ میدان جہاد میں کود پڑے۔

تیسرے ترجمے کے اعتبار سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ کافر جو دنیا ہی کو اپنا مقصود بنا چکے ہیں دین اور انسانیت کے لئے خطرہ ہیں۔ یہ لوگ دنیا کی محبت اور اس کی چمک کو اگر اسی طرح عام کرتے رہے تو پھر اکثر لوگ ایمان نہیں لائیں گے اور دنیا کی چمک میں پھنس کر کفر کے اندھیروں میں گرتے چلے جائیں گے۔اس لئے ایسے طالب دنیا کافروں سے لڑو۔تاکہ ان کا زور ٹوٹ جائے۔ وہ مغلوب ہوجائیں اور وہ اپنی دنیوی قوت اور زیب وزینت کی وجہ سے کسی کو کافر نہ بنا سکیں۔(واللہ اعلم بالصواب)

ایک دلچسپ بحث

امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس آیت کے دوسرے حصے (کہ کوئی جہاد میں شہید ہو یا غالب اسے اجر عظیم ملے گا) سے یہ مسئلہ بیان فرمایا ہے کہ۔ جہاد میں اگر کسی کو غنیمت یا فتح مل جائے تو اس سے اُس کے اجر میں کمی نہیں آتی۔ پھر انہوں نے ان احادیث مبارکہ کا مفہوم بھی واضح کیا ہے جن میں اس بات کی صراحت ہے کہ جن مجاہدین کو غنیمت مل جاتی ہے ان کا دوتہائی اجر کم ہوجاتا ہے یعنی انہیں دنیا میں مل جاتا ہے۔ پوری بحث تفسیر قرطبی میں ملاحظہ فرمالیں۔امام قرطبی رحمہ اللہ کی طرح علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ کی رائے بھی یہی ہے کہ اس آیت مبارکہ کے مطابق ہر مجاہد کو پورا پورا اجر ملتا ہے۔خواہ اسے غنیمت ملے یا شہادت۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

ای کل من قاتل فی سبیل اللہ سواء قتل اوغلب فله عنداللہ مثوبة عظیمة واجر جزیل کماثبت فی الصحیحین: وتکفل اللہ للمجاهدفی سبیله ان توفاه ان یدخله الجنة أویرجعه الی مسکنه الذی خرج منه مانال من أجر أوغنیمة. (تفسیر ابن کثیر)

یعنی آیت مبارکہ اور حدیث صحیح سے یہی ثابت ہوا کہ جو بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لئے نکلتا ہے پھر وہ شہید ہو یا غالب اس کے لئے اجر عظیم ہے۔(البتہ مقام شہادت کے الگ فضائل ہیں)

کلام برکت

اس آیت کی تفسیر میں حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یعنی مسلمانوں کو چاہئے زندگی دنیا پر نظر نہ رکھیں، آخرت چاہیں اور سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں ہر طرح

نفع ہے۔(موضح القرآن)

(ہر طرح یعنی ظاہری فتح ملے یا شکست، کامیابی ملے یا زخم، غنیمت ملے یا شہادت ظاہری نتیجہ نکلے یا نہ نکلے، مقصد اللہ تعالیٰ کا حکم پورا کرنا اور آخرت کو دنیا پر ترجیح دینا ہے۔بس یہ بات سمجھ آجائے تو جہاد پر کیے جانے والے ہزاروں فضول اشکالات کا غبار خود بخود دھل جاتا ہے۔واللہ اعلم بالصواب)

پیغام حق کے داعی

”جو لوگ دنیاوی زندگی کے بدلے میں آخرت خریدنا چاہتے ہیں ان پر لازم ہے کہ پیغام حق کو لے کر ہر نوع کی مشکلات کے مقابلے کے لئے نکلیں، خدا کی راہ میں جہاد کرنے والا خواہ قتل ہو جائے یا فتح پائے دونوں صورتوں میں ثواب عظیم کا مستحق ہوگا۔“(حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّة آیت ۷۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ

اور کیا وجہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں ان بے بس مردوں

الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا

اور عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کہتے ہیں اے ہمارے رب ہمیں اس بستی سے نکال

مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ

جس کے باشندے ظالم ہیں اور ہمارے واسطے اپنے ہاں سے کوئی حمایتی کردے

وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿۷۵﴾

اور ہمارے واسطے اپنے ہاں سے کوئی مددگار بنادے

خلاصہ

اور تمہارے لئے کیا عذر ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے راستے میں نہیں لڑتے۔ اور ان کمزور ومظلوم مردوں، عورتوں اور بچوں کو چھڑانے کی خاطر۔ جہاد نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ کے حضور گڑگڑا کر فریاد کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے سخت ظالم ہیں اور ہمارے لئے اپنی طرف سے کوئی یار و مددگار کھڑا فرما۔

اقوال وحوالے

❶ جہاد فرض ہے:

وما لكم لاتقاتلون يدل على ان الجهاد واجب ومعناه انه لا عذرلكم فى ترك المقاتلة وقد بلغ حال المستضعفين من الرجال والنساء والولدان من المسلمين الى مابلغ فى الضعف۔ (التفسير الكبير)

وما لكم لاتقاتلون۔ یہ الفاظ جہاد کے فرض ہونے کی دلیل ہیں۔ اور مطلب یہ ہے کہ تمہارے لئے جہاد چھوڑنے کا کوئی عذر باقی نہیں ہے کیونکہ کمزور مسلمان مردوں عورتوں اور بچوں کی مظلومیت اس حد تک پہنچ چکی ہے۔

ان الفاظ کے بعد امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فهذا حثٌ شديد على القتال۔

اس میں جہاد پر بہت سختی سے ابھارا گیا ہے۔ (التفسیر الکبیر)

۲ مظلوموں اور قیدیوں کا چھڑانا واجب ہے:

قوله تعالیٰ وما لكم لاتقاتلون فی سبيل الله حض على الجهاد، وهويتضمن تخليص المستضعفين من ايدى الكفرة المشركين الذين يسومونهم سوٓء العذاب ويفتنو نهم عن الدين، فأوجب تعالىٰ الجهاد لاعلاء كلمته واظهار دينه و استنقاذ المومنين الضعفاء من عباده وان كان فى ذلك تلف النفوس.

یعنی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان وما لكم لاتقاتلون فی سبيل الله میں جہاد پر ابھارا گیا ہے۔ اور اس میں کمزور مسلمانوں کو ان کافر مشرکوں سے رہا کرانے کی بھی ترغیب ہے جو انہیں دردناک عذاب پہنچاتے ہیں اور انہیں دین سے ہٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے جہاد کو فرض فرمایا اپنے کلمے کی بلندی، اپنے دین کے غلبے اور اپنے کمزور مسلمان بندوں کی آزادی کے لئے۔ اگرچہ اس جہاد میں جانوں کا (ظاہری) نقصان ہے۔ (القرطبی)

اس کے بعد امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وتخليص الأسارىٰ واجب علىٰ جماعة المسلمين امابالقتال واما بالأموال، وذلك أوجب لكونها دون النفوس اذهی اهون منها قال مالك: واجب على الناس ان يفدوا الاسارىٰ بجميع اموالهم وهذا لاخلاف فيه: لقوله عليه السلام "فكوا العانى" اور قیدیوں کا چھڑانا مسلمانوں کی جماعت پر واجب ہے یا تو قتال کے ذریعے یا اموال کے ذریعے۔ اور اموال کے ذریعے چھڑانا زیادہ تاکیدی حکم ہے کیونکہ مال کی قربانی جان کی قربانی سے کم درجے کی ہے۔ (پس اگر قیدی مال سے چھوٹتے ہوں تو مال کی قربانی دینا زیادہ لازمی ہے)

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مسلمانوں کے ذمہ لازم ہے کہ وہ (ضرورت پڑنے پر) اپنا سارا مال قیدیوں کے فدیے میں ادا کریں۔ اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں ہے اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے قیدیوں کو چھڑاؤ۔ (القرطبی)

۳ فرضیت جہاد کا ایک سبب:

فهذا حث شديد على القتال وبيان العلة التى لها صار القتال واجباً. (التفسير الكبير)

اس آیت میں جہاد کی سخت ترغیب ہے اور اس علت کا بیان ہے جسکی وجہ سے جہاد کو فرض کیا گیا۔ (یعنی نصرة المستضعفين، کمزوروں کی مدد اور خلاصی)

۴ فرضیت جہاد کے دو سبب:

کلام برکت

یعنی دو واسطے لڑائی تم کو (یعنی تم پر) ضرور (یعنی لازمی) ہے، ایک تو اللہ تعالیٰ کا دین بلند کرنے کو، دوسرے مظلوم

مسلمانوں کو جو کافروں کے ہاتھ بے بس پڑے ہیں ان کی خلاصی کرنے کو۔ شہر مکہ میں ایسے لوگ بہت تھے کہ حضرت کے ساتھ ہجرت نہ کر سکے اور اُن کے اقرباء ان پر ظلم کرنے لگے کہ مسلمان سے پھر کافر کریں۔ (موضح القرآن)

۵ مقاصد جہاد:

"جبکہ اعلاء کلمۃ اللہ تو خود جہاد کا ایک مستقل محرک اور قوی داعی ہے یہ (مظلوموں کی مدد) دوسرا داعی جہاد کے لئے ارشاد ہوا، کمزوروں کی دستگیری ونصرت اور مظلوموں کی اعانت اور انہیں ظالم کافروں کے پنجہ سے رہائی دلانا بجائے خود مقاصد جہاد میں سے ہے۔" (تفسیر ماجدی)

۶ کمزور حق پرست:

"حق پرستوں کی اسی کمزور جماعت کیلئے سرفروشان اسلام کو میدان جنگ میں آنا لازمی ہے۔" (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

نکتہ

کافروں کا ظلم اور ان کی دشمنی مسلمانوں کے حق میں کتنی اچھی رہی کہ اللہ پاک کو ان مسلمانوں پر اتنا پیار آیا کہ ان کی خاطر دوسرے مسلمانوں پر جہاد فرض کیا۔ اور ان مظلوموں کی فریاد اور دعاء کو قرآن پاک کا حصہ بنایا اور ان کے غم اور دکھ میں پوری امت کو شریک فرمایا، کافروں کے ظلم کے سامنے حق پر ڈٹے رہنا اور سخت حالات کا سامنا کرنا اگرچہ بہت مشکل ہے۔ مگر آخرت کے اعتبار سے ایک مومن کے لئے بہت بڑی چیز ہے۔ اس کے برعکس کافروں کی یاری، ان کی نوازشات اور ان کی محبت میں مسلمانوں کے لئے نقصان ہی نقصان ہے۔ اور خسارہ ہی خسارہ۔ اس آیت پر غور کر کے دیکھیں تو اچھی طرح سے سمجھا جا سکتا ہے کہ۔ اللہ تعالیٰ ان مسلمانوں کے ساتھ ہے جو اپنے دین پر قائم رہتے ہیں اور کافروں کی نظروں میں کھٹکتے ہیں؟ یا ان کے ساتھ ہے جو اپنے نظریات چھوڑ کر کافروں کو خوش کرتے ہیں اور انہیں مطمئن کرنے کے لئے اپنا دین بدلتے ہیں؟ (واللہ اعلم بالصواب)

۷ مظلوم مسلمان:

المراد بالمستضعفين من الرجال والنساء والولدان قوم من المسلمين بقوا بمكة وعجزوا عن الهجرة الى المدينة وكانوا يلقون من كفار مكة اذى شديداً: قال ابن عباس: كنت انا وامي من المستضعفين من النساء والولدان. (التفسير الكبير)

آیت میں مستضعفین (کمزوروں) سے مراد وہ مسلمان مرد، عورتیں اور بچے ہیں جو مکہ میں رہ گئے تھے اور مدینہ کی طرف ہجرت سے قاصر تھے، ان سب کو مشرکین مکہ کی طرف سے سخت اذیتوں کا سامنا تھا حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ میں اور میری والدہ بھی ان کمزور عورتوں اور بچوں میں سے تھے۔

❽ چند اور حضرات:

وهم المعنيون بقوله عليه السلام:

"اللهم أنج الوليد بن الوليد وسلمة بن هشام وعياش بن ربيعة والمستضعفين من المومنين (رضی الله عنهم)" (القرطبی)

یعنی مراد وہ لوگ ہیں جن کا تذکرہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعاء مبارک میں ہے۔ اے میرے پروردگار ولید بن ولید، سلمہ بن ہشام، عیاش بن ربیعہ اور تمام کمزور مسلمانوں کو نجات عطاء فرما۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے ان حضرات میں حضرت ابوجندل بن سہیل رضی اللہ عنہ کا نام بھی شامل کیا ہے۔ (روح المعانی)

❾ دعاء قبول ہوگئی:

والجمهور على ان الله تعالىٰ استجاب دعاء هم، فجعل لهم من لدنه خير وليّ وناصر، وهو محمد صلى الله عليه وسلم، فتولا هم احسن التولىّ، ونصرهم اقوى النصر، ولما خرج من مكة ولىٰ عليهم عتاب بن أسيد وعمره أحد وعشرون سنة فراوامنه الولاية والنصر كماسألوا. (البحر المحيط)

یعنی جمہور کا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کمزور مسلمانوں کی دعاء قبول فرمالی اور اپنی طرف سے انہیں بہترین یارو مددگار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں عطاء فرمائے، جنہوں نے ان کی خوب حمایت اور زبردست نصرت کی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے واپس تشریف لے گئے تو ان پر حضرت عتاب بن اسید کو والی بنا گئے جن کی عمر اکیس سال تھی، مکہ کے مظلوموں نے ان کی طرف سے ویسی یاری اور مدد دیکھی جیسی انہوں نے اللہ تعالیٰ سے مانگی تھی۔

❿ اٹھارہ سالہ جوان:

ثم استعمل عليهم عتاب بن أسيد وكان ابن ثماني عشرة سنة فحماهم ونصرهم حتى صاروا اعزا هلها. (روح المعانی)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حضرت عتاب بن اُسید کو والی بنایا وہ اٹھارہ برس کے تھے انہوں نے مکہ کے مظلوم مسلمانوں کی خوب حمایت اور مدد کی یہاں تک کہ یہ لوگ مکہ کے معزز ترین افراد بن گئے۔

(پیچھے البحر المحیط کے حوالے سے حضرت عتاب کی عمر اکیس سال بیان کی گئی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب)

⓫ ظالم مغلوب وذلیل ہوگئے:

قال ابن عباس رضی الله عنهما: كان ينصرا لضعيف من القوى حتى كانوا أعزّ بها من الظلمة. (المدارك)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ طاقتور لوگوں کے مقابلے میں کمزوروں کی مدد کرتے تھے، یہاں تک کہ یہ کمزور لوگ ظالموں سے زیادہ معزز اور مضبوط ہو گئے۔

سُوْرَۃُ النِّسَآءِ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۷٦

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا

جو ایمان والے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جو کافر ہیں

یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْۤا اَوْلِیَآءَ الشَّیْطٰنِ ۚ

وہ شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں سو تم شیطان کے ساتھیوں سے لڑو

اِنَّ كَیْدَ الشَّیْطٰنِ كَانَ ضَعِیْفًا ﴿۷٦﴾

بے شک شیطان کا فریب کمزور ہے

خلاصہ

جولوگ واقعی پکے مسلمان ہیں (وہ تو یہ آیتیں اور باتیں سن کر) اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور جولوگ کافر ہیں وہ شیطان اور شیطانی قوتوں کی خاطر جنگ کرتے ہیں۔ پس جب صورتحال یہ ہے تو اے مسلمانو! (ایمان اور اللہ تعالیٰ سے محبت اور وفاداری کا تقاضا یہ ہے کہ) تم شیطانی قوتوں سے لڑو (وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے) کیونکہ شیطان کی تدبیر اور فریب بہت کمزور ہے۔

یعنی مسلمان لاہوتی لشکر ہیں اور کافر طاغوتی لشکر۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنا مسلمانوں والا کام ہے اور شیطانی طاقتوں کی خاطر لڑنا کافروں والا کام ہے۔

اقوال و حوالے

① جہاد پر غیرت دلانے کا عجیب انداز:

”اس آیت میں اور طرح سے جہاد کی ترغیب دلائی جاتی ہے وہ یہ کہ جب کفار شیطانی کام پر لڑتے اور شیطان کی سپاہ بن کر نیک کاموں سے روکتے اور اہل توحید کو ستاتے ہیں تو پھر ایمان والوں کو کیا ہوا جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں حق پر نہ لڑیں بلکہ جو حقیقی ایمان والے ہیں وہ ضرور اس کی راہ میں جان دینے سے دریغ نہیں کرتے پھر ارشاد فرمایا کہ شیطان کے گروہ اور جماعت سے لڑو کیونکہ شیطان کی فوج ہمیشہ شکست کھایا کرتی ہے۔ کہاں گیا فرعون اور اس کا لشکر؟ آخر نمرود کا کیا حال ہوا؟ حضرت مسیح علیہ السلام کے ستانے والوں کے ساتھ کیا ہوا؟“ (محصلہ تفسیر حقانی)

② جہاد کے لئے حوصلہ بڑھایا جارہا ہے:

كلام مستأنف سيق لتشجيع المومنين وترغيبهم فی الجهاد ای المومنون انما يقاتلون فی

دین اللّٰہ تعالیٰ الموصل لھم الیہ عزوجل وفی اعلاء کلمتہ فھو ولیھم وناصر ھم لامحالۃ الخ۔

یعنی اس نئے جملے میں مسلمانوں کی ہمت بڑھائی جارہی ہے اور انہیں جہاد کے لئے ترغیب دی جارہی ہے کہ ایمان والے تو صرف اللہ تعالیٰ کے اس دین کی خاطر لڑتے ہیں جو دین انہیں اللہ تعالیٰ تک پہنچاتا ہے اور یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے کلمے کی بلندی کے لئے لڑتے ہیں پس اللہ تعالیٰ ضرور ان کی نصرت وحمایت فرماتا ہے۔

جبکہ کافر طاغوت کے اس راستے کی خاطر لڑتے ہیں جو انہیں شیطان تک پہنچاتا ہے۔ طاغوت سے مراد کفر ہے۔ (روح المعانی)

۳ جہاد ضروری ہے:

"یعنی جب یہ بات ظاہر ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کافر لوگ شیطان کی راہ میں سو پھر تو مسلمانوں کو شیطان کے دوستوں یعنی کافروں کے ساتھ لڑنا بلاتامل ضروری ہوا۔ اللہ تعالیٰ ان کا مددگار ہے، کسی قسم کا تردد نہ چاہیے اور سمجھ لو کہ شیطان کا حیلہ اور فریب کمزور ہے مسلمانوں پر نہ چل سکے گا۔ اس سے مقصود مسلمانوں کو جہاد پر ترغیب دلانا اور ہمت بندھانا ہے جس کا ذکر آیات آئندہ میں بالتصریح آتا ہے۔" (تفسیر عثمانی)

۴ مومن اور کافر کے درمیان فرق کا بیان:

لما أمر تعالیٰ المومنین اولاً بالنفر الی الجھاد ثم ثانیا بقولہ فلیقاتل فی سبیل اللّٰہ ثم ثالثا علی طریق الحث والحض بقولہ ومالکم لاتقاتلون فی سبیل اللّٰہ اخبر فی ھذہ الآیۃ بالتقسیم۔

یعنی پہلے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد میں نکلنے کا حکم دیا فانفروا اثبات پھر دوبارہ حکم دیا فلیقاتل فی سبیل اللّٰہ پھر تیسری بار رغبت اور جوش دلا کر حکم دیا و مالکم لاتقاتلون اور اب اس آیت میں مسلمان اور کافر کو الگ الگ تقسیم فرما دیا۔

أن المومن ھو الذی یقاتل فی سبیل اللّٰہ، وان الکافر ھو الذی یقاتل فی سبیل الطاغوت، لیبین للمومنین فرق ما بینھم وبین الکفار، ویقویھم بذلک، ویشجعھم ویحرضھم۔

یعنی مومن وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑتا ہے اور کافر وہ ہے جو طاغوت کے راستے میں لڑتا ہے۔ یہ تقسیم اس لئے فرمائی تاکہ ایمان والوں کو وہ فرق سمجھا دے جو ان کے اور کافروں کے درمیان ہے اور انہیں حوصلہ، قوت اور جہاد کی ترغیب دے۔ (البحر المحیط)

طاغوت کے معنیٰ

ان چند اقوال سے آیت مبارکہ کی تفسیر تو سمجھ آگئی ہوگی۔ مزید چند اقوال ان شاء اللہ آگے بیان کئے جائیں گے۔ ان سے پہلے طاغوت کا معنیٰ مختصر طور پر سمجھنا ضروری ہے۔ آیت مبارکہ میں فرمایا گیا کہ جو لوگ کافر ہیں وہ

طاغوت کے راستے میں جنگ کرتے ہیں۔ طاغوت عربی زبان کا ایک "وسیع المحمل" لفظ ہے۔ صاحب مصباح اللغات لکھتے ہیں۔ الطاغوت ہر حد سے تجاوز کرنے والا۔ بدی اور شرارت کا سرغنہ، شیطان، معبود باطل۔ (مصباح اللغات ص ۵۱۱)

صاحب ''القاموس'' لکھتے ہیں:

الطاغوت: ❶ ظالم و سرکش، انتہائی سرکش ❷ راہ خیر سے ہٹانے والا ہر گمراہ شخص، حد بندگی سے تجاوز کرنے والا۔ ❸ شیطان ❹ کاہن ❺ جادوگر ❻ معبود باطل خواہ انسان ہو یا جن یا بُت۔ (القاموس الوحید ص ۱۰۰۰)

صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں:

الطاغوت: طاغوت کا صحیح ترجمہ مشکل ہی ہے اردو میں اس کے لئے قریب ترین لفظ شیطان کا ہوسکتا ہے، اپنے عام و وسیع معنٰی میں عربی میں اس کا اطلاق ہر معبود باطل اور ہر سرکش پر ہوتا ہے۔

قال ابو اسحق کل معبود من دون الله جبت وطاغوت (لسان) ابو اسحٰق فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر معبود ''جبت'' اور ''طاغوت'' ہے۔ الطاغوت عبارةٌ عن کل معبد و معبود من دون الله۔ (راغب) طاغوت اللہ کے علاوہ ہر معبود اور اس کا عبادتخانہ ہے۔

قال مالك بن انس کل ماعبد من دون الله تعالیٰ۔ (روح)

مالک بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس کی بھی اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کی جائے وہ طاغوت ہے۔ ماعبد من دون الله تعالیٰ قاله الطبری۔ (بحر)

وهو کل ماتکون عبادته والایمان به سببا للطغیان والخروج عن الحق من مخلوق یعبد، ورئیس یقلد وهوی یتبع۔

طاغوت ہر وہ چیز ہے جسکی عبادت اور اطاعت سرکشی کا اور حق سے محرومی کا باعث ہو، خواہ وہ ایسی مخلوق ہو جسکی پوجا کی جاتی ہو یا ایسا سردار (حکمران) ہو جس کی پیروی کی جاتی ہو یا ایسی خواہش ہو جس پر چلا جاتا ہو۔ (تفسیر ماجدی مع اضافہ ترجمہ)

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

حد ثنا ابو الزبیر انه سمع جابر بن عبدالله وسئل عن الطاغوت التی کانوا یتحاکمون الیها فقال: کانت فی جهینة واحدة وفی اسلم واحدةٌ وفی کل حی واحدة۔ (القرطبی)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے اس طاغوت کے بارے میں پوچھا گیا جس کے پاس لوگ اپنے فیصلے کروانے جاتے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ قبیلہ جہینہ میں ایک تھا، قبیلہ اسلم میں بھی ایک تھا اور ہر قبیلے میں ایک تھا۔

معلوم ہوا کہ یہ طاغوت انسان تھے اور لوگوں کو کفر اور شیطان کے راستے پر چلاتے تھے۔

خلاصہ

اس مختصری تحقیق سے یہ بات سامنے آگئی کہ طاغوت ہر اس قوت اور طاقت کا نام ہے جو دین اسلام کے خلاف سرگرم ہو۔ اور طاغوت ہر اس فرد کا نام ہے جو لوگوں کو دین حق سے گمراہ کرتا ہو۔ خواہ وہ انسان ہو یا جن اور طاغوت ہر اس فرد کا نام ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف لڑتا ہو اور طاغوت ہر اس نظام کا نام ہے جس کے گرد جمع ہو کر لوگ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تدبیر یا جنگ کرتے ہوں۔ اور طاغوت ہر اس ادارے کا نام ہے جہاں دین حق کے خلاف کسی طرح کے محاذ قائم ہوتے ہوں۔

اپنی قوت اور طاقت کے ذریعے اسلام کا راستہ روکنے، اسلامی قوانین کی تنفیذ کو روکنے، مسلمانوں کے مقابلے میں کافروں کی مدد کرنے والے طاقتور لوگ بھی اسی زمرے میں شامل ہیں۔ جبکہ شیاطین (انسان ہوں یا جنات) اور معبودان باطلہ تو طاغوت کے اولین معنیٰ ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

عبرت

ماضی میں حکومت برطانیہ ایک طاغوت بن کر ابھری جس نے اسلامی خلافت کو ختم کیا اور مسلمانوں کے ممالک اپنے قبضے میں لئے۔ اس زمانے کے علماء کرام نے مسلمانوں کو انگریز کی فوج میں بھرتی ہونے سے منع کیا تاکہ وہ طاغوت کے راستے میں نہ لڑیں۔ خوش نصیب لوگوں نے اس قرآنی فتوے پر عمل کیا مگر کئی لوگ وقت کی بدترین غلطی میں مبتلا ہو کر طاغوت کے سپاہی بن گئے۔

آج امریکہ سمیت دنیا میں کئی طاغوت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برسرِ پیکار ہیں جو لوگ مسلمان ہیں وہ اس آیت مبارکہ کی آواز سنیں اور خود کو طاغوت کا خدمتگار اور سپاہی نہ بنائیں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے۔ والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت کہ جو لوگ کافر ہیں وہ طاغوت کی خاطر لڑتے ہیں۔

سب لوگوں نے مرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ ایمان سے بڑی کوئی نعمت نہیں۔ اور روزی کا مالک صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ تھوڑی سی تنخواہ اور حقیر سے مال کی خاطر طاغوت کو مضبوط کرنا مسلمان کا کام نہیں ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اب آیت کی تفسیر میں چند مزید اقوال ملاحظہ فرمائیے:

⑤ طاغوتی سپاہیوں کا حال:

”طاغوت۔ یہاں اس لفظ کو لا کر طاغوتی، جاہلی سپاہیوں کے تمرد، خدا فراموشی، نفس پرستی اور تجاوز عن الحدود کے پہلو کو نمایاں کرنا ہے، طاغوت کا ترجمہ اگر اس موقع پر ”نفس“ سے کیا جائے تو اردو میں شاید پورا مفہوم ادا ہو جائے طاغوت اور نفس کی راہ میں آج بھی جو قوم میں وطن دوستی، قوم پروری، ملکی آزادی کے خوشنما لفظ اور لقب کے ساتھ

جنگ کرتی رہتی ہیں ان کی اخلاقی حالت کا جائزہ لے لیا جائے، شقاوت وسنگ دلی، فریب وخیانت، شراب خوری وحرام کاری، غرض جس معیار سے چاہے جانچ لیا جائے جانوروں اور درندوں سے بھی بدتر حالت نکلے گی، یہ سب کرشمے فی سبیل الطاغوت لڑنے کے ہیں، محاسبہ آخرت سے بے نیاز ہوکر جنگ وجدال کرنے کے ہیں نفس قتال دونوں میں مشترک ہے، لیکن آگے طاغوتیوں کو کوئی مناسبت لاہوتیوں سے نہیں رہ جاتی۔" (تفسیر ماجدی)

(اس زمانے میں طاغوتی جنگوں کے خوشنما نعرے بحالی جمہوریت، ملکی مفاد، عالمی برداری کا تعاون وغیرہ ہیں ظاہر بات ہے کہ ان میں سے کوئی چیز بھی "اللہ تعالیٰ کا راستہ" نہیں ہے بلکہ یہ سب طاغوت کے راستے ہیں)

❻ اس آیت کے چند اسرار:

(ذیل میں تفسیر حقانی کے مفصل کلام کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیے)

(الف) ان لوگوں کے اعتراض کا جواب ہے جو کہتے ہیں کہ دین کو وعظ، نصیحت اور معجزات تک محدود ہونا چاہئے اس میں مار پیٹ اور قتل وقتال کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جنگ نہیں کی صبر سے کام لیا وغیرہ۔ ان کو بتایا گیا ہے کہ جب حق وصداقت کے دشمن کفر اور فساد کی راہ میں لڑتے ہیں والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت تو اب اگر ان کے مقابلے میں ایمان والوں کو بشرط قوت لڑنے کی اجازت نہ دی جائے تو کیا کیا جائے؟ (اگر لڑنے کی اجازت نہ ہو تو پوری دنیا طاغوت کی پوجا کرنے لگے) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ قوم موجود تھی اس لئے ان کو لڑنے کا حکم دیا گیا، جبکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری کمزور تھے اس لئے بجز صبر کے کیا کرتے؟ (قوت کی شرط موجود نہیں تھی) مگر اس کے باوجود آپ کے حواریوں کو جس وقت کہ گرفتار ہوئے ہتھیار باندھنے کا حکم دیا اور ایک حواری کی تلوار سے فریق مخالف کے ایک شخص کا کان اڑ گیا۔ (انجیل لوقا)

(ب) اس آیت میں ان کید الشیطان کان ضعیفا کہ شیطان کی تدبیر اور مکر کمزور ہے فرما کر مسلمانوں کی فتح کی پیشین گوئی کی گئی۔ جس وقت یہ پیشین گوئی کی جارہی تھی اس وقت ساری دنیا پر طاغوتی طاقتوں کا غلبہ تھا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑنے والے کمزور تھے۔ مگر کچھ ہی عرصہ بعد یہ پیشین گوئی پوری ہوگئی۔ (اس میں قیامت تک کیلئے عبرت اور سبق ہے)

(ج) صرف لڑنا کوئی عمدہ بات نہیں ہے کیونکہ کفار بھی طاغوت کی خاطر لڑتے ہیں۔ اس لئے مسلمانوں کا لڑنا اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہونا چاہئے اس میں شہرت وشجاعت (وغیرہ) مقصود نہ ہو۔ (محصلہ تفسیر حقانی)

❼ "لڑائی کن کے خلاف ہے؟ فقاتلوا اولیاء الشیطن مسلمانوں کو لڑنے کا حکم مل رہا ہے مگر کس کے مقابلہ میں؟ شیطان اور طاغوتیوں کے مقابلے میں مقاتلین فی سبیل الطاغوت کے مقابلے میں جو دنیا میں شر وفساد، فسق وشرک ہی کی حکومت پھیلانا چاہتے ہیں۔" (تفسیر ماجدی)

❽ ان کید الشیطن کان ضعیفاً ان سب کا طاقتور ترین سردار شیطان ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ شیطان کی قوت اور تدبیر کمزور ہے، پس وہ اور اس کے حواری اللہ تعالیٰ اور اس کے لشکر کے سامنے کہاں ٹھہر سکتے ہیں؟

اس پر چند ایمان افروز عبارات ملاحظہ فرمائیں

آخر میں ایک عجیب نکتہ

☆ ان کید الشیطٰن کان ضعیفاً فی حد ذاته فکیف بالقیاس الی قدرة الله تعالیٰ الذین یقاتلون فی سبیله وهو سبحانه ولیکم.

شیطان کی تدبیر خود ہی کمزور ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے وہ کتنی کمزور ہوگی اس بات کا اندزہ لگانا مشکل نہیں ہے وہ اللہ تعالیٰ جس کے راستے میں مسلمان جہاد کرتے ہیں اور وہ ان کا حمایتی ہے۔ (روح المعانی)

☆ حق و باطل کی لڑائی میں فتح یقیناً حق کو ہوگی۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

☆ ان کید الشیطٰن کان ضعیفاً اس میں مسلمانوں کو ہمت دلائی ہے کہ شیطان کوئی ڈرنے اور سہمنے کی چیز نہیں وہ تم پر حاکم و آمر نہیں، تم ذرا ہمت کر جاؤ تو وہ خود تم سے پناہ مانگتا ہوا بھاگے گا، اس میں جان تو ہے ہی نہیں، حربی زندگی سے قطع نظر، اخلاق و معاشرت، معاملات و عبادات کے میدان میں بھی شیطان سے مقابلہ کر لینا کچھ دشوار نہیں، ضرورت صرف ہمت کی ہے۔ (تفسیر ماجدی)

نکتہ

کافروں کی ساری طاقت اور شان و شوکت اور ان کا ایٹمی اسلحہ اور فضائی قوت یہ سب کید الشیطٰن شیطان کی تدبیر سے ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ سب کچھ کمزور ہے۔ کسے مجال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان میں شک کرے؟ بس مسلمان، سچے مسلمان بن جائیں، دنیا کی بجائے آخرت کو مقصود بنالیں۔ اور جہاد فی سبیل اللہ کو قرآنی حکم کے مطابق جاری کریں تو پھر آنکھوں سے شیطانی پردے ہٹیں گے اور ہر کوئی پکارے گا کہ بے شک ان کید الشیطٰن کان ضعیفاً۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

بعض مفسرین نے کان ضعیفا میں کان کو صار کے معنیٰ میں لیا ہے کہ شیطان کی تدبیر صار ضعیفاً بالاسلام اسلام کے آنے کے بعد کمزور ہو چکی ہے۔ (روح المعانی)

اس سے بھی اشارہ ملا کہ مسلمان اسلام کے جتنے قریب ہوتے چلے جائیں گے اسی قدر شیطانی قوتیں ان کے مقابلہ میں کمزور ہوتی چلی جائیں گی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

☆☆☆

سُوْرَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّة آیت ۷۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ

کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہیں کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو

اٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ

او زکوۃ دو پھر جب انہیں لڑنے کا حکم دیا گیا اس وقت ان میں سے ایک جماعت لوگوں سے ایسا ڈرنے لگی

النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ

جیسا اللہ کا ڈر ہو یا اس سے بھی زیادہ ڈر اور کہنے لگے اے رب ہمارے تو نے ہم پر لڑنا کیوں فرض کیا

عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا

کیوں نہ ہمیں تھوڑی مدت اور مہلت دی ان سے کہہ دو دنیا کا فائدہ

قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۣ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝۷۷

تھوڑا ہے اور آخرت پرہیزگاروں کیلئے بہتر ہے اور ایک دھاگے برابر بھی تم سے بے انصافی نہیں کی جائے گی

خلاصہ

کچھ لوگ جہاد کا حکم آنے سے پہلے جہاد کی اجازت مانگا کرتے تھے، تب ان سے کہا جاتا تھا کہ نہیں! ابھی اجازت نہیں ہے بس نماز اور زکوۃ وغیرہ کا اہتمام کرو، پھر جب ان پر جہاد کو فرض کر دیا گیا تو ان میں سے بعض گھبرا گئے اور کافروں سے یوں ڈرنے لگے جس طرح اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے۔ اور بعض تو اس سے بھی زیادہ خوف میں مبتلا ہوگئے۔ اور تمنا کرنے لگے کہ کاش ابھی جہاد کا حکم نہ آتا اور ہم کچھ اور مہلت پاتے۔ چونکہ ان کے دل میں دنیا کی بعض نعمتوں کا شوق پیدا ہو گیا تھا اور ان نعمتوں کا چھوڑنا ان پر بھاری ہو رہا تھا تو ان کو سمجھایا گیا کہ اس دنیا میں رکھا ہی کیا ہے؟ یہاں کی نعمتیں بھی فانی اور ان سے فائدہ اٹھانا بھی بہت تھوڑا۔ تو پھر ان کی خاطر جہاد کے حکم کو ملتوی کرانے کا کیا مطلب؟ اصل نعمتیں تو آخرت کی ہیں۔ جہاں متقی لوگوں کے لئے خیر ہی خیر ہے اور وہاں ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائیگا۔ تو پھر جہاد سے بڑھ کر کونسا عمل ہو سکتا ہے؟ اس لئے اپنی آخرت کی خاطر خوب خوب جہاد کرو۔

اقوال و حوالے

❶ لطف آمیز شکایت:

اوپر جہاد کا وجوب اور اس کے فضائل بیان کر کے اس کی ترغیب تھی آگے دوسرے طور (یعنی انداز) پر اس کی

ترغیب ہے، یعنی جہاد میں بعض مسلمانوں کے مستعد نہ ہونے پر ان کی ایک لطف آمیز شکایت بھی ہے جس کی بنا یہ ہوئی کہ مکہ میں کفار بہت ستاتے تھے اس وقت بعض اصحاب نے جہاد کی اجازت اصرار سے چاہی مگر اس وقت حکم تھا عفو وصفح (درگذر) کا بعد ہجرت کے جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو طبعاً بعض کو دشوار ہوا (اوردہ فی لباب النقول عن النسائی) اس پر یہ شکایت فرمائی گئی۔ (بیان القرآن)

❷ ابھی نہیں:

عن ابن عباس أن عبدالرحمٰن بن عوف واصحاباً له اتوا النبی صلی اللّٰه علیه وسلم بمکة فقالوا یانبی اللّٰه کنافی عز ونحن مشرکون فلماامنا صرنا أذلةً فقال انی أمرتُ بالعفو فلا تقاتلوا القوم فلماحوله اللّٰه تعالیٰ الی المدینة أمره بالقتال فکفوا فنزلت الایة اخرجه النسائی فی سننه۔ (القرطبی)

بیان القرآن کی عبارت اسی روایت سے ماخوذ ہے۔

❸ یہ کون تھے مسلمان یا منافقین؟

حضرات مفسرین نے اس پر مفصل بحث فرمائی ہے کہ یہ لوگ جو جہاد فرض ہونے کے بعد گھبرا گئے کون تھے؟ کمزور مسلمان یا منافقین؟ امام رازی رحمہ اللہ نے دونوں اقوال کو دلائل کے ساتھ بیان فرمایا ہے ملاحظہ فرمائیے۔ (التفسیر الکبیر)

صاحب تفسیر حقانی دونوں اقوال کو جمع کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

”الم ترالی الذین یہاں ہی جلد بازوں کی بابت بیان فرما کر اور پھر جہاد میں سستی کرنے سے ان پر الزام قائم کرتا ہے کہ تم جہاد فرض ہونے سے پہلے تو یہ کچھ کہا کرتے اور کہتے تھے پھر جب جہاد فرض ہوا تو موت سے ڈرنے لگے اور کہنے لگے کہ کاش ہم پر جہاد فرض نہ ہوتا تو ہم چند مدت اور جیتے اگر چہ جہاد کے آرزومند مخلصین لوگ تھے مگر چونکہ منافقین بھی بظاہر انہیں میں شامل ہیں اس لئے اذا فریق منهم یخشون کہنا درست ہوا یعنی منافق دشمنوں سے ایسا ڈرتے ہیں کہ جیسا کوئی خدا سے ڈرتا ہے یا اس سے بھی زیادہ اور جانتے ہیں کہ جہاد میں جانا مرجانا ہے اس کے جواب میں نبی کو یوں تعلیم فرماتا ہے کہ ان سے کہہ دو اگر یہ بھی تسلیم کرلیا جاوے کہ جہاد میں جانا باعث موت اور گھر بیٹھنے سے زندگی ہے تو یہ زندگی کب تک؟؟ یہاں کی نعمتیں کیا ہیں؟ آخر دار فانی ہے۔“ (تفسیر حقانی)

❹ قل متاع الدنیا قلیل آپ فرمادیجئے کہ دنیا کا فائدہ بہت ہی تھوڑا ہے۔ ومتاع الدنیا منفعتها والا ستمتاع بلذاتها وسماه قلیلاً لانه لابقاء له وقال النبی صلی اللّٰه علیه وسلم.

مثلی ومثل الدنیا کراکب قال قیلولةً تحت شجرةثم راح وترکها.

یعنی متاع الدنیا سے مراد دنیا کا نفع اور اس کی لذتوں سے فائدہ اٹھانا ہے اس کو ”تھوڑا“ اس لئے کہا گیا کہ یہ باقی

نہیں رہتا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے میری اور دنیا کی مثال اس سوار جیسی ہے جس نے ایک درخت کے نیچے تھوڑا سا قیلولہ کیا اور پھر اسے چھوڑ کر چلا گیا۔ (القرطبی)

صاحب بیان القرآن لکھتے ہیں:

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) فرما دیجئے کہ دنیا کا تمتع (فائدہ اٹھانا) محض چند روزہ ہے اور آخرت جس کے حصول کا اعلیٰ ذریعہ جہاد ہے ہر طرح سے بہتر ہے۔ (بیان القرآن)

۵ بغیر جہاد کے دین نامکمل:

وقال قومٌ: کان کثیر من العرب استحسنوا الدخول فی الدین علی فرائضه التی قبل القتال من الصلوٰۃ والزکاۃ ونحوها والموادعة، فلما نزل القتال شق ذلک علیهم وجزعوا له فنزلت۔

یعنی بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ عرب کے بہت سے لوگوں نے دین اسلام کے جہاد سے پہلے والے فرائض نماز، زکوٰۃ وغیرہ اور صلح کو پسند کیا اور دین اسلام میں داخل ہو گئے پھر جب جہاد فرض ہوا تو ان پر بھاری گذرا اور وہ گھبرا اٹھے تب یہ آیت نازل ہوئی (اور ان کو جہاد کی بھرپور رغبت دلائی گئی)۔ (البحر المحیط)

۶ جہاد مسلمان کی مراد ہے:

کلام برکت

یعنی جب تک مسلمان مکے میں تھے اور کافر ایذاء دیتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کو لڑنے سے تھامتا تھا اور صبر کا حکم فرماتا تھا اب جو حکم لڑائی کا آیا تو سمجھیں کہ ہماری مراد ملی لیکن بعض کچے مسلمان کنارہ کرتے ہیں اور موت سے ڈرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے برابر آدمیوں سے خطرہ کرتے ہیں۔ (موضح القرآن)

نکتہ

جہاد اسلام کا ایک مستقل فریضہ اور قیامت تک جاری رہنے والا عمل ہے اس لئے قرآن پاک نظریہ جہاد کے ہر پہلو کو سمجھاتا ہے۔ پچھلی آیات میں سمجھایا جا رہا تھا کہ فتح و شکست کو جہاد کا معیار نہ بناؤ فتح ملے یا شکست اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر دین کے غلبے کے لئے لڑتے رہو۔ اس آیت میں یہ سمجھایا گیا کہ جہاد کوئی وقتی جذباتی چیز نہیں ہے کہ جب کافروں کی طرف سے ظلم و ستم ہو تو تم جہاد جہاد کرنے لگو اور جب تمہیں امن و آرام مل جائے تو اس دنیا کے پیچھے پڑ جاؤ اور جہاد اور آخرت کو بھلا دو اور ظاہری امن کی خاطر کافروں سے ڈرنے لگو۔ جہاد تو اللہ تعالیٰ کے کلمے کی بلندی کے لئے ہے۔ جہاد تو دین اسلام کے تمام ادیان پر غلبے کے لئے ہے۔ جہاد تو اسلامی دعوت کو پورے عالم تک پہنچانے کے لئے ہے۔ اور جہاد تو تقویٰ کا سب سے بڑا درجہ ہے اور آخرت متقی لوگوں کو ملتی ہے۔

پس یہ پوری بات سمجھا کر مسلمان میں نظریہ جہاد کو مضبوط اور عملِ جہاد کو ہمیشہ جاری رکھنے کا انتظام فرما دیا گیا۔

(واللہ اعلم بالصواب)

☆☆☆

سُورَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۷۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِىْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ؕ

تم جہاں کہیں ہوگے موت تمہیں آہی پکڑے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں میں ہی ہو

وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ

اور اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی نقصان

سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ

پہنچتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ تیری طرف سے ہے کہہ دے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے

فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾

ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی

خلاصہ

اگر جہاد میں نہ نکلے تو کیا وقت معین پر اپنی موت سے بچ جاؤ گے؟ ہرگز نہیں! موت میدان جنگ کے ساتھ مخصوص نہیں تم جہاں کہیں بھی ہوگے وہیں موت تمہیں آپکڑے گی اگرچہ تم مضبوط اور محفوظ قلعوں میں ہی جا بیٹھو۔ ان منافقین کی بھی عجیب حالت ہے کہ جب انہیں جنگ میں فتح وغنیمت وغیرہ ملتی ہے تو اسے اللہ تعالیٰ کی تقدیر قرار دیتے ہیں۔ اور جب شکست وغیرہ ہوتی ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر (نعوذ باللہ) تنقید کرتے ہیں۔ ان کو بتا دیا جائے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ معلوم نہیں ان احمق لوگوں کو کیا ہوا کہ بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں پھٹکتے۔

اقوال وحوالے

❶ جہاد سے گھبرانا نادانی ہے

"یعنی کیسے ہی مضبوط اور محفوظ اور مامون مکان میں رہو مگر موت تم کو کسی طرح نہ چھوڑے گی کیونکہ موت ہر ایک کے واسطے مقدر اور مقرر ہو چکی ہے، اپنے وقت پر ضرور آئے گی کہیں بھی ہو۔ سو اگر جہاد میں نہ جاؤ گے تو بھی موت سے ہرگز نہیں بچ سکتے تو اب جہاد سے گھبرانا اور موت سے ڈرنا اور کافروں کے مقاتلہ سے خوف کرنا بالکل نادانی اور اسلام میں کچے ہونے کی بات ہے۔" (تفسیر عثمانی)

❷ جہاد سے سرخرو ہوکر اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچو

"یہاں یہ سمجھایا گیا ہے کہ جب موت ایسی یقینی اور بے پناہ شئے ہے تو آخرت میں جہاد کے اجر ومراتب بے حساب

سے محروم اور خالی ہاتھ کیوں پہنچو؟ کیوں نہ غزا وقتال میں سرخرو ہو کر وہاں پہنچو۔" (تفسیر ماجدی)

۳ ڈرے ہوئے لوگوں کو جواب ہے:

والمقصود من هذا الكلام تبكيت من حكى عنهم انهم عند فرض القتال يخشون الناس كخشية الله اوا شدخشية وقالوا ربنا لم كتبت علينا القتال.

فقال تعالیٰ اينما تكونوا يدرككم الموت فبين الله تعالیٰ انه لا خلاص لهم من الموت والجهاد موت مستعقب لسعادة الآخرة، فاذا كان لابد من الموت فبأن يقع على وجه يكون مستعقباً للسعادة الأبدية كان اولیٰ من ان لايكون كذلك. (التفسير الكبير)

یعنی پچھلی آیت میں ان لوگوں کا بیان تھا جن پر قتال فرض ہوا تو وہ دشمنوں سے یوں ڈرنے لگے جس طرح اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنا چاہئے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ اور وہ کہنے لگے کہ اے ہمارے رب آپ نے ہم پر قتال کیوں فرض کیا۔ اس آیت میں مقصود ان لوگوں کو جواب دینا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت تمہیں آ پکڑے گی پس اللہ تعالیٰ نے سمجھا دیا کہ موت سے خلاصی کی کوئی صورت نہیں ہے اور جہاد ایسی موت ہے جس کے پیچھے آخرت کی سعادت چھپی ہوئی ہے۔ پس جب موت کا آنا یقینی ہے تو ایسی موت جس کے پیچھے ہمیشہ کی سعادت ہو اس موت سے بہتر ہے جس میں یہ خاصیت نہ ہو۔

فائدہ

یہاں تک اس آیت کے پہلے حصے اينما تكونوا يدرككم الموت ولوكنتم في بروج مشيدة کے معنی معلوم ہو گئے۔ امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں آیت کے اس حصے پر کئی صفحات لکھے ہیں اور مسلمانوں کے دل میں اس حقیقت کو اچھی طرح بٹھانے کی کوشش کی ہے کہ موت کا وقت اور مقام مقرر ہے، اس لئے موت سے بچنے کے لئے جہاد چھوڑنے کی غلطی نہ کریں۔ انہوں نے کئی عجیب قصے، کئی روایات اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آخر وقت کے مبارک کلمات کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اور دیگر قرآنی آیات سے بھی اس مسئلے کو واضح فرمایا ہے۔ اور کئی خوبصورت عربی اشعار سے بھی یہی بات سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ شائقین حضرات وہاں ملاحظہ فرمالیں۔ اب آیئے آیت کے دوسرے حصے کے جہادی مضامین کی طرف۔ اور ملاحظہ فرمایئے چند عبارات۔

۱ منافقین کی ذہنی کشمکش:

"یعنی ان منافقین کا اور عجیب حال سنو! اگر تدبیر لڑائی کی درست آئی اور فتح ہوئی اور غنیمت کا مال ہاتھ آ گیا تو کہتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے یعنی اتفاقی بات ہو گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدبیر کے قائل نہ ہوتے اور اگر تدبیر بگڑ جاتی اور ہزیمت ونقصان پیش آ جاتا تو الزام رکھتے آپ کی تدبیر پر۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ان کو جواب دے دو کہ بھلائی اور برائی سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے سب باتوں کا موجد اور خالق اللہ تعالیٰ ہے، اس میں کسی دوسرے کو دخل نہیں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تدبیر بھی اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کا الہام ہے تمہارا الزام رکھنا نبی پر غلط اور سراسر کم فہمی ہے اور بگڑی کو بگڑا نہ سمجھو یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے وہ تم کو سدھاتا ہے اور آزماتا ہے تمہارے قصوروں پر۔ یہ جواب اجمالی ہوا منافقین کے الزام کا۔ اگلی آیت میں اس کی تفصیل آتی ہے۔" (تفسیر عثمانی)

فائدہ

یہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے کلام کی تسہیل ہے اور بہت جامع کلام ہے۔ منافقین نہ تو جہاد سے مطمئن تھے اور نہ امیر جہاد صلی اللہ علیہ وسلم سے اس لئے وہ ان دونوں کے خلاف بات کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں جانے دیتے تھے۔ جب مسلمانوں کو فتح ملتی تو کہتے کہ بس اتفاقاً ہوگئی اور ایسے تجزیئے کرتے کہ اس میں جہاد اور مجاہدین کا کوئی کمال نہیں ہے۔ اور جب مسلمانوں کو شکست ہوتی تو فوراً حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور جہاد کے خلاف طوفان اٹھا دیتے اور کہتے کہ جہاد میں سوائے بربادی کے اور کچھ نہیں رکھا اور (نعوذ باللہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تدبیر مبارک پر انگلی اٹھاتے۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

"پس اس بدحالی کو عمل بالاحکام الشرعیہ یا شارع (یعنی دین کے کسی حکم یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف نسبت کرنا پوری جہالت ہے جیسا منافقین جہاد اور امام الجہاد کی طرف اس کی نسبت کرتے تھے۔ (بیان القرآن)"

② منافق جہاد کو موت کا ذریعہ سمجھتے تھے:

صاحب بیان القرآن نے بہت عجیب نکتہ لکھا ہے۔ ان کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ بعض منافق جہاد میں جانے کو موت میں مؤثر سمجھتے تھے یعنی ان کا عقیدہ یہ تھا کہ جہاد موت کا ذریعہ ہے اور وہ جہاد میں نہ جانے کو حیات میں مؤثر سمجھتے تھے۔ پھر جب مسلمانوں کو جہاد میں شکست اور شہادت کا سامنا ہوتا تو وہ اسے اپنے عقیدے کیلئے دلیل بناتے کہ دیکھو جہاد میں گئے اور موت کا شکار ہوگئے پس جہاد کا مؤثر فی الموت ہونا ثابت ہوگیا۔ اور اگر مسلمانوں کو فتح ملتی اور وہ زندہ سلامت واپس آجاتے اور ان منافقین سے کہا جاتا کہ دیکھو اگر جہاد میں موت ہوتی تو ہم زندہ کیسے واپس آتے؟ تو وہ کہنے لگتے کہ بس آپ لوگ اتفاقاً بچ گئے ورنہ مرنے کے لئے کوئی کسر تو نہیں چھوڑی تھی۔

اس آیت میں ان کے اسی طرز عمل کا بیان اور اس کا جواب ہے۔ (محصلہ بیان القرآن)

③ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کا خیال کرو:

مرنے سے کیا ڈرنا۔ موت تو اپنے وقت پر ہی آئے گی اور ضرور آئے گی، اگر تمہیں اپنی غلطی کی پاداش میں کوئی تکلیف پہنچ جائے تو اسکو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ مت لگایا کرو۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

سُورَۃُ النِّسَاءِ مَدَنِیَّۃٌ — آیت ۷۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ

تجھے جو بھلائی بھی پہنچے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور جو تجھے برائی پہنچے وہ

فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ

تیرے نفس کی طرف سے ہے ہم نے تجھے لوگوں کو پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ کی

شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾

گواہی کافی ہے

خلاصہ

اے انسان تجھ کو جو کوئی خوشحالی پیش آتی ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کی جانب سے فضل ہے اور جو کوئی بدحالی پیش آئے وہ تیرے ہی اعمال بد کے سبب سے ہے (پس اس بدحالی کو شریعت کے کسی حکم یا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنا پوری جہالت ہے جس طرح منافقین اپنی مصیبتوں کو جہاد اور امام الجہاد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کردیتے تھے۔)

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم رسول برحق ہیں (کسی منافق وکافر کی الٹی باتوں سے آپ کی اس شان میں کوئی کمی نہیں ہوسکتی کیونکہ) اللہ تعالیٰ آپ کی رسالت کا گواہ کافی ہے۔ (مفہوم از بیان القرآن)

فائدہ

منافقین جہاد کے خلاف ذہن سازی کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ پر (نعوذ باللہ) تنقید کر رہے تھے ان کی تنقید کو اس آیت سے توڑ دیا گیا۔ اور جہاد میں جو تکلیفیں وغیرہ آتی ہیں ان کا بھی بہترین جواب دے دیا گیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

مفہوم آیت

یعنی اصل بات یہ ہے کہ جملہ بھلائی اور برائی کا موجد ہر چند اللہ تعالیٰ ہے مگر بندہ کو چاہئے کہ نیکی اور بھلائی کو حق تعالیٰ کا فضل اور احسان سمجھے اور سختی اور برائی اپنے اعمال کی شامت جانے اس کا الزام پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ رکھے پیغمبر ان امور کے لئے نہ موجد ہے نہ سبب بلکہ موجد یعنی ان باتوں کا پیدا کرنے والا تو اللہ تعالیٰ ہے اور سبب تمہارے عمل۔ (تفسیر عثمانی)

فائدہ

پچھلی آیت میں فرمایا گیا کل من عند اللّٰہ کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے اور اس آیت میں فرمایا گیا فمن نفسک کہ جو برے حالات آتے ہیں وہ خود تمہاری وجہ سے ہیں۔

تفسیر عثمانی کی مذکورہ بالا عبارت جو موضح القرآن کی عبارت کا خلاصہ ہے اس ظاہری اعتراض کو دور کر دیتی ہے کہ کل من عند اللّٰہ میں خلق اور ایجاد مراد ہے کہ تمام احوال و حالات کا خالق اور موجد اللہ تعالیٰ ہے اور فمن نفسک سے سبب مراد ہے کہ برے حالات کا ظاہری سبب تمہارے اعمال ہیں، جس طرح آگ جلانے کا سبب بن جاتی ہے۔ پس کوئی اشکال باقی نہ رہا۔ صاحب تفسیر ماجدی نے عند اللّٰہ اور من اللّٰہ کے لفظی فرق سے اس اعتراض کا جواب دیا ہے جبکہ صاحب تفسیر حقانی نے علمی اور استدلالی انداز سے آریہ سماج اور پادریوں کی کم فہمی کا علاج فرمایا ہے۔ شائقین ان دونوں تفسیروں میں ملاحظہ فرمالیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۸۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ

جس نے رسول کا حکم مانا اس نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانا اور جس نے منہ موڑا تو ہم نے تجھے ان پر

عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿٨٠﴾

نگہبان بنا کر نہیں بھیجا

خلاصہ

جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی، اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی۔ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہ کرے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غم نہ فرمائیں کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کی ذمہ داری نہیں ہے۔

فائدہ

منافقین جہاد میں ظاہری شکست کو آڑ بنا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات کر رہے تھے (وان تصبھم سیئۃ یقولوا ھذہ من عندک) تاکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاد اور امام الجہاد سے متنفر ہو جائیں، تب اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اطاعت امیر کے جذبہ کو بالکل پختہ فرمانے کیلئے اعلان کر دیا گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت دراصل اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے۔ منفی باتوں کے شور سے دل پر کچھ صدمہ تو ہوتا ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دے دی گئی کہ ان ظالموں کی بد نصیبی کے آپ نہیں یہ خود ذمہ دار ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اقوال و حوالے

۱ شکست اور تکلیف کی نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف غلط ہے

جس نے شوق (یعنی دل کی رغبت) سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لی اس نے اللہ تعالیٰ کی بات مان لی۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوئی تو کیا پھر بھی تم کہہ سکتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلطی سے ہمیں تکلیف پہنچی۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

۲ اطاعت رسول۔ اطاعت امیر

امام قرطبی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

اعلم اللہ تعالیٰ ان طاعۃ رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم طاعۃٌ لہ وفی صحیح مسلم عن

ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من اطاعنی فقد أطاع اللہ ومن یعصنی فقد عصی اللہ ومن یطع الامیر فقد اطاعنی ومن یعص الأمیر فقد عصانی۔ (القرطبی)

یعنی اللہ تعالیٰ نے سمجھا دیا کہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت دراصل اسی کی اطاعت ہے۔صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔

۳ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معصوم ہونے کی دلیل:

قولہ ومن یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ من اقوی الدلائل علیٰ انہ معصوم فی جمیع الاوامر والنواھی وفی کل ما یبلغہ عن اللہ لانہ لو أخطافی شئی منھا لم تکن طاعتہ طاعۃ اللہ۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ومن یطع الرسول فقد اطاع اللّٰہ کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معصوم ہونے کی مضبوط ترین دلیل ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام احکامات، نواہی اور جو کچھ آپ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچایا ہے ان سب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں۔ کیونکہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزوں میں سے کسی میں خطاء فرماتے تو آپ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت قرار نہ دیا جاتا۔ (التفسیر الکبیر)

۴ گمراہ فرقوں کا رد:

آیت میں رد آ گیا ان گمراہ فرقوں کا جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مستلزم نہیں سمجھتے۔ (تفسیر ماجدی)

یاد دہانی

منافقین نے ایک ظالمانہ بات کہی تھی ملاحظہ فرمایئے۔ آیت (۷۸) وان تصبھم سیئۃ یقولوا ھذہ من عندک کہ جب جہاد میں شکست وغیرہ کی مصیبت آتی تو وہ کہتے کہ یہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے۔ یعنی جہاد اور امام الجہاد پر اعتراض کیا تا کہ دین دشمنی کا حق ادا کرتے ہوئے لوگوں کو جہاد سے روک دیں۔ بس ان کے اس کڑوے اعتراض کے خاتمے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں پے درپے آیات نازل ہوتی چلی جارہی ہیں۔ اور مسلمانوں کو اپنے نبی اور امام سے پوری طرح جوڑا جارہا ہے تا کہ وہ جماعت مضبوط رہے جس نے پوری دنیا تک دین کا غالب پیغام پہنچانا تھا۔ (واللہ اعلم بالصواب) ☆☆☆

سُورَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّة آیت ۸۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡفَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ

اور کہتے ہیں قبول کیا پھر جب تیرے ہاں سے باہر گئے تو ان میں سے ایک گروہ رات

مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ؕ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ

کو جمع ہو کر تمہاری باتوں کے خلاف مشورہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ لکھتا ہے جو وہ مشورے کرتے ہیں تو ان کے پرواہ

عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۸۱﴾

نہ کر اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر اور اللہ تعالیٰ کارساز کافی ہے

خلاصہ

ان منافقین کی حالت یہ ہے کہ آپ کی مجلس میں تو اپنی پوری فرمانبرداری کا اعلان کر جاتے ہیں مگر پھر واپس جا کر آپ کے احکامات کے خلاف مشورے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی سب باتیں لکھتا ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی زیادہ پرواہ نہ کیجئے (بلکہ ان کی سزا کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑے رکھیے) اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیجئے اللہ تعالیٰ ہی کافی کارساز ہے۔

اقوال و حوالے

۱ پکے بدگمان:

چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بدگمانی منافقوں کے دل میں راسخ ہو چکی ہے اس لئے سامنے آتے ہیں تو اطاعت کا اقرار کر لیتے ہیں لیکن پھر جا کر سازشیں کرتے ہیں۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

۲ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے:

آپ ان کی بیہودگی کی طرف التفات اور خیال نہ کیجئے اور نہ کچھ فکر کیجئے بلکہ سارا قصہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کیجئے اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہیں وہ خود مناسب طور پر اس کا دفعیہ فرما دیں گے چنانچہ کبھی ان کی شرارت سے کوئی ضرر نہیں پہنچا۔ (بیان القرآن)

۳ آپ کو ان کی مدد کی ضرورت نہیں ہے

وتوکل علی اللہ ثم امرہ بالتوکل علیہ والثقة بہ فی النصر علی عدوّہ۔ (القرطبی)

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا کہ آپ دشمنوں کے مقابلے میں مدد کے لئے صرف اللہ تعالیٰ پر توکل اور پورا

اعتماد رکھیئے۔

نکتہ

اس آیت میں عجیب جہادی مضامین کا بیان ہے۔ ❶ منافقین مسلمانوں کی شکست کے بعد معتبر، خیر خواہ اور دانشور بن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور جہاد کے خلاف ذہن سازی کرتے پھرتے تھے۔ اس آیت میں ان کے نفاق اور دورنگی کو کھول دیا کہ اے مسلمانو! ان کی زبان اور باتیں اعتبار کے قابل نہیں ہیں۔ ❷ جنگ کا زمانہ ہے مسلمان ظاہری شکست سے چور ہیں ان حالات میں منافقین کی سازشوں سے پریشانی اور خوف کا پیدا ہونا ایک لازمی امر تھا اس آیت میں سمجھا دیا گیا کہ ان کی شرارتوں کی پرواہ نہ کریں یہ کچھ نہیں کر سکتے بس آپ لوگ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں۔

یقیناً مسلمانوں کے حق میں یہ بہت بڑی تسلی اور حوصلہ افزائی تھی۔

❸ منافقین کی شرارتوں اور بدزبانی سے اس بات کا خطرہ تھا کہ مسلمان ان کے خلاف اشتعال میں آجاتے اور ایک نیا محاذ جنگ کھل جاتا۔ فاعرض عنھم فرما کر سمجھا دیا گیا کہ فی الحال یہ محاذ کھولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو کافی ہو جائیگا آپ اپنی توجہ کھلے دشمنوں کی طرف رکھیں جن سے جنگ شروع ہو چکی ہے۔ ❹ مسلمانوں کو افرادی قوت اور تعاون کی ضرورت تھی کیونکہ ان کے سارے دشمن متحد ہو چکے تھے، ایسے حالات میں منافقین کا اوپر اوپر سے جی حاضر، جی حاضر کہنا اور راتوں کو جا کر مخالفت کرنا اسلامی جماعت کی کمزوری کا باعث بن سکتا تھا اور مسلمانوں کا حوصلہ بھی اس منافقانہ طرز عمل سے کمزور ہو سکتا تھا اس آیت میں سمجھایا گیا کہ آپ لوگوں کو ان کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ حضرات جس کی خاطر جہاد کر رہے ہیں اس پر بھروسہ رکھیں۔ اور دشمنوں کے خلاف مدد میں صرف اسی پر آپ حضرات کی نظر رہے۔ ❺ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مبارک وحی کے ذریعے ان چھپے دشمنوں کے حالات بتا دیئے گئے۔ ظاہر بات ہے کہ ایسی سازشوں کا معلوم ہو جانا جنگ کے دنوں میں جماعت کی حفاظت، مضبوطی اور قوت کا ذریعہ بنتا ہے۔ اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رسول برحق ہونے کی دلیل بھی ہے۔ یہود اور منافقین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بارے میں شکوک پھیلا رہے تھے اور اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کی خبریں سنا کر آپ کی رسالت پر لوگوں کا اطمینان بڑھا رہا تھا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۸۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ؕ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے اور اگر یہ قرآن سوائے اللہ تعالیٰ کے

لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ﴿۸۲﴾

کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت اختلاف پاتے

خلاصہ

کیا یہ لوگ قرآن پاک میں غور نہیں کرتے۔ اگر یہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا کلام ہوتا تو وہ اس میں بہت اختلاف پاتے۔

فائدہ

منافقین حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور جہاد پر اعتراض کر رہے تھے اب ان کو آخری درجہ کا جواب دیا گیا کہ تمہارا قرآن پاک کے بارے میں کیا خیال ہے؟ یقیناً اس کا ہر لفظ اور اس کی ہر خبر یہی بتا رہی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا سچا کلام ہے۔ اور ظاہری طور پر ہی سہی تم بھی اس کا اقرار کرتے ہو۔

پھر اب کونسا شبہ باقی رہ گیا؟ کتاب اللہ تو نبی برحق ہی پر نازل ہوتی ہے۔ اور نبی نے جہاد کا جو حکم دیا ہے وہ بھی قرآن پاک ہی میں مذکور ہے۔ اب اگر تم قرآن پاک کا بھی انکار کرتے ہو تو پھر پکے کافر ہو۔ اور اگر قرآن پاک کو مانتے ہو تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور جہاد پر تمہارے اعتراضات، حرام اور فضول ہیں۔ پچھلی آیات میں فانفروا اور فلیقاتل کے ذریعے جہاد میں لڑنے کا حکم تھا۔ آگے آیت (۸۴) میں پھر فقاتل کا حکم آرہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتال کیجئے۔ درمیان کی ان آیات میں جہاد کے خلاف منافقین کے وساوس کا جواب آ گیا۔ مسلمانوں کو موت کا فلسفہ سمجھا دیا گیا۔ انہیں امام المجاہدین صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر خوب پختہ کر دیا گیا۔ انہیں منافقین کی دورنگی سمجھادی گئی۔ اور انہیں قرآن پاک کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ اب قیامت تک جو مسلمان حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کے ساتھ جڑے رہیں گے وہ کبھی جہاد کے منکر، مخالف یا بلا عذر تارک نہیں بنیں گے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

☆☆☆

سُورَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّة آیت ۸۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِذَا جَآءَهُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ؕ وَلَوْ رَدُّوْهُ

اور جب ان کے پاس کوئی خبر امن یا ڈر کی پہنچتی ہے تو اسے مشہور کردیتے ہیں اور اگر اسے

اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ

رسول اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچاتے تو اس کی تحقیق کرتے جو ان میں تحقیق

مِنْهُمْ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ

کرنے والے ہیں اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو البتہ تم شیطان کے پیچھے ہو لیتے

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾

سوائے چندلوگوں کے

خلاصہ

اور جب ان منافقین کو امن یا خوف والی کوئی نئی خبر پہنچتی ہے (مثلاً کوئی لشکر مسلمانوں کا کسی جگہ جہاد کے لئے گیا اوران کے غالب ہونے کی خبر آئی یہ امن کی خبر ہوئی یاان کے مغلوب ہونے کی خبر آئی یہ خوف کی خبر ہوئی) تو یہ اُس خبر کوفوراً مشہور کردیتے ہیں حالانکہ بعض اوقات وہ غلط نکلتی ہے اوراگر صحیح بھی ہوئی تب بھی بعض اوقات اُس کا مشہور کرنا انتظامی مصلحت کے خلاف ہوتا ہے اوراگر بجائے خود مشہور کرنے کے یہ لوگ اس خبر کورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کرتے یا اُن ذمہ دار حضرات کے سامنے پیش کرتے جو ایسے معاملات کو سمجھتے ہیں۔ اور خود کچھ دخل نہ دیتے۔ تو وہ حضرات جو تحقیق کرنے والے ہیں اس خبر کی حقیقت کو پہچان لیتے۔ اور پھر وہ حضرات جس طرح کا عمل درآمد کرتے ان خبر اڑانے والوں کو بھی ویسا ہی کرنا چاہئے تھا، ان کو دخل دینے کی کیا ضرورت ہوئی اور نہ دخل دیتے تو کونسا کام اٹک رہا تھا؟ اوراگر تم لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا یہ خاص فضل اور رحمت کہ تم کو قرآن دیا اپنا پیغمبر بھیجا یہ اگر نہ ہوتا تو تم میں سے تھوڑے سے افراد کو چھوڑ کر باقی سب شیطان کے پیروکار بن جاتے۔ (مفہوم بیان القرآن)

اقوال و حوالے

❶ یہ کون لوگ تھے:

حضرات مفسرین کے دو اقوال ہیں:

فقيل هذا من ضعفة المسلمين عن الحسن. وقال الضحاك وابن زيد هو فى المنافقين.

(القرطبی) یعنی یا تو منافقین تھے یا کمزور مسلمان۔

امام رازی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ آیت منافقین ہی کے بارے میں ہے۔

اعلم انہ تعالیٰ حکیٰ عن المنافقین فی ھذہ الآیۃ نوعاً آخر من الاعمال الفاسدۃ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں منافقین کی ایک اور بری حرکت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ (التفسیر الکبیر)

منافقین کی طرف سے جنگ میں فتح یا شکست، امن یا خوف کی ان خبروں اور افواہوں کو پھیلانے میں مسلمانوں کے لئے بہت سے نقصانات تھے۔

امام رازی رحمہ اللہ نے چند نقصانات گنوائے ہیں ان کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں:

❶ منافقین ان خبروں میں جھوٹ اور مبالغہ شامل کرتے تھے، فتح کی خبر آتی تو خوب بڑھا چڑھا کر بیان کرتے اور شکست کی خبر آتی تو اس میں بھی بہت مبالغہ کرتے۔ جب فتح کی خبروں کا جھوٹ ظاہر ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کمزور مسلمانوں کے دلوں میں وسوسہ پیدا ہوسکتا تھا۔ اور جب شکست کی خبروں میں مبالغہ ہوتا تو ان میں خوف اور مایوسی پھیل جاتی۔ ❷ اس طرح کی خبروں سے معاشرے میں جھوٹ پھیلتا تھا۔ ❸ جب افواہیں پھیلتی ہیں تو لوگ بات معلوم کرنے کے لئے زیادہ محنت اور جستجو کرتے ہیں جس کے نتیجے میں بعض اوقات اہم قومی راز فاش ہوجاتے ہیں۔ ❹ مسلمانوں اور کافروں کے درمیان جنگ اور دشمنی جاری تھی، اس طرح کی خبروں اور افواہوں سے دشمن کو فائدہ پہنچتا ہے، اسے تیاری کا موقع مل جاتا ہے اور اس کے لئے مسلمانوں میں تشویش پھیلانا آسان ہوجاتا ہے۔ (مفہوم تفسیر کبیر)

❷ تعلق جنگ کی خبروں سے ہے:

تفسیر جلالین میں ہے:

واذا جاء ھم امر عن سرایا النبی صلی اللہ علیہ وسلم بما حصل لھم۔

یعنی جب ان کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے سرایا کے بارے میں کوئی خبر آتی کہ ان کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ (جلالین)

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والمعنیٰ انھم اذا سمعوا شئیاً من الامور فیہ امن نحو ظفر المسلمین وقتل عدوھم او الخوف وھو ضدّ ذلک۔ (قرطبی)

مفہوم اوپر گذر چکا ہے۔

❸ جہادی جماعتوں کے لئے اہم اصول:

ملت اسلامی شروع ہی سے ایک حد تک منظم، بلکہ نیم عسکری جماعت تھی، اور یہ امر ہر اجتماعی تنظیم کے منافی عموماً اور عسکری تنظیم کے منافی تو خصوصاً ہے کہ امت کے عوام جس خبر کو جہاں اور جب سن پائیں بلا اپنے سرداروں اور اہل حل وعقد کی طرف رجوع کئے بے تحقیق اسے لے دوڑیں اور بے تحاشا اسے پھیلانا شروع کر دیں۔ (تفسیر ماجدی)

فائدہ

کئی مفسرین حضرات نے اس آیت مبارکہ کے ذیل میں مسئلہ اجتہاد وتقلید پر بحث فرمائی ہے شائقین حضرات رجوع فرمالیں۔

نکتہ

جہاد اور جماعت کے لئے بہت اہم اصول اس آیت مبارکہ میں بیان فرمائے گئے ہیں بلکہ نشر واشاعت کا پورا نظام اس آیت میں سمیٹ دیا گیا ہے۔ مسلمانوں کو اگر خدانخواستہ شکست ہوجائے تو منافقین کی طرف سے خوف اور پریشانی کی خبریں اتنی پھیلائی جاتی ہیں کہ باقی ماندہ جماعت کے اوسان بھی خطاء ہوجاتے ہیں، چنانچہ مسلمانوں کو سمجھایا گیا کہ وہ ان حالات میں خبروں اور افواہوں پر قابو پائیں اور افواہوں کو پھیلنے سے روکیں۔ اس طرح سے منافقین اور بزدل مسلمانوں کی جہاد کے خلاف ذہن سازی کافی حد تک کمزور پڑ جائے گی۔ اسی طرح اس میں یہ نصیحت بھی آگئی کہ جماعت کو جھوٹ اور جھوٹی خبروں سے بچایا جائے۔ اور یہ بھی سمجھایا گیا کہ قومی اور جماعتی رازوں کی حفاظت کی جائے۔ اور جماعت میں اہل تحقیق کا ایک شعبہ قائم کیا جائے جو اس بات کا فیصلہ کرے کہ کونسی خبر عام ہونی چاہے اور کونسی نہیں۔ اور ان باتوں کو عام کرے جو مسلمانوں کے لئے مفید ہوں۔ اور ان باتوں کو روکے یا ان کی تردید کرے جن سے جماعت یا جہاد کو نقصان پہنچ سکتا ہو۔

اور آیت کے آخر میں سمجھایا گیا کہ مسلمانوں کو مسلسل ہدایت اور راہنمائی کی ضرورت ہے۔ اگر قرآن پاک اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات مبارکہ سے مسلسل ہدایت اور راہنمائی نہ لی گئی تو اکثر لوگ راستے سے ہٹ جائیں گے اور گمراہ ہو جائیں گے چنانچہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں "یہ جو فرمایا گیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر نہ ہوتا تو شیطان کے پیچھے چلتے مگر تھوڑے (سے لوگ) یعنی ہر وقت احکام تربیت کے نہ پہنچتے رہیں تو کم لوگ ہدایت پر قائم رہیں۔ (موضح القرآن)

بے شک ہر انسان عموماً اور مجاہدین خصوصاً مسلسل راہنمائی، ہدایت، تربیت اور یاد دہانی کے محتاج ہوتے ہیں۔ اس کا اگر اہتمام رہے تو دل ٹھیک رہتے ہیں ورنہ شیطان اپنا کام کر گذرتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ یہ آیت مبارکہ مسلمانوں کی اجتماعیت اور جہادی کامیابی کے لئے اہم نسخہ ہے۔ اللہ پاک ہم سب مسلمانوں کو اس پر عمل کی توفیق عطاء فرمائے۔ (آمین) (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

''اس سے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا ایک درجہ ختم ہوگیا ہے یعنی اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم موت کے منہ میں جانے کا حکم دیں تو فوراً چلے جانا چاہئے اب یہ ذکر ہوگا کہ اولی الامر کون لوگ بن سکتے ہیں آیت کا مفہوم یہ ہے کہ سب سے پہلے اسے بات کی تہہ کو پہنچ جانے والے آدمیوں کے روبرو پیش کرنا چاہئے وہ اسے قابل اشاعت سمجھیں تو اشاعت کی جائے۔ بات کی تہہ کو پہنچ جانے والے لوگ اولی الامر یعنی صاحب حکم واختیار ہیں۔ یہ تعلیم مکمل ہو چکی اس لئے آئندہ آیت سے قتال کا حکم شروع ہوتا ہے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

یعنی دوبارہ قتال کا صریح حکم اگلی آیت میں آرہا ہے، اور چند آیات پہلے بھی یہ حکم صراحت کے ساتھ اور تاکید کے ساتھ بیان ہوا درمیان میں جہاد کے دیگر مضامین بیان ہوئے۔ (کمافی بیان القرآن)

سُورَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّة آیت ۸۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ

پس تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑ تو سوائے اپنی جان کے کسی کا ذمہ دار نہیں اور

الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ

مسلمانوں کو تاکید کر قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی لڑائی بند کردے اور اللہ تعالیٰ

اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾

لڑائی میں بہت ہی سخت ہے اور سزا دینے میں بھی بہت سخت ہے

خلاصہ

(جب جہاد کی ضرورت معلوم ہوگئی اور بالفرض کوئی اور ساتھ نہیں جاتا) تو آپ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی راہ میں کفار سے قتال کیجئے (اور اگر بالفرض کوئی آپ کے ساتھ نہ جائے تو کچھ فکر نہ کیجئے کیونکہ) عمل کے معاملہ میں آپ پر اپنے سوا کسی کی ذمہ داری نہیں ہے اور مسلمانوں کو بھی جہاد کی ترغیب دیں (پھر اگر کوئی ساتھ نہ دے تو آپ بری الذمہ ہیں نہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے باز پرس کی فکر کیجئے جس کی وجہ اوپر ذکر ہو چکی اور نہ تنہا رہ جانے کا غم کیجئے جس کی وجہ یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ کافروں کے زور جنگ کو روک دے گا اور ان کو مغلوب کر دے گا (یہ کافر اگرچہ بہت طاقتور نظر آتے ہیں لیکن) اللہ تعالیٰ زور جنگ میں ان کافروں سے بہت زیادہ طاقتور ہے اور بہت سخت سزا دینے والا ہے۔ (مفہوم بیان القرآن)

اقوال و حوالے

❶ اے نبی آپ اکیلے جہاد میں تشریف لے جائیں

یعنی اگر کافروں کی لڑائی سے یہ منافق اور کچے مسلمان جن کا ذکر اوپر گذرا ڈرتے ہیں تو اے رسول تو تنہا اپنی ذات سے جہاد کرنے میں توقف مت کر اللہ تعالیٰ تیرا مددگار ہے اور مسلمانوں کو جہاد کی تاکید کردے جو ساتھ نہ دے اس کی پرواہ مت کر امید ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی لڑائی کو روک دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

فائدہ

”جب یہ آیت نازل ہوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ضرور جہاد کے لئے جاتا ہوں اگرچہ ایک بھی میرے ساتھ نہ ہو۔ اور کل ستر ہمراہیوں کے ساتھ بدر صغریٰ کو بغرض جہاد تشریف لے گئے جس کا وعدہ ابوسفیان سے

غزوہ احد کے بعد ہوا تھا، جس کا ذکر پہلی سورت میں گذر چکا ہے۔

حق تعالیٰ نے ابوسفیان اور کفار قریش کے دل میں رعب اور خوف ڈال دیا کوئی مقابلہ میں نہ آیا اور وعدے سے جھوٹے ہوئے اور حق سبحانہ نے اپنے ارشاد کے موافق کافروں کی لڑائی کو بند کر دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمراہیوں سمیت خیر اور سلامتی کے ساتھ واپس تشریف لے آئے۔" (تفسیر عثمانی)

۲ آیت کا جہادی ربط:

بہت اوپر سے مضمون جہاد کا شروع ہوا تھا بیچ بیچ میں اس کی مناسبت سے اور مضامین آ گئے تھے آگے پھر عود ہے (یعنی لوٹنا ہے) خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر اسی مضمون کی طرف ایک خاص عنوان سے۔ جس میں ان بیچ کے مضامین کے بڑے حصوں سے بھی گونہ تعرض (یعنی ایک قسم کا تعلق) ہے چنانچہ لاتکلف سے مترشح (یعنی معلوم) ہوتا ہے کہ بعضوں نے (جہاد میں) سستی کی تھی جس کی وجہ منافقین میں بد اعتقادی تھی اور بعض مؤمنین میں خوف طبعی اور ضعف ہمت جو کہ اوپر بھی مذکور ہو چکے ہیں۔ (بیان القرآن) یہ عبارت امام رازی رحمہ اللہ کے اس کلام کے مطابق ہے۔ اعلم انہ تعالیٰ لماامر بالجھاد ورغب فیہ اشد الترغیب فی الآیات المتقدمۃ وذکرفی المنافقین قلۃ رغبتھم فی الجھاد بل ذکر عنھم شدۃ سعیھم فی تثبیط المسلمین عن الجھاد عاد فی ھذہ الایۃ الی الامر بالجھاد فقال فقاتل فی سبیل اللہ ۔ (التفسیر الکبیر)

۳ کتب سابقہ کی پیشین گوئی کے مطابق:

"پہلی آیت میں مذکور تھا کہ منافق بلا تحقیق خبریں اڑایا کرتے ہیں کہ فلاں قوم مسلمانوں پر چڑھ کر آتی ہے۔ انہوں نے ایسی تیاری کی ہے تمام عرب اب عنقریب مدینہ کو آ کر غارت کر دیں گے، ان خبروں سے اکثر عام مسلمانوں کے دلوں میں خلجان پیدا ہوتا تھا۔ اور ایک قسم کی کم ہمتی بھی جو عام طور پر انسان کو اپنی بے سروسامانی اور مخالفین کی طاقت اور تعداد دیکھ کر پیدا ہوتی ہے۔ اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑو اور شر و فتنہ کے مٹانے کے لئے اللہ تعالیٰ کے توکل پر کمر ہمت باندھو اور اگر کوئی آپ کا ساتھ نہ دے تو کچھ پروا نہیں کیونکہ آپ کسی کے ذمہ دار نہیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے وعدے کے اعتماد پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا روئے زمین کے مشرکوں اور بت پرستوں کی بت پرستی مٹانے کے لئے لڑنے پر آمادہ ہو گئے چنانچہ بدر صغریٰ میں ابوسفیان کے مقابلہ میں تن تنہا نکلے پیچھے دیکھا تو صرف ستر آدمی آ رہے تھے اور کتاب یسعیاہ میں چونکہ اس بات کی طرف اشارہ ہوا ہے اور زبور میں بھی۔ اور آپ کے سچے عزم کا اثر صحابہ کے دل میں بالخصوص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں پیدا ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عربوں کی تھوڑی سی جمعیت سے ہرقل شاہ روم کا مقابلہ کیا جو اس وقت یورپ اور ایشیاء کے اکثر ملکوں کا بادشاہ تھا پھر یہ فتوحات اگر اس وعدہ الٰہی کا نمونہ نہ تھا تو اور کیا بات تھی؟ اس کے ساتھ مسلمانوں کو بھی جہاد کی ترغیب دینے کا

حکم دیا گیا کیونکہ یہ نیک کام ہے اس لئے کہ اس جہاد کا اصلی منشاء دنیا کو بدی سے پاک کرنا اور زمین پر آسمانی سلطنت قائم کر کے شر وفساد کو مٹانا ہے پھر اس سے بڑھ کر اور کونسا نیک کام ہوگا؟ (تفسیر حقانی)

۴ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق میں سب سے بہادر:

امام رازی رحمہ اللہ اس آیت کے ذیل میں عجیب نکتہ لکھتے ہیں:

دلت الاية علىٰ أنه صلى الله عليه وسلم كان اشجع الخلق واعر فهم بكيفية القتال لانه تعالىٰ ماكان يأمره بذلك الا وهوصلى الله عليه وسلم موصوف بهذه الصفات، ولقد اقتدىٰ به ابو بكر رضى الله عنه حيث حاول الخروج وحده الى قتال مانعى الزكوٰة ومن علم ان الامر كله بيدالله وانه لم يحصل امر من الامور الابقضاء الله سهل ذلك عليه۔

اس آیت سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق میں سب سے زیادہ بہادر اور سب سے زیادہ جنگی مہارت رکھنے والے تھے اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ صفات نہ ہوتیں تو اللہ تعالیٰ آپ کو یہ (اکیلے نکل کر لڑنے کا) حکم نہ دیتا پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کی کہ مانعین زکوۃ کے خلاف اکیلے نکل کر لڑنے کو تیار ہو گئے۔ بے شک جس کا یقین ہو کہ تمام معاملات اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے بغیر کوئی کام نہیں ہو سکتا تو اس کے لئے ایسا کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ (التفسیر الکبیر)

۵ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داریاں:

وحرض المومنين اور ایمان والوں کو جہاد پر ابھاریئے۔ امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والمعنىٰ ان الواجب على الرسول عليه الصلوٰة والسلام انما هوالجهاد وتحريض الناس فى الجهاد فان أتى بهذين الامرين فقد خرج عن عهدةالتكليف وليس عليه من كون غيره تاركا للجهاد شئ۔

یعنی مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تھا کہ آپ خود جہاد میں نکلیں اور لوگوں کو جہاد کی ترغیب دیں۔ پس جب آپ نے یہ دو کام کر لئے تو آپ کی ذمہ داری مکمل ہوئی۔ اب کسی کے جہاد چھوڑنے کی آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ (التفسیر الکبیر)

فائدہ

خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دو کام دیئے گئے۔ ① خود قتال فرمائیں۔ ② لوگوں کو قتال کی دعوت دیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کام خوب خوب فرمائے اور آخر تک ان دونوں کاموں کو کرتے رہے یہاں تک کہ وفات مبارک کے وقت بھی اسلامی لشکر روانہ تھا۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ورثاء علماء کرام کی بھی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ان دونوں کاموں کو خود زندہ رکھیں اور ان میں خوب محنت کریں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ آپ لوگوں کو جہاد پر ابھاریں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک کے انسانوں کو جہاد کی دعوت دی۔ خوش نصیب لوگوں نے اس دعوت کو قبول کیا اور نفاق زدہ طبقے نے اس عظیم دعوت کو (نعوذ باللہ) ٹھکرا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ دعوت اور ترغیب آج کے مسلمانوں کے لئے بھی ہے۔ پس ہر شخص اپنی ذات پر غور کرے اور خود سے پوچھے کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترغیب پر کتنا عمل کیا ہے؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت جہاد کا کیا جواب دیا ہے؟ یاد رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب کے نبی اور مقتدا ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف اپنے زمانے کے لوگوں کے لئے تشریف نہیں لائے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

❻ جہاد کی زوردار ترغیب:

”حرض تحریض کے معنی ہیں کسی شئے کی خوبیاں بکثرت بیان کر کر کے اس کی جانب شوق و رغبت دلانا گویا صحیح اور سچا پروپیگنڈا کرنا۔ التحریض الحث علی الشی بکثرۃ التزیین وتسھیل الخطب فیہ۔ (راغب) (تحریض کہتے ہیں کسی چیز پر خوب ابھارنا اس کی خوبیاں کثرت سے بتا کر اور سمجھانے کے انداز کو آسان بنا کر“ (تفسیر ماجدی)

ان شاء اللہ لفظ تحریض کی مکمل تحقیق سورۃ الانفال میں آئے گی۔

❼ ہر مسلمان کا جذبہ کیا ہونا چاہئے:

امام ابوحیان رحمہ اللہ نے ابن عطیہ کے حوالے سے اس آیت میں یہ نکتہ لکھا ہے:

انت یا محمد وکل واحد من أمتك القول له فقاتل فی سبیل اللہ ولھذا ینبغی لکل مومن أن یستشعر ان یجاھد ولو وحدہ ومن ذلك قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم "لأقاتلنھم حتی تنفرد سالفتی" وقول ابی بکر وقت الردۃ ولو خالفتنی یمینی لجاھد تھا بشمالی۔ (البحر المحیط)

آیت کا مطلب یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے ہر فرد کو کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتال کرو۔ پس ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ اس بات کا شعور رکھے کہ اس نے جہاد کرنا ہے خواہ وہ اکیلا ہی کیوں نہ ہو۔ اسی کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ میں ان مشرکین سے ضرور لڑوں گا اگرچہ میری گردن اڑ جائے (یا اکیلی رہ جائے)۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا فتنہ ارتداد کے وقت یہ فرمان کہ اگر میرا دایاں ہاتھ بھی میری اس بارے میں مخالفت کرے گا تو میں بائیں ہاتھ سے جہاد کروں گا۔ (البحر المحیط)

❽ تقریر قرطبی رحمہ اللہ:

امام قرطبی رحمہ اللہ اس آیت مبارکہ کے پہلے جملے فقاتل فی سبیل اللہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: کأن ھذا

المعنیٰ :لاتدع جهاد العدو والا ستنصار عليهم للمستضعفين من المومنين ولووحدك لانه وعده بالنصر،قال الزجاج:امرالله تعالیٰ رسول الله صلی الله عليه وسلم بالجهاد وان قاتل وحده لانه قد ضمن له النصرة: قال ابن عطية:هذا ظاهر اللفظ الا انه لم يجئی فی خبر قط أن القتال فرض عليه دون الامة مدة ما:فالمعنیٰ والله اعلم انه خطاب له فی اللفظ وهو مثال مايقال لكل واحدٍ فی خاصة نفسه ای انت يا محمد وكل واحد من امتك القول له: فقاتل فی سبيل الله لاتكلف الانفسك ولهذا ينبغی لكل مومن ان يجاهد ولووحده: ومن ذلك قول النبی صلی الله عليه وسلم "والله لأ قاتلنهم حتی تنفرد سالفتی" وقول ابی بكر وقت الردة ولو خالفتنی يمينی لجاهد تهابشمالی۔ (القرطبی)

گویا کہ آیت میں فرمایا گیا: آپ دشمنوں کے خلاف جہاد اوران کے مقابلے میں کمزور مسلمانوں کی مدد کرنا نہ چھوڑیں اگرچہ آپ اکیلے ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے نصرت کا وعدہ فرمایا ہے۔زجاج رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کا حکم دیا اگر چہ آپ کو اکیلا ہی لڑنا پڑے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپکی نصرت کی ضمانت دی ہے،ابن عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ معنیٰ تو ظاہری الفاظ کے ہیں مگر کہیں سے بھی یہ بات ثابت نہیں کہ کسی بھی زمانے میں جہاد باقی امت کو چھوڑ کر صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض رہا ہو پس آیت کا معنیٰ (واللہ اعلم) یہ ہوگا کہ خطاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر یہ ایسا خطاب ہے جیسے امت کے ہر فرد کو الگ خصوصی خطاب ہو،مطلب یہ ہوا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت کے ہر فرد کے لئے (الگ) یہ حکم ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑو اور تم پر عمل کے اعتبار سے صرف اپنی ذمہ داری ہے۔اس لئے ہر مسلمان کو چاہئے کہ وہ جہاد کرے اگر چہ اکیلا ہی کیوں نہ ہو۔(القرطبی)

❾ کافروں کی جنگ توڑنے کا وعدہ:

آیت کے پہلے حصے میں جہاد اور دعوت جہاد کا حکم دیا گیا کہ آپ لڑنے کے لئے نکلیں اور ایمان والوں کو بھی اس کی دعوت دیں۔آیت کے دوسرے حصے میں وعدہ فرمایا گیا کہ جہاد اور دعوت جہاد کی برکت سے اللہ تعالیٰ کافروں کی جنگ کو روک دے گا،ان کے زور کو توڑ دے گا اور انہیں مغلوب فرما دے گا۔معلوم ہوا کہ جب کافر مسلمانوں کے خلاف جنگ پر تلے ہوئے ہوں تو ان کی جنگ اور ان کے زور کو روکنے کا یہ طریقہ نہیں کہ مسلمان دب جائیں اور کفار کے مطالبات کے سامنے گردن جھکا دیں۔بلکہ طریقہ یہ ہے کہ امت کی قیادت خود بھی لڑنے کے لئے نکل آئے اور قوم کو بھی دعوت دے۔تب کافروں کا جنگی زور ٹوٹ جائے گا اور وہ مغلوب ہو جائیں گے۔ملاحظہ فرمایئے تفسیر حقانی کی یہ عبارت:

عسی اللہ اللہ اپنے رسول سے وعدہ کرتا ہے کہ ہم عنقریب کفار کے شر کو روک دیں گے،آنحضرت کی ترغیب اور خدا کے وعدہ کے اثر نے یہ کیا کہ تخمیناً ایک صدی کے اندر ہی اندر میں دنیا پر کوئی ایسی بت پرست و کافر سلطنت باقی نہ رہی جو آسمانی سلطنت کا مقابلہ کر سکے۔ادھر جبل الطارق سے لیکر چین تک ادھر کوہ قاف اور آذر بائیجان سے لیکر افریقہ تک

بڑے بڑے ملک اس جھنڈے تلے آ گئے جو مدینہ میں خدا نے قائم کیا تھا۔ (تفسیر حقانی)

صاحب تفسیر ماجدی لکھتے ہیں:

"قرآن مجید کی یہ پیش خبری مستقبل قریب و بعید دونوں میں پوری ہو کر رہی، مخالفین و معاندین میں سے قریش کا زور تو اسی زمانہ میں ختم ہو کر رہا، رہیں دور دراز کی پُر قوت، پُر شوکت بادشاہتیں اور حکومتیں سو وہ رفتہ رفتہ مغلوب ہوتی گئیں۔ عسیٰ پہلے بھی حاشیہ گذر چکا ہے کہ اس کلمہ کا استعمال جب اللہ تعالیٰ کے کسی قول میں ہوتا ہے تو اس میں معنی محض امید یا توقع کے بجائے وعدہ اور یقین کے پیدا ہو جاتے ہیں۔

عسیٰ من اللہ واجب (ابن عباس رضی اللہ عنہما) اطماع۔ والا طماع من اللہ واجب (قرطبی) (تفسیر ماجدی)

۱۰ جہاد چھوڑنے پر اللہ تعالیٰ کا سخت عذاب:

واللہ اشد بأسا واشد تنکیلا اور اللہ تعالیٰ سخت جنگ والا اور بڑا سزا دینے والا ہے۔ اس جملے کا ایک مفہوم تو وہ ہے جو خلاصہ تفسیر میں اختیار کیا گیا ہے جبکہ دوسرے مفہوم کی طرف صاحب تفسیر عثمانی کا یہ کلام اشارہ کرتا ہے۔

"یعنی اللہ تعالیٰ کی لڑائی اور اس کا عذاب کافروں کے ساتھ لڑنے سے بہت سخت ہے سو جو لوگ کافروں کے ساتھ لڑنے اور ان کو مارنے اور ان کے ہاتھ سے مارے جانے سے ڈرتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے غصہ اور اس کے عذاب کا کیونکر تحمل کر سکتے ہیں۔" (تفسیر عثمانی)

خلاصۂ مضامین آیت

اس جامع آیت مبارکہ کی مختصر تفسیر تو سامنے آ گئی اب ایک مختصر نظر اس کے اہم مضامین پر ڈال لی جائے۔

۱ فقاتل فی سبیل اللہ آیت کا آغاز اس جملے سے ہوا کہ اے نبی آپ اللہ کے راستے میں قتال کریں۔ معلوم ہوا کہ قتال ایک اسلامی اور قرآنی حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس میں نکلنے کا حکم دیتا ہے۔ پس مسلمانوں کو قتال فی سبیل اللہ سے محبت کرنی چاہئے۔ اسکو ماننا چاہئے اور اسکو زندہ رکھنا چاہئے۔ اس جملے میں اللہ تعالیٰ کا خطاب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ سوچنے اور سمجھنے کی بات یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد سے مستثنیٰ نہیں تھے تو اور کون اس اسلامی فریضے سے خود کو بلند سمجھ سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قیمتی انسان کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اس امت اور دنیا کو کس کی ضرورت تھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ دینی کام اور کون کر رہا تھا یا کر سکتا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا تزکیہ نفس کس کا تھا؟ ان تمام کے باوجود آپ کو لڑائی کے لئے نکلنے کا حکم دیا گیا۔ حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب نبی ہیں۔ اور آپ

صلی اللہ علیہ وسلم حکم سنتے ہی فوراً نکل کھڑے ہوئے۔ایمان والوں کے لئے اس میں بہت بڑا سبق ہے۔

۲ لا تکلف الا نفسک اے نبی آپ پر صرف آپ ہی کے عمل کی ذمہ داری ہے۔اس کا مطلب تمام مفسرین نے یہی لکھا ہے کہ اگر کوئی اور آپ کے ساتھ نہیں نکلتا تو آپ فکر اور پرواہ نہ کیجئے بلکہ اکیلے نکل چلئے۔ اللہ اکبر۔ جہاد کی فرضیت اور جہاد کی اہمیت اس قدر زیادہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اکیلے رہ جانے کی صورت میں بھی اس فریضہ کو زندہ رکھنے کا حکم دیا۔ حالانکہ سبھی جانتے ہیں کہ جہاد ایک اجتماعی عمل ہے۔اور جنگ میں افرادی قوت کا ہونا ضروری ہے۔مگر اس کے باوجود اکیلے نکلنے کا حکم۔ جہاد کی تاکید اور ضرورت سمجھانے کے لئے کافی ہے۔اسلام کی بقاء اور مسلمانوں کے تحفظ کے لئے اللہ پاک نے اس فریضہ کو جاری فرمایا اور پھر اس آیت کے ذریعے اپنے پاک نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہر امتی کے دل میں یہ جذبہ ڈال دیا کہ اگر وہ اکیلا بھی رہ جائے تب بھی وہ فریضہ جہاد کو زندہ رکھے۔ اور اپنی کمزوری اور دشمن کی طاقت کو دیکھ کر کفر کے سامنے سر نہ جھکائے۔ یہ ایسا جذبہ ہے جس نے اسلام اور مسلمانوں کے سر کو ہمیشہ بلند رکھا اور اسلامی حدود کی خوب حفاظت کی۔ اللہ پاک یہی جذبہ اور جوش اس زمانے میں ہم سب مسلمانوں کو انفرادی اور اجتماعی طور پر نصیب فرمائے۔ کہ اب اس میں کافی کمی محسوس ہو رہی ہے۔ آیت مبارکہ تو یہ چاہتی ہے کہ ہم میں سے ہر مسلمان فریضہ جہاد کو زندہ رکھنا خود اپنی ذاتی ذمہ داری سمجھے نہ کہ دوسرے افراد کا کام۔

۳ وحرض المومنین : اور آپ ایمان والوں کو جہاد پر ابھاریئے۔اس مختصر سے جملے میں ''دعوت الی الجہاد'' کا پورا انظام آ گیا کہ مسلمانوں میں پوری قوت کے ساتھ ''دعوت جہاد'' کو جاری کیا جائے۔ دراصل انسان کمزور ہے، خواہشات کا بھرا ہوا یہ پتلا دنیا میں زندہ رہنے کا شوقین ہے۔ اگرچہ اس کی زندگی تکالیف ومشقت سے بھری ہوئی ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ اگر کسی آدمی کی دونوں ٹانگیں، دونوں بازو اور دونوں آنکھیں نہ ہوں، تب بھی وہ اس بے کار اور فانی دنیا میں زندہ رہنے کا شوقین ہوتا ہے۔انسان کے جسم اور روح میں ایسی یاری ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کی جدائی سے گھبراتے ہیں۔اب اگر صورتحال یہی رہے تو دنیا میں اسلام مغلوب ہو جائے۔اس لئے کہ دنیا بھر کے کافر اسلام اور مسلمان کو اپنے لئے خطرہ سمجھتے ہیں۔اور وہ شیطان کے حکم پر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف برسر پیکار رہتے ہیں۔اب اگر مسلمان اس فانی دنیا میں زندہ رہنے کے شوق میں مبتلا ہوں گے تو وہ بے کار اور کمزور ہو جائیں گے اور انہیں اس دنیا کی فانی ترقی اور ظاہری امن کی خاطر کافروں کے سامنے جھکنا پڑے گا۔ چنانچہ حکم دیا گیا کہ مسلمانوں کے دلوں سے حب دنیا کی کمزوری نکالنے کے لئے انہیں بھرپور طریقے سے قتال فی سبیل اللہ کی دعوت دی جائے۔انہیں موت کے آئینے میں آخرت کی اصل زندگی کا حسین چہرہ دکھایا جائے۔انہیں فراق میں ملنے والے وصال کی لذت یاد دلائی جائے۔اور انہیں محبوب کے در پر ذبح ہونے کے دلکش مزے سے آشنا کیا جائے۔ قرآن پاک نے دعوت جہاد کے لئے تحریض کا لفظ استعمال فرمایا تا کہ یہ دعوت بہت طاقتور، بہت مضبوط، بہت موثر

اور مسلسل ہو۔ پس مسلمانوں کو زندہ رکھنے کے لئے ان کے اندر اس موثر اور مسلسل دعوت کا زندہ رکھنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا حکم دیا۔ ظاہر بات ہے یہ کام مسلمانوں کے لئے بہت ضروری تھا اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا حکم دیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم کو اس طرح سے پورا کیا کہ اس کا حق ادا فرما دیا۔ چنانچہ آپکی دعوت جہاد میں ایسی تاثیر تھی کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل جذبۂ جہاد اور شوق شہادت سے چھلکنے لگے۔ نئی نویلی دلہن کو چھوڑ دینا، ماں باپ کی محبت کو چھوڑ دینا، حتی کہ مدینہ منورہ اور سب سے بڑھ کر خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر جہاد میں نکلنا ان کے لئے آسان ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کے نبی نے انہیں جہاد کی دعوت دی تو وہ ایسے نکلے کہ پھر لوٹ کر آنے کا خیال ان کے دلوں میں باقی نہیں رہا اور وہ نکلتے چلے گئے، نکلتے چلے گئے اور ان کے اس جہاد کے ساتھ دین اسلام بھی پورے عالم میں پھیل گیا۔ جہاد کی تحریض کا یہ حکم آج بھی قرآن پاک کی آیت ہے۔ امت مسلمہ کے علماء، اولیاء اور خواص کے ذمہ لازم ہے کہ وہ مسلمانوں کو قتال فی سبیل اللہ کی مضبوط، موثر اور مسلسل دعوت دیں۔

❹ عسی اللہ ان یکف بأس الذین کفروا اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ کافروں کے زور جنگ کو توڑ دے گا۔ مطلب بالکل واضح ہے کہ جب امت مسلمہ کی قیادت خود جہاد پر نکلے گی، اور امت کو بھی دعوت دے کر ساتھ لے جائے گی تو ان سب پر اللہ تعالیٰ کی نصرت نازل ہو گی۔ اور اللہ تعالیٰ دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈال دے گا اور انہیں مغلوب فرما دے گا۔ قتال اور دعوت قتال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ پکا وعدہ ہر زمانے میں پورا ہوا اور ہر زمانے میں پورا ہوتا رہے گا۔ قرآن پاک کے یہ مبارک الفاظ ''اسلامی دانشوری'' کی بنیاد ہیں۔ کافروں کے جنگی خطرات کا مقابلہ کیسے کیا جائے۔ اس پورے مسئلے کو سات الفاظ کے اس مختصر سے جملے میں سمجھا دیا گیا ہے۔ اور سینکڑوں سال کا ماضی اس کی صداقت پر گواہ ہے۔ پس تمام مسلمانوں کو سمجھ لینا چاہئے کہ کافروں کی طاقت توڑنے کا طریقہ نہ تو ان کے سامنے جھکنا ہے اور نہ ان کی تعلیم وتہذیب کو اپنانا۔ بلکہ یہ تو صرف ان سے اپنی جان بچانے کے رسوا کن طریقے ہیں اور جان تو ایسی چیز ہے نہیں جس کو بچایا جا سکے۔ ہر جان نے اپنے جسم کا ساتھ ایک مقرر وقت پر چھوڑ دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ قرآن پاک کی اس آیت میں چمک رہا ہے اور اپنی طرف بلا رہا ہے۔ امت کے خواص خود قتال میں نکلیں اور عوام کو دعوت دے کر ساتھ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ دشمنوں کی تمام ایٹمی، کیمیاوی، فضائی، افرادی جنگی قوت کو توڑ دے گا۔ یہ حقیقت ہے اس میں کچھ شبہ نہیں۔

❺ واللہ اشد بأسا واشد تنکیلا اور اللہ تعالیٰ بہت سخت ہے لڑائی میں اور بہت سخت ہے سزا دینے میں۔ یہ اس جامع آیت کا آخری سبق ہے جو پچھلے تمام اسباق کو دل میں اتار دیتا ہے۔ انسان چونکہ کمزور ہے اس لئے وہ قتال سے گھبراتا ہے۔ خصوصاً جب یہ کہا جائے کہ اگر اکیلے ہو تب بھی لڑنے کے لئے نکلو۔ اسی طرح جہاد کی دعوت

دینا بھی آسان نہیں ہے، حقیقی جہاد فی سبیل اللہ کی دعوت دینے والوں پر ہر طرف سے مشکلات اور پابندیوں کا حملہ ہوتا ہے۔ تیسرے جملے میں جو وعدہ کیا گیا کہ اللہ پاک کافروں کے جنگی زور کو توڑ دے گا تو ظاہر کے اعتبار سے وہ بھی مشکل نظر آتا ہے۔ کیونکہ کافروں کی طاقت اور ان کا جنگی زور بعض اوقات اتنا بڑھ جاتا ہے کہ کمزور دل انسان یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ اب قیامت تک ان کی طاقت کا مقابلہ مشکل ہے۔

ان تمام باتوں کو سمجھانے کے لئے آیت کے آخری حصے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قوت، طاقت اور سزا کو بیان فرمایا۔ بس تمام مسئلے ہی حل ہوگئے۔ مسلمان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت بھر گئی تو اب اسکے سامنے دنیا کی کوئی طاقت طاقت نہیں ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ اس نے تو بس جہاد میں نکلنا ہے باقی لڑائی تو اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے۔ پھر اسے معلوم ہے کہ شہید ہو کر وہ اس رب قوی اور غالب کا مقرب بن جائے گا اور یہ کہ دنیا کی طاقتیں اللہ تعالیٰ کی طاقت کے سامنے کیا حیثیت رکھتی ہیں؟ آج دنیا بھر کے کافروں کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اپنی طاقت اور قوت کا اتنا چرچا کرتے ہیں کہ لوگ ڈر کے مارے ان کے سامنے جھکے رہتے ہیں۔ ان حالات میں قرآن پاک کی یہ نورانی صدا آتی ہے۔ واللہ اشد بأسا واشد تنکیلا اور مسلمان کے دل سے دنیا کی ہر طاقت کا رعب نکل جاتا ہے۔ اور اسے بس یہی فکر لگ جاتی ہے کہ مجھے دنیا کے کافروں اور یہاں کی موت سے نہیں بچنا بلکہ مجھے اللہ تعالیٰ کے عذاب، اس کی سزا اور اس کی ناراضی سے بچنے کی محنت کرنی ہے۔ اور اس کا بہترین ذریعہ جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دعاء

یا اللہ...... یا ربنا...... یا ربنا...... یا ربنا...... یا ربنا...... یا ربنا......

امت مسلمہ میں اپنی رضاء کے مطابق قتال فی سبیل اللہ اور دعوتِ قتال فی سبیل اللہ کو زندہ فرما اور دشمنانِ اسلام کے زورِ جنگ کو ختم فرما۔ آمین یا قوی یا متین۔

سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۸۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ

جو کوئی اچھی بات میں سفارش کرے اسے بھی اس میں سے ایک حصہ ملے گا اور جو کوئی

يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى

بری بات میں سفارش کرے اس میں سے ایک بوجھ اس پر بھی ہے اور اللہ تعالیٰ

كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾

ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے

خلاصہ

جو کوئی کسی سے اچھے کام کی سفارش کرتا ہے تو اس میں سے اسکو بھی ایک حصہ ملتا ہے اور جو کوئی برے کام کی سفارش کرتا ہے تو اس پر بھی اس کے وبال کا ایک حصہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ تو ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے۔

اقوال و حوالے

❶ جہاد کی دعوت:

غزاۃ (یعنی مجاہدین) کی تعداد بڑھانے میں جو شخص اچھی یا بری سفارش کرے گا، ویسا ہی بدلہ پائے گا۔

(حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

❷ دعوت جہاد کا اجر:

یعنی اگر کوئی نیک کام ہی میں سعی، وسفارش کرے جیسا کہ نبی علیہ السلام کا مسلمانوں کو جہاد کی تاکید فرمانا یا کوئی بری بات میں ساعی ہو جیسا منافق اور سست مسلمانوں کا جہاد سے ڈر کر دوسروں کو بھی ڈرانا تو اول صورت میں ثواب کا اور دوسری صورت میں گناہ کا حصہ ملے گا، ایسے ہی اگر کوئی محتاج کی سفارش کرے دولتمند سے کچھ دلوا دے تو یہ بھی خیرات کے ثواب میں شریک ہوگا اور جو کوئی کافر و مفسد یا سارق (چور) کو سفارش کر کے چھڑا دے پھر وہ فساد اور چوری کرے تو یہ بھی شریک ہوگا فساد اور چوری میں۔ (تفسیر عثمانی)

❸ جہادی ربط اور مسائل:

امام رازی رحمہ اللہ نے اس آیت کے پچھلی آیات کے ساتھ ربط میں کئی وجوہات لکھی ہیں اور ان کے ضمن میں دعوت الی الجہاد کے کئی فضائل بھی بیان فرمائے ہیں۔ امام رازی رحمہ اللہ کی تقریر کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں:

❶ پچھلی آیت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ امت کو جہاد کی تاکیدی دعوت دیں، جہاد چونکہ نیکی والا عمل اور شرف والی عبادت ہے تو اس آیت میں بتا دیا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب امت کو جہاد کی دعوت دیتے ہیں تو وہ اس دعوت کے بدلے اجر عظیم کے مستحق بن جاتے ہیں۔

انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لماحرضھم علی الجھاد فقد استحق بذلک التحریض اجراً عظیماً

❷ گویا یوں کہا گیا کہ آپ جہاد کی دعوت دیں، اگر وہ قبول نہیں کریں گے تو آپ پر کچھ وبال نہیں اور اگر وہ قبول کرلیں گے تو ان کے عمل سے آپ کو بھی بہت بڑا ثواب ملے گا۔ معلوم ہوا کہ دعوت جہاد میں فائدہ ہی فائدہ ہے کوئی مانے یا نہ مانے تو اس آیت کا مقصد ہوگا کہ دعوت جہاد میں خوب محنت کی جائے۔

فکان ھذا ترغیباً من اللہ لرسولہ فی ان یجتھد فی تحریض الامۃ علی الجھاد۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ترغیب ہوگی اپنے رسول کو کہ وہ امت کو جہاد کی دعوت دینے میں خوب محنت کریں۔

❸ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق لوگوں کو جہاد کی طرف بلاتے تو بعض منافقین کچھ لوگوں کے لئے سفارش کرنے آجاتے کہ انہیں گھر رہنے دیا جائے تو اس آیت میں بری سفارش سے روکا گیا۔

❹ بعض مسلمان جو دعوت جہاد سن کر جہاد کے لئے تیار ہو جاتے تھے ان کے پاس اسباب کی کمی ہوتی تھی تو دوسرے بعض مسلمان ان کے لئے مالدار مسلمانوں کے پاس جاکر سفارش کرتے کہ وہ انہیں اسباب جہاد فراہم کریں۔ تو ان کی فضیلت کا بیان ہے کہ انہوں نے اچھے کام کی سفارش کی۔ (الغرض ان چاروں وجوہات سے دعوت الی الجہاد کے بے شمار فضائل معلوم ہوتے ہیں) (التفسیر الکبیر)

شفاعت کا ایک عجیب معنیٰ

شفاعت کا لفظ شفع سے ہے۔ جس کے معنیٰ دو (۲) ہو جانا تو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اس آیت میں شفاعت حسنہ اچھی شفاعت سے مراد یہ ہے کہ ہر مسلمان اپنے ایمان کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کو بھی جوڑے۔ یعنی صرف مومن نہ رہے بلکہ جنگ میں نکل کر مجاہد بھی بنے۔

اور شفاعت سیئہ بری شفاعت یہ ہے کہ اپنے نفاق کو کافروں کی محبت کے ساتھ جوڑے۔ یعنی پہلے سے منافق ہے اب اس کے ساتھ دوسری مصیبت یہ بھی جوڑ دی کہ کافروں سے محبت بھی رکھتا ہے۔

نقل الواحدی عن ابن عباس رضی اللہ عنھما مامعناہ ان الشفاعۃ الحسنۃ ھھنا ھی ان یشفع ایمانہ باللہ بقتال الکفار، والشفاعۃ السیئۃ ان یشفع کفرہ بالمحبۃ للکفار وترک ایذائھم۔ (التفسیر الکبیر)

معلوم ہوا کہ قتال فی سبیل اللہ سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے جیسا کہ بعض روایات سے صراحۃً ثابت ہے۔
(واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

اس آیت کے بعد والی آیت (۸۶) کا جہادی ربط اور مضمون حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے بیان القرآن میں بیان فرمایا ہے وہاں ملاحظہ کرلیں۔

سُوْرَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۸۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ۭ

پھر تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ منافقوں کے معاملہ میں دو گروہ ہو رہے ہو اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اعمال کے سبب سے انہیں الٹ دیا ہے

اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ

کیا تم چاہتے ہو کہ جسے اللہ تعالیٰ نے گمراہ کیا ہو اسے راہ پر لاؤ اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے

فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿٨٨﴾

تو اس کیلئے ہرگز کوئی راہ نہیں پائے گا

خلاصہ

مسلمانوں کو نہیں چاہئے کہ وہ منافقین کی وجہ سے آپس میں بٹ جائیں اور اختلاف کرنے لگیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے برے اعمال کی وجہ سے الٹا کفر کی طرف پھیر دیا ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اسے کون ہدایت دے سکتا ہے۔

اقوال و حوالے

❶ کفر اور نفاق خلط:

سورۃ نساء کی آیت (۸۸) تا آیت (۹۱) ان کافروں سے جہاد و قتال کے احکامات ہیں، جو کبھی کھلے کافر نظر آتے ہیں اور کبھی منافق۔ گویا ان کا کفر و نفاق گڈمڈ اور خلط ہو چکا ہے۔ ان آیات میں ان تمام کے احکامات بیان کر دیئے گئے کہ ان میں سے کن سے جنگ کرنی ہے اور کن سے جنگ نہیں کرنی۔ البتہ ان احکامات سے پہلے مسلمانوں کو تاکیدی نصیحت کی گئی کہ وہ منافقین کے معاملے میں اپنی جماعت میں تفرقہ اور تقسیم پیدا نہ ہونے دیں بلکہ سب اپنا موقف اور نظریہ ایک رکھیں۔ کافر اور منافقین تو چاہتے ہی یہی ہیں کہ وہ تمہیں آپس میں لڑا دیں، اس لئے وہ تم میں سے بعض کی ہمدردی حاصل کرتے ہیں۔ الغرض تم آپس میں مکمل اتفاق قائم رکھو۔ حضرت حقانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

’’مدینہ میں چند لوگ ابتدائے اسلام میں ایسے بھی تھے کہ ظاہر میں تو مسلمان ہو گئے تھے مگر درپردہ حب جاہ وغیرہ اسباب دنیا کے سبب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین سے سخت عداوت رکھتے تھے مسلمانوں پر نکتہ چینیاں بھی کیا کرتے تھے، مخالفوں کو بھی اسرار (یعنی رازوں) پر مطلع کرتے اور لڑنے کو ابھارتے تھے مسلمان چاہتے تھے کہ ان منافقوں کو نکال دیا جائے مگر بعض رحمدل انصار اپنی قرابتوں کے سبب درگذر کی طرف مائل تھے اس لئے ان کے

بارے میں مسلمانوں کے دوگروہ ہوگئے تھے۔" (تفسیر حقانی)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

"جنگ احد میں جب کہ عبداللہ بن ابی اپنے گروہ کو عین مقابلہ کے وقت لیکر بھاگ آیا اور مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی تو مدینہ میں مسلمانوں کے دوفریق ہوگئے تھے ایک کہتا تھا ان کو قتل کرنا چاہیے دوسرا کہتا تھا کہ خدا ان کی اصلاح کردے گا قتل میں بدنامی ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی" (تفسیر حقانی)

❷ تین روایات:

ان چار آیات میں کفار ومنافقین کے جن تین طبقوں کا ذکر ہے۔ان کے حالات اور احکامات سمجھنے کے لئے ان تین روایات کو ملاحظہ فرمائیں۔(از بیان القرآن)

❶ عبد بن حمید نے مجاہد سے روایت کیا کہ بعض مشرکین مکہ سے مدینہ آئے اور ظاہر کیا کہ ہم مسلمان اور مہاجر ہو کر آئے ہیں پھر مرتد ہوگئے اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے اسباب تجارت لانے کا بہانہ کر کے پھر مکہ چل دیئے اور پھر نہ آئے ان کے بارے میں مسلمانوں کی رائے مختلف ہوئی بعض نے کہا یہ کافر ہیں بعض نے کہا یہ مؤمن ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کا کافر ہونا آیت فمالکم فی المنافقین میں بیان فرمادیا اور ان کے قتل کا حکم دیا۔ احقر (مصنف بیان القرآن) کہتا ہے ان کا منافق کہنا بایں معنیٰ ہے کہ جب اسلام کا دعویٰ کیا تھا جب منافق تھے دل سے ایمان نہ لائے تھے اور منافقین کو قتل نہ کئے جاتے تھے لیکن جب ہی تک کہ اپنا کفر چھپاتے تھے اور ان لوگوں کا ارتداد ظاہر ہوگیا تھا۔

❷ ابن ابی شیبہ نے حسن سے روایت کیا ہے کہ سراقہ بن مالک مدلجی نے بعد واقعہ بدر اور احد کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں آکر درخواست کی کہ ہماری قوم بنی مدلج سے صلح کرلیجئے، آپ نے حضرت خالد کو تکمیل صلح کے لئے وہاں بھیج دیا۔ مضمونِ صلح یہ تھا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل کی مدد نہ کریں گے۔ اور قریش مسلمان ہوجاویں گے تو ہم مسلمان ہوجاویں گے اور جو قومیں ہم سے متحد ہونگی وہ بھی اس معاہدے میں ہمارے شریک ہیں اس پر یہ آیت ودوا الی قولہ الا الذین یصلون نازل ہوئی۔

❸ کلبی نے بطریق ابی صالح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آیت ستجدون آخرین ...... الخ میں جن کا ذکر ہے مراد ان سے اسد اور غطفان (کے قبیلے) ہیں، کہ مدینہ میں آتے اور ظاہراً اسلام کا دعویٰ کرتے اور اپنی قوم سے کہتے کہ ہم تو بندر اور عقرب (بچھو) پر ایمان لائے ہیں اور مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ ہم تمہارے دین پر ہیں۔(تفسیر بیان القرآن)

۳ دو فریق مت بنو:

”ان منافقوں میں وہ لوگ داخل ہیں جو ظاہر میں بھی ایمان نہ لائے تھے بلکہ ظاہر و باطن کفر پر قائم تھے لیکن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ ظاہری میل جول اور (ظاہری) محبت کا معاملہ رکھتے تھے اور غرض ان کی یہ تھی کہ مسلمانوں کی فوج ہماری قوم پر چڑھائی کرے تو ہمارے جان و مال اس حیلہ سے محفوظ رہیں، جب مسلمانوں کو معلوم ہو گیا کہ ان کا آنا جانا اس غرض سے ہے دل کی محبت سے نہیں تو بعض مسلمانوں نے کہا کہ ان شریروں سے ملنا ترک کر دینا چاہے تا کہ ہم سے جدا ہو جائیں، اور بعضوں نے کہا ان سے ملا جائے شاید ایمان لے آئیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ ہدایت و گمراہی اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے تم اس کی ہرگز فکر مت کرو اور ان لوگوں سے بالاتفاق وہ معاملہ کرنا چاہئے جو آئندہ (آیات میں) مذکور ہے دو فریق مت بنو۔“ (تفسیر عثمانی)

۴ دو چہروں والے کافر:

”اس آیت میں منافقین سے مراد کفار ذو وجہین ہیں، کیونکہ دوسری آیت میں آ رہا ہے فخذوھم واقتلوھم ...... الآیۃ اور قتال کبھی مسلمان کہلانے والے منافقوں سے نہیں ہوا لہٰذا حکم ہوا کہ تمہیں ذو وجہین کفار کے متعلق اختلاف رائے نہیں کرنا چاہئے۔“ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

فائدہ

آپ نے کئی روایات اور عبارتیں ملاحظہ فرما لیں۔ ان تمام سے معلوم ہوا کہ منافقین اور کفار کی کئی قسمیں وجود میں آ چکی تھیں۔ گویا کہ شیطان نے ایک کھچڑی پکا دی تھی تا کہ کمزور لوگ یہی کہتے پھریں کہ ہم کدھر جائیں۔ دوسری طرف بہت سے لوگ تذبذب کا شکار تھے جبکہ بعض عیار دشمن بھیس بدل کر وار کرنے کی فکر میں تھے۔ قرآن پاک کی ان چار آیات میں چند بنیادی اصول مسلمانوں کو سمجھا دیئے گئے اب ان اصولوں کو سامنے رکھ کر اس طرح کے کفار و منافقین کے لئے متفقہ فیصلہ کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ ایک آیت کا بیان تو ہو چکا اگلی تین آیات بھی پڑھ لیجئے۔ آخر میں ان شاء اللہ پوری بحث کا مختصر خلاصہ آ جائے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۸۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا

وہ تو چاہتے ہیں کہ جیسے وہ کافر ہوئے ہیں تم بھی کافر ہو جاؤ پھر تم سب برابر ہو جاؤ لہٰذا ان میں سے

مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ

کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کر کے نہ آ جائیں پھر اگر وہ اس بات کو قبول نہ کریں

وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾

تو جہاں پاؤ انہیں پکڑو اور قتل کرو اور ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ

خلاصہ

یعنی یہ منافق لوگ تو کفر پر ایسے جمے ہوئے ہیں کہ خود اسلام کیا قبول کریں گے وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کی طرح کافر ہو کر ان کے برابر ہو جاؤ پس اب تم کو چاہئے کہ وہ جب تک ایمان قبول کر کے اپنا وطن چھوڑ کر تمہارے پاس نہ چلے آئیں اس وقت تک ان کو دوست نہ بناؤ اپنے کسی کام میں ان کو دخل نہ دینے دو اور نہ ان کی حمایت اور مدد کرو اور اگر وہ لوگ ایمان اور ہجرت کو قبول نہ کریں تو ان کو قید کرو اور قتل کرو جہاں قابو پاؤ اور ان سے اجتناب کلی رکھو اور ان سے کوئی تعلق نہ رکھو۔ (مفہوم تفسیر عثمانی)

یہ بھی دشمن ہیں

"مشرکین مکہ میں سے کچھ لوگوں نے مصلحتاً اسلام کا دم بھرنا شروع کر دیا تھا لیکن دل میں قطعاً مخالف تھے، جب جنگ چھڑی تو مسلمانوں میں دو رائے ہو گئیں، کچھ لوگ کہتے وہ ہم میں سے ہیں، کچھ کہتے وہ دشمنوں میں سے ہیں۔ یہاں قرآن نے واضح کیا ہے وہ قطعاً منافق ہیں، ان کی نسبت بحث و اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں اگر وہ مکہ سے ہجرت کر جائیں اور دشمنوں کے حلقہ میں نہ رہیں تو تم انہیں اپنا ساتھی سمجھ سکتے ہو، لیکن اگر اس سے انکار کریں تو پھر ظاہر ہے کہ جو کوئی دشمنوں کے ساتھ ہو گا وہ دشمنوں ہی میں سے سمجھا جائے گا اور جس طرح جنگ میں تمام دشمنوں سے لڑنا ہے ان سے بھی لڑنا ہے۔ یاد رہے اس سے پہلے جن منافقوں کا ذکر تھا وہ مدینہ میں مسلمانوں کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے اور یہاں جن منافقوں کا ذکر ہے وہ مکہ کا ایک خاص گروہ تھا چونکہ یہ لوگ بھی دشمنوں میں سے تھے اور جنگ کی حالت قائم ہو گئی تھی اس لئے فرمایا کہ ان سے دوستی اور یگانگت کے تعلقات رکھنا جائز نہیں۔" (ترجمان القرآن)

☆☆☆

سُورَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۹۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ

البتہ وہ منافق اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو کسی ایسی قوم سے جاملیں جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہو یا

جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا

وہ جو تمہارے پاس آتے ہیں اور لڑائی سے دل برداشتہ ہیں نہ تم سے لڑتے ہیں اور نہ اپنی

قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ

قوم سے اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا پھر وہ تم سے لڑتے سو اگر

اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ

وہ تم سے یک سو رہیں اور تم سے نہ لڑیں اور تمہاری طرف صلح کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ تعالیٰ نے

لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ۝۹۰

تمہیں ان پر کوئی راہ نہیں دی

خلاصہ

ان کو (جن کا تذکرہ پچھلی آیت میں آیا ہے) قید اور قتل سے مت بچاؤ مگر کل دو طرح سے ایک تو یہ کہ جن لوگوں سے تمہاری صلح ہے ان سے ان کا بھی معاہدہ اور مصالحت ہو تو وہ بھی صلح میں داخل ہو گئے، دوسری طرح یہ کہ جو لوگ لڑائی سے عاجز ہو کر تم سے صلح کریں اور اس بات کا عہد کریں کہ نہ اپنی قوم کے طرفدار ہو کر تم سے لڑیں گے اور نہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑیں گے اور اس عہد پر قائم بھی رہیں تو ایسے لوگوں سے بھی مت لڑو اور ان کی مصالحت کو منظور کر لو اور اللہ تعالیٰ کا احسان سمجھو کہ وہ تمہاری لڑائی سے باز آئے اللہ چاہتا تو ان کو تم پر جری اور غالب تر کر دیتا۔ (تفسیر عثمانی)

ایک شبہ کا ازالہ

صاحب ''ترجمان القرآن'' اس آیت کی تفسیر کے آخر میں لکھتے ہیں کیونکہ اصل امن وصلح ہے نہ کہ جنگ وقتال (ترجمان القرآن)۔ یہ جملہ اگرچہ کافی خوبصورت ہے مگر ملحدین نے اسی کو آڑ بنا کر جہاد کے خلاف وساوس کا انبار لگا دیا ہے۔ حق بات یہ ہے کہ نہ امن وصلح اصل ہے نہ جنگ وقتال بلکہ اصل اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ اللہ تعالیٰ جہاں صلح کا حکم دے وہاں صلح اصل ہے اور جہاں جنگ وقتال کا حکم دے وہاں جنگ وقتال اصل ہے۔ قرآن پاک کی سینکڑوں آیات اس بات کی دلیل ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

☆☆☆

سُورَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّة — آیت ۹۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ

ایک اور قسم کے منافق تم دیکھو گے جو چاہتے ہیں تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی

كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا

جب بھی وہ فساد کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اس میں کود پڑتے ہیں پھر اگر وہ تم سے یک سو نہ رہیں اور

اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ

تمہارے آگے صلح پیش نہ کریں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو انہیں جہاں پاؤ پکڑو اور مار ڈالو

ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾

اور ان پر ہاتھ اٹھانے کیلئے ہم نے تمہیں کھلی حجت دے دی ہے

خلاصہ

بعض لوگ ایسے بھی ہیں کہ تم سے عہد کر جاتے ہیں کہ نہ تم سے لڑیں گے نہ اپنی قوم سے، تاکہ تم سے اور اپنی قوم دونوں سے امن میں رہیں، لیکن اس عہد پر قائم نہیں رہتے بلکہ جب اپنی قوم کا غلبہ دیکھتے ہیں تو ان کے مددگار ہو جاتے ہیں۔ اگر یہ لوگ باز نہ آئیں اور تم سے اپنے ہاتھ نہ روکے رکھیں تو تم بھی انہیں پکڑو اور مارو کیونکہ تمہارے ہاتھ تو صریح حجت آگئی ہے کہ انہوں نے اپنا عہد خود توڑ ڈالا ہے۔ (عثمانی مع اضافہ)

یہ کون تھے؟

امام قرطبی رحمہ اللہ نے کئی اقوال نقل فرمائے ہیں مثلاً:

1. تہامہ کے کچھ لوگ تھے جنہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے امان چاہی تھی
2. یہ مکہ کے کچھ لوگ تھے
3. نعیم بن مسعود مراد ہے
4. منافقین کا ایک گروہ تھا
5. قبیلہ اسد اور قبیلہ غطفان تھے کہ مدینہ آ کر اسلام لائے پھر اپنے علاقوں میں جا کر اعلانیہ کافر ہو گئے۔

جلالین میں یہی قول اختیار کیا گیا ہے۔

ان کو سیدھا کردو

"یہ کافر اگر شرارت سے باز نہ آئیں تو ان کو تلوار کی نوک اور نیزے کی انی سے ٹھیک کردو"(حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

چاروں آیات کا خلاصہ

پہلی اور دوسری آیت میں مرتدین کا حکم بیان ہوا کہ اگر قابل اعتبار توبہ نہ کریں تو فخذوھم واقتلوھم کہ پکڑو اور مارو تیسری آیت میں ان کفار کا بیان ہے جو مسلمانوں کے ساتھ امن ومصالحت سے رہنا چاہتے ہیں اور مسلمانوں کے لئے کسی طرح بھی خطرہ نہیں بنتے ان کا حکم یہ ہے کہ ان سے لڑنا جائز نہیں ہے چوتھی آیت میں ان دھوکے باز کفار و منافقین کا تذکرہ ہے جو اپنے بچاؤ کے لئے تم سے صلح کرتے ہیں مگر تمہارے خلاف موقع کی تاک میں رہتے ہیں یہ لوگ جب فتنے پر اتریں تو ان سے جنگ ہوگی۔(ملخص از بیان القرآن)

سُورَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّة آیت ۹۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا

اے ایمان والو! جب اللہ تعالیٰ کی راہ میں سفر کرو تو تحقیق کر لیا کرو

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ

اور جو تم پر سلام کہے اس کو مت کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے تم

عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ

دنیا کی زندگی کا سامان چاہتے ہو سو اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت غنیمتیں ہیں تم بھی تو

كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ

اس سے پہلے ایسے ہی تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا لہٰذا تحقیق سے کام لیا کرو بیشک اللہ تعالیٰ

بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۹۴﴾

تمہارے کاموں سے باخبر ہے

خلاصہ

اے ایمان والو! جب تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کے لئے سفر کیا کرو تو ہر کام کو تل ہو یا پکھاور خوب تحقیق کر کے کیا کرو اور جو تمہارے سامنے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کر دے تو مت کہو کہ تو مسلمان نہیں ہے بلکہ صرف جان بچانے کے لئے خود کو مسلمان ظاہر کر رہا ہے۔ کسی کے مال پر نظر نہ رکھو اللہ تعالیٰ کے پاس تمہارے لئے بہت غنیمت کے مال ہیں۔ تم اپنے ماضی کو اور اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسان کو نہ بھولو۔ اور یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کی خبر رکھتا ہے۔

مفہوم آیت

حضرات مفسرین نے اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے اس کا نچوڑ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی عبارت میں آگیا ہے، تفسیر عثمانی سے اس عبارت کی تسہیل ملاحظہ فرمائیے۔

’’حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوج کو ایک قوم پر جہاد کے لئے بھیجا اس قوم میں ایک شخص مسلمان تھا جو اپنا مال واسباب اور مویشی ان میں سے نکال کر علیحدہ کھڑا ہو گیا تھا اس نے مسلمانوں کو دیکھ کر السلام علیکم کہا مسلمانوں نے سمجھا کہ یہ بھی کافر ہے اپنی جان اور مال بچانے کی غرض سے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے اس لئے اسکو مار ڈالا اور اس کے مویشی اور اسباب سب لے لیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں کو تنبیہ اور تاکید فرمائی گئی کہ جب تم

جہاد کے لئے سفر کرو تو تحقیق سے کام لو بے سوچے سمجھے کام مت کرو جو تمہارے سامنے اسلام ظاہر کرے اس کے مسلمان ہونے کا ہرگز انکار مت کرو، اللہ تعالیٰ کے پاس بہت کچھ غنیمتیں ہیں، ایسے حقیر سامان پر نظر نہ کرنی چاہئے۔

کذلک کنتم من قبل تم ایسے ہی تھے اس سے پہلے یعنی اسلام سے پہلے دنیا کی غرض سے ناحق خون کیا کرتے تھے لیکن اب مسلمان ہو کر ہرگز ایسا نہ کرنا چاہئے بلکہ جس پر مسلمان ہونے کا احتمال بھی ہو تو اس کے قتل سے بچو یا یہ مطلب ہے کہ اس سے پہلے شروع زمانہ اسلام میں تم بھی کافروں کے شہر میں رہتے تھے تمہاری مستقل حکومت اور مستقل بود و باش نہ تھی تو جیسا اس حالت میں تمہارا اسلام معتبر سمجھا گیا اور تمہارے جان و مال کی حفاظت و رعایت کی گئی ایسا ہی اب تم کو بھی اسی طرح مسلمانوں کی رعایت و حفاظت لازم ہے بلا تحقیق ان کو قتل مت کرو احتیاط اور غور سے کام کرنا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

اندرونی عقائد جانچنے کی ضرورت نہیں

''اس آیت میں مسلمان اور کافر کے امتیاز کا قانون بتلایا جاتا ہے ورنہ قتل ناحق کی ایک یہ صورت بھی نکل آتی کہ صاحب ہم نے اسکو مسلمان نہیں سمجھا تھا اس لئے قتل کر دیا۔ لہٰذا حکم ہے کہ جو شخص تم پر اسلامی سلام کہہ دے وہ پورا مسلمان ہے اس کے اندرونی عقائد جانچنے کی تمہیں ضرورت نہیں''۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

فائدہ

اس آیت کریمہ میں مجاہدین کے لئے بہت اہم ہدایت ہے کہ وہ صرف قتل کرنے اور مارنے کو اپنا کام اور مشغلہ نہ بنالیں۔ تفسیر قرطبی میں بعض ایسے افراد کے واقعات لکھے ہیں جنہوں نے کسی شخص کے اسلام کا اقرار کرنے کے باوجود اسے قتل کر دیا تو جب خود مرے تو زمین نے انہیں قبول نہیں کیا جہاں دفنائے جاتے تھے زمین انہیں باہر پھینک دیتی تھی۔ اسلامی جہاد بہترین اخلاقی اصولوں سے بندھی ہوئی ایک جنگ ہے۔ اس لئے مجاہدین کو خوب تحقیق، تفتیش اور احتیاط سے اپنا اسلحہ استعمال کرنا چاہئے۔ اور بلا جواز خونریزی سے بہت زیادہ پرہیز کرنا چاہئے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

''اس زمانے میں چونکہ یہ مسئلہ وضاحت کے ساتھ نازل نہیں ہوا تھا اس لئے جن سے ابتدائی غلطی ہوئی انہیں صرف تنبیہ کی گئی اور توبہ کرائی گئی''۔ (مفہوم بیان القرآن و قرطبی)

نکتہ

جہاد میں لڑائی اور جنگ بھی ہوتی ہے اور گھمسان کی جنگ میں ایسی غلطیوں کے ہو جانے کا امکان رہتا ہے، اب ممکن ہے کہ سخت وعید سن کر کچھ لوگ گھروں میں بیٹھ رہیں اور جہاد چھوڑ دیں تو اگلی آیت میں مجاہدین کی عظیم الشان فضیلت بتا کر پھر جہاد کی ترغیب اور تاکید کو تازہ فرما دیا۔ (واللہ اعلم بالصواب) ☆☆☆

سُوْرَةُ النِّسَاۤءِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۹۵،۹۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ

مسلمانوں میں سے جو لوگ کسی عذر کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں اور

الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ

وہ جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان ومال سے جہاد کرتے ہیں دونوں برابر نہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے

الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ

بیٹھنے والوں پر جان ومال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ بڑھا دیا ہے

وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى

اگرچہ ہر ایک سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے لڑنے والوں کو

الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ

بیٹھنے والوں سے اجر عظیم میں زیادہ کیا ہے۔ ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑے درجے ہیں اور مغفرت اور رحمت ہے

وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾

اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا رحم کرنے والا ہے

خلاصہ

وہ مسلمان جو بغیر کسی عذر کے گھروں میں بیٹھے رہیں اور جہاد میں شریک نہ ہوں وہ اپنی جان اور مال سے جہاد کرنے والے مجاہدین کے برابر نہیں ہوسکتے۔ اللہ تعالیٰ نے جان ومال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ گھر بیٹھ رہنے والوں سے بہت بڑھا دیا ہے۔ اگرچہ ہر ایک (ایمان والے نیکوکار) سے اللہ تعالیٰ نے بھلائی کا وعدہ کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر اجر عظیم میں فضیلت دی ہے، ان مجاہدین کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑے درجے ہیں اور مغفرت اور رحمت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

اقوال وحوالے

۱ مجاہدین کی واضح فضیلت:

"(غلطی سے قتل کرنے پر جب تنبیہ نازل ہوئی تو) اس سے کسی قدر مسلمانوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہو کہ گھر بیٹھ کر عبادت وریاضت کرنا ہی بہتر ہے کیونکہ اس میں ایسی بات پیش نہیں آتی۔ مگر خدا تعالیٰ کو تو دنیا میں آسمانی

سلطنت (کہ جس کی خبر انبیاء دیتے آئے ہیں) قائم کر کے دنیا کو بدی اور شرک سے پاک کرنا تھا اور یہ بات بغیر لشکر مجاہدین کے عالم اسباب میں ممکن نہ تھی اس لئے یہاں فرمادیا کہ بغیر ضرر یعنی مرض کے جو لوگ گھر میں بیٹھے رہتے ہیں وہ ان لوگوں کے برابر نہیں جو اپنے مال و جان سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔ اس سے نفی مساوات کی تو ہوئی مگر مجاہدین کی بھی فضیلت بیان ہوئی تھی اس لئے فضل اللہ المجاھدین ...... الخ فرمایا کہ جو بغیر عذر کے گھر بیٹھ رہے ہیں ان کا تو کیا ذکر ہے مگر جو عذر سے بھی بیٹھتے ہیں ان پر بھی خدا نے اپنی راہ میں مال اور جان سے جہاد کرنے والوں کو درجہ میں فضیلت دی ہے مگر چونکہ عذر والے بھی دل میں اس کی نیت رکھتے ہیں صرف ناچاری (یعنی مجبوری) سے شریک نہیں ہو سکتے اس لئے ان کے لئے بھی خدا نے بہتری یعنی جنت و مغفرت کا وعدہ کیا، چنانچہ ترمذی نے روایت کی ہے کہ جب لایستوی القاعدون ...... الخ نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جو نابینا تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر رونے لگے کہ یا حضرت! مجھے کیا حکم ہے؟ تب غیر اولی الضرر نازل ہوا اور کلا وعد اللہ الحسنیٰ سے ان کو بھی بوجہ نیت کے شریک کیا گیا مگر چونکہ مجاہدین ایک بھاری کام میں مصروف ہیں اور جان و مال کو اللہ تعالیٰ پر قربان کر رہے ہیں اس لئے ان کو مخصوص کر کے فرمایا وفضل اللہ المجاھدین علی القاعدین اجرا عظیما پھر اس اجر عظیم کی تفصیل فرماتا ہے درجت منه ومغفرة ورحمة کہ خدا نے ان کو جنت کے درجات اور مغفرت مخصوصہ (یعنی خاص مغفرت) میں کہ جو وہاں کی فرحت ابدی (یعنی ہمیشہ کی خوشی) ہے اور رحمت مخصوصہ (یعنی خاص رحمت) میں جو اس کے دیدار کی تجلی ہے خاص کر لیا ہے۔ مگر پھر اور ریاضت و عبادت والوں کی طرف بھی اشارہ کر کے وکان اللہ غفورا رحیما فرمادیا۔" (تفسیر حقانی)

۲ تین طبقے:

"خروج الی القتال کے اعتبار سے مسلمانوں کی چار قسمیں ہیں، تین قسمیں اس آیت میں مذکور ہیں قاعد، مجاهد، اولی الضرر۔ قاعد جو جنگ میں جانے کے لئے تیار ہیں لیکن روانگی کا حکم نہیں ملا۔ مجاهد جو میدان جنگ میں مال و جان قربان کر رہے ہیں اولی الضرر معذور جو جنگ میں جانے کے قابل ہی نہیں ہیں۔ ان مخلصین میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کارکردگی کے لحاظ سے درجات مغفرت اور رحمت عطاء فرمائے گا۔" (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

۳ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے:

"اس سے پہلے مسلمانوں کو نادانستگی اور چوک (بھول) سے قتل کر دینے پر عتاب اور تنبیہ فرمائی تھی اس لئے یہ احتمال تھا کہ کوئی جہاد کرنے سے رک جائے کیونکہ مجاہدین کو ایسی صورت پیش آ ہی جاتی ہے اس لئے مجاہدین کی فضیلت بیان فرما کر جہاد کی رغبت دلائی گئی، خلاصہ آیت کا یہ ہے کہ لنگڑے، لنجے، اندھے، بیمار معذور لوگوں کو تو جہاد کرنے کا حکم نہیں باقی سب مسلمانوں میں جہاد کرنے والوں کے بڑے درجے ہیں جو جہاد نہ کرنے والوں کے نہیں اگرچہ جنتی وہ

بھی ہیں جو جہاد نہیں کرتے اس سے معلوم ہو گیا کہ جہاد فرض کفایہ ہے۔ فرض عین نہیں یعنی اگر مسلمانوں کی کافی مقدار اور ضرورت کے موافق جماعت جہاد کرتی رہے تو جہاد نہ کرنے والوں پر کوئی گناہ نہیں ورنہ سب گناہگار ہوں گے۔ یعنی حق تعالیٰ غفور ورحیم ہے جہاد کرنے والوں کے بارے میں اجر ومغفرت ورحمت کے جو وعدے فرمائے ہیں وہ ضرور پورے فرمائے گا یا یہ کہ مجاہد کے ہاتھ سے نادانستگی میں اگر مسلمان قتل ہو گیا تو حق تعالیٰ معاف فرما دے گا اس اندیشہ سے جہاد سے مت رکو۔" (تفسیر عثمانی)

فائدہ

عربی مفسرین نے بھی کم وبیش یہی باتیں لکھی ہیں، امام قرطبی رحمہ اللہ نے اس مسئلے پر بحث کی ہے کہ جو شخص جہاد میں جانے کی پختہ نیت رکھتا ہے مگر کسی عذر نے اسے زبردستی روک لیا ہے تو یہ شخص اور میدان میں لڑنے والا مجاہد اجر میں برابر ہیں یا نہیں۔ دونوں طرح کے اقوال ودلائل کے بعد خود امام قرطبی رحمہ اللہ کا رجحان اجر میں برابری کی طرف ہے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے درجات منه سے جہاد کے دوران جو اعمال کئے جاتے ہیں ان کی طرف اشارہ کیا ہے کہ بھوک، پیاس، چلنا، بڑھنا، حملہ کرنا اور بے شمار نیک اعمال (جن میں سے بعض کا تذکرہ سورۃ براءۃ میں ہے) مجاہدین سے صادر ہوتے ہیں تو ان اعمال کے جو اونچے درجات ہیں وہ صرف عملی جہاد سے ہی مل سکتے ہیں۔ امام قرطبی رحمہ اللہ اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تحقیق کو ملا دیا جائے تو مسئلہ اور آیت کا مفہوم بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ امام قرطبی رحمہ اللہ نے بخاری کے حوالے سے وہ حدیث بھی ذکر کی ہے جس میں مجاہدین کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کے سو اونچے درجے تیار کرنے کا تذکرہ ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

تفسیر عثمانی کی عبارت جو حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے کلام کی تسہیل ہے میں فرمایا گیا کہ جہاد فرض کفایہ ہے۔ یعنی عام حالات میں جہاد فرض کفایہ ہے جبکہ چار صورتوں میں یہ فرض عین ہو جاتا ہے۔ خصوصاً کفار کے حملے اور قبضے کی صورت میں یہ سب پر فرض عین ہو جاتا ہے۔ اور جب تک جہاد فرض کفایہ رہتا ہے اس وقت تک بھی اتنا جہاد ضروری ہے جو امت کے لئے کافی ہو۔ اب جو حالات ہیں ان میں ان ضروری باتوں کی طرف غور نہیں کیا جا رہا، جس کی وجہ سے امت کا اکثر حصہ جہاد کے فریضہ اور نعمت سے محروم ہو رہا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۹۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا

بے شک جو لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کر رہے تھے ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ

فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا

تم کس حال میں تھے انہوں نے جواب دیا ہم اس ملک میں بے بس تھے فرشتوں نے کہا

اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُھَاجِرُوْا فِيْھَا ۭ فَاُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىھُمْ

کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے سو ایسوں کا ٹھکانا

جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ۹۷

دوزخ ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے

خلاصہ

وہ لوگ جنہوں نے ہجرت اور جہاد چھوڑ کر کافروں کا ساتھ دیا اور اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ جب فرشتوں نے ان کی روح قبض کی تو ان سے پوچھا کہ تم کس حال میں تھے (اور تم نے دینی فرائض کیوں چھوڑے؟) انہوں نے جواب دیا کہ ہم تو زمین میں بے بس اور مجبور تھے، فرشتوں نے کہا کیا اللہ تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے۔ ایسے ظالم لوگ جہنم میں ڈالے جائیں گے۔

ربط

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اعلم انه تعالىٰ لما ذكر ثواب من أقدم على الجهاد أتبعه بعقاب من قعد عنه ورضى بالسكون فى دار الكفر.

یعنی جب اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کے اجر وثواب کا ذکر فرمایا تو اس کے بعد ان لوگوں کی سزا ذکر فرمائی جو جہاد سے بیٹھے رہے اور دارالکفر میں رہنے پر راضی رہے۔ (التفسیر الکبیر)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”اوپر وجوب جہاد کا ذکر تھا آگے وجوب ہجرت کا ذکر ہے مناسبت دونوں میں ظاہر ہے کہ دونوں سے غرض اقامت دین ہے البتہ ایک میں شر کفار کا دفع عام ہے یعنی سب اہل دین سے اور دوسرے میں شر کفار کا دفع خاص ہے یعنی اپنی

ذات سے۔“(بیان القرآن)

یہ سخت وعید کس کیلئے ہے؟

یہ وعید ان لوگوں کے لئے ہے جو اپنی ”بے بسی“ اور ”مجبوری“ کا بہانہ بنا کر مسلمانوں کے لئے کمزوری اور کافروں کے لئے قوت کا باعث بنتے ہیں، اور دار الکفر میں رہنے کی وجہ سے جہاد وغیرہ اسلامی فرائض سے محروم رہتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے چند عبارتیں:

① کافروں کا ساتھ دینے والے:

المراد بها جماعة من اهل مكة كانو اقداسلموا واظهرواللنبی صلی الله علیه وسلم الایمان به فلما هاجر النبی صلی الله علیه وسلم اقاموامع قومهم وفتن منهم جماعة فافتتنوا فلما كان امر بدر خرج منهم قوم مع الكفار۔ (قرطبی)

یہ مکہ کے کچھ لوگ تھے جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسلمان ہوگئے تھے، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو یہ لوگ اپنی قوم کے ساتھ مکہ میں ٹھہرے رہے، جب ان میں سے بعض پر آزمائشیں آئیں تو وہ گمراہ ہوگئے، اور بدر میں مسلمانوں کے خلاف مشرکین کے ساتھ نکلے۔

② مشرکین کی تعداد بڑھانے والے:

اخبرنی ابن عباس ان ناساً من المسلمین كانوا مع المشركين يكثرون سواد المشركين علىٰ عهد رسول الله صلی الله علیه وسلم يأتی السهم فيرمی به فيصيب احدهم فيقتله او يضرب فيقتل فانزل الله تعالىٰ ان الذين توفّٰهم الملٰٓئكة ...... الآية۔ (قرطبی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں بعض مسلمان مشرکین کے ساتھ رہتے تھے اور جنگوں میں ان کی تعداد بڑھاتے تھے (یعنی جنگ میں آجاتے تھے مگر مسلمانوں کے خلاف لڑتے نہیں تھے) پھر ان میں سے کوئی تیر وغیرہ لگنے سے مارا جاتا تھا تو اللہ پاک نے یہ آیت نازل فرمائی:

ان الذين توفّٰهم الملٰٓئكة ...... الآية۔

③ کافروں کی امداد کرنے والے:

مسلمانوں کی چوتھی قسم (کا بیان ہے) جس نے جہاد میں مسلمانوں کے ساتھ شرکت نہیں کی بلکہ کفار کو امداد دی۔

(حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

پہلے تین قسمیں قاعد، مجاهد، اور اولی الضرر گذر چکی ہے۔

④ کافروں کے دباؤ میں جہاد چھوڑنے والے:

بعضے مسلمان ایسے بھی ہیں کہ دل سے تو سچے مسلمان ہیں مگر کافروں کی حکومت میں ہیں اور ان سے مغلوب ہیں

اور کافروں کے خوف سے اسلامی باتوں کو کھل کر نہیں کر سکتے نہ حکم جہاد کی تکمیل کر سکتے ہیں سو ان پر فرض ہے کہ وہاں سے ہجرت کریں، اس رکوع میں اسی کا ذکر ہے آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جو لوگ اپنے اوپر ظلم کرتے ہیں یعنی کافروں کے ساتھ مل رہے ہیں اور ہجرت نہیں کرتے تو فرشتے ان سے مرنے کے وقت پوچھتے ہیں کہ تم کس دین پر تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم تو مسلمان تھے، مگر بوجہ ضعف و کمزوری کے دین کی باتیں نہ کر سکتے تھے، فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی زمین تو بہت وسیع تھی تم یہ تو کر سکتے تھے کہ وہاں سے ہجرت کر جاتے تو ایسوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔ (تفسیر عثمانی)

❺ دینی فرائض پر پابندی ہو تو ہجرت فرض ہے:

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

”اس سے معلوم ہوا کہ جس ملک میں مسلمان کھلا نہ رہ سکے وہاں سے ہجرت فرض ہے۔“ (موضح القرآن)

”فقہاء نے لکھا ہے کہ جب ایک ملک میں رہ کر فرائض دین پوری طرح نہ ادا ہو سکتے ہوں اور یہ معلوم ہو کہ کوئی دوسرا ملک ہے جہاں فرائض دین ادا ہو سکتے ہیں تو پہلے سے دوسرے ملک کی طرف ہجرت واجب ہو جاتی ہے۔ والآية تدل علىٰ ان من لم يمكن اقامة دينه فی بلده كمايجب وعلم انه يمكن من اقامته فی غيره حقت عليه المهاجرة۔ (مدارك)

هذا يدل على الخروج من ارض الشرك الى اى ارض كانت من أرض الاسلام (جصاص)“ (تفسیر ماجدی)

خلاصہ

حضرات مفسرین کی ان تمام عبارتوں سے اس ”جرم“ کا نقشہ واضح ہو جاتا ہے جس پر اتنی سخت وعید نازل ہوئی ہے۔ اسلام دنیا میں غالب ہونے کے لئے آیا ہے، اس لئے کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ اپنے ذاتی مفاد اور آرام کے لئے اسلام اور اسلامی احکامات کو کافروں کے سامنے مغلوب اور رسوا کرے یا اپنی جان بچانے کے لیے مسلمانوں کے خلاف کافروں کا ساتھ دے۔ یا کافروں کے دباؤ یا ان کی خوشنودی کے لئے جہاد سمیت کسی اسلامی فریضہ کو ترک کرے۔ پس جو کوئی ایسا کرے گا وہ اپنی جان پر ظلم کرنے والا ہوگا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب دین اور جہاد کی خاطر ضرورت کے وقت وطن چھوڑنا لازم ہے تو پھر اپنی نوکری، یا روزی کو مجبوری قرار دیکر کافروں کا ساتھ دینا کس طرح سے جائز ہو سکتا ہے؟ (واللہ اعلم بالصواب)

قربانی ضروری ہے

”ہجرت کوئی سفر تجارت ہے کہ مال کے ساتھ اور آسانیوں کے ساتھ گھر سے نکل جائیں اور پھر واپس آ جائیں یہ تو ایک مشکل چیز ہے، دین ایمان کو بچانے کے لئے گھر بار، زمین و جائیداد کو چھوڑنا پڑتا ہے وطن کو مستقل طور پر خیر باد کر دیا جاتا ہے پھر دشمن بھی نکلنے نہیں دیتے۔ موقع لگ گیا تو آل و اولاد کو ساتھ لے لیا ورنہ ان کو چھوڑنا پڑتا ہے۔

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ابتدائے اسلام میں جو ہجرتیں کی ہیں ان کے دردناک واقعات کتابوں میں موجود ہیں۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے یار غار حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ آل واولاد کو چھوڑ کر مدینہ منورہ روانہ ہوئے دونوں کے متعلقین مکہ ہی میں رہے بعد میں وہ حضرات بھی آگئے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کو مکہ معظمہ ہی میں اپنے شوہر کے ساتھ رہنا پڑا جب ہجرت کرنے کے ارادہ سے تشریف لانے لگیں تو ایک کافر نے بطن مبارک پر لات ماری جس سے حمل ساقط ہوگیا۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پہلے شوہر حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ ہجرت کے ارادہ سے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا اور اپنے بیٹے سلمہ کو اونٹ پر بٹھا کر نکلے مکہ والے آڑے آگئے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر والوں نے حضرت ام سلمہ کو روک لیا پھر ابوسلمہ کے گھر والے آئے اور ان کے بیٹے سلمہ کو لے کر چلے گئے اس طرح تینوں میں جدائی ہوگئی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں صبح سے شام تک روتی رہتی تھی، (پھر کچھ عرصہ بعد بیٹے کے ساتھ ہجرت کا موقع مل گیا)“ (انوار البیان)

الٹا راستہ

”آجکل تو لوگ الٹی راہ پر چل رہے ہیں اچھے خاصے دینی ماحول سے نکل کر دنیا کمانے کے لئے یورپ، امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا جا جا کر بس رہے ہیں اور وہاں اپنے دین وایمان کا خون کر رہے ہیں اور اپنی نسلوں کے لئے دین وایمان سے محرومی کا انتظام کر رہے ہیں۔“ (انوار البیان)

فائدہ

امام ابوحیان رحمہ اللہ نے ان پانچ افراد کے نام لکھے ہیں جو مسلمان تھے اور بدر کے دن مشرکین کی طرف سے آئے تھے اور مارے گئے تھے ملاحظہ فرمایئے: تفسیر البحر المحیط۔

سُوْرَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّة — آیت ۹۸،۹۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا

ہاں جو مرد اور عورتیں اور بچے واقعی کمزور ہیں

يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿۹۸﴾ فَأُولَٰئِكَ عَسَى

جو نکلنے کا کوئی ذریعہ اور راستہ نہیں پاتے۔ پس امید ہے کہ ایسوں کو

اللَّهُ أَنْ يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿۹۹﴾

اللہ تعالیٰ معاف کردے اور اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے

خلاصہ

لیکن جو مرد، عورتیں اور بچے واقعی کمزور ہیں اور ہجرت پر قادر نہیں ہیں۔ ان کے پاس نہ تو انتظام ہے اور نہ راستے کی واقفیت، تو ان کے لئے معافی ہے۔ (ان شاء اللہ)

اقوال وحوالے

یہ وہ مخلص حضرات ہیں جو ہجرت کے لئے بے چین تھے اور ہر وقت اس کی تاک میں رہتے تھے۔ مگر انہیں کوئی راستہ نہیں ملتا تھا۔ ابوحیان رحمہ اللہ ان میں سے بعض کے اسماء گرامی لکھتے ہیں۔

من الرجال جماعة كعياش بن ابی زمعه و سلمة بن هشام و الوليد بن الوليد رضى الله عنهم، یہ تو ہوئے مردوں میں سے۔

ومن النساء جماعة كأم الفضل امامة بنت الحارث ام عبد الله بن عباس رضى الله عنهن۔ یہ خواتین میں سے ہوئیں۔

ومن الولدان عبدالله بن عباس وغيره۔ یہ بچے تھے۔ (البحر المحیط)

حیلہ بازی نہ ہو تو معافی ہے

”وہ مسلمان مرد عورتیں اور بچے جو چارۂ کار (یعنی اسباب وغیرہ) میں بے بس ہوں اور سفر کی راہ نہ پائیں، دارالکفر کو چھوڑ کر ہجرت نہ کرنے کے الزام سے بری ہیں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں معاف کردے، لیکن حیلہ بازی کے لئے معافی کی کوئی صورت نہیں۔“ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

ایک اشکال کا جواب

جب ان حقیقی معذور لوگوں پر ہجرت فرض ہی نہیں تھی تو پھر معافی کا کیا مطلب ہے؟ معافی تو گناہ کے بعد ہوتی ہے امام رازی رحمہ اللہ اور دیگر مفسرین نے اس اشکال کے جو جوابات دیئے ہیں ان کا خلاصہ ان دو عبارتوں میں ملاحظہ فرمائیں:

❶ "صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ اس میں یہ بتایا ہے کہ ہجرت کا چھوڑ دینا بڑے خطرہ کی چیز ہے یہاں تک کہ مجبور حال جس پر ہجرت فرض نہیں اس کا ہجرت چھوڑ دینا بھی اسی درجے میں ہے کہ اسکو گناہ شمار کرلیا جائے کیونکہ معافی گناہ سے متعلق ہوتی ہے ایسے مجبور حال کو بھی چاہئے کہ موقعہ کی تلاش میں رہے اور اس کا دل ہجرت کے خیال میں لگا رہے جیسے ہی موقعہ ملے روانہ ہو جائے۔" (انوار البیان)

❷ "مفسر تھانوی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ عدم ہجرت کا گناہ فی الاصل اس قدر سخت ہے کہ غفوراً لاکر ادھر اشارہ کردیا گیا ہے کہ باوجود عذر موجود ہونے اور اس کے گناہ نہ ہونے کے مشابہ اس کے ہے کہ گناہ ہوا، اگرچہ معاف بھی کردیا ہے۔" (تفسیر ماجدی)

ان دونوں عبارتوں میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ البتہ امام رازی رحمہ اللہ نے اس طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ممکن ہے ایک شخص خود کو ہجرت سے معذور اور مجبور سمجھے مگر حقیقت میں ایسا نہ ہو۔ بلکہ اس شخص کے دل پر وطن کا شوق اور ہجرت کی شدید مشکلات کا ڈر غالب ہو اور وہ خود کو معذور سمجھ رہا ہو۔ اس لئے معافی کا لفظ لایا گیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

ان تین آیات اور ان کے بعد والی آیت میں ہجرت کا جو مضمون بیان ہوا ہے اس کا براہ راست تعلق جہاد کے ساتھ ہے۔ مسلمانوں کی مشرکین مکہ کے ساتھ لڑائی شروع ہو چکی تھی، ان حالات میں تمام مسلمانوں کا دار الاسلام مدینہ منورہ میں جمع ہونا ضروری تھا۔ بعض مسلمانوں کے دشمنوں کے درمیان رہنے کی وجہ سے جہاد میں کافی رکاوٹیں آرہی تھیں۔ اور بعض کمزور دل مسلمان مشرکین کا تعاون کر رہے تھے۔ اس لئے ان آیات میں مذکور جہادی مضامین بالکل واضح ہیں جو اس تالیف کا موضوع ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُورَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۰۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ

اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کی راہ میں وطن چھوڑے اس کے عوض زمین میں بہت جگہ اور کشادگی پائے گا

وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ

اور جو کوئی اپنے گھر سے اللہ تعالیٰ اور رسول کی طرف ہجرت کر کے نکلے پھر اس کو

الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۱۰۰

موت پالے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کا ثواب ہوچکا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے

خلاصہ

اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہجرت کرے گا تو اسے رہنے کے لئے بہت جگہ اور کشادہ روزی ملے گی۔ اور جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کیلئے نکلا پھر منزل پر پہنچنے سے پہلے اس کا انتقال ہوگیا تو اسے ہجرت کا پورا اجر ملے گا۔ (اور مغفرت اور رحمت بھی کہ) اللہ تعالیٰ غفور بھی ہے، رحیم بھی ہے۔

اقوال وحوالے

❶ دو خوف دو وعدے:

امام رازی رحمہ اللہ کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو ہجرت سے روکنے والی دو چیزیں ہوتی ہیں ایک اس بات کا خوف اور اندیشہ کہ نئی جگہ رہائش اور کھانے کی تنگی ہوگی اور دوسرا اس بات کا خوف کہ پتہ نہیں میں منزل تک پہنچوں گا یا نہیں؟ آیت کے پہلے حصے میں مہاجر فی سبیل اللہ کے لئے کھلی جگہ اور کھلی روزی کا سچا وعدہ فرمایا گیا اور دوسرے حصے میں یہ اعلان فرمادیا گیا کہ منزل تک پہنچے یا نہ پہنچے اس کا اجر پکا ہے۔ (التفسیر الکبیر)

❷ اجر عمل کا یا نیت کا؟

امام رازی رحمہ اللہ نے اس پر بحث فرمائی ہے کہ جو شخص کوئی عمل شروع کرکے اسے پورا کئے بغیر مرگیا۔ اسکو پورے عمل کا اجر ملے گا یا نیت کا؟ اس بحث کے آخر میں لکھتے ہیں:

واعلم أن القول الاول أولىٰ لانه تعالىٰ انماذكر هذه الاية ههنا فى معرض الترغيب فى الجهاد. (التفسير الكبير)

یعنی پہلا قول زیادہ بہتر ہے کہ اسے پورے عمل کا اجر ملے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کو ترغیب جہاد کے ضمن

میں ذکر کیا ہے۔ (اور ہجرت اور جہاد کی یہ ترغیب تب ہوگی جب راستے میں مرنے والے کے لئے بھی اس عمل کے پورے اجر کا اعلان ہوگا۔)

ایک ایمان افروز واقعہ

عن ابن جبیر انہانزلت فی جندب بن ضمرة وکان بلغه قول تعالیٰ ان الذین توفاهم الملائکة ظالمی انفسهم ۔الخ

حضرت ابن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ یہ آیت حضرت جندب بن ضمرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔اور وہ اس طرح کہ جب ان تک اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ان الذین توفاهم الملائکة ظالمی انفسهم پہنچا (جس میں ہجرت نہ کرنے والوں کے لئے سخت وعید ہے) وہ اس وقت مکہ میں تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے مسلمانوں تک یہ آیت مبارکہ بھجوادی تھی تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا مجھے ہجرت کے لئے سوار کردو کیونکہ نہ تو میں کمزور ہوں اور نہ راستے سے ناواقف اب میں ایک رات بھی مکہ میں نہیں گذار سکتا۔ان کے بیٹوں نے انہیں ایک چارپائی پر ڈال کر سوار کردیا اور مدینہ کی طرف روانہ کردیا وہ بہت بوڑھے تھے (تھوڑے ہی فاصلے پر) مقام تنعیم میں ان کا انتقال ہوگیا، جب موت کا وقت قریب آیا تو وہ اپنا دایاں ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ پر رکھتے تھے اور فرماتے تھے یا اللہ یہ (ہاتھ) آپکے لئے اور یہ (ہاتھ) آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے میں آپ سے اس چیز پر بیعت کرتا ہوں جس پر آپ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے بیعت کی ہے۔حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب ان کے انتقال کی خبر پہنچی تو فرمانے لگے کاش وہ مدینہ پہنچ کر انتقال فرماتے۔اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (کہ ان کا اجر تو پورا اور پکا ہوگیا ہے) (روح المعانی)

فائدہ

اسی آیت سے فقہاء اہل مدینہ نے یہ مسئلہ مستنبط فرمایا ہے۔

ان الغازی اذا مات فی الطریق وجب سهمه فی الغنيمة، کہ مجاہد اگر راستے میں انتقال کر جائے تو اس جنگ کے مال غنیمت میں سے اسے (یعنی اس کے ورثاء کو) حصہ ملے گا۔

علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

والصحیح ثبوت الاجر الاخروی فقط

یعنی صحیح قول یہ ہے کہ آیت سے آخرت ہی کا اجر ثابت ہورہا ہے (نہ کہ دنیا کی غنیمت) (روح المعانی)

ہجرت اور جہاد

”ان آیات سے معلوم ہوا کہ ہجرت اور جہاد دونوں کی شریعت اسلامیہ میں بڑی اہمیت ہے،ان دونوں کی برکات بھی بہت ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے ہجرت کرے گا،اس کو ضرور ہی کسی نہ کسی جگہ ٹھکانہ

مل جائے گا اوراس کو مالی کشائش بھی نصیب ہوگی، پردیس میں نیا نیا پہنچنے کی وجہ سے ابتداء کوئی تکلیف پہنچ جائے تو یہ اور بات ہے لیکن جلد ہی رحمت اور برکت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ظاہری و باطنی منافع ملنے لگتے ہیں اور معاش میں بھی فراوانی ہوجاتی ہے، حضرات صحابہ رضوان اللہ علیہم نے مکہ چھوڑ کر مدینہ منورہ کو ہجرت کی تھی چند سال بعد مکہ معظمہ بھی فتح ہوگیا، خیبر فتح ہوا بہت سے علاقے قبضے میں آئے بڑی بڑی جائیدادیں ملیں، اموال غنیمت ہاتھ آئے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مصر، شام، عراق فتح ہوئے جو حضرات مکہ میں مجبور و بے کس تھے ان کو بڑے بڑے اموال ملے۔ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ ہجرت اور جہاد سے کایا پلٹ جاتی ہے اور مسلمان نہ صرف یہ کہ ثوابِ آخرت کے اعتبار سے (جس کے برابر کوئی چیز نہیں ہوسکتی) بلکہ دنیاوی اعتبار سے بھی ہجرت اور جہاد کی وجہ سے عزت اور شرف اور کافروں پر غلبہ اور مالداری اور غلام اور باندیوں کی ملکیت کے اعتبار سے کامیاب اور فائز المرام ہوجاتے ہیں۔ (انوار البیان)

کلام برکت

اس آیت مبارکہ پر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کی تقریر لطیف کی تسہیل تفسیر عثمانی سے ملاحظہ فرمائیں:

''اس آیت میں ہجرت کی ترغیب ہے اور مہاجرین کو تسلی دی جاتی ہے، یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کے واسطے ہجرت کرے گا اور اپنا وطن چھوڑے گا تو اسکو رہنے کے لئے بہت جگہ ملے گی اور اس کی روزی اور معیشت میں فراخی ہوگی تو ہجرت کرنے میں اس سے مت ڈرو کہ کہاں رہیں گے اور کیا کھائیں گے، اور یہ بھی خطرہ نہ کرو کہ شاید رستہ میں موت آجائے تو ادھر کے ہوں نہ اُدھر کے کیونکہ اس صورت میں ہجرت کا پورا ثواب ملے گا اور موت تو اپنے وقت ہی پر آتی ہے وقت مقرر سے پہلے نہیں آسکتی۔'' (تفسیر عثمانی)

سُوۡرَةُ النِّسَاۗءِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۰۱

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

وَاِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِى الۡاَرۡضِ فَلَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَقۡصُرُوۡا

اور جب تم سفر کیلئے نکلو تو تم پر کوئی گناہ نہیں نماز میں سے

مِنَ الصَّلٰوةِ ‌ۖ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنَكُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا‌ ؕ اِنَّ

کچھ کم کردو اگر تمہیں یہ ڈر ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے بے شک

الۡكٰفِرِيۡنَ كَانُوۡا لَـكُمۡ عَدُوًّا مُّبِيۡنًا ﴿۱۰۱﴾

کافر تمہارے صریح دشمن ہیں

خلاصہ

جب تم جہاد وغیرہ کے لئے سفر کرو اور کافروں سے جو تمہارے صریح دشمن ہیں اس کا خوف ہو کہ وہ موقع پا کر ستائیں گے تو نماز کو مختصر رکھو، یعنی جو نماز حضر میں چار رکعت کی ہو اس کی دو رکعت پڑھو۔ (تفسیر عثمانی)

جہاد کا اعزاز

"غور کیجئے جب آدمی ہجرت اور جہاد کے ارادے سے نکلے تو سب سے بڑا فرض نماز ہے جس کے چھوڑنے سے آدمی کافر (خدا تعالیٰ کا نافرمان) ہو جاتا ہے اس میں بھی تخفیف کردی گئی ہے کہ چار رکعت سے دو کردی گئیں اور دوسرا یہ کہ جمع صوری جائز قرار دے دی گئی۔" (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

شرعی مسئلہ

"ہمارے ہاں سفر تین منزل (اڑتالیس میل یا ستتر کلومیٹر) کا ہونا ضروری ہے اس سے کم ہوگا تو قصر جائز نہ ہوگا اور کافروں کے ستانے کا ڈر اس وقت موجود تھا جب یہ حکم نازل ہوا، جب یہ ڈر جاتا رہا تو اس کے بعد بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں دو رکعت ہی پڑھتے رہے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی اسی کی تاکید فرمائی اب ہمیشہ سفر میں قصر کرنے کا حکم ہے خوف مذکور ہو یا نہ ہو اور اللہ تعالیٰ کا فضل ہے شکریہ کے ساتھ قبول کرنا لازم ہے جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے۔" (تفسیر عثمانی)

ربط آیت

"منجملہ اُن چیزوں کے کہ جن کی مجاہد کو جہاد میں احتیاج (یعنی ضرورت) ہے نماز کی کیفیت دریافت کرنا ہے کہ سفر میں کس طرح سے اور بوقت جنگ کیونکر (یعنی کیسے) ادا کرنی چاہئے اس لئے خدا تعالیٰ ان آیات میں صلوٰۃ قصر

وصلوٰۃ خوف کے متعلق مسائل بیان فرماتا ہے۔“ (تفسیر حقانی)

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اعلم ان أحد الامور التی یحتاج المجاهد الیها معرفة کیفیة اداء الصلوٰة فی زمان الخوف والا شتغال بمحاربة الاعداء۔ (التفسیر الکبیر)

سُورَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۰۲، ۱۰۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُم

اے نبی جب تو مسلمانوں میں موجود ہو اور انہیں نماز پڑھانے کیلئے کھڑا ہو تو چاہیے ان میں سے ایک جماعت

مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَائِكُمْ

تیرے ساتھ کھڑی ہو اور اپنے ہتھیار ساتھ لے لیں پھر جب یہ سجدہ کریں تو تیرے پیچھے سے ہٹ جائیں

وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا

اور دوسری جماعت آئے جس نے نماز نہیں پڑھی وہ تیرے ساتھ نماز پڑھے اور وہ بھی

حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ

اپنے بچاؤ اور ہتھیار ساتھ رکھیں کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم اپنے ہتھیاروں اور

أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَاحِدَةً وَلَا

اسباب سے بے خبر ہو جاؤ تاکہ تم پر یک بارگی ٹوٹ پڑیں اور اگر

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضٰى أَن

تم بارش کی وجہ سے تکلیف محسوس کرو یا بیمار ہو تو ہتھیار رکھ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں

تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ إِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْكٰفِرِينَ

اور (تب بھی) اپنا بچاؤ ساتھ رکھو بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں کیلئے ذلت کا

عَذَابًا مُّهِينًا ﴿۱۰۲﴾ فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّ

عذاب تیار کر رکھا ہے۔ پھر جب نماز سے فارغ ہوجاؤ تو اللہ تعالیٰ کو کھڑے اور بیٹھے اور

قُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِكُمْ فَإِذَا اطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ

لیٹے ہونے کی حالت میں یاد کرو پھر جب تمہیں اطمینان ہو جائے تو پوری نماز پڑھو

إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا ﴿۱۰۳﴾

بے شک نماز اپنے مقرر وقتوں میں مسلمانوں پر فرض ہے

خلاصہ

جہاد کے دوران جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسلامی لشکر میں موجود ہوں یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد

مسلمانوں کا شرعی امیر موجود ہو اور پورا لشکر ایک ہی امام کی اقتداء میں نماز ادا کرنا چاہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ لشکر کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ان میں سے ایک امام کے پیچھے نماز ادا کرے اور دوسرا دشمن کے مدمقابل رہے۔ جو مجاہد امام کے پیچھے نماز ادا کر رہے ہیں وہ بھی مسلح حالت میں نماز ادا کریں۔ ایک رکعت پوری ہونے کے بعد لشکر کا یہ حصہ دشمن کے مدمقابل چلا جائے اور دوسرا حصہ آ کر امام کے پیچھے نماز ادا کرے۔ مگر نماز کے دوران اپنا اسلحہ اور دفاع کا سامان ساتھ رکھے، کیونکہ کافر چاہتے ہیں کہ تم اپنے اسلحے اور سامان سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر اچانک حملہ کر دیں۔ لیکن اگر بارش یا بیماری وغیرہ کا کوئی عذر ہو تو اسلحہ اتار کر نماز ادا کر سکتے ہو مگر دفاع کا سامان تب بھی اپنے ساتھ رکھنا چاہئے۔ نماز ادا کرنے کے بعد تمام اہل لشکر کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر حال میں اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد میں لگے رہیں۔ اور جب سفر ختم ہو جائے تو نماز کو اس کے اصل قانون کے مطابق ادا کرو بے شک نماز مسلمانوں پر فرض ہے اور اس کے اوقات مقرر ہیں۔

شانِ نزول

"لباب النقول میں حضرت ابو عیاش زرقی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے بیان فرمایا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقام عسفان میں تھے سامنے سے مشرکین آ گئے جو خالد بن ولید کی سرکردگی میں تھے (وہ اب تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) یہ لوگ ایسی جگہ تھے جو ہمارے اور ہمارے قبلہ کے درمیان تھی، آنحضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز ظہر پڑھائی تو مشرکین کہنے لگے کہ ہم نے غلطی کی، جب یہ لوگ نماز پڑھ رہے تھے اس وقت ان پر حملہ کر دیتے ان کو تو ہمارے حملے کا خیال بھی نہ تھا۔ پھر کہنے لگے کہ ابھی ایک اور نماز آنے والی ہے۔ (یعنی نماز عصر) وہ نماز ان کو اپنے بیٹوں سے اور جانوں سے بھی زیادہ محبوب ہے۔ جب یہ لوگ آئندہ نماز میں مشغول ہو جائیں تو ان پر حملہ کر دیا جائے اس کے بعد حضرت جبرئیل علیہ السلام ظہر اور عصر کے درمیان یہ آیت لیکر نازل ہوئے" (انوار البیان)

امام قرطبی رحمہ اللہ نے بھی یہ روایت دار قطنی کے حوالے سے نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ یہی واقعہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کا سبب بنا۔ (القرطبی)

صلوٰۃ الخوف کا طریقہ

خلاصہ تفسیر میں صلوٰۃ الخوف کا وہ طریقہ آ گیا ہے جو آیت میں مذکور ہے۔ پہلی جماعت ایک رکعت ادا کر کے چلی جائے پھر دوسری جماعت ایک رکعت امام کے پیچھے ادا کر کے اپنی نماز یا تو پوری کر لے یا وہ بھی ایک رکعت ادا کر کے چلی جائے۔ پھر پہلی جماعت واپس آ کر دوسری رکعت ادا کر کے اپنی نماز مکمل کر لے۔ اور پھر دوسری جماعت (اگر اس نے اپنی نماز پوری نہ کی ہو تو) واپس آ کر اپنی نماز مکمل کر لے۔ صلوٰۃ الخوف کے متعلق حضرات مفسرین نے جو

احکامات جمع کئے ہیں ان میں سے چند ضروری احکام ملاحظہ فرمائیں:

❶ نماز خوف کئی طرح سے ثابت ہے امام ابوداؤد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ طریقے نقل کئے (ہیں) (انوار البیان)

❷ یہ ہر جماعت کو ایک ایک رکعت پڑھانا اس صورت میں ہے جب امام اور مقتدی مسافر ہوں اگر امام مقیم ہو تو ہر جماعت کو دو دو رکعتیں پڑھائے باقی رکعتیں وہ لوگ پوری کر لیں اگر نماز مغرب میں ایسا واقعہ پیش آئے تو پہلی جماعت کو دو رکعتیں اور دوسری جماعت کو ایک رکعت پڑھائے۔ نماز میں آنا جانا چونکہ حالتِ اضطرار کی وجہ سے اور شرعی اجازت سے ہے اس لئے اس سے نماز فاسد نہ ہوگی۔ (انوار البیان)

❸ اگر دشمنوں کے خوف سے اتنی مہلت بھی نہ ملے کہ نماز خوف بصورت مذکورہ ادا کر سکیں تو جماعت موقوف کر کے تنہا تنہا نماز پڑھ لیں پیادہ ہو کر اور سواری سے اترنے کا بھی موقع نہ ملے تو سواری پر اشارہ سے نماز پڑھ لیں اگر اس کی بھی مہلت نہ ملے پھر نماز کو قضاء کر دیں۔ (تفسیر عثمانی)

❹ جب نماز کے لئے کھڑے ہوں تو ہتھیار ساتھ رکھ لیں اگر مقابلہ کی ضرورت پڑ جائے تو ہتھیار لینے میں دیر نہ لگے اگرچہ قتال کرنے سے نماز ٹوٹ جائے گی لیکن دشمن کا دفاع کرنے کی وجہ سے نماز توڑنے کا گناہ نہ ہوگا۔ (انوار البیان)

دونوں باتیں اہم ہیں

صلوٰۃ الخوف وغیرہ کے احکامات سے بعض مفسرین حضرات نے جہاد کی فضیلت کو بیان فرمایا ہے کہ یہ کتنا اونچا اور ضروری عمل ہے کہ جس کی وجہ سے نماز جیسے فریضہ کے طریقے وغیرہ میں تخفیف کر دی گئی۔ تاکہ دوران جہاد جنگ میں غفلت اور کمی نہ رہ جائے۔ جبکہ بعض دوسرے مفسرین نے ان ہی احکامات سے نماز اور جماعت کی فضیلت کو بیان فرمایا ہے کہ جہاد جیسے مشکل اور ضروری کام میں بھی نماز اور اس کی جماعت کے احکامات بیان ہو رہے ہیں کہ مسلمان کو کسی حال میں بھی نماز اور جماعت سے غافل نہیں ہونا چاہئے۔

بے شک نماز بھی اسلام کا بے حد اہم فریضہ ہے اور جہاد بھی اسلام کا اہم فریضہ ہے۔ اللہ تعالیٰ امت میں تمام فرائض کو اور پورے دین کو زندہ فرمائے (آمین یا ارحم الراحمین)

جیسے ممکن ہو ذکر کرو

"فاذا قضیتم الصلوٰۃ یعنی جب نماز سے فراغت پاؤ تو ذکر الٰہی سے غافل نہ ہو جایا کرو بلکہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے اللہ کو یاد کیا کرو بعض کہتے ہیں اس سے مراد یہ ہے کہ اگر جنگ سخت ہو اور صلوٰۃ خوف کی بھی مہلت نہ ہو تو پھر جس حال میں ممکن ہو یاد الٰہی کر لو۔" (تفسیر حقانی)

"اللہ تعالیٰ کو یاد کرو حتیٰ کہ عین ہجوم (یعنی حملہ) اور مقاتلہ (یعنی جنگ) کے وقت بھی" (تفسیر عثمانی)

☆☆☆

سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۰۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ؕ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ

اور ان لوگوں کا پیچھا کرنے سے ہمت نہ ہارو اگر تم تکلیف اٹھاتے ہو تو وہ بھی تمہاری طرح

كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

تکلیف اٹھاتے ہیں حالانکہ تم اللہ تعالیٰ سے جس چیز کے امیدوار ہو وہ نہیں ہیں اور اللہ تعالیٰ

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾

سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے

خلاصہ

کفار کی جستجو اور ان کے تعاقب میں ہمت سے کام لو اور کوتاہی نہ کرو۔ اگر تم کو ان کی لڑائی سے زخم اور درد پہنچا ہے تو اس تکلیف میں تو وہ بھی شریک ہیں یعنی ان کو بھی زخم لگے ہیں اور آئندہ تم کو اللہ تعالیٰ سے وہ امیدیں ہیں جو ان کو نہیں یعنی دنیا میں کفار پر غلبہ اور آخرت میں ثواب عظیم اور اللہ تعالیٰ تمہارے مصالح اور تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے اس کا جو حکم ہے اس میں تمہارے لئے بڑے منافع (یعنی فائدے) اور حکمتیں ہیں دین اور دنیا دونوں کے لئے پس اس حکم کو پورا کرنا غنیمت اور بڑی نعمت سمجھو۔ (مفہوم عثمانی)

ربط

❶ اعلم انه تعالیٰ لما ذكر بعض الاحكام التى يحتاج المجاهد الى معرفتها عاد مرة اخرى الى الحث على الجهاد۔ (التفسير الكبير)

جب اللہ تعالیٰ نے ان بعض احکامات کو بیان فرمادیا جن کو جاننے کی مجاہد کو ضرورت تھی واپس جہاد کی ترغیب کی طرف رجوع فرمایا۔

❷ اس کے بعد پھر جہاد کی ترغیب دیتا ہے کہ تم سے اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت کا وعدہ کیا ہے اور اس سے تم کو وہ امید ہے جو کفار کو نہیں پھر کیوں ان کی لڑائی سے سستی کرتے ہو۔ (تفسیر حقانی)

اقوال وحوالے

❶ جہاد میں سستی ناجائز ہے:

"اوپر اصل مقصود ذکر جہاد کا تھا اور دوسرے مضامین اس کی مناسبت سے مذکور ہوگئے تھے آگے پھر جہاد ہی کے

متعلق مضمون ارشاد ہے کہ جہاد میں سستی ناجائز ہے۔" (بیان القرآن)

۲ سستی نہ کرو:

اور دشمنوں کے تعاقب میں سستی نہ کرو۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

۳ یہ حکم ہر جہاد میں ہے:

قیل نزلت فی حرب أحد حیث امر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالخروج فی آثار المشرکین وکان بالمسلمین جراحات وکان امر ان لا یخرج معہ الا من کان فی الوقعة۔ وقیل ہذا فی کل جہاد۔

یعنی ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت غزوہ احد کے موقع پر نازل ہوئی جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کا پیچھا کرنے کا حکم دیا اور مسلمان زخمی تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے ساتھ اس تعاقب میں وہی جائے جو جنگ احد میں شریک تھا۔ آیت کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ یہ حکم ہر جہاد میں ہے (کہ دشمن کا مقابلہ اور تعاقب کرنے میں کم ہمتی نہ دکھاؤ) (قرطبی)

۴ افسوس ہے اس پر!

"مقاصد کی راہ میں تکلیفیں اور محنتیں مؤمن کو بھی پیش آتی ہیں اور کافر کو بھی لیکن مؤمن کے لئے ان کا جھیلنا سہل ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے سامنے ایسی امیدیں رکھتا ہے جو کافر کو میسر نہیں وہ یقین رکھتا ہے کہ میں جو کچھ جھیل رہا ہوں حق کی راہ میں ہے اور میرے لئے دنیا میں بھی کامیابی ہے اور آخرت میں بھی۔ پھر افسوس اس مومن پر جو مقاصد حق کی راہ میں اتنا بھی نہ کر سکے جتنا ایک کافر ظلم و فساد کی راہ میں کرتا ہے۔" (ترجمان القرآن)

۵ تم محنت کے زیادہ حقدار ہو:

امام رازی رحمہ اللہ نے آیت کی تفسیر میں یہ وجد آفرین جملہ لکھا ہے

فاذا کانوا مع انکار ہم الحشر والنشر یجدون فی القتال فانتم ایہا المومنون المقرون بأن لکم فی ہذا الجہاد ثوابا عظیما وعلیکم فی ترکہ عقابا عظیما أولیٰ بأن تکونوا مجدین فی ہذا الجہاد۔

یعنی کفار قیامت کے حشر و نشر کے منکر ہیں مگر پھر بھی تمہارے ساتھ جنگ کرنے میں اتنی محنت اور کوشش کرتے ہیں۔ پس اے مسلمانو! تم تو حشر و نشر کے قائل ہو اور تم جانتے ہو کہ تمہارے لئے جہاد کرنے میں ثواب عظیم اور جہاد چھوڑنے میں سخت عذاب ہے۔ پس تم اس بات کے زیادہ حقدار ہو کہ تم جہاد میں خوب خوب محنت کرو۔ (التفسیر الکبیر)

فائدہ

اسلام اور کفر برابر نہیں ہو سکتے۔ مسلمان اور کافر برابر نہیں ہیں، مسلمان کی تکلیف اور کافر کی تکلیف برابر نہیں

ہے۔ جہاد میں تمہیں جو تکلیف پہنچتی ہے وہ اجر کا باعث ہے۔ اور کافر کو جو تکلیف پہنچتی ہے وہ بڑے عذاب سے پہلے چھوٹا عذاب ہے۔ دنیا میں کامیابی کا معیار راحت یا تکلیف نہیں۔ ایمان اور جہاد ہے۔ جسے ایمان اور جہاد مل گیا وہ کامیاب ہے۔ خواہ زخمی ہو یا شکست کھائے۔ اور جسے ایمان اور جہاد نصیب نہیں ہوا وہ ناکام ہے اگرچہ روئے زمین کا بادشاہ ہو۔ جہاد کے زخم مؤمن کے لئے قیامت کے دن گواہی دیں گے۔ اور ان سے ٹپکنے والا خون خوشبودار مشک بن جائے گا۔ پھر اے مسلمانو! کفار کا تعاقب کرنے میں کم ہمتی اور سستی کیوں؟ کفار کا تعاقب کر کے ان کو مارو اور بھگاؤ اور زمین کو ان کی قوت سے پاک کردو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُورَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۳۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۳۸﴾

منافقوں کو تو خوشخبری سنادے کہ ان کے واسطے دردناک عذاب ہے

خلاصہ

خود کو مسلمان کہنے کے باوجود مسلمانوں کے دشمنوں سے یاریاں کرنے والے اور ان کے ہاں عزت ڈھونڈنے والے منافقین کو خوشخبری سنادی جائے کہ ان کے لئے دردناک عذاب تیار ہے۔

فائدہ

ان ”منافقین“ کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے جنہوں نے اسلامی جماعت اور اسلامی جہاد کو نقصان پہنچانے کی بھرپور کوشش کی۔ منافقین کا یہ طبقہ جہاد کا دشمن ہے۔ یہ لوگ کس وجہ سے منافق بنے؟ ان کے مقاصد کیا ہیں؟ ان کا انجام کیا ہے؟ جہاد کی فتح اور شکست کے وقت ان کا دہرا طرز عمل کیا ہوتا ہے؟ نفاق اور منافقین سے بچنے کا طریقہ کیا ہے؟ منافق کی توبہ کن شرطوں کے ساتھ قبول ہوتی ہے؟ یہ تمام اہم جہادی مضامین سورۃ النساء کی آیت ۱۳۸ تا ۱۴۷ میں بیان ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کی صفوں میں منافق صفت لوگ تو ہر زمانے میں موجود ہوتے ہیں۔ مگر ان کی پھرتیاں اور زیادہ نقصانات اس وقت سامنے آتے ہیں جب مسلمانوں کا کافروں سے جہاد شروع ہوتا ہے۔ اور اس میں مسلمانوں کو ظاہری شکست ہو جاتی ہے۔ تب منافق کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔ وہ فوراً کافروں کی گود میں جا گرتے ہیں۔ وہ اسلام اور جہاد کے خلاف وساوس پھیلاتے ہیں۔ اور اپنے بچاؤ اور دنیاوی مفادات کے لئے ہر گری ہوئی غیر اسلامی حرکت کر گزرتے ہیں۔

ان آیات کو بہت غور، فکر اور توجہ سے پڑھنے کی ضرورت ہے، تاکہ نفاق کے مرض، اسباب اور اثرات سے اپنے دل کو پاک رکھنے کی محنت کی جاسکے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

”بشر المنافقین“ تبشیر کے معنیٰ ہمیشہ خوشخبری ہی کے نہیں ہوتے، لغت میں عام ہے ہر ایسی خبر کے لئے جس کا اثر چہرہ سے ظاہر ہونے لگے۔

التبشير الاخبار بما يظهر اثره علىٰ البشرة. (قرطبی)

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بشارت یہاں طنز و زجر کے معنیٰ میں ہو، اور عرب ایسے موقع پر ایسا ہی استعمال کرتے ہیں۔

قوله بشر تهكم بهم، والعرب تقول ،تحيتك الضرب وعتابك السيف. (كبير) ومن ذلك قول الشاعر

تحية بينهم ضرب وجيعٌ

اردو میں تو طنزیہ موقع پر کہتے ہیں، لو! اب اپنا انعام لو۔ لو، اب تو مزہ پایا۔ اب دیکھو اپنا تماشہ۔" (تفسیر ماجدی)

یہ بے استقلالی کا نتیجہ ہے

بے استقلالی کا پہلا نتیجہ نفاق ہے اور نفاق کی سزا عذاب الیم ہوگی۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

سُوْرَۃُ النِّسَآءِ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۱۳۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِلَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ

وہ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست بناتے ہیں

اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّۃَ فَاِنَّ الْعِزَّۃَ لِلّٰہِ جَمِیْعًا ﴿۱۳۹﴾

کیا ان کے ہاں سے عزت چاہتے ہیں سو ساری عزت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضے میں ہے

خلاصہ

منافق لوگ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں ان کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کا یہ خیال کہ کافروں کی دوستی کے ذریعہ ہم کو دنیا میں عزت ملے گی بالکل غلط ہے۔ سب عزت اللہ تعالیٰ کے واسطے ہے جو اس کی اطاعت کرے گا اس کو عزت ملے گی خلاصہ یہ ہوا کہ ایسے لوگ دنیا اور آخرت دونوں میں ذلیل وخوار رہیں گے۔ (مفہوم عثمانی)

عزت کا شوق

بالکل وضاحت سے معلوم ہوگیا کہ عزت کے شوق نے ان لوگوں کو کافروں کی یاری پر آمادہ کیا۔ عزت سے مراد دنیاوی مقام بھی ہے اور امن وغلبہ بھی۔ یعنی چونکہ ان لوگوں کا مقصود صرف دنیا کی زندگی تھی، اور انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ اس زندگی کے امن، عیش، آرام اور حفاظت کے لئے انہیں کافروں سے ہی مدد مل سکتی ہے چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات اور اپنے دعوئ اسلام کو بھلا کر کافروں کی یاری میں لگ گئے تاکہ انہیں حفاظت ملے اور باعزت مقام۔

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

العزۃ ای الغلبۃ کہ عزت سے مراد غلبہ ہے۔ یعنی یہ لوگ کافروں کی طاقت سے مرعوب تھے اور انہیں خطرہ تھا کہ اگر ہم نے مسلمانوں کا ساتھ دیا اور ان کافروں سے دشمنی کی تو ہم مارے جائیں گے۔ اس لئے ہمیں ان سے بنا کر رکھنی چاہئے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ بہت وضاحت سے لکھتے ہیں:

”منافقین کا ملنا کفار سے اس غرض سے تھا کہ مسلمانوں کے اس طرح غالب آنے کی ان کو توقع نہ تھی یہ سوچتے تھے کہ ہمیشہ تو رہنا ہوگا ان یہود یا مشرکین کے ساتھ ان سے بگاڑ کیوں کریں؟ (بیان القرآن)

صاحب تفسیر حقانی لکھتے ہیں:

”بشر المنافقین الخ اس میں منافقین کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جو دنیا کے مقابلہ میں دین کی کچھ بھی پروا نہیں کرتے کبھی کرسٹان (کرسچن) کبھی مسلمان الذین یتخذون الکافرین اولیاء ...... الخ میں ان

منافقوں کا شیوہ بیان فرماتا ہے کہ وہ کفار و مشرکین کا جاہ و حشم (یعنی رعب، داب، قوت اور ہیبت) دیکھ کر ان سے جا ملتے ہیں اور ان کو اس لئے یار بناتے ہیں کہ ہم کو عزت و شوکت حاصل ہوگی، مدینہ کے منافق ایسا کیا کرتے تھے یہود کے پاس جا کر اسلام سے نفرت اور اس پر تمسخر کرتے تھے جیسا کہ آگے آتا ہے اور اس سے مقصد یہ تھا کہ ان باتوں سے یہ مخالفین ہم کو اپنا سچا دوست سمجھ کر ہماری عزت کیا کریں گے۔" (تفسیر حقانی)

مخالفت پورے اسلام کی ہو یا اسلام کے کسی ایک فریضے کی۔ کافروں کے ہاں عزت پانے کے شوق میں ان سے یاریاں کرنا اور انہیں یہ باور کرانا کہ ہم تمہارے سچے اور وفادار دوست ہیں کبھی مسلمانوں کا شیوہ نہیں ہو سکتا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ساری عزت اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہے

"کیا (یہ منافق) کافروں کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں، عزت تو ساری اللہ ہی کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ خود عزیز ہے وہ جس کو چاہے عزت دے اور جس کو چاہے ذلت دے۔ کافروں کی ذرا سی مال و جائیداد اور جتھہ کی جو عزت نظر آ رہی ہے اس کی کچھ حیثیت نہیں، اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جو عزت دے گا اس کے سامنے یہ کچھ بھی نہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو عزت دی وہ سب کافر ذلیل ہوئے جنہوں نے ایمان قبول نہیں کیا اور منافقین نے بھی ان کے ساتھ ذلت اٹھائی۔ کافر زیر ہوتے چلے گئے اور اہل اسلام کا غلبہ ہوتا گیا اور ممالک فتح ہوتے چلے گئے یہ تو دنیا میں ہوا اور آخرت میں تو ہر کافر کے لئے "عذاب مھین" (ذلیل کرنے والا عذاب) مقرر ہے ہی۔ دنیا میں جو اب مسلمانوں کی بدحالی ہے وہ اس لئے ہے کہ عمومی طور پر مسلمانوں نے ایمان کے تقاضوں کو اور ایمان کے مطالبات کو چھوڑ دیا ہے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اسلام کو سب سے بڑی عزت سمجھے اور اللہ تعالیٰ ہی سے عزت مانگے اور مسلمانوں کی دوستی ہی میں عزت سمجھے، مسلمان ہوتے ہوئے کافروں سے دوستی کرنے میں یا ان کے افعال و اخلاق اختیار کرنے میں یا ان کی شکل و صورت اور وضع قطع اختیار کرنے میں عزت نہ سمجھے، جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں ذلیل ہیں ان کے ساتھ یا ان جیسا ہونے میں عزت نہیں ہے۔" (انوار البیان)

کافروں کا لباس اور فیشن

"فقہاء نے آیت سے (یہ مسئلہ) نکالا ہے کہ منکروں اور کافروں سے بلاضرورت میل جول، خلا ملا، ان کی وضع قطع بلاضرورت بنانا، ان کا فیشن اختیار کرنا، ان کے لباس، تمدن و معاشرت کو فخر و عزت کی چیز سمجھنا، سب داخل نفاق ہے۔" (تفسیر ماجدی)

نفاق سے حفاظت

نفاق سے حفاظت کے چند طریقے معلوم ہو گئے۔

❶ کافروں سے یاری نہ کی جائے۔

❷ کافروں کی طاقت اور دنیاوی ترقی سے مرعوب نہ ہوا جائے۔

❸ کافروں کو معزز نہ سمجھا جائے۔

❹ عزت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اس بات کا پختہ عقیدہ رکھا جائے۔

❺ دنیاوی عزت کے شوق میں مبتلا ہونے کی بجائے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہونے کی فکر اپنے دل میں پیدا کی جائے۔(واللہ اعلم بالصواب)

جہاد فی سبیل اللہ ان تمام طریقوں کا جامع ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

بے استقلالی کے دو اور برے نتیجے

دوسرا نتیجہ یہ نکلے گا کہ یہ لوگ بجائے مؤمنوں کے دشمنانِ اسلام سے دوستی رکھیں گے۔(أیبتغون) تیسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ کفار سے عزت کے خواہاں ہوں گے۔(حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

سُورَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّة آیت ۱۴۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۱۴۰

اور اللہ تعالیٰ نے تم پر قرآن میں حکم اتارا ہے کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر انکار اور مذاق ہوتا سنو تو ان کے ساتھ نہ بیٹھو یہاں تک کہ کسی دوسری بات میں مشغول ہوں ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں کو جہنم میں ایک ہی جگہ اکٹھا کرنے والا ہے

خلاصہ

اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ پہلے قرآن شریف میں تم پر حکم بھیج چکا ہے کہ جس مجلس میں اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار اور تمسخر کیا جاتا ہو وہاں ہرگز نہ بیٹھو ورنہ تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے۔

ایک اہم حکم

اس سے معلوم ہو گیا کہ جو شخص مجلس میں اپنے دین پر طعنہ اور عیب سنے اور پھر انہی میں بیٹھا سنا کرے (یعنی دین اور اس کے احکامات کے خلاف باتیں سنتا رہے) اگرچہ آپ (یعنی خود) کچھ نہ کہے (تو) وہ منافق ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بے استقلالی کا چوتھا نتیجہ

چوتھا نتیجہ یہ ہوگا کہ انہیں کفر آیات اللہ تعالیٰ اور آیات الٰہی پر تمسخر سن کر خاموش رہنا پڑے گا۔ آخرت میں یہ کفار کے ساتھ جہنم میں ہوں گے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

غور فرمائیں

اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار اور مذاق۔ کافروں اور منافقوں کا شیوہ ہے آج بھی کافر اللہ تعالیٰ کی ان آیات پر انگلیاں اٹھاتے ہیں جن میں جہاد کا حکم ہے، اسلامی حدود اور سزاؤں کا بیان ہے اور کافروں کی دوستی سے ممانعت ہے۔ وہ ایسے جلسے، سیمینار اور مذاکرے منعقد کرتے ہیں جن میں ان احکام الٰہی کے خلاف باتیں ہوتی ہیں۔ مسلمانوں کو روکا گیا کہ وہ ہرگز ایسی مجالس میں شریک نہ ہوں۔ ورنہ ان کا شمار بھی منافقوں کے ساتھ ہوگا۔ ہاں اگر ان باتوں کی تردید

کے لئے شریک ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

نفاق سے حفاظت

نفاق سے حفاظت کا بہت اہم اصول اور طریقہ ارشاد فرمادیا کہ کفار و منافقین کی وہ باتیں سنی اور پڑھی ہی نہ جائیں جن میں وہ اسلام یا اس کے کسی بھی حکم کا انکار کرتے ہیں یا اس کی شان کم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر مسلمان اس اصول پر سختی سے عمل کریں تو وہ بہت مضبوط اور طاقتور ہو سکتے ہیں اور وہ اس فکری جنگ کی مار سے بچ سکتے ہیں۔ جو ہر زمانے کے کافر اور منافق اپنی زبانوں اور ذرائع ابلاغ کے ذریعے بھڑکاتے ہیں۔ ٹی وی، سینما، کیبل، کمپیوٹر، ریڈیو، اخبارات، سیمینار ان سب کے بارے میں واضح اصول اس آیت میں آگیا۔ آجکل یہ سب ذرائع ابلاغ پردے سے لیکر جہاد تک اسلام کے ہر حکم کو کمزور کرنے کی محنت میں لگے ہوئے ہیں۔(واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ النِّسَاۗءِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۴۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا

وہ منافق جو تمہارے متعلق انتظار کرتے ہیں پھر اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح ہو تو کہتے ہیں

اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ڮ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا

کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کو کچھ حصہ مل جائے تو کہتے ہیں

اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ

کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں سے بچا نہیں لیا سو اللہ تعالیٰ

يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ

تمہارا اور ان کا قیامت میں فیصلہ کرے گا اور اللہ تعالیٰ کافروں کو

عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾

مسلمانوں کے مقابلہ میں ہرگز غالب نہیں کرے گا

خلاصہ

یہ منافق تمہارے حالات پر نظر رکھتے ہیں، پھر اگر تمہیں فتح مل جائے تو تمہارے بن جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں تھے؟ اور اگر کافروں کو لڑائی میں ظاہری غلبہ مل گیا تو ان کے بن جاتے ہیں اور انہیں کہتے ہیں کہ کیا ہم نے تمہیں گھیر نہ لیا تھا؟ اور تمہاری حفاظت نہیں کی تھی۔ اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں کے ہاتھ سے نہیں بچایا؟ اصل فیصلہ تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا مگر یہ بات یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو (دنیا میں بھی) مسلمانوں پر مکمل غلبہ ہرگز نہیں دے گا۔

اقوال وحوالے

۱ منافقین کی پوری حقیقت بے نقاب:

"منافقین کی پوری ذہنیت آشکارو بے نقاب کی جارہی ہے ان لوگوں کا بھی عجب حال تھا، جب جنگ چھڑتی تو منافقین کا گروہ لشکر اسلامی کے ساتھ ہوتا اگرچہ کافروں سے قتال نہ کرتا یا برائے نام ہی کرتا تو اگر مسلمانوں کی فتح ہوجاتی تو یہ مسلمانوں کے پاس آ کر اپنی شرکت، معیت اور رفاقت کا حق جتلاتے اور مال غنیمت وغیرہ سے اپنا حصہ طلب کرتے لیکن اگر اس کے برعکس کبھی اتفاق سے کافروں ہی کے ہاتھ میدان رہتا تو یہ جھٹ ان کے پاس جا کر

اپنا احسان رکھتے کہ دیکھو فلاں موقع پر لشکر اسلام کا پلہ بھاری ہو رہا تھا اور تم شکست کھانے ہی کو تھے کہ ہم آڑے آگئے ہم نے اپنی کوشش اور تدبر سے تمہارا پلہ وزن دار کرادیا اور ہاری ہوئی لڑائی جتادی تو اب ہمارا حصہ دلواؤ۔ حربی کافروں سے مسلمانوں کی مخبری کرنا، جاسوسی کرنا سب اسی کے تحت آجاتا ہے۔" (تفسیر ماجدی)

۲ خفیہ معلومات کا تبادلہ کرنے والے:

مسلمانوں کے خلاف لڑنے والے اور کافروں سے خفیہ معلومات کا تبادلہ کرنے والے۔ اس آیت مبارکہ اور مذکورہ بالا عبارت پر غور کریں۔

۳ بے استقلالی کا پانچواں نتیجہ:

پانچواں نتیجہ یہ ہوگا کہ مسلمانوں کی شکست کو خوشی کی نگاہ سے دیکھیں گے ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا (جملہ معترضہ) عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ایک سو سال کی تاریخ پڑھ کر دیکھئے کہ اسلام نے ہم پر بال برابر بھی ظلم نہ کیا بلکہ ہم نے اسلام کو چھوڑا اور ہماری حکومت چھن گئی۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

۴ ابن الوقت مفاد پرست:

"وہ الگ تھلگ رہ کر واقعات کی رفتار دیکھتے رہتے ہیں اگر مسلمانوں کو فتح ہوتی ہے تو فتح کے فائدوں میں حصے دار بن جاتے ہیں اور کہتے ہیں ہم بھی تمہارے ساتھ تھے، اگر دشمنوں کا پلہ بھاری رہتا ہے تو ان سے جاملتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر لڑائی میں ہم دل سے تمہارے ساتھ نہ ہوتے اور تمہیں نہ بچاتے تو مسلمانوں نے تمہارا خاتمہ ہی کر دیا تھا" (ترجمان القرآن)

یہاں تک آیت کے پہلے حصے کا مفہوم سمجھا دیا گیا اب آیئے آیت کے آخری حصے ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلا کے مفہوم کی طرف۔ پہلے اس الٰہی جملے کے چند ترجمے ملاحظہ فرمائیں:

ولن یجعل اللہ للکافرین علی المؤمنین سبیلاً۔

ترجمہ:

۱ اور ہرگز نہ دے گا اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر راہ (حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ)

۲ اور ہرگز نہ دے گا اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ کی راہ۔ (حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ)

۳ (قیامت کے فیصلہ میں) ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر غالب نہ فرمائیں گے۔ (حضرت تھانوی رحمہ اللہ)

۴ اور (وہاں) اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں کے مقابلے میں ہرگز غالب نہیں کرے گا۔ (حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

دنیا یا آخرت

حضرات مفسرین کے اس میں اقوال ہیں بعض کے نزدیک مراد اس سے آخرت کا غلبہ ہے۔ تب مضمونِ جہاد یوں ہوگا کہ مسلمان آخرت کی کامیابی کے بارے میں مطمئن ہو کر کامیابی والے راستے جہاد کو اختیار کریں۔ دراصل

منافقین اس بات کا شبہ ڈالتے تھے کہ آخرت کا کیا پتہ؟ ہوگی یا نہیں؟ ہوئی بھی تو پھر کیا پتہ کس کو کامیابی ملے گی۔ مسلمانوں سے کامیابی کا پختہ وعدہ کر کے انہیں ایک زبردست ایمانی قوت دے دی گئی۔

بعض مفسرین کے نزدیک مراد دنیا کا غلبہ ہے تب مطلب یہ ہوگا کہ کوئی بھی کفریہ طاقت مسلمانوں پر اس طرح سے غالب نہیں آسکتی کہ وہ انہیں جڑ سے ہی اکھاڑ دے اور ان کا خاتمہ کر دے۔ یا مطلب یہ ہوگا کہ مسلمان جب فتح ونصرت کی تمام شرطوں کو پورا کریں گے تو ان پر کفار غالب نہیں آسکتے۔ بعض مفسرین کے نزدیک غلبہ سے مراد حجت اور دلیل کا غلبہ ہے جو ظاہر ہے کہ اہل اسلام کو ہر زمانے میں حاصل رہا ہے۔ اب چند حوالے ملاحظہ فرمائیں۔

۱ مسلمانوں کا خاتمہ نہیں کر سکتے:

یعنی اللہ تعالیٰ تم میں اور ان میں ''حکم فیصل'' فرمادے گا کہ تم کو جنت دے گا اور ان کو جہنم میں ڈالے گا دنیا میں جو کچھ ان سے ہو سکے کر دیکھیں مگر اہل ایمان کی بیخ کنی ہرگز نہیں کر سکیں گے جو ان کی دلی تمنا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

۲ بشرطیکہ اسلام پر قائم رہیں:

اور آئندہ وعدہ فرماتا ہے کہ کافروں کو مسلمانوں پر خدا کبھی سبیل یعنی غلبہ کی حجت اور فتح میں کوئی رستہ نہیں نکالے گا بشرطیکہ مسلمان اسلام پر قائم رہیں۔ (تفسیر حقانی)

۳ قیامت کا غلبہ:

فقال علی رضی اللہ عنہ :معنیٰ ذلك یوم القیمہ یوم الحکم. (القرطبی)

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ قیامت کے دن کے فیصلے میں کافروں کو مسلمانوں پر کوئی غلبہ نہیں ملے گا۔

۴ دنیا میں کفر کا مکمل غلبہ نہیں ہوگا

الثانی ان اللہ لایجعل لھم سبیلاً یمحو بہ دولۃ المومنین،ویذھب آثارھم ویستبیح بیضتھم کما جاء فی صحیح مسلم من حدیث ثوبان رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال:

وانی سئلت ربی الا یھلکھا بسنۃ عامۃ والا یسلط علیھم عدوا من سوی انفسھم فیستبیح بیضتھم وان ربی قال یا محمد انی اذقضیت قضاءً فانہ لایرد وانی قد اعطیتك لامتك لا اھلکھم بسنۃ عامۃ والا اسلط علیھم عدوا من سوی انفسھم فیستبیح بیضتھم ولوا جتمع علیھم من بأقطار ھا حتیٰ یکون بعضھم یھلك بعضا ویسبی بعضھم بعضاً. (قرطبی)

یعنی دوسرا قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کو ایسا راستہ نہیں دے گا کہ مسلمانوں کے ملک کو بالکل مٹا دیں اور ان کے آثار ختم کر دیں اور ان کی جڑ کاٹ دیں جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کی روایت میں آیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

میں نے اپنے رب سے دعاء کی کہ وہ میری امت کو عمومی قحط سے ہلاک نہ فرمائے اور ان پر ان کے باہر سے کوئی ایسا دشمن مسلط نہ کرے جو ان کی جڑ کاٹ دے۔ میرے رب نے فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میری تقدیر کو ٹالا نہیں جاسکتا میں نے آپ کو آپ کی امت کے لئے یہ انعام دیا کہ میں انہیں عمومی قحط سے ہلاک نہیں کروں گا اور نہ ان پر ان کے باہر سے کوئی ایسا دشمن مسلط کروں گا جو ان کی جڑ کاٹ دے۔

اگرچہ تمام اہل زمین ان کے خلاف جمع ہو جائیں۔

یہاں تک کہ (امت کے لوگ خود) ایک دوسرے کو ہلاک کرنے لگیں اور ایک دوسرے کو قید کرنے لگیں۔ (قرطبی)

۵ جب مسلمان خود اپنے دشمن بن جائیں:

ان اللہ سبحانہ لایجعل للکافرین علی المومنین سبیلاً منہ الا ان یتواصوا بالباطل ولایتناھوا عن المنکر ویتقاعدوا عن التوبۃ فیکون تسلیط العدو من قبلھم۔ (القرطبی)

یعنی اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ نہیں دے گا مگر جب مسلمان ایک دوسرے کو برائیوں کی دعوت دینے لگیں۔ نہی عن المنکر چھوڑ دیں اور توبہ کرنا بند کردیں۔ تب ان پر دشمن کا مسلط ہونا خود ان کی اپنی وجہ سے ہوگا۔

نفاق سے حفاظت

اس آیت سے اشارۃً نفاق سے بچنے کا یہ طریقہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو جہاد اور مجاہدین کے ساتھ اپنی حمایت، نصرت اور تائید صرف فتح کے حالات تک محدود نہیں رکھنی چاہئے۔ بلکہ فتح ہو یا ظاہری شکست عام مسلمان جہاد اور مجاہدین کے ساتھ جڑے رہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

کلام برکت

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ اس آیت پر یہ قیمتی جملہ تحریر فرماتے ہیں:

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص راہ حق میں ہو اور گمراہوں سے بھی بنائے رکھے یہ بھی نفاق ہے۔ (موضح القرآن)

سُوْرَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّة آیت ۱۴۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْٓا اِلَى

منافق چالبازی کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس چال کی سزا ان کو دینے والے ہیں اور جب وہ

الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ

نماز میں کھڑے ہوتے ہیں تو سست بن کر کھڑے ہوتے ہیں لوگوں کو دکھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو

اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾

بہت کم یاد کرتے ہیں

خلاصہ

منافق اپنے گمان میں اللہ تعالیٰ کو فریب دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کے اس فریب کی سزا ان کو دینے والا ہے اور چونکہ ان کے دل میں ایمان نہیں ہے اس لئے نماز میں بہت سستی سے کھڑے ہوتے ہیں۔ صرف لوگوں کو دکھلانا مقصود ہوتا ہے۔ یعنی پکے ریاکار ہیں اور اللہ تعالیٰ کو بہت کم یاد کرتے ہیں۔

اقوال وحوالے

۱ منافقین کی حماقت:

"یعنی اپنے اسلام کا جھوٹا اقرار کر کے اللہ تعالیٰ تک کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اور اپنے حمق سے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ جس طرح دنیا میں ان کے ساتھ معاملہ ہو رہا ہے اسی طرح آخرت میں بھی ہوگا۔" (تفسیر ماجدی)

۲ منافقین کو نڈر نہیں ہونا چاہئے:

"فرمایا خدا انہیں دھوکا دینے میں ہرا رہا ہے اور مغلوب کر رہا ہے، خدا کے ہرانے اور مغلوب کرنے کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے دنیا میں اچھوں کی طرح بروں کو بھی مہلت دے رکھی ہے مگر یہ مہلت اس لئے نہیں ہے کہ خدا کا قانون ان کی طرف سے غافل ہے بلکہ اس لئے ہے کہ ہر عمل کا نتیجہ اپنے مقررہ وقت ہی پر ظاہر ہوا کرتا ہے لیکن شریر آدمی اس مہلت سے نڈر ہو جاتا ہے وہ سمجھتا ہے میں جو کچھ بھی کئے جاؤں میرے لئے کچھ ہونے والا نہیں، حالانکہ اس کے لئے سب کچھ ہونے والا ہے مگر اپنے مقررہ وقت پر۔" (ترجمان القرآن)

۳ منافقین کے تین امراض:

"اس آیت میں منافقین کے تین امراض کا ذکر ہے خداع (دھوکا) کسل (سستی) ریاء۔" (حاشیہ حضرت

لاہوری رحمہ اللہ)

قرآن پاک کا اعجاز

جہاد کے دشمن، کافروں کے دوست اور دنیا کی زندگی کو مقصد بنا کر اسلام اور مسلمانوں کو رسوا کرنے والے منافق کیسے ہوتے ہیں؟ قرآن پاک نے خوب نقشہ کھینچا ہے۔ اس آیت میں فرمایا گیا کہ ان کا نماز کے ساتھ معاملہ بہت ظالمانہ ہوتا ہے۔ نماز قائم نہیں کرتے، مجبوراً لوگوں کو دکھانے کے لئے بس گذارے کی حد تک کچھ نمازیں ریا کاری، بے رغبتی اور غفلت کے ساتھ پڑھ لیتے ہیں اور بس۔ حالانکہ یہی لوگ جب خود کو مسلمان ثابت کرنے پر آتے ہیں تو ان کی زبانیں قینچیوں کی طرح چلتی ہیں۔ مگر اسلام کی سب سے ضروری اور اہم علامت نماز سے ان کا تعلق بس اتنا ہوتا ہے جتنا اس آیت مبارکہ میں بیان فرمایا گیا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

نفاق سے حفاظت

نفاق سے حفاظت کا ایک اہم اصول معلوم ہوا کہ اپنی نماز کو پختہ، مضبوط اور درست کیا جائے یعنی اقامت صلوٰۃ کی شان حاصل کی جائے جو ایک مومن کی شان ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُورَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّة آیت ۱۴۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۭ

کفر اور ایمان کے درمیان ڈانواں ڈول ہیں نہ پورے اس طرف ہیں اور نہ پورے اس طرف

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾

اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کردے تو اس کے واسطے ہرگز کہیں راہ نہ پائے گا

خلاصہ

منافقین تو بالکل تردد اور حیرت میں گرفتار ہیں نہ ان کو اسلام پر اطمینان ہے نہ کفر پر، سخت پریشانی میں مبتلا ہیں کبھی ایک طرف جھکتے ہیں کبھی دوسری طرف۔ حالات اچھے رہیں تو مسلمان، مصیبت، خوف اور ڈر آجائے تو کافروں کے ساتھی۔ یا زبان سے مسلمان اور دل سے کافروں کے ساتھ۔ عجیب دردناک حالت ہے۔

اقوال وحوالے

۱ آندھی کے لاوارث پتے:

”یعنی وہ (منافق) حیرت اور شک میں ہیں جب اسلام کی روشنی نظر آتی ہے تو اسلام کو حق جان کر اس کی طرف مائل ہوجاتے ہیں اور جب کسی ظاہری مصیبت اور فقر وفاقہ کی گھٹا اور آندھی آجاتی ہے تو اس کے فوائد پر نظر نہیں کرتے بلکہ اس کی گرج اور کڑک کے اندیشوں سے انکار کی انگلی قبولیت اور یقین کے کانوں میں رکھ لیتے ہیں۔ بے شک جب تک انسان کو نور یقین حاصل نہ ہو وہ آندھی میں پر کی طرح ادھر ادھر اُڑتا ہے اور ڈانواں ڈول رہتا ہے یہ سخت بلا ہے۔ بے شک جو تردد اور شک کے اس بیابان میں پڑا تو ایسا ہی گمراہ ہوا کہ اس کا کوئی ہادی نہیں۔“ (خلاصہ حقانی)

۲ منافقین کا چوتھا مرض:

منافقین کے چوتھے مرض تذبذب کا ذکر ہے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

نفاق سے حفاظت

ظاہری فتح شکست، ظاہری خوشی اور مصیبت، اور دنیا کے ظاہری حالات کو کامیابی یا ناکامی اور حق وباطل کا معیار نہ سمجھا جائے تو بہت حد تک نفاق کے اثرات سے حفاظت رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات اور اُس کی تقدیر پر ایمان مضبوط ہوتا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

☆☆☆

سُوْرَةُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۴۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ

اے ایمان والو! مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا دوست نہ بناؤ

الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۱۴۴

کیا تم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا صریح الزام لینا چاہتے ہو

خلاصہ

مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی کرنا نفاق کی دلیل ہے جیسا کہ منافقین کرتے ہیں پس اے مسلمانو! تم ایسا ہرگز مت کرنا ورنہ اللہ تعالیٰ کا صریح الزام اور پوری حجت تم پر قائم ہوجائے گی کہ تم بھی منافق ہو۔ (مفہوم عثمانی)

اقوال وحوالے

❶ مسلمانوں کو تنبیہ:

"جب اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے اوصاف بیان فرمادیئے تو اس کے بعد مسلمانوں کو ان کی عادات اپنانے سے صراحتاً منع فرمادیا یا ایھاالذین امنوا کہ اے ایمان والو تم کفار کو دوست نہ بناؤ اور نہ ان منافقوں کو منہ لگاؤ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں رکھتے ان کی محبت تم کو غفلت اور دنیا کی خواہش کی طرف کھینچے گی اور ایک دل دوطرف نہیں رہتا۔ تم اللہ تعالیٰ سے غافل ہوجاؤ گے تب تم پر اللہ تعالیٰ کی محبت چھوڑنے کا الزام ثابت ہوجائے گا" (مفہوم حقانی)

❷ اسلام کے دشمنوں سے یاری:

اعدائے اسلام (منافق ہوں یا کافر) سے دوستی نہ رکھو ورنہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر الزام عائد ہوگا۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

امام رازی رحمہ اللہ نے بھی یہ دونوں قول لکھے ہیں کہ مراد کافروں سے یاری ہے یا منافقوں سے۔ ملاحظہ فرمائیں تفسیر کبیر۔

نفاق سے حفاظت

اس آیت میں بالکل صراحت کے ساتھ نفاق سے حفاظت کا اہم اصول بتایا گیا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

☆☆☆

سُورَةُ النِّسَاءِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۴۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ

بے شک منافق جہنم کے سب سے نیچے درجہ میں ہوں گے اور تو ان کے واسطے ہرگز نہ پائے گا

نَصِيْرًا ﴿۱۴۵﴾

کوئی مددگار

خلاصہ

جہنم میں منافقوں پر کافروں سے بھی زیادہ سخت عذاب ہوگا کہ وہ جہنم کے سب سے نچلے یعنی سخت طبقے میں ہوں گے۔اور وہاں ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ (العیاذ باللہ)

اقوال وحوالے

۱ مسلمانوں کو زیادہ نقصان پہنچانے کی وجہ سے:

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

لما كان المنافق اشدّ عذابا من الكافر لانه مثله فى الكفر الخ۔

یعنی منافق کو کافر سے زیادہ سخت عذاب دیئے جانے کی ایک وجہ یہ ہے کہ منافق کافر بھی ہے اور اس نے اس کے ساتھ کفر کی ایک اور قسم کو بھی ملالیا ہے اور وہ ہے اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ تمسخر، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ منافق چونکہ خود کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں اس لئے وہ مسلمانوں کے رازوں پر مطلع ہو سکتے ہیں پھر وہ یہ راز کافروں کو بتادیتے ہیں۔ اس لئے انہیں کافروں سے زیادہ سخت عذاب دیا جاتا ہے۔ (التفسیر الکبیر)

۲ تفسیر قرآن کو بدلنے والے:

”منافق جہنم کی سب سے نچلی تہ میں ہوں گے یعنی سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار چونکہ ظاہر وباطن میں منکر اور مخالف ہیں ان سے اسلام کو اس قدر نقصان نہیں جس قدر ان منافقین سے ہے۔ دیکھئے بہت سے ایسے خبیثوں سے جو در پردہ کافر و بے دین اور ظاہر میں مسلمان ہیں کس قدر اسلام کو مضرت پہنچی ہے ہزاروں بدعتیں انہیں کی ایجاد ہیں اور تاویلات رکیکہ (یعنی غلط تاویلیں) کر کے یہی قرآن کو الٹ پلٹ کرتے ہیں۔“ (مفہوم تفسیر حقانی)

۳ اُخروی سزا:

منافقین کی اُخروی سزا کا ذکر۔ ان کا درجہ کفار سے بھی بدتر ہے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

۴ لوہے کے صندوق:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے الدرك الاسفل کا معنیٰ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے یہ نقل فرمایا ہے:

توابیت من حدید مقفلة فی النار تقفل علیهم. (القرطبی)

یہ آگ میں لوہے کے صندوق ہیں جن میں انہیں ڈال کر بند کر دیا جائے گا۔

۵ سات درجے:

امام قرطبی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ جہنم کے سات طبقے ہیں: ۱ جہنم ۲ لظی ۳ حطمہ ۴ سعیر ۵ سقر ۶ جحیم ۷ الہاویہ

منافق کو ''ہاویہ'' میں ڈالا جائے گا۔

لغلظ کفره، وکثرة غوائله وتمکنه من اذی المؤمنین.

کیونکہ اس کا کفر بہت سخت ہے، اور اس کی گمراہی بہت زیادہ ہے، اور وہ مسلمانوں کو ستانے کی زیادہ قدرت رکھتا ہے۔ (القرطبی)

۶ دنیا میں تلوار سے بچا رہا:

انما کان المنافق اشدّ عذابا من الکافر لانه امن السیف فی الدنیا فاستحق الدرك الاسفل فی العقبیٰ تعدیلاً. (المدارك)

منافق کو کافر سے زیادہ سخت عذاب اس لئے ہوگا کہ وہ دنیا میں مسلمانوں کی تلوار سے بچا رہا پس سزا میں برابری کے لئے وہ جہنم کے سب سے نچلے حصے کا مستحق ہوا۔

۷ کوئی مددگار نہیں:

آیت کے آخری حصے میں فرمایا گیا کہ ولن تجدلهم نصیرا کہ قیامت کے دن ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔ منافق دنیا میں اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر یہاں کے امن و عزت کے لئے ہر دشمن اسلام کو اپنا مددگار بناتا تھا۔ پس قیامت کے دن وہ لاوارث اور اکیلا چھوڑ دیا جائے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دعاء

یا اللہ ہماری نفاق سے بھی حفاظت فرما اور جہنم سے بھی۔ اور ہمیں نفاق اور جہنم کے شر سے اپنی مضبوط پناہ عطا فرما۔

(آمین یا ارحم الراحمین)

☆☆☆

سُوۡرَةُ النِّسَاۤءِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۴۶، ۱۴۷

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا وَاَصۡلَحُوۡا وَاعۡتَصَمُوۡا بِاللّٰهِ وَاَخۡلَصُوۡا دِيۡنَهُمۡ

مگر جنہوں نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کی اور اللہ تعالیٰ کو مضبوط پکڑا اور اپنے دین کو خالص

لِلّٰهِ فَاُولٰۤـئِكَ مَعَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ‌ ؕ وَسَوۡفَ يُـؤۡتِ اللّٰهُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ

اللہ تعالیٰ ہی کیلئے کیا تو وہ لوگ ایمان والوں کے ساتھ ہیں اور اللہ تعالیٰ جلدی ایمان والوں کو

اَجۡرًا عَظِيۡمًا ﴿۱۴۶﴾ مَا يَفۡعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمۡ اِنۡ شَكَرۡتُمۡ وَاٰمَنۡتُمۡ‌ ؕ

بہت بڑا ثواب دے گا۔ اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا اگر تم شکر گزار بنو اور ایمان لے آؤ

وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيۡمًا ﴿۱۴۷﴾

اور اللہ تعالیٰ قدردان جاننے والا ہے

خلاصہ

منافقین کے لئے جہنم اور ناکامی سے بچنے اور کامیاب مسلمانوں کی جماعت میں شامل ہونے کا موقع موجود ہے شرط یہ ہے کہ۔

❶ وہ کفرونفاق سے توبہ کرلیں۔ ❷ اور اپنے برے اور منافقانہ اعمال کی اصلاح کرلیں ❸ اور اللہ تعالیٰ کی پناہ اور سہارے کو مضبوط پکڑیں۔ یعنی کافروں کی پناہ اور مدد پر بھروسہ کرنا چھوڑ دیں۔ ❹ اور یہ سارے کام صرف خالص اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے کریں۔ ان چار کاموں کو اپنانے سے وہ ایمان والوں میں شامل ہو جائیں گے اور اس اجرِ عظیم کے مستحق بن جائیں گے جو اللہ پاک آخرت میں ایمان والوں کو دے گا۔ یعنی کہاں جہنم کا سخت ترین طبقہ اور کہاں اجرِ عظیم؟ اور اللہ تعالیٰ تو خوب قدردان ہے اور وہ سب کچھ جاننے والا ہے تم اگر شکر گزاری اور ایمان اختیار کرو تو وہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا۔

اقوال وحوالے

❶ توبہ کا دروازہ کھلا ہے:

ہاں جو تائب ہو جائیں وہ مخلص جماعت میں شامل کر لیے جائیں گے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

❷ چار شرطیں:

”اس کے بعد ان کے لئے توبہ کی ترغیب اور اس پر معافی کا وعدہ دیتا ہے الا الذین تابوا مگر چار باتیں شرط

ہیں اول تابوا کہ سچے دل سے توبہ کریں دوم اصلحوا کہ نیک وقتی اختیار کریں جو کچھ علم وعمل میں فساد ہے اس کی اصلاح کریں سوم واعتصموا باللہ کہ اللہ تعالیٰ کو مضبوط پکڑیں یعنی اس کے دشمنوں اور دین کے مخالفوں کو چھوڑ کر اس کی ذات پر تکیہ (بھروسہ) کریں چہارم واخلصوا دینھم کہ خلوص اور صدق نیت پیدا کریں۔“ (مفہوم حقانی)

❸ کافروں کی یاری لازماً چھوڑنی ہوگی:

واعتصموا باللہ اور اس اعتصام باللہ کے تحقق کے لئے کافروں کی رفاقت کا ترک لازمی ہے۔ (تفسیر ماجدی)

فائدہ

آخری آیت میں توبہ کو مضبوط رکھنے کا طریقہ بیان فرمایا کہ شکر گزاری اور ایمان کا راستہ اختیار کرو تو پھر عذاب کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا احساس، ان کی قدر دانی، ان کا صحیح استعمال۔ یہ ہے شکر گزاری کی کیفیت۔ شکر کو ایمان سے پہلے اس لئے لایا گیا کہ نعمت سے ذہن منعم (نعمت دینے والے) کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ انسان جب اللہ تعالیٰ سے راضی رہتا ہے، اس کی تقدیر پر مطمئن رہتا ہے تو ایسے انسان سے اللہ تعالیٰ بھی راضی ہوتا ہے۔ نفاق ناشکری اور بے یقینی کی وجہ سے پیدا ہوتا ہے اور انسان کو جہنم میں لے جاتا ہے جبکہ شکر انسان کو ایمان تک اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت تک لے جاتا ہے۔

پس آیت (۱۴۶) میں منافق کے لئے توبہ کا نصاب اور آیت (۱۴۷) میں توبہ کی حفاظت اور استقامت کا طریقہ بتا دیا گیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دعاء

اللھم انا نسئلك ایمانا دائما و نسئلك قلباً خاشعا ونسئلك علما نافعا ونسئلك یقینا صادقا ونسئلك دوام العافیة ونسئلك الشكر علی العافیة ونسئلك الغنی عن الناس۔ آمین یاالاكرم الاكرمین۔

سُورَة
المائدة
مدنية

ابتدائیہ

اس تالیف میں **سورۃ المائدہ** کی درج ذیل

بیس آیات کے مضامین جہاد کو بیان کیا گیا ہے:

آیت ٢

آیت ٣

آیات ١١ تا ١٣

آیات ٢٠ تا ٢٦

آیت ٣٥

آیات ٥١ تا ٥٦

آیت ٨٢

اور درج ذیل آٹھ (٨) آیات میں مضامین جہاد

کی طرف اشارات موجود ہیں:

٥٧ تا ٦٣

٦٧

بیس آیات میں مضامین جہاد کا خلاصہ

آیت (۲) انتقام میں حدود سے تجاوز نہ کرو

آیت (۳) کافر اس دین کے مغلوب ہونے سے مایوس ہو چکے ہیں۔ فتح مکہ بہت بڑی نعمت ہے۔

آیت (۱۱) اللہ تعالیٰ نے تمہاری حفاظت فرمائی اور تمہیں جہاد میں غلبہ دیا اس نعمت کی قدر کرو اور تقویٰ اور توکل اختیار کرو

آیت (۱۲، ۱۳) اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے جہاد کا عہد لیا، انہوں نے اس کی پاسداری نہیں کی تو سزا بھگتی

آیت (۲۰) حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم کو جہاد کی دعوت دینا اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلانا۔

آیت (۲۱) جہاد نہ کرنے میں خسارہ ہے۔

آیت (۲۲) بنی اسرائیل کا بزدلی کی وجہ سے جہاد سے انکار کرنا اور دشمنوں کی طاقت کو اس کی وجہ بتانا۔

آیت (۲۳) جن لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا انعام ہوتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں وہ جہاد سے منہ نہیں موڑتے۔ ایسے ہی دو افراد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت جہاد کی حمایت کی۔

آیت (۲۴) بنی اسرائیل نے کہا اے موسیٰ تم اور تمہارا رب جا کر جہاد کرو ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔

آیت (۲۵) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جہاد کے لئے خود کو اور اپنے بھائی کو پیش کر دیا اور قوم سے علیحدگی کی دعاء کی۔

آیت (۲۶) جہاد چھوڑنے پر قوم کے لئے اللہ تعالیٰ نے سزا کا اعلان فرما دیا۔

آیت (۳۵) جہاد فی سبیل اللہ فلاح یعنی حقیقی کامیابی کا ذریعہ ہے۔

آیت (۵۱) یہود و نصاریٰ سے یاریاں کرنے والے انہی میں سے ہیں۔

آیت (۵۲) جن کے دلوں میں شک اور نفاق کا مرض ہے وہ دوڑ دوڑ کر یہود و نصاریٰ سے یاریاں کرتے ہیں اور ان کی آغوش میں پناہ ڈھونڈتے ہیں۔ یہ لوگ پچھتائیں گے۔

آیت (۵۳) جب فتح کے بعد منافقین کا نفاق کھلے گا تو مسلمان تعجب کا اظہار کریں گے۔

آیت (۵۴) کسی کے مرتد ہونے سے اسلام کا کچھ نقصان نہیں ہوگا ان کی جگہ اللہ تعالیٰ اپنے ایسے محبوب بندوں کو لے آئے گا جو جہاد فی سبیل اللہ کریں گے

آیت (۵۵) اسلامی عالمی برادری کی تشکیل۔

آیت (۵۶) اس ''اسلامی عالمی برادری'' کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے غلبے کا وعدہ ہے۔

آیت (۸۲) مسلمانوں کے سب سے سخت دشمن یہودی اور مشرک ہیں۔

آٹھ آیات میں اشاراتِ جہاد کا خلاصہ

آیت (۵۷) تا (۶۳) پچھلے مضمون جہاد کی مکمل تائید اور دلائل ہیں۔ جبکہ آیت (۶۷) میں اقامت دین کیلئے تبلیغ دین کا حکم ہے۔ جس کے نتیجے میں مخالفت اور جنگ کا امکان ہے تو ساتھ ہی حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا وعدہ فرمادیا گیا۔ اس سے پہلے حارسین رکھے جاتے تھے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دیگر

حضرت مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ کے نزدیک آیت (۳۲) میں بھی جہادی مضمون بیان ہوا ہے۔

سُوْرَۃُ الْمَائِدَۃِ مَدَنِیَّۃٌ — آیت ۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰہِ وَلَا الشَّھْرَ

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کو حلال نہ سمجھو اور نہ حرمت والے مہینے کو

الْحَرَامَ وَلَا الْھَدْیَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ آٰمِّیْنَ الْبَیْتَ

اور نہ حرم میں قربانی ہونے والے جانور کو اور نہ ان جانوروں کو جن کے گلے میں پٹے پڑے ہوں اور نہ حرمت

الْحَرَامَ یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنْ رَّبِّھِمْ وَرِضْوَانًا ؕ وَاِذَا

والے گھر کی طرف آنے والوں کو جو اپنے رب کا فضل اور اس کی خوشی ڈھونڈتے ہیں اور جب

حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا ؕ وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ

تم احرام کھول دو پھر شکار کرو اور تمہیں اس قوم کی دشمنی جو کہ تمہیں

صَدُّوْکُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا ۘ وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ

حرمت والی مسجد سے روکتی تھی اس بات کا باعث نہ بنے کہ زیادتی کرنے لگو اور آپس میں نیک کام

وَالتَّقْوٰی ۠ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۠ وَاتَّقُوا اللّٰہَ ؕ

اور پرہیزگاری پر مدد کرو اور گناہ اور ظلم پر مدد نہ کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو

اِنَّ اللّٰہَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝۲

بے شک اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے

خلاصہ

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے دین کی نشانیوں کی بے حرمتی نہ کرو۔ اور حرمت والے چار مہینوں میں سے کسی مہینے کی بے حرمتی نہ کرو۔ (پہلے ان مہینوں میں جنگ کی ابتداء کرنا ممنوع تھا۔ اب اگرچہ اس کی اجازت ہے لیکن اگر مشرکین ان مہینوں کی حرمت اور ادب ملحوظ رکھیں تو تم بھی رکھو اور خود حملہ کرنے سے پرہیز کرو اور ان مہینوں میں گناہوں سے بچنے کا زیادہ اہتمام کرو) اور نہ حرم میں قربانی والے جانوروں کی بے حرمتی کرو خواہ ان کے گلوں میں علامتی پٹے ہوں یا نہ ہوں۔

اور نہ ان لوگوں کی بے حرمتی کرو جو اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رضاء پانے کے لئے بیت اللہ شریف جارہے

ہوں۔ حالت احرام میں خشکی کا شکار بھی منع ہے مگر احرام سے فارغ ہو جاؤ تو حدود حرم کے باہر شکار کی اجازت ہے۔ اور جن لوگوں نے تمہیں (حدیبیہ کے موقع پر) بیت اللہ شریف سے روکا تھا ان کی دشمنی تمہیں شرعی حدود سے تجاوز پر مجبور نہ کردے۔ یعنی جہاد و قتال میں بھی شرعی امور کی پاسداری کرو اور جوش انتقام میں زیادتی نہ کر بیٹھو۔ نیکی اور تقویٰ کے معاملات میں ایک دوسرے کا تعاون کرو۔ اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔ اور اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ ڈرتے رہو۔ بے شک اس کا عذاب سخت ہے۔

مضامین جہاد

اس آیت میں کئی مضامین جہاد کا بیان ہے۔

❶ حرمت والے مہینوں میں جنگ کا حکم۔ یہ مسئلہ تفصیل کے ساتھ پہلے گذر چکا ہے۔ اس آیت کے ذیل میں امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے عمدہ بحث فرمائی ہے تفسیر ابن کثیر ملاحظہ کرلیں:

❷ مشرکین کا حدود حرم میں داخلہ۔ پہلے اجازت تھی پھر یہ اجازت منسوخ ہوگئی۔ اجازت ولا آمین البیت الحرام سے کئی مفسرین حضرات نے بیان کی ہے کہ جو مشرک سچی نیت سے کعبہ شریف جا رہا ہو تو حدیبیہ کا بدلہ لینے کے لئے اسے نہ روکو۔ پھر سورۃ براۃ میں اس مسئلے کا اصل قانون بیان ہوگیا۔ فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا۔

❸ دشمنی میں حدود سے تجاوز نہ کرو۔ یہ سب سے اہم مضمون ہے کہ مجاہدین دشمنی میں اعتدال سے کام لیں اور جہاد کے اصل مقاصد کو مدنظر رکھیں۔ دشمنی برائے دشمنی اور بدلہ برائے بدلہ کو اپنا طریقہ نہ بنائیں اور جن دشمنوں سے جہاد جاری ہو ان کو اسلامی انصاف سے محروم نہ کریں۔

❹ نیکی اور تقویٰ میں تعاون اور گناہ اور ظلم میں عدم تعاون۔ یہ مسلمانوں کی جماعت اور مجاہدین کا اہم ترین اصول ہونا چاہئے تاکہ دینی قوت ذاتی اغراض کے لئے استعمال نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے دین کی سربلندی، اور اسلام کے غلبے کے لئے استعمال ہو۔ ان چار مضامین کے علاوہ شعائر اللہ کی عام تشریح میں جہاد بھی شامل ہے۔ جہاد بھی اللہ تعالیٰ کے دین کا حکم، حصہ اور نشانی ہے پس جہاد کی بے حرمتی بھی حرام ہے۔ نیز ان صدوکم عن المسجد الحرام میں حدیبیہ کے واقعہ کی طرف واضح اشارہ ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اب ان تمام مضامین کی تائید کے لئے چند عبارتیں ملاحظہ فرمائیں:

اقوال و حوالے

❶ حرمت والے مہینے:

ولا الشھر الحرام بالقتال فیہ: (جلالین)

یعنی حرمت والے مہینے کی بے حرمتی نہ کرو اس میں جنگ شروع کر کے۔

❷ مشرکین کے حج عمرے:

ولا آمین البیت الحرام اور نہ ان لوگوں کی بے حرمتی کرو جو اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کا فضل پانے کے لئے بیت اللہ شریف کا رخ کریں۔

صاحب تفسیر عثمانی لکھتے ہیں:

بظاہر یہ شان صرف مسلمانوں کی ہے یعنی جو مخلص مسلمان حج وعمرہ کے لئے جائیں ان کی تعظیم واحترام کرو اور ان کی راہ میں روڑے مت اٹکاؤ اور جو مشرکین حج بیت اللہ کے لئے آتے تھے اگر وہ بھی اس آیت کے عموم میں داخل ہوں کیونکہ وہ بھی اپنے زعم اور عقیدہ کے موافق خدا کے فضل، قرب اور خوشنودی کے طالب ہوتے تھے، تو کہنا پڑے گا کہ یہ حکم اس وقت سے پہلے کا ہے جبکہ انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا کی منادی کرائی گئی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں:

یہ احکام اس وقت تھے جب کفار حج وعمرہ کے لئے جاتے تھے، اب خود ان کا حج وعمرہ کے لئے جانے دینا منسوخ ہے: نقله البیضاوی عن ابی حنیفة رحمه الله قوله تعالیٰ فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا۔ (بیان القرآن)

❸ دشمنی میں تجاوز نہ کرو:

”پچھلی آیت میں جن شعائر کو حق تعالیٰ نے معظم ومحترم قرار دیا تھا ۶ ھ میں مشرکین مکہ نے ان سب کی اہانت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تقریباً ڈیڑھ ہزار صحابہ ماہ ذی قعدہ میں محض عمرہ ادا کرنے کیلئے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوئے حدیبیہ کے مقام پر پہنچ کر مشرکین نے اس مذہبی وظیفہ کی بجا آوری سے روک دیا نہ حالتِ احرام کا خیال کیا نہ کعبہ کی حرمت کا نہ محترم مہینہ کا، نہ ہدی وقلائد کا، مسلمان شعائر اللہ کی اس توہین اور مذہبی فرائض سے روک دیئے جانے پر ایسی ظالم اور وحشی قوم کے مقابلہ میں جس قدر بھی غیظ وغضب اور بغض وعداوت کا اظہار کرتے وہ حق بجانب تھے اور جوش انتقام سے برافروختہ ہوکر جو کاروائی بھی کر بیٹھتے وہ ممکن تھی لیکن اسلام کی محبت اور عداوت دونوں جچی تلی ہیں عموماً آدمی زیادہ محبت یا زیادہ عداوت کے جوش میں حد سے گذر جاتا ہے اس لئے فرمایا کہ سخت سے سخت دشمنی تمہارے لئے اس کا باعث نہ ہو کہ تم زیادتی کر بیٹھو اور عدل وانصاف کو ہاتھ سے چھوڑ دو“ (تفسیر عثمانی)

★ مراد کفار قریش ہیں جنہوں نے ۶ ھ میں مسلمانوں کو بیت اللہ تک پہنچنے اور عمرہ کرنے سے حدیبیہ میں روک دیا تھا ارشاد ہورہا ہے کہ ایسے موذی اور خدا ناترس دشمنوں سے بھی ہر غصہ واشتعال کے باوجود برتاؤ عدل ہی کا رکھو۔ اللہ اللہ! کیا ٹھکانا ہے اس فراخ دلی کا! (تفسیر ماجدی)

★ومعنىٰ صدهم اياهم عن المسجد الحرام منع اهل مكة رسول الله صلى الله عليه وسلم والمومنين يوم الحديبية عن العمرة ومعنىٰ الاعتداء الانتقام منهم بالحاق مكروه بهم۔ (المدارك)

اس عبارت سے اشارۃً یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر جنگ میں صلح ہو جائے تو اس کی پوری پاسداری کی جائے اور انتقام کے راستے نہ ڈھونڈے جائیں۔

❷ شعائر اللہ:

ذکر حج و قربانی کا چل رہا ہے اکثر مفسرین نے شعائر اللہ سے بھی ان نشانیوں کو مراد لیا ہے جن کا تعلق حج کے ساتھ ہے جبکہ بعض اسلاف نے شعائر اللہ کے عمومی معنیٰ بھی مراد لئے ہیں۔

★قال الحسن دين الله كله۔ (البحر المحيط)

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں شعائر اللہ سے اللہ تعالیٰ کا پورا دین مراد ہے۔ اور حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں: معالم حدود الله تعالىٰ وامره ونهيه وفرضه۔ (روح المعانی)

اس معنیٰ کے اعتبار سے جہاد سمیت تمام فرائض شعائر اللہ میں داخل ہونگے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ

تم پر مردار اور لہو اور سور کا گوشت حرام کیا گیا ہے اور وہ جانور جس پر

لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے اور جو گلا گھونٹ کر یا چوٹ سے یا بلندی سے گر کر یا سینگ مارنے سے مرگیا ہو

وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ قف وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ

اور وہ جسے کسی درندے نے پھاڑ ڈالا ہو مگر جسے تم نے ذبح کرلیا ہو اور وہ جو کسی تھان پر ذبح کیا جائے اور یہ کہ

تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ ط ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ط اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

جوئے کے تیروں سے تقسیم کرو یہ سب گناہ ہیں آج تمہارے دین سے کافر

مِنْ دِيْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ط اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ

ناامید ہوگئے سو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو آج میں تمہارے لیے

لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ

تمہارا دین پورا کرچکا اور میں نے تم پر اپنا احسان پورا کردیا اور میں نے تمہارے واسطے

الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ

اسلام ہی کو دین پسند کیا ہے پھر جو کوئی بھوک سے بیتاب ہوجائے لیکن گناہ پر مائل

لِّاِثْمٍ لا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳

نہ ہو تو اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا مہربان ہے

خلاصہ

آج کے دن کافر اس بات سے مایوس ہوچکے ہیں کہ اب مسلمانوں کا دین مغلوب یا گمنام ہوگا۔ پس اے مسلمانو! تم ان کافروں سے نہ ڈرو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اللہ تعالیٰ نے آج کے دن تمہارے لئے تمہارے دین کو قوت اور احکام کے اعتبار سے مکمل فرمادیا ہے اور تم پر اپنی نعمت تام فرمادی ہے۔ اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرمایا ہے۔

اقوال وحوالے

۱ الیوم آج کے دن:

☆اليوم يئس الذين كفروا من دينكم

يعنى أن ترجعوا الى دينهم كفاراً. (قرطبى)

یعنی کافر اس بات سے آج مایوس ہو چکے ہیں کہ تم کافر ہو کر ان کے دین کی طرف لوٹ جاؤ گے۔

قال الضحاك نزلت هذه الاية حين فتح مكة.

امام ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت فتح مکہ کے وقت نازل ہوئی۔

وذلك أن رسول الله صلى الله عليه وسلم فتح مكة لثمان بقين من رمضان سنة تسع ويقال سنة ثمان ودخلها ونادى منادى رسول الله صلى الله عليه وسلم الا من قال لااله الا الله فهو آمن، ومن وضع السلاح فهو آمن ومن اغلق بابه فهو آمن.

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نو یا آٹھ ہجری ۲۲ رمضان المبارک کے دن مکہ فتح فرمایا اور اس میں داخل ہوئے۔ اور آپ کے منادی نے یہ اعلان کیا کہ جو شخص لا الہ الا اللہ کہہ دے گا اس کے لئے امن ہے اور جو ہتھیار ڈال دے گا اس کے لئے امن ہے اور جو اپنا دروازہ بند کر لے گا اس کے لئے امن ہے۔ (القرطبی)

❷ کافروں کی مایوسی قوت کی وجہ سے ہے:

أن ترتدوا عنه، بعد طمعهم فى ذلك لما رأوا من قوته. (جلالين)

کافر اس بات سے مایوس ہو چکے ہیں کہ تم اب دین سے مرتد ہو گے حالانکہ پہلے انہیں اس کی امید تھی۔ ان کا مایوس ہونا اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے اسلام کی قوت کو دیکھ لیا ہے۔

❸ دین کا غلبہ:

ناامید ہو گئے کافر لوگ تمہارے دین کے مغلوب و گم ہو جانے سے۔ (بیان القرآن)

او يئسوا من دينكم ان يغلبوه لان الله تعالىٰ وفى بوعده من اظهاره على الدين كله. (المدارك)

یا تمہارے دین سے مایوس ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اب اس پر غالب آنے سے مایوس ہو چکے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا ہے اور اسے غالب فرما دیا ہے۔

❹ دین کی تکمیل:

اليوم اكملت لكم دينكم آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل فرما دیا ہے بأن اهلكت لكم عدوكم واظهرت دينكم على الدين كله.

یعنی میں نے تمہارے دشمن کو ہلاک کر دیا ہے اور تمہارے دین کو غالب کر دیا ہے۔ (قرطبی)

☆بأن كفيتم خوف عدوكم واظهرتكم عليهم.

یعنی تم سے دشمنوں کے خوف کو ہٹادیا اور میں نے تمہیں ان پر غالب کردیا۔ (المدارک)

☆ هو ازالة الخوف عنهم واظهار القدرة لهم على اعدائهم

مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں سے خوف کو دور کردیا اور ان کے دشمنوں پر انہیں قدرت اور غلبہ دے دیا۔ (التفسیر الکبیر)

☆ یہ اکمال دین بلحاظ قوت بھی ہے اور بہ لحاظ احکام وقواعد بھی۔ (تفسیر ماجدی، مفہوم بیان القرآن)

۵ فتح مکہ کی نعمت:

واتممت عليكم نعمتی اور میں نے تم پر اپنی نعمت کو پورا فرمادیا بفتح مكة ودخولها آمنين ظاهرين۔ (المدارک)

یعنی فتح مکہ اور مکہ میں غالب وماٗمون داخل کرکے تم پر اپنی نعمت کو پورا فرمادیا۔

فائدہ

ان چند حوالوں سے آیت کے مضامین جہاد واضح ہوجاتے ہیں۔ اليوم سے کئی مفسرین نے حجۃ الوداع کا یوم عرفہ بھی لیا ہے۔ اور یہ آیت بہت سے احکامات اور معانی کی جامع ہے۔ یہاں صرف ان حوالوں کا بیان ہے جن میں ثمراتِ جہاد کا تذکرہ ہے۔ مکمل تفسیر کے لئے کتب تفسیر کی طرف رجوع فرمائیں۔

فائدہ

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فلا تخشو هم واخشونی کا مطلب ہے:

ای لاتخافوهم وخافون فانی انا القادر علیٰ نصركم۔ (القرطبی)

یعنی اے مسلمانو! تم کافروں سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو بے شک میں تمہاری مدد پر قادر ہوں۔

سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب لوگوں نے ارادہ کیا کہ تم پر

يَّبْسُطُوْۤا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى

دست درازی کریں پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ تم پر اٹھنے سے روک دیئے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور ایمان والوں

اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱﴾

کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے

خلاصہ

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو یاد کرو جب ایک قوم نے پورا ارادہ کرلیا تھا کہ وہ جنگ، ظلم اور ہلاکت کا ہاتھ تم پر چلائے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں کو روک دیا اور تمہیں ان پر غالب فرمادیا۔ پس اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو۔ یعنی خوب تقویٰ اختیار کرو۔ اور اسی پر پورا بھروسہ رکھو۔ یعنی خوب توکل اختیار کرو۔

علماء مفسرین کے دو قول

”تم کو ایک قوم کی دست درازی سے محفوظ رکھا، اس دست درازی سے محفوظ رکھنے کی تفسیر میں علماء مفسرین کے دو قول ہیں ایک یہ کہ اس میں کسی خاص واقعہ کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ عموماً اہل اسلام کی اس ابتدائی حالت کی طرف اشارہ ہے جس میں کفار و مشرکین چاروں طرف سے ان پر چڑھائیاں کرتے اور مار دھاڑ کرتے تھے، جس سے خدا نے ان کو محفوظ رکھا۔ اسلامیوں کو غلبہ دیا۔ دوسرا یہ کہ اس سے کسی خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔“ (تفسیر حقانی)

یہ عبارت امام رازی رحمہ اللہ کی تقریر کا خلاصہ ہے ملاحظہ فرمائیں تفسیر کبیر۔

کس واقعہ کی طرف اشارہ ہے؟

شان نزول کے بارے میں حضرات مفسرین نے کئی روایات نقل فرمائی ہیں، چند ایک کا خلاصہ ملاحظہ فرمائیں۔

❶ قال جماعةٌ نزلت بسبب فعل الأعرابی فی غزوة ذات الرقاع. (القرطبی)

مفسرین کی ایک جماعت فرماتی ہے کہ یہ آیت غزوہ ذات الرقاع کے موقع پر ایک بدّو کی حرکت کے بارے میں نازل ہوئی۔

ماخوذ از : سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ

غزوہ ذات الرقاع

غزوہ ذات الرقاع جمادی الاولیٰ ۴ھ میں (ابن سعد کے نزدیک محرم ۵ھ میں اور امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک ۷ھ) میں پیش آیا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس غزوہ کو ذات الرقاع اس لئے کہتے ہیں کہ رقاع کے معنیٰ چندیوں اور چیتھڑوں کے ہیں، اس غزوہ میں چلتے چلتے پیر پھٹ گئے تھے اس لئے ہم نے پیروں کو کپڑے لپیٹ لئے تھے اس لئے اس غزوہ کو ذات الرقاع کہنے لگے یعنی چیتھڑوں والا غزوہ (بخاری شریف) ابن سعد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ذات الرقاع ایک پہاڑ کا نام ہے جہاں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس غزوہ میں نزول فرمایا تھا اس میں سیاہ اور سفید اور سرخ نشانات تھے، واپسی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سایہ دار درخت کے نیچے قیلولہ فرمایا اور تلوار درخت سے لٹکا دی ایک مشرک آیا اور تلوار سونت کر کھڑا ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ بتلاؤ اب تم کو میرے ہاتھ سے کون بچائے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت اطمینان سے فرمایا۔ اللہ۔ یہ بخاری کی روایت ہے ابن اسحٰق کی روایت میں ہے کہ جبرئیل امین نے اس کے سینہ پر ایک گھونسہ رسید کیا، فوراً تلوار اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اٹھالی اور فرمایا بتلا میرے ہاتھ سے تجھ کو کون بچائے گا اس نے کہا کوئی نہیں آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا اچھا جاؤ میں نے تم کو معاف کیا۔ واقدی کہتے ہیں کہ یہ شخص مسلمان ہو گیا اور اپنے قبیلہ میں پہنچ کر اسلام کی دعوت دی بہت سے لوگ اس کی دعوت سے مسلمان ہوئے صحیح بخاری میں ہے کہ اس شخص کا نام غورث بن حارث تھا۔ (سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ص ۲۷۴، ج ۲)

❷ علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

والآیۃ اشارۃ الی ما أخرجہ مسلم وغیرہ من حدیث جابر أن المشرکین رأوا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم...... الخ

یعنی آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو امام مسلم رحمہ اللہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل فرمایا ہے کہ مشرکین نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم نے ''عسفان'' نامی مقام پر اکٹھے ظہر کی نماز ادا کی۔ اس پر وہ بہت پچھتائے کہ انہوں نے حملہ کیوں نہیں کیا۔ اور انہوں نے ارادہ کیا کہ جب مسلمان عصر کی نماز میں ہوں گے تو وہ ان پر حملہ کر دیں گے، اللہ تعالیٰ نے ان کی بری تدبیر کو ناکام فرما دیا اور صلوٰۃ الخوف کا حکم نازل فرما دیا۔ (جس میں آدھی جماعت نماز ادا کرتی ہے اور آدھی جماعت دشمن کے مدمقابل رہتی ہے) (روح المعانی)

❸ کئی مفسرین کی رائے یہ ہے کہ یہ آیت یہود کے بارے میں نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مقتول

کی دیت کے سلسلے میں ''یہود بنی نضیر'' کے پاس تشریف لے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر اور حضرت علی رضوان اللہ علیہم اجمعین بھی تھے۔ یہودی ظاہری طور پر بہت خوش اخلاقی سے پیش آئے اور اکرام کے ساتھ قلعہ کے نیچے بٹھایا اور کہنے لگے ہم ابھی دیت کا مال جمع کر کے پیش کرتے ہیں۔

ان کا ارادہ تھا کہ قلعہ کے اوپر سے بڑا پتھر یا چکی پھینک کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیں گے۔ حضرت جبرئیلؑ نے حاضر ہو کر اس سازش سے آگاہ فرمایا تو آپ اپنے رفقاء کے ہمراہ وہاں سے اٹھ کر تشریف لے آئے۔ آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے ابن کثیر رحمہ اللہ اس واقعہ کے بعد لکھتے ہیں: ثم امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یغدو علیھم فحاصرھم حتیٰ انزلھم فأجلاھم۔ یعنی اگلے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے ان کا محاصرہ کر لیا اور بالآخر وہ شکست کھا کر جلا وطن ہوئے۔ (روح المعانی، قرطبی، کبیر، ابن کثیر وغیرھا)

صاحب تفسیر ماجدی ان واقعات کے بارے میں لکھتے ہیں:

''موقع نزول کی روایتیں متعدد ہیں لیکن ان میں تعارض وتناقض کچھ بھی نہیں۔'' (تفسیر ماجدی)

اب اس آیت کی ایک عمومی اور جامع تفسیر ملاحظہ فرمائیے:

اسلامی سیاست، تقویٰ اور توکل

عمومی احسانات یاد دلانے کے بعد بعض خصوصی احسان یاد دلاتے ہیں یعنی قریش اور ان کے پٹھوؤں نے حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کو صدمہ پہنچانے اور اسلام کو مٹانے کیلئے کس قدر ہاتھ پاؤں مارے مگر حق تعالیٰ کے فضل ورحمت نے اُن کا کوئی داؤ چلنے نہ دیا اس احسان عظیم کا اثر یہ ہونا چاہئے کہ مسلمان غلبہ اور قابو حاصل کر لینے کے باوجود اپنے دشمنوں کو ہر قسم کے ظلم اور زیادتی سے محفوظ رکھیں اور جوش انتقام میں عدل وانصاف کا رشتہ ہاتھ سے نہ چھوڑیں جیسا کہ پچھلی آیات میں اس کی تاکید کی گئی ہے ممکن ہے کسی کو یہ شبہ گذرے کہ ایسے معاند دشمنوں کے حق میں اس قدر رواداری کی تعلیم کہیں اصول سیاست کے خلاف تو نہ ہوگی۔ کیونکہ ایسا نرم برتاؤ دیکھ کر مسلمانوں کے خلاف شریروں اور بدباطنوں کی جرأت بڑھ جانے کا قوی احتمال ہے اس کا ازالہ واتقوا اللہ وعلی اللہ فلیتوکل المومنون سے فرمادیا۔ یعنی مومن کی سب سے بڑی سیاست ''تقویٰ'' اور ''توکل علی اللہ'' (خدا سے ڈرنا اور اسی پر بھروسہ کرنا) ہے۔ خدا سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر وباطن میں اس سے اپنا معاملہ صاف رکھو اور جو عہد واقرار کئے ہیں ان کی پوری وفاداری دکھلاتے رہو پھر بحمد اللہ کسی سے کوئی خطرہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

نکتہ

شکست کو کس طرح برداشت کرنا ہے سورۃ آل عمران میں تفصیل کے ساتھ اس کا پورا نصاب سمجھایا گیا۔ اور سورۃ نساء

میں بھی وہ مضمون چلتا رہا۔اب سورۃ مائدہ میں زیادہ زور اس پر ہے کہ فتح اور طاقت کو کس طرح برداشت کرنا ہے۔یعنی جب اللہ پاک فتح دے اور طاقت عطاء فرمائے تو اس وقت مجاہدین کو کیا کرنا چاہئے۔اس لئے کہ جس طرح شکست کے بعد دل ہار بیٹھنا اور کافروں کے سامنے جھک جانا ناکامی ہے اسی طرح فتح اور طاقت کے بعد ظلم، بے انصافی اور بدعہدی میں مبتلا ہو جانا بھی ناکامی ہے۔شکست کے بعد مایوس ہونا اور فتح کے بعد مغرور ہونا سچے مسلمان کا شیوہ نہیں ہے فتح ہو یا شکست مسلمان ہر حال میں مسلمان رہے، اور اللہ تعالیٰ کا بندہ بن کر رہے یہی اس کی کامیابی ہے۔اور جہاد دین کے غلبے کے لئے ہے نہ کہ افراد کے غلبے کے لئے۔بہر حال سورۃ مائدہ کی ان تمام آیات میں بہت اہم بہت اونچے اور بہت ضروری مضامین جہاد کا بیان ہے۔شکست کی حالت میں جو ”امراض“ شیطان کی طرف سے مسلط کئے جاتے ہیں ان کا مفصل علاج بیان ہو چکا۔اب ان امراض کا علاج بیان ہو رہا ہے جو فتح اور طاقت کی صورت میں مسلط ہوتے ہیں۔ اور اگر ان کا علاج نہ کیا جائے تو پھر کامیابی ناکامی میں، غلبہ مغلوبیت میں اور فتح شکست میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ حضرات مفسرین نے اس آیت کے ذیل میں یہ بھی لکھا ہے کہ دنیاوی نعمتیں۔مثلاً فتح اور حفاظت وغیرہ کو بھی حقیر نہ سمجھا جائے۔اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت قدر کے لائق و واجب ہے وہ دینی نعمت ہو یا دنیاوی۔(واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

تفسیر حقانی میں ہے کہ اس آیت میں حدیبیہ کے قصے کی طرف بھی اشارہ ہو سکتا ہے کہ قریش سے جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی۔(تفسیر عثمانی)

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۱۲،۱۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ

اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا اور ہم نے ان میں سے بارہ

نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ

سردار مقرر کیے اور اللہ تعالیٰ نے کہا میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز کی پابندی کرو گے اور

الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا

زکوۃ دیتے رہو گے اور میرے سب رسولوں پر ایمان لاؤ گے اور ان کی مدد کرو گے اور اللہ تعالیٰ کو اچھے طور پر قرض

حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

دیتے رہو گے تو میں ضرور تمہارے گناہ تم سے دور کردوں گا اور تمہیں باغوں میں داخل کروں گا جن کے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾

نیچے نہریں بہتی ہیں پھر جو کوئی تم میں سے اس کے بعد کافر ہوا وہ بے شک سیدھے راستے سے گمراہ ہوا۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ

پھر ان کی عہد شکنی کے باعث ہم نے ان پر لعنت کی اور ان کے دلوں کو سخت کردیا وہ لوگ

الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ

کلام کو اس کے ٹھکانے سے بدلتے ہیں اور اس نصیحت سے نفع اٹھانا بھول گئے جو انہیں کی گئی تھی اور تو ہمیشہ ان کی کسی نہ کسی

عَلٰي خَاىِٕنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ

خیانت پر اطلاع پاتا رہے گا مگر تھوڑے ان میں سے سو انہیں معاف کر اور درگزر کر

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

بے شک اللہ تعالیٰ نیکی کرنے والوں کو پسند کرتا ہے

خلاصہ

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا تھا۔ اور اس عہد کی نگرانی کے لئے ان میں بارہ نقیب مقرر فرمائے۔ (جن کی ذمہ داری جہاد میں دشمنوں کے حالات پر نظر رکھنے کی بھی تھی) اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم رکھو گے، زکوۃ ادا کرتے رہو گے اور میرے تمام رسولوں پر ایمان لاتے رہو گے اور دشمنوں کے مقابلہ میں ان

کی مدد کرتے رہوگے اور زکوٰۃ کے علاوہ بھی اچھے کاموں میں مال خرچ کر کے اللہ تعالیٰ کو اچھا قرضہ دیتے رہوگے، تو میں ضرور تمہارے گناہ تم سے دور کردوں گا اور تمہیں جنتوں میں داخل کرونگا۔ اور جو اس عہد کے بعد بھی کفر کرے گا تو وہ گمراہ ہوگا۔ لیکن بنی اسرائیل نے اس عہد کو توڑ ڈالا اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی اور ان کے دل سخت کردیئے وہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تحریف کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نصیحت سے پورا فائدہ نہیں اٹھاتے۔ دینی معاملات میں ان کی نئی نئی خیانتیں مسلسل سامنے آتی رہتی ہیں۔ ان میں سے اکثر کا یہی حال ہے، بہت تھوڑے لوگ ایسے نہیں ہیں۔ (ان کے خلاف قتال کا حکم آنے تک) فی الحال معافی اور درگذر کا معاملہ فرمائیں۔

جہادی مضامین

❶ بنی اسرائیل کو بھی جہاد کا حکم دیا گیا تھا اور ان سے جہاد میں شرکت کا عہد لیا گیا تھا اس آیت میں وعزرتموھم کے الفاظ میں اسی کا بیان ہے۔

❷ اس آیت میں اس قصے کی طرف بھی اشارہ ہے، جس میں بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے جہاد سے منہ موڑا جس کی نحوست سے وہ سالہا سال تک مقدس سرزمین میں داخل نہ ہو سکے اور ان کی پوری ایک نسل جنگلوں میں وباؤں اور دشمنوں کی تلواروں سے فنا کردی گئی۔

❸ جہاد سے پہلے دشمنوں کے حالات پر نظر رکھنے کے لئے جاسوسی نظام بنانا چاہئے۔ اس آیت میں جن بارہ نقیبوں کا تذکرہ ہے ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دشمنوں کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا تھا۔

❹ جن اعمال پر اللہ تعالیٰ نے اپنی معیت اور مدد کا وعدہ فرمایا ہے ان میں جہاد بھی شامل ہے۔

❺ اشارۃً معلوم ہوتا ہے کہ عنقریب مسلمانوں کو اہل کتاب سے جہاد کی اجازت ملنے والی ہے۔ جو کچھ عرصہ بعد مل گئی۔

اقوال وحوالے

❶ جہاد کا عہد:

کانہ قیل: لئن اقمتم الصلوٰۃ وآتیتم الزکوٰۃ وجاھدتم فی سبیل اللہ۔

یعنی گویا کہ یوں فرمایا گیا اگر تم نے نماز کو قائم کیا اور زکوٰۃ دیتے رہے اور تم نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا۔ (روح المعانی)

❷ دشمنوں کا مقابلہ:

عزرتموھم ای رددتم عنھم اعدائھم (قرطبی)

یعنی رسولوں کے دشمنوں کا مقابلہ کروگے۔

امنتم برسلی وعزر تموهم ۔ یعنی جو پیغمبر میری طرف سے آئندہ آتے رہیں گے ان کی تصدیق کرو گے (اور) ان کے دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی مدد کرو گے۔ (تفسیر ماجدی)

بارہ جاسوس

''یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد کا وہ واقعہ ہے جبکہ موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل بیابانوں (یعنی جنگلوں اور صحراؤں) میں ٹکراتے ٹکراتے یعنی (بھٹکتے بھٹکتے) دشت فاران میں پہنچے تو خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ تو بنی اسرائیل کے بارہ اسباط یعنی قبائل میں سے ایک ایک سردار نقیب یعنی جاسوس بنا کر ''کنعان'' کی اس سرزمین بھیج کہ جس کے دینے کا میں نے تم سے عہد کیا ہے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ہر سبط سے یہ بارہ سردار نقیب بنا کر بھیجے۔'' (تفسیر حقانی)

نقیب

'' زجاج رحمہ اللہ کہتے ہیں نقیب بروزن فعیل ،نقب بمعنی کھودنے اور چھید کرنے سے مشتق ہے چونکہ جو لوگ کسی قوم کی طرف جاسوسی اور تفتیش کے لئے جاتے ہیں وہ امر کی تفتیش کرتے ہیں۔کھود کر بات نکالتے ہیں اس لئے ان کو نقیب کہتے ہیں جس کی جمع نقباء آتی ہے اور نقیب قوم کے مصالح اور فوائد ملحوظ رکھنے والے کو بھی کہتے ہیں۔'' (تفسیر حقانی حاشیہ)

جہاد میں جاسوسی نظام قائم کرنے کی دلیل

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وفیها ایضاً دلیلٌ علیٰ أتخاذ الجاسوس، والتجسّس التبحّث وقد بعث رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم بسبسة عیناً اخرجه مسلم وسیاتی حکم الجاسوس فی الممتحنه ان شاء اللہ تعالیٰ. (قرطبی)

اس آیت میں جاسوس مقرر کرنے کی بھی دلیل ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بسبسہ رضی اللہ عنہ کو جاسوس بنا کر بھیجا۔ یہ روایت صحیح مسلم میں ہے۔اور ان شاء اللہ جاسوس کا حکم ''سورۃ ممتحنہ'' میں آئے گا۔ (قرطبی)

تنبیہ

خذوا حذرکم کی تفسیر میں بھی گذر چکا ہے کہ مسلمانوں کو بہت تدبّر اور حکمت عملی سے جنگ کرنے کا حکم ہے۔ اور اس کے لئے جاسوسی نظام کا مضبوط ہونا ضروری ہے تاکہ دشمنوں کے حالات،طاقت اور سازشوں پر پوری نظر رہے۔ یہ جہاد کا بہت شان والا اور فضیلت والا شعبہ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کے خاص صحابہ کرام اس کے لئے منتخب کئے جاتے تھے۔ آج بھی وہ ممالک جو دنیا پر قبضہ کرنے کے عزائم رکھتے ہیں ان کے ہاں جاسوسی اداروں کی بہت قدر و منزلت ہوتی ہے۔ جبکہ مسلمانوں کے ہاں یہ لفظ کافی ''بدنام'' ہے،اسی بدنامی کی وجہ

سے ممکن ہے یہ لفظ کئی حضرات کو کھٹکے۔ان سے گذارش ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جہادی واقعات کا بغور مطالعہ فرمائیں۔(واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ

علامہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس آیت کے ذیل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے انصار کے بارہ نقیب مقرر کرنے اور اس امت میں بارہ خلفاء آنے کی روایات نقل فرمائی ہیں وہ بارہ خلفاء کون ہیں؟ اس پر بحث فرمائی ہے اور امام مہدی کو بھی ان میں شامل کیا ہے اور رافضیوں کے عقیدہ امامت کی بھی تردید فرمائی ہے۔پوری بحث دیکھنے کے لئے ملاحظہ فرمایئے تفسیر ابن کثیر۔

سُوْرَةُ المَائِدَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۰، ۲۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم اللہ تعالیٰ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو

اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ

جب کہ تم میں نبی پیدا کیے اور تمہیں بادشاہ بنایا اور تمہیں وہ دیا

اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۰﴾ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ

جو جہان میں کسی کو نہ دیا تھا۔ اے میری قوم اس پاک زمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے

كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۲۱﴾

تمہارے لیے مقرر کردی اور پیچھے نہ ہٹو ورنہ نقصان میں جا پڑو گے

خلاصہ

اور وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو دعوت جہاد دینے سے پہلے بطور تمہید کے فرمایا اے میری قوم اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کے احسانات کو یاد کرو کہ اس نے تم میں کئی انبیاء پیدا فرمائے اور تمہیں آزادی اور حکومت عطاء فرمائی اور تم کو بعض وہ چیزیں دیں جو دنیا جہان والوں میں سے کسی کو نہیں دیں۔ (مثلاً دریا میں راستہ بنانا، دشمن کو عجیب طریقے سے غرق کرنا وغیرہ) اے میری قوم (ان نعمتوں اور احسانوں کا تقاضا یہ ہے کہ تم قوم عمالقہ کے خلاف جہاد کے حکم میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کرو) اور اس برکت والے ملک میں جہاد کے ارادہ سے داخل ہو جاؤ کہ اس ملک کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے حصہ میں لکھ دیا ہے (اس لئے بس داخل ہوتے ہی فتح مل جائے گی) اور پسپائی اختیار نہ کرو کہ پھر بالکل خسارے میں جا پڑو گے (دنیا میں اس بابرکت اور کشادہ ملک شام سے محروم رہو گے اور آخرت میں ''فریضہ جہاد'' کے چھوڑنے کے گناہگار بنو گے) (مفہوم بیان القرآن)

ربط

اوپر یہود و نصاریٰ کی عہد شکنی کا بیان تھا آگے خاص یہود کی ایک عہد شکنی کا قصہ مذکور ہے کہ انہوں نے جہاد سے کہ فرض تھا انکار کیا۔ (بیان القرآن)

کلام برکت

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے اپنے جامع کلام میں اس پورے قصے کو یوں سمیٹا ہے:

"حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے باپ کا وطن چھوڑ نکلے اللہ تعالیٰ کی راہ میں اور ملک شام میں آ کر ٹھہرے اور مدت تک ان کو اولاد نہ ہوئی۔ تب اللہ تعالیٰ نے ان کو بشارت فرمائی کہ تیری اولاد بہت پھیلاؤں گا اور زمین شام ان کو دوں گا اور نبوت اور دین اور کتاب اور سلطنت ان میں رکھوں گا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت وہ وعدہ پورا ہوا۔ بنی اسرائیل کو فرعون کی بیگار (یعنی غلامی) سے خلاص کیا اور اس (فرعون) کو غرق کیا اور ان (بنی اسرائیل) کو فرمایا تم جہاد کرو عمالقہ سے ملک شام چھین لو پھر ہمیشہ وہ ملک شام تمہارا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارہ شخص بارہ قبیلہ بنی اسرائیل پر سردار کئے تھے انکو بھیجا کہ اس ملک کی خبر لاویں، وہ خبر لائے تو ملک شام کی بہت خوبیاں بیان کیں اور وہاں مسلط تھے عمالقہ، ان کی قوت زور کو بھی بیان کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو کہا تم قوم کے پاس خوبی ملک بیان کرو اور قوتِ دشمن نہ کہو ان میں دو شخص اس حکم پر رہے اور دس نہ رہے قوم نے سنا تو نامردی (یعنی بزدلی) کرنے لگے اور چاہا کہ پھر الٹے مصر میں جاویں۔ اس تقصیر (یعنی غلطی) سے چالیس برس فتح شام کو دیر لگی اس قدر مدت جنگلوں میں پھرتے رہے، جب اس قرن کے لوگ مر چکے مگر وہ دو شخص کہ وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد خلیفہ ہوئے ان کے ہاتھ سے فتح ہوئی۔ (موضح القرآن)

فائدہ

ان آیات کے ذیل میں حضرات مفسرین نے کئی بحثیں فرمائی ہیں:

❶ وجعلكم ملوكاً تمہیں بادشاہ بنایا۔ اس سے کیا مراد ہے۔ حضرات مفسرین نے بہت سے اقوال لکھے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ اے بنی اسرائیل اب تم آزاد، خود مختار اور مستقبل کے حکمران ہو۔

❷ وآتكم مالم يؤت احداً من العالمين اور تمہیں وہ چیزیں دیں جو جہاں بھر میں کسی کو نہیں دیں۔ ان چیزوں سے کیا مراد ہے؟ اور اس جملے سے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت پر تو کوئی فرق نہیں پڑتا؟ خلاصہ یہ کہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا وہ تو مسلّم ہے۔

❸ الارض المقدسة مقدس سرزمین سے کونسا علاقہ مراد ہے حضرات مفسرین کے بہت سے ملتے جلتے اقوال ہیں، خلاصہ ان سب کا ملک شام، علاقہ کنعان یعنی فلسطین ہے۔ یہ تینوں دلچسپ بحثیں ملاحظہ فرمانے کے لئے تفسیر قرطبی، تفسیر کبیر وغیرھا کی طرف رجوع فرمائیں۔

دعوت جہاد

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون سے تو بغیر لڑے نجات دے دی مگر بیت المقدس والی مقدس زمین۔ یعنی ملک شام عطاء فرمانے کے لئے جہاد کی شرط عائد فرما دی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور خود ان کا دینی مقام یاد دلا کر جہاد کی دعوت دی اور آخر میں ترک جہاد کی وعید بھی سنائی اور فرمایا: ولا ترتدوا علىٰ ادباركم فتنقلبوا خسرين۔

’’یعنی جہاد فی سبیل اللہ میں بزدلی اور پست ہمتی دکھا کر غلامی کی زندگی کی طرف مت بھاگو‘‘ (تفسیر عثمانی)

گویا ان دو آیات میں مکمل دعوتِ جہاد آ گئی ہے۔ کہ انسان پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تقاضا یہ ہے کہ وہ جہاد میں نکلے اور زمین کو کفر اور ظلم سے پاک کرے اور جس شخص پر اللہ تعالیٰ کا احسان جتنا زیادہ ہو اس کو اتنی زیادہ محنت جہاد میں کرنی چاہیے۔ بنی اسرائیل نے اتنی مؤثر دعوت کے باوجود جہاد سے منہ موڑا چنانچہ چالیس سال تک جنگلوں میں مرتے رہے بالآخر نئی نسل جوان ہوئی اور انہوں نے وقت کے نبی کے ساتھ مل کر جہاد کیا تو سرزمین مقدس فتح ہو گئی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

غلامانہ ذہنیت

’’جب ایک قوم عرصہ تک غلامی کی حالت میں رہتی ہے تو اس میں بلند مقاصد کے لئے جدوجہد کی استعداد باقی نہیں رہتی وہ غلامی کا ’’امن‘‘ پسند کرنے لگتی ہے اگرچہ ذلت ونامرادی کے ساتھ ہو اور مقاصد کی جدوجہد سے جی چرانے لگتی ہے، اگرچہ اس کا نتیجہ کامرانی واقبال ہو، یہی حال بنی اسرائیل کا تھا، مقاصدِ امور کے لئے ان میں عزم وہمت نہ تھی، بزدلی وبے طاقتی نے قدم پکڑ لئے تھے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں حکم دیا کہ سرزمین کنعان میں داخل ہو جو تمہاری موعودہ سرزمین ہے تو کہنے لگے وہاں بڑے طاقتور لوگ رہتے ہیں ان کے مقابلہ کی ہم میں طاقت نہیں جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں، ہم قدم نہیں اٹھائیں گے تورات میں ہے کہ بنی اسرئیل جنگ کی دہشت سے اس قدر بے طاقت ہو گئے کہ رو رو کر کہتے ’’خدایا! تو نے ہمیں مصر سے کیوں نکالا؟ کیا اسی لئے کہ ہم کنعانیوں کی تلوار سے قتل ہو جائیں؟ انہوں نے ارادہ کر لیا تھا کہ مصر واپس چلے جائیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھوڑ دیں (گنتی باب ۱۳-۱۴) اس پر حکم الٰہی ہوا کہ چالیس سال تک یہ لوگ جزیرہ نمائے سینا کے میدانوں ہی میں پڑے رہیں گے، اس میں مصلحت یہ تھی کہ چالیس سال کے اندر پچھلی نسل ختم ہو جائے گی جسے مصر کی غلامانہ زندگی نے نکما کر دیا ہے اور ایک نئی نسل پیدا ہو جائے گی جس نے بیابان کی آزادانہ آب وہوا میں نشوونما پائی ہو گی اور غلامانہ ذہنیت کی سمیّت سے محفوظ ہو گی چنانچہ جب چالیس سال گذر گئے اور ایک نئی نسل ظہور میں آ گئی تو وہ بڑھی اور موعودہ سرزمین پر قابض ہو گئی۔‘‘ (ترجمان القرآن)

غیرت جوش میں آنی چاہیے

’’موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو برانگیختہ کرنے کے لئے فرماتے ہیں تم نبی زادے بھی ہو اور شاہزادے بھی ہو لہٰذا تمہاری غیرت جوش میں آنی چاہیے، اپنے باپ دادا کا ملک دشمن سے لڑ کر چھین لو، چونکہ ان پر نقض عہد کے باعث لعنت نازل ہو چکی تھی اور اس لعنت کا نتیجہ بزدلی ہے لہٰذا وہ ذرا بھی متاثر نہیں ہوئے۔‘‘ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

☆☆☆

سُورَةُ المَائِدَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا

انہوں نے کہا اے موسیٰ بے شک وہاں ایک زبردست قوم ہے اور ہم وہاں ہرگز نہ جائیں گے

حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾

یہاں تک کہ وہ وہاں سے نکل جائیں پھر اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم ضرور داخل ہوں گے

خلاصہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت جہاد کے جواب میں قوم نے کہا اے موسیٰ علیہ السلام اس سرزمین پر ایسے لوگ قابض ہیں جو بہت طاقتور ہیں ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے، جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں ہم تو اس سرزمین میں داخل نہیں ہوتے ہاں اگر وہ لوگ وہاں سے نکل گئے تو پھر ہم ضرور داخل ہو جائیں گے۔

یہ عمالقہ تھے

یہ قوم عمالقہ کی تھی جو ایک بڑی زور آور اور جنگ آزما قوم تھی، بنی اسرائیل کی پرانی حریف، توریت اور تاریخ بنی اسرائیل اس کی خون ریزیوں کی داستان سے رنگین ہے۔ (تفسیر ماجدی)

عمالقہ کے بارے میں مبالغہ

اسرائیلی روایات میں اس قوم کے بارے میں عجیب وغریب مبالغہ آمیز باتیں نقل کی گئی ہیں علامہ آلوسی رحمہ اللہ نے روح المعانی میں بعض روایات کو ذکر کر کے ان کی تردید فرمائی ہے اور عقل ونقل کے دلائل سے ان کا غلط اور باطل ہونا ثابت کیا ہے۔ دراصل یہودی ویسے ہی جھوٹ کے عادی ہیں۔ ان کے بڑوں نے محض بزدلی کی وجہ سے جہاد چھوڑا بعد والوں نے ان کے عیب کو مجبوری قرار دینے کے لئے قوم عمالقہ کو پہاڑوں سے اونچی قوم قرار دے دیا۔ کہاں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین جو زخموں سے چور حمراء الاسد تک ابوسفیان کے فاتح لشکر کے پیچھے دوڑے جا رہے تھے اور کہاں یہ بنی اسرائیل جو فتح کے واضح وعدے کے باوجود واپس مصر کی طرف دوڑنے کی کوشش کر رہے تھے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُورَۃُ المَائِدَۃِ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۲۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْہِمَا ادْخُلُوْا

اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والوں میں سے دو مردوں نے کہا جن پر اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ ان پر حملہ کر کے

عَلَیْہِمُ الْبَابَ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْہُ فَاِنَّکُمْ غٰلِبُوْنَ وَعَلَی اللّٰہِ فَتَوَکَّلُوْا

دروازہ میں گھس جاؤ پھر جب تم اس میں گھس جاؤ گے تو تم ہی غالب ہو گے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھو

اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۳﴾

اگر تم ایمان دار ہو

خلاصہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت جہاد کی تائید کے لئے وہ دو آدمی کھڑے ہوگئے جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں (ایمان اور وفائے عہد جیسی) نعمتیں عطاء فرمائی تھیں۔

انہوں نے لوگوں سے کہا (اس قدر بے ہمت اور بزدل کیوں ہو رہے ہو) تم ان پر (چڑھائی کر کے) اس شہر کے دروازہ تک تو چلو۔ پس تم جس وقت دروازہ میں قدم رکھو گے اسی وقت غالب آ جاؤ گے۔ اگر تم ایمان والے ہو تو پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرو۔

دو پکے مؤمن

قال ابن عباس وغیرہ: ھمایوشع وکالب بن یوقنا وکانا من الا ثنی عشر نقیبا. (القرطبی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ دو حضرات یوشع اور کالب بن یوقنا تھے اور یہ بارہ نقیبوں میں سے تھے۔

”ان دو میں ایک کا نام یوشع بن نون اور دوسرے کا کالب بن یوقنا۔ یوشع سردار تھے قبیلہ بنی افرائیم کے اور کالب قبیلہ بنی یہودا کے۔“ (تفسیر ماجدی)

کافروں سے مرعوب نہ ہونا اللہ تعالیٰ کا انعام ہے

انعم اللہ علیھما اللہ تعالیٰ کا فضل وانعام اس سے بڑھ کر کیا ہوگا کہ انہیں حق گوئی وحق پرستی کی توفیق دی اور وہ شوکتِ کفار سے مرعوب نہ ہوئے۔ (تفسیر ماجدی)

ان دونوں کی تقریر

قالا لبنی اسرائیل لایھولنّکم عظم اجسامھم فقلوبھم ملئت رعباً منکم فاجسامھم عظیمة وقلوبھم ضعیفةٌ۔ (القرطبی)

ان دونوں حضرات نے بنی اسرائیل سے کہا تمہیں ان دشمنوں کے بڑے جسم دہشت میں نہ ڈالیں کیونکہ تمہارا رعب ان کے دلوں پر مسلط ہے ان کے جسم اگرچہ بڑے ہیں مگر ان کے دل کمزور ہیں۔

جہاد میں نکلنا توکل ہے

''یعنی ہمت کر کے شہر کے پھاٹک تک تو چلو پھر خدا تم کو غالب کرے گا، خدا اسی کی مدد کرتا ہے جو خود بھی اپنی مدد کرے، معلوم ہوا کہ اسباب مشروعہ کو ترک کرنا توکل نہیں ''توکل'' یہ ہے کہ کسی نیک مقصد کے لئے انتہائی کوشش اور جہاد کرے پھر اس کے مثمر اور منتج ہونے کے لئے خدا پر بھروسہ رکھے، اپنی کوشش پر نازاں اور مغرور نہ ہو۔ باقی اسباب مشروعہ کو چھوڑ کر خالی امیدیں باندھتے رہنا توکل نہیں تعطّل ہے۔'' (تفسیر عثمانی)

بچنے والے مر گئے

بنی اسرائیل نے جان بچانے کے لئے، جہاد میں جانے سے انکار کیا۔ ان کے دلوں پر دشمن کی طاقت کا رعب چھا چکا تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ اگر انہوں نے حملہ کیا تو وہ مارے جائیں گے۔ پوری قوم میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کے علاوہ صرف دو شخص جہاد کے لئے خود بھی تیار تھے اور اپنی قوم کو بھی دعوت دے رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور شان دیکھئے۔ بیس سال سے زیادہ عمر کے تمام لوگ اسی وادی تیہ میں مارے گئے سوائے ان دو حضرات کے جو جہاد میں جانے کو تیار تھے، مطلب یہ ہوا کہ جو بچنا چاہتے تھے وہ مر گئے اور جو قربانی کے لئے تیار تھے وہ بچ گئے۔ اور فاتح بن کر اس شہر میں داخل ہوئے۔ بے شک اس قصہ میں مسلمانوں کے لئے بہت بڑا سبق ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا

کہا اے موسیٰ ہم کبھی بھی وہاں داخل نہیں ہوں گے جب تک کہ وہ اس میں ہیں

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿۲۴﴾

سو تو اور تیرا رب جائے اور تم دونوں لڑو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں

خلاصہ

بنی اسرائیل پر ان دونوں حضرات کے بیان کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا بلکہ ان کی ہٹ دھرمی، بزدلی اور گستاخی اس قدر بڑھ گئی کہ کہنے لگے اے موسیٰ! جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں ہم کبھی اس میں داخل ہونے والے نہیں تم اور تمہارا رب وہاں چلے جائیں ہم تو یہاں بیٹھے ہیں تم اور تمہارا رب وہاں ان سے لڑتے رہنا۔

گستاخی یا شرک؟

’’اسرائیلیوں کی اس تقریر کا گستاخانہ طنز تو ظاہر ہی ہے لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مشرک قوموں سے متاثر ہوکر یہ موحّد قوم بھی اپنے عقیدے میں شرک اس حد تک داخل کر چکی ہو، مشرک قوموں کا یہ ایک عام دستور تھا کہ میدان جنگ میں جاتے تو اپنی مورتیوں، ٹھاکروں کو اپنے ساتھ لے جاتے اور یہ عقیدہ رکھتے کہ انکے دیوتا بھی ان کے ساتھ ساتھ ہیں‘‘ (تفسیر ماجدی)

مطلب یہ کہ بنی اسرائیل نے نہایت بے ادبی، گستاخی اور بے زاری کے ساتھ اپنا آخری فیصلہ سنا دیا کہ ہم نے جہاد میں نہیں جانا۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سخت غم کی حالت میں وہ دعاء فرمائی جو اگلی آیت میں آتی ہے۔

سُورَةُ المَائِدَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ

موسیٰ نے کہا کہ اے میرے رب میرے اختیار میں تو سوائے میری جان اور میرے بھائی کے اور کوئی نہیں سو ہمارے درمیان

الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۵﴾

اور اس نافرمان قوم کے درمیان جدائی ڈال دے

خلاصہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جب قوم کی یہ حالت دیکھی تو اللہ تعالیٰ کے حضور دعاء مانگی:

اے میرے رب! میرے اختیار میں نہیں مگر میری اپنی جان اور میرا بھائی۔ پس جدائی فرمادے ہمارے اور اس نافرمان قوم کے درمیان۔

یا اللہ ہم دونوں حاضر ہیں

موسیٰ علیہ السلام مایوس ہوکر بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتے ہیں خداوندا ہم دونوں بھائی تیرے حکم کی تعمیل کے لئے حاضر ہیں، اور ہم ان نالائقوں میں رہنا بھی نہیں چاہتے۔ (حاشیہ حضرت لاہوری)

یوشع اور کالب بھی دعاء میں شامل

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سخت دلگیر ہوکر یہ دعاء فرمائی چونکہ تمام قوم کی عدول حکمی، بزدلانہ عصیان کو مشاہدہ فرما رہے تھے اس لئے دعاء میں بھی اپنے اور اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے سوا کہ وہ بھی نبی معصوم تھے اور کسی کا ذکر نہیں کیا، یوشع علیہ السلام اور کالب بھی دونوں کے ساتھ تبعاً آ گئے۔ (تفسیر عثمانی)

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وایضا یجوز ان یکون المراد بالأخ من یواخیه فی الدین وعلیٰ هذا التقدیر فکانا داخلین فی قوله واخی۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ اَخ یعنی بھائی سے مراد ''دینی بھائی'' ہو اس صورت میں وہ دونوں حضرات (یوشع اور کالب) دعاء میں شامل ہوجائیں گے۔ (التفسیر الکبیر)

☆☆☆

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۲۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ

فرمایا تحقیق وہ زمین ان پر چالیس برس حرام کی گئی ہے اس ملک میں سرگرداں پھریں گے

فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ۲۶

سو تو نافرمان قوم پر افسوس نہ کر

خلاصہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاء کے بعد اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ فیصلہ صادر ہوا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا۔ ٹھیک ہے وہ ملک ان پر چالیس سال کے لیے حرام کر دیا گیا ہے یہ لوگ زمین میں بھٹکتے پھریں گے پس آپ اس نافرمان قوم پر افسوس نہ کیجئے۔

دعاء موسوی قبول ہوگئی

❶ استجاب اللّٰہ دعاءہ وعاقبھم فی التّیہ اربعین سنۃ۔ (القرطبی)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاء قبول فرمائی اور بنی اسرائیل کو بطور سزا چالیس سال تک زمین میں بھٹکایا۔

❷ امام رازی رحمہ اللہ نے اس پر بحث فرمائی ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام بھی وادی تیہ میں قوم کے ساتھ تھے یا نہیں تھے؟ پھر دونوں طرح کے اقوال اور ان کے دلائل نقل کئے ہیں۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ بعض کے نزدیک ملک شام حضرت یوشع بن نون نے فتح کیا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بھانجے اور آپ کے وصی اور جانشین تھے اور ایک قول یہ بھی نقل کیا کہ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ملک شام فتح فرمایا (ملاحظہ فرمائیے اس مکمل تفصیل کے لئے۔ التفسیر الکبیر)

❸ یعنی جدائی کی دعاء حسی اور ظاہری طور پر تو قبول نہ ہوئی ہاں معنیً جدائی ہوگئی کہ وہ سب تو عذاب الٰہی میں گرفتار ہو کر حیران و سرگرداں پھرتے تھے اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام پیغمبرانہ اطمینان اور پورے قلبی سکون کے ساتھ اپنے منصب ارشاد و اصلاح پر قائم رہے جیسے کسی بستی میں عام وباء پھیل پڑے اور ہزاروں بیماروں کے مجمع میں دو چار تندرست اور قوی القلب ہوں جو ان کے معالجہ، چارہ سازی اور تفقد احوال میں مشغول رہیں۔ اگر فافرق بیننا کا ترجمہ "جدائی کردے" کی جگہ "فیصلہ کردے" ہوتا تو یہ مطلب زیادہ واضح ہو جاتا۔ (تفسیر عثمانی)

زمین کی حرمت ترک جہاد کی وجہ سے ہوئی

والمراد بقولہ کتب اللّٰہ لکم ای بشرط أن تجاھدوا اھلھا فلمّا ابوا الجھاد قیل فانھا محرمۃٌ علیھم۔ (المدارک)

پہلے فرمایا گیا تھا کہ کتب اللہ لکم کہ یہ زمین اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھدی ہے تو اس سے مراد یہ تھا کہ اس شرط پر کہ تم وہاں کے لوگوں سے جہاد کرو گے تمہارے لئے یہ زمین لکھ دی گئی ہے پھر جب انہوں نے جہاد سے انکار کیا تو انہیں کہہ دیا گیا کہ یہ زمین تم پر حرام ہے۔ (پس دونوں میں کچھ تضاد نہیں ہے)

حاصل کلام

ان سات آیات میں دعوت جہاد کا طریقہ، جہاد کی فضیلت و برکت، ترک جہاد کا عذاب اور وبال جیسے اہم مضامین جہاد بہت ترتیب و تفصیل سے سمجھائے گئے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ خوب غور کریں۔ حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے ان سات آیات پر جو وجد آفرین تقریر فرمائی ہے وہ ملاحظہ کیجئے:

''حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ سب قصہ اہل کتاب کو سنایا اس پر کہ تم پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت نہ کرو گے جیسے تمہارے اجداد نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رفاقت چھوڑ دی تھی اور جہاد سے جان چرا بیٹھے تھے۔ تو یہ نعمت اوروں کو نصیب ہوگی، چنانچہ نصیب ہوئی۔ ایک لمحہ کیلئے اس سارے رکوع کو سامنے رکھ کرامت محمدیہ کے احوال پر غور کیجئے ان پر خدا کے وہ انعامات ہوئے جو نہ پہلے کسی امت پر ہوئے نہ آئندہ ہوں گے ان کے لئے خاتم الانبیاء سید الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کو ابدی شریعت دے کر بھیجا۔ ان میں وہ علماء اور ائمہ پیدا کئے جو باوجود غیر نبی ہونے کے انبیاء کے وظائف (یعنی کاموں) کو نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔ ایسے خلفاء نبی علیہ السلام کے بعد امت کے قائد بنے جنہوں نے سارے جہان کو اخلاق اور اصول سیاست وغیرہ کی ہدایت کی، اس امت کو بھی جہاد کا حکم ہوا عمالقہ کے مقابلہ میں نہیں روئے زمین کے تمام جبارین کے مقابلہ میں۔ محض سرزمین ''شام'' فتح کرنے کے لئے نہیں بلکہ شرق و غرب میں ''کلمۃ اللہ'' بلند کرنے اور فتنہ کی جڑ کاٹنے کے لئے۔ بنی اسرائیل سے خدا نے ارض مقدسہ کا وعدہ کیا تھا لیکن اس امت سے یہ وعدہ فرمایا:

وعداللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضی لھم ولیبد لنھم من بعد خوفھم اٰمنا۔ (النور)

اگر بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام نے جہاد میں پیٹھ پھیرنے سے منع کیا تھا تو اس امت کو بھی خدا نے اس طرح خطاب کیا یا ایھا الذین اٰمنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوھم الادبار۔ (الانفال)

انجام یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے رفقاء تو عمالقہ سے ڈر کر یہاں تک کہہ گزرے کہ اذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون ۔ تم اور تمہارا پروردگار جا کر لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ لیکن اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہا کہ خدا کی قسم اگر آپ سمندر کی موجوں میں گھس جانے کا حکم دیں گے تو ہم اسی میں کود پڑیں گے اور ایک شخص بھی ہم سے علیحدہ نہیں رہے گا امید ہے کہ خدا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری طرف سے وہ چیز دکھلائے گا جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں گی، ہم اپنے پیغمبر کے ساتھ ہو کر اس کے دائیں اور بائیں، آگے اور پیچھے

ہر طرف سے جہاد کریں گے۔ خدا کے فضل سے ہم وہ نہیں جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہہ دیا تھا ’’اذھب انت وربك فقاتلا انا ھھنا قاعدون‘‘ اسی کا یہ نتیجہ ہے کہ جتنی مدت بنی اسرائیل فتوحات سے محروم ہوکر ’’وادی تیہ‘‘ میں بھٹکتے رہے اس سے کم مدت میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب نے مشرق ومغرب میں ہدایت وارشاد کا جھنڈا گاڑ دیا۔(رضی اللہ عنهم ورضوا عنه ذلك لمن خشي ربّه)۔(تفسیر عثمانی)

وادی تیہ

جس وادی میں بنی اسرائیل چالیس سال تک بھٹکتے رہے اور مارے مارے پھرتے رہے اس کی مسافت کتنی تھی، محل وقوع کیا تھا وہ کس طرح سے صبح چلتے اور شام کو اسی جگہ واپس پہنچ جاتے، انہوں نے جہاد چھوڑ کر کہا انّا ھھنا قاعدون تو اللہ تعالیٰ نے ان کو کس طرح سے چالیس سال تک اس طرح بٹھائے رکھا کہ چلتے تھے مگر آگے نہ بڑھ سکتے تھے۔ ان تمام عجیب وغریب احوال کے لئے ملاحظہ فرمایئے تفسیر البحر المحیط۔

فلا تأس علی القوم الفسقین.

فلا تحزن علیهم لانهم فاسقون. (المدارک)

یعنی ان پر غم نہ کریں کیونکہ یہ نافرمان لوگ ہیں۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی دعاء پر افسوس ہوا تو ان کا افسوس ختم کرنے کے لئے یہ فرمایا گیا۔(البحر المحیط)

دیکھا آپ نے کہ ترک جہاد کا گناہ کتنا سخت ہے کہ ان کی حالت پر افسوس کرنے سے بھی روک دیا گیا۔(العیاذ باللہ)

عجیب نکتہ

پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان آیات میں اہل کتاب کو اس بات کی تلقین کی گئی ہے کہ وہ ماضی کی غلطی نہ دہرائیں اور اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں ورنہ پھر وہ کفر وگمراہی میں بھٹکتے رہ جائیں گے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے والے کامیاب ہوجائیں گے۔ اہل کتاب خصوصاً یہودیوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار حسد کی وجہ سے کیا تھا اس لئے ان آیات کے بعد حسد کی مذمت پر ایک قصہ قرآن پاک نے بیان فرمایا۔ حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں ’’آگے اسی پر قصہ سنایا ہابیل وقابیل کا کہ حسد مت کرو حسد والا مردود ہے‘‘۔(موضح القرآن)

مجاہدین کیلئے سورج رُک گیا

تفسیر جلالین میں ہے:

روی انهم یسیرون اللیل جادین فاذا اصبحوا اذا هم فی الموضع الذی ابتدأوا منه

ویسیرون النهار کذلك. حتی انقرضوا کلهم الامن لم یبلغ العشرین وقیل: وکانوا ستمائة الف، ومات هارون وموسیٰ فی التیه وکان رحمة لهما وعذابا لاولئك سئل موسیٰ ربّه عند موته أن یدنیه من الارض المقدسة رمیة بحجرفأدناه کمافی الحدیث (الذی رواه مسلم ونبیء یوشع بعدالاربعین وأمر بقتال الجبارین فساربمن بقی معه وقاتلهم وکان یوم الجمعة وقفت له الشمس ساعة حتی فرغ من قتالهم وروی احمد فی مسنده حدیث "ان الشمس لم تحبس علیٰ بشر الالیوشع لیالی سار الی بیت المقدس. (تفسیر الجلالین)

یعنی مروی ہے کہ بنی اسرائیل رات بھر چلتے رہتے تھے جب صبح ہوتی تو خودکواسی جگہ پاتے جہاں سے انہوں نے چلنے کا آغاز کیا ہوتا تھا اور دن کو بھی اس طرح چلتے یہاں تک کہ سب مرمٹ گئے مگر وہ جن کی عمر بیس سال سے کم تھی۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی تعداد چھ لاکھ تھی، حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی اس وادی میں انتقال ہوگیا۔ یہ ان دونوں حضرات کے لئے رحمت تھی اور قوم کے لئے عذاب۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنی موت کے وقت اللہ تعالیٰ سے دعاء کی کہ وہ انہیں مقدس سرزمین سے اتنا قریب فرمادے جتنا پتھر پھینکنے کا فاصلہ ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اتنا قریب فرمادیا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے (جو امام مسلم نے روایت کی ہے) اور چالیس سال بعد حضرت یوشع علیہ السلام کو نبوت ملی، اور انہیں "جبارین" کے خلاف جہاد کا حکم دیا گیا، وہ باقی ماندہ بنی اسرائیل کو ساتھ لیکر نکلے اور جبارین کے خلاف جہاد کیا۔ وہ جمعہ کا دن تھا۔ اُس دن سورج کچھ دیر ان کے لئے رکا رہا یہاں تک کہ وہ قتال سے فارغ ہوئے۔ امام احمد نے اپنی مسند میں حدیث روایت کی ہے کہ سورج کسی انسان کے لئے نہیں روکا گیا مگر حضرت یوشع علیہ السلام کے لئے جن راتوں میں وہ بیت القدس کی طرف چلے۔

ایک اور روایت

واخرج عبدالرزاق والحاکم وصححه قوله صلی اللّٰه علیه وسلم ان نبیامن الانبیاء قاتل اهل مدینة حتی اذا کاد أن یفتحها خشی ان تغرب الشمس فقال: ایتهاالشمس انك مامورة وانا مأمور بحرمتی علیك الا وقفت ساعة من النهار قال: فحبسها اللّٰه تعالیٰ حتی افتتح المدینة. (قرة العینین)

یعنی امام عبدالرزاق اور امام حاکم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان روایت کیا ہے کہ انبیاء میں سے ایک نبی ایک شہر والوں سے جہاد کر رہے تھے، جب وہ شہر فتح کرنے کے قریب تھے تو انہیں اندیشہ ہوا کہ سورج غروب ہونے والا ہے۔ پس انہوں نے کہا اے سورج تو بھی اللہ تعالیٰ کے حکم کا پابند ہے اور میں بھی اس کے حکم پر مامور ہوں تجھے میری حرمت کا واسطہ ہے کہ کچھ دیر کے لئے رک جا۔ فرمایا! کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کو روک دیا یہاں تک کہ وہ شہر فتح ہوگیا۔

فائدہ

جہاد کے ذریعہ زمین کفر و شرک اور ظلم سے پاک ہوتی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہوتا ہے اس لئے سورج، سمندر، جنگل، پہاڑ اور تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کے حکم سے مجاہدین کا ساتھ دیتی ہیں جیسا کہ ہر زمانے میں ہوتا رہا ہے اور ان شاء اللہ ہر زمانے میں ہوتا رہے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۳۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اللہ تعالیٰ کا قرب تلاش کرو اور اللہ تعالیٰ کی

فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾

راہ میں جہاد کرو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ

خلاصہ

ایمان والے اگر اللہ تعالیٰ کے ہاں پوری کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو وہ تقویٰ اختیار کریں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے بچیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا قرب ڈھونڈیں۔ یعنی اس کے احکامات پر عمل کریں۔ اور ان احکامات میں سے خصوصی طور پر جہاد فی سبیل اللہ کا اہتمام کریں۔ تب پوری کامیابی ملے گی۔ (اور پوری کامیابی اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا حاصل ہونا اور جہنم سے بچنا ہے)

اقوال وحوالے

❶ پچھلی آیات میں ان لوگوں کا تذکرہ تھا جو اللہ اور رسول سے جنگ کرتے ہیں اور زمین پر فساد پھیلاتے ہیں۔ اس آیت میں ان ایمان والوں کا تذکرہ ہے جو اللہ اور رسول کے لئے جہاد کرتے ہیں اور اس کا قرب ڈھونڈنے کی محنت میں لگے رہتے ہیں۔ جہاد خود بھی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے اور اس کا قرب حاصل کرنے کا ایک بہترین ذریعہ ہے اس لئے یہ ''وسیلہ'' میں بھی شامل ہے۔ اور یہ وہ ''جنگ'' ہے جس کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہے اور اس جنگ سے زمین پر امن قائم ہوتا ہے، دین کو مضبوطی اور شریعت کو حفاظت ملتی ہے۔ گویا کہ حرام اور ناجائز جنگ کے بعد حلال اور افضل جنگ کو بیان فرمایا گیا۔ امام ابوحیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ولما كانت الآية (انما جزاء الذين يحاربون) نزلت فى العرنيين والكلبيين أوفى اهل الكتاب اليهود أوفى المشركين على الخلاف فى سبب النزول، وكل هولاء سعى فى الارض فساداً، نص على الجهاد وان كان مندرجاً تحت ابتغاء الوسيلة لان به صلاح الارض، وبه قوام الدين وحفظ الشريعة، فهو مغاير لأمر المحاربة اذا الجهاد محاربة مأذون فيها وبالجهاد يدفع المحاربون. (البحر المحيط)

❷ ''پچھلے رکوع کے آخر میں ان لوگوں کی دنیوی و اُخروی سزائیں بیان فرمائی تھی جو خدا اور رسول سے جنگ کرتے اور ملک میں بدامنی اور فساد پھیلاتے ہیں۔ اس رکوع میں مسلمانوں کو ان سزاؤں سے ڈرا کر جتلایا کہ جب شقی

اور بدبخت لوگ خدا اور رسول سے جنگ کریں تو تم خدا اور رسول کی طرف ہوکر جہاد کرو وہ اگر زمین پر فساد پھیلاتے ہیں تو تم اپنی کوشش اور حسن عمل سے امن وسکون قائم کرنے کی فکر کرو۔" (تفسیر عثمانی)

جہاد جامع عبادت ہے

کئی مفسرین حضرات نے اس آیت کی تفسیر میں یہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام احکامات دو قسموں میں منحصر ہیں:

❶ بری باتوں سے بچنا ❷ اچھی باتوں پر عمل کرنا۔ (ترک المنھیات اور فعل المامورات)

بری باتیں وہ ہیں جن سے شریعت نے منع فرمایا ہے اور اچھی باتیں وہ ہیں جن کا شریعت نے حکم دیا ہے۔ اس آیت میں ایمان والوں کو ان دونوں چیزوں کا حکم دیا گیا۔ یاایھاالذین امنوا اے ایمان والو! اتقوا اللہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔

تقویٰ اور پرہیزگاری کا معنیٰ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی چھوڑنا یعنی بری باتوں سے بچنا ہے۔ وابتغوا الیہ الوسیلۃ اور اللہ تعالیٰ کا قرب ڈھونڈو۔ اللہ تعالیٰ کا قرب اس کے احکامات پر عمل سے نصیب ہوتا ہے۔ یعنی اچھی باتوں پر عمل کرنے سے۔

تقویٰ اور وسیلہ کے حکم کے فوراً بعد فرمایا و جاھدوا فی سبیلہ اور جہاد کرو اس کے راستے میں۔ معلوم ہوا کہ جہاد میں تقویٰ بھی ہے اور وسیلہ بھی۔ بلکہ جہاد تقویٰ کا سب سے اونچا مقام اور وسیلہ کی سب سے بہترین صورت ہے۔ جب کسی مؤمن کو جہاد فی سبیل اللہ نصیب ہوجاتا ہے تو یہ اس کی کامیابی کی علامت ہوتی ہے چنانچہ آخر میں فرمایا لعلکم تفلحون تاکہ تم کامیاب ہوجاؤ۔ پس جہاد فی سبیل اللہ ایسی عبادت ہے جس میں تقویٰ (ترک المنھیات) بھی ہے اور وسیلہ (فعل المامورات) بھی ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

قوت کا استعمال اور جنگ صرف جہاد میں جائز ہے

امام ابوحیان رحمہ اللہ نے اس موقع پر یہ بہترین نکتہ بیان فرمایا ہے۔ وایضاً ففیه تنبیه علیٰ انه یجب ان تکون القوة والبأس الذی للمحارب مقصورا علی الجهاد فی سبیل الله تعالیٰ، وأن لایضع تلك النجدة التی وهبها الله له للمحاربة فی معصیة الله تعالیٰ. (البحر المحیط)

اس آیت میں اس بات کی تنبیہ بھی ہے کہ جنگجو آدمی کے پاس جو قوت اور جنگی صلاحیت ہوتی ہے اس پر لازم ہے کہ وہ اسے جہاد فی سبیل اللہ تک ہی محدود رکھے اور اللہ تعالیٰ کی عطاء فرمودہ بہادری کی اس صفت کو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی والی لڑائیوں میں ضائع نہ کرے۔

(یعنی انسان کی قوت غضبیہ اور بہادری کا بہترین مصرف اور استعمال جہاد فی سبیل اللہ ہے)

جہاد سے ڈاکوؤں کا خاتمہ

پچھلی آیات میں ان افراد اور قوموں کا تذکرہ ہے جو ڈاکے ڈالتی ہیں اور اس کے فوراً بعد جہاد کی فضیلت اور اس کا

حکم بیان ہوا ہے۔ تفسیر البحر المحیط میں یہ جملہ مذکور ہے وبالجهاد يدفع المحاربون اور جہاد کے ذریعے ڈاکوؤں اور جنگجوؤں کا مقابلہ کیا جاتا ہے۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا کی ڈاکو اور قزاق قومیں جب زمین پر فساد پھیلانے کے لئے نکل کھڑی ہوں تو مسلمان دنیا کو ان کے شر سے بچانے کے لئے جہاد فی سبیل اللہ کریں اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے ہاں کامیابی حاصل کریں۔ اور جہاد کے اس عمل کو عبادت اور تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھیں تا کہ پوری اہمیت کے ساتھ وہ اس میں مشغول ہو کر زمین کی اصلاح کر سکیں۔ یورپ کی قوموں نے ڈاکے کو پیشہ بنایا اور زمین کو ظلم وفساد سے بھر دیا۔ ممکن ہے آیت مبارکہ میں ایسے حالات کی طرف اشارہ ہو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اگلی آیت کے ساتھ جہادی ربط

''پچھلی آیت میں بتلایا تھا کہ انسان خدا سے ڈرنے، اس کا قرب حاصل کرنے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے ہی سے فلاح وکامیابی کی امید کر سکتا ہے، اس آیت میں متنبہ فرما دیا کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ سے روگردانی کی وہ آخرت میں اگر روئے زمین کے سارے خزانے بلکہ اس سے بھی زائد خرچ کر ڈالیں گے اور فدیہ دے کر عذاب الٰہی سے چھوٹنا چاہیں گے تو یہ ممکن نہ ہوگا۔ غرض وہاں کی کامیابی ''تقویٰ'' ''ابتغائے وسیلہ'' اور ''جہاد فی سبیل اللہ'' سے حاصل ہوتی ہے رشوت اور فدیہ سے نہیں ہو سکتی۔ (تفسیر عثمانی)

بہترین ترجمہ

بعض اردو تفاسیر میں وجاهدوا فی سبيله کے معنیٰ کو بہت وسیع کرنے کی کوشش کی گئی ہے حالانکہ ''تقویٰ'' اور ''ابتغاء الوسیلہ'' جیسے الفاظ کی موجودگی میں وہ کیا چیز باقی رہ جاتی ہے جسے شامل کرنے کے لئے جہاد کو ''جدوجہد'' بنایا جا رہا ہے؟ آیت مبارکہ کا بہترین اور مستند ترجمہ حضرت شاہ عبد القادر رحمہ اللہ کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیے:

''اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ تعالیٰ سے، اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ، اور لڑائی کرو اس کی راہ میں، شاید تمہارا بھلا ہو'' (موضح القرآن)

اس ترجمہ سے وجاهدوا فی سبيله کے حقیقی معنیٰ بالکل واضح ہو گئے ہیں والحمد للہ رب العالمین۔

نکتہ

حضرت لاہوری رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

یہود کی حالت پہلے دور کوع میں ذکر ہو چکی ہے کہ باوجود شہزادے اور نبی زادے ہونے کے مخالفوں کے روبرو نہیں ہو سکتے اور لڑنے کی قوت اپنے اندر صرف کرتے ہیں۔ اب مسلمانوں کو خاص طور پر متنبہ کیا جاتا ہے اور اس مرض کا علاج اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ ہر ایک اپنی انفرادی زندگی میں اقرب الی اللہ بننے کو نصب العین بنائے، بلکہ اجتماعی زندگی میں بھی اقرب الی اللہ کو تلاش کیا جائے اور اسے ہی امام بنایا جائے جو سب سے زیادہ حق کے راستے میں قربانی کر سکے اور شہوات ورذائل سے پاک ہو۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

☆☆☆

سُورَةُ المَائِدَة مَدَنِيَّة آیت ۵۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ؕ

اے ایمان والو! یہود اور نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں

بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ

ایک دوسرے کے دوست ہیں اور جو کوئی تم میں سے ان کے ساتھ دوستی کرلے تو وہ انہیں میں سے ہے

اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾

بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا

خلاصہ

ایمان والوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست بنائیں۔ یہود و نصاریٰ کفر میں اور مسلمانوں کی دشمنی میں ایک دوسرے کے یار اور مددگار ہیں۔ جو بھی یہود و نصاریٰ سے یاری کرے گا وہ انہیں میں سے ہو جائیگا۔ اور یہود و نصاریٰ سے یاری کرنے والے ظالموں کو ہدایت نہیں ملتی۔

شانِ نزول

آیت مبارکہ کے شانِ نزول میں کئی اقوال ہیں:

❶ منافقین کے متعلق نازل ہوئی وہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین سے یاریاں کرتے تھے اور انہیں مسلمانوں کے راز بتاتے تھے۔ (قرطبی)

❷ ان کمزور مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے غزوہ احد کی ظاہری شکست کے بعد آئندہ امن کے لئے کافروں سے مذاکرات و دوستی کا ارادہ کیا تھا۔ (قرطبی)

❸ امام غزالی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وروی ان عبادة ابن الصامت جاء الی رسول الله صلی الله علیه وسلم فتبرّأ من موالاة الیهود فقال عبدالله بن ابی: لکنی لاأتبرأ منهم لانی أخاف الدوائر فنزلت هذه الایة.

یعنی روایت ہے کہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انہوں نے یہودیوں کے ساتھ دوستی سے اعلان برأت کر دیا۔ اس پر عبداللہ بن ابی (منافق) نے کہا میں تو ان سے برأت کا اعلان نہیں کرتا کیونکہ میں زمانے کی گردش (یعنی حالات کے بدلنے) سے ڈرتا ہوں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (التفسیر الکبیر)

❷ ایک قول یہ ہے کہ آیت حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ (القرطبی، البحر المحیط)

آیت کا موضوع

❶ ینهی تبارك وتعالیٰ عباده المومنین عن موالاة الیهود والنصاریٰ الذین هم اعداء الاسلام واهله. قاتلهم الله. ثم اخبران بعضهم اولیاء بعض ثم تهدّد وتوعد من یتعاطی ذلك فقال ومن یتولهم منکم فانه منهم . (ابن کثیر)

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو ان یہود ونصاریٰ کی دوستی سے منع فرما رہے ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ اللہ پاک انہیں ہلاک فرمائے، پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ یہ ایک دوسرے کے دوست اور مددگار ہیں۔ اور پھر سخت تنبیہ اور وعید فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو ان کے ساتھ یاری کرے گا وہ انہیں میں سے ہوگا۔

❷ نزل نهیاً عن موالاة اعداء الدین. ای لاتتخذوهم اولیاء تنصرونهم وتستنصرونهم وتؤاخونهم وتعاشرونهم معاشرة المومنین. (المدارك)

یہ آیت اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کی یاری سے روکنے کے لئے نازل ہوئی۔ یعنی انہیں ایسا دوست نہ بناؤ کہ تم ان کی مدد کرو اور ان سے مدد چاہا کرو اور ان سے برادرانہ تعلقات رکھو اور ان کے ساتھ مسلمانوں جیسے سماجی تعلقات قائم کرو۔

اقوال وحوالے

❶ یہود ونصاریٰ کی عادات تمہیں گرادیں گی:

”یہود ونصاریٰ سے دوستانہ تعلقات منقطع کردو، ورنہ اختلاط سے ان کی عادات واخلاق تم میں سرایت کر جائیں گے اور تم بھی گر جاؤ گے۔“ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

❷ کفر وشرک متعدی مرض ہے:

چونکہ خدا سے نافرمانی کرنا اور فسق وفجور اور شرک وکفر ایک مرض روحانی ہے جو بیشتر ایسے لوگوں سے دلی میل جول رکھنے سے متعدی ہوجاتا ہے (یعنی دوسروں تک پھیل جاتا ہے) اس لئے یہود ونصاریٰ کی خرابیاں بیان فرما کر ان سے دلی میل جول کی ممانعت کرتا ہے۔ (تفسیر حقانی)

❸ کتنا تعلق جائز اور کتنا ناجائز؟

”اولیا“ ولی کی جمع ہے ”ولی“ دوست کو بھی کہتے ہیں، قریب کو بھی، ناصر اور مددگار کو بھی۔ غرض یہ ہے کہ ”یہود ونصاریٰ“ بلکہ تمام کفار سے جیسا کہ سورۃ نساء میں تصریح کی گئی ہے مسلمان دوستانہ تعلقات قائم نہ کریں۔ اس موقع پر یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ موالات، مروت وحسن سلوک، مصالحت رواداری اور عدل وانصاف یہ سب چیزیں الگ الگ ہیں۔ اہل اسلام اگر مصلحت سمجھیں تو ہر کافر سے صلح اور عہد وپیمان مشروع طریقہ پر کر سکتے ہیں۔ وان جنحوا

للسلم فاجنح لها وتوکل علی اللّٰه ۔ (الانفال رکوع ۸) عدل وانصاف کا حکم جیسا کہ گزشتہ آیات سے معلوم ہو چکا مسلم وکافر ہر فرد بشر (یعنی ہر انسان) کے حق میں ہے ''مروت'' اور ''حسن سلوک'' یا ''رواداری'' کا برتاؤ ان کفار کے ساتھ ہو سکتا ہے جو جماعت اسلام کے مقابلہ میں دشمنی اور عناد کا مظاہرہ نہ کریں جیسا کہ ''سورۃ ممتحنہ'' میں تصریح ہے باقی ''موالاۃ'' یعنی دوستانہ اعتماد اور برادرانہ مناصرت ومعاونت تو کسی مسلمان کو حق نہیں کہ یہ تعلق کسی غیر مسلم سے قائم کرے۔ البتہ صوری موالات جو "الا أن تتقوا منهم تقاة" کے تحت میں داخل ہو اور عام تعاون جس کا اسلام اور مسلمانوں کی پوزیشن پر کوئی برا اثر نہ پڑے اس کی اجازت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

❹ وہ مسلمانوں کے خلاف متحد ہیں:

★ بعضهم اولياء بعض وكلهم اعداء المومنين وفيه دليل ان الكفر ملة واحدة. (المدارك)

یعنی وہ سب مسلمانوں کے دشمن ہیں اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ کفر ایک ملت ہے۔

★ ''یعنی مذہبی فرقہ بندی اور اندرونی بغض وعداوت کے باوجود وہ باہم ایک دوسرے سے دوستانہ تعلقات رکھتے ہیں یہودی یہودی کا نصرانی نصرانی کا دوست بن سکتا ہے اور جماعت اسلام کے مقابلہ میں سب کفار ایک دوسرے کے دوست اور معاون بن جاتے ہیں''۔ (تفسیر عثمانی)

★ ''مطلب یہ ہوا کہ یہودی، یہودی اور نصرانی، نصرانی تو باہم دوست ہوتے ہی ہیں باقی خود یہود ونصاریٰ کے درمیان بھی بہت کچھ مناسبت ہے کم سے کم یہی کہ اسلام اور مسلمانوں کی عداوت پر دونوں متحد ہیں ان کی آپس میں اگر تمہارے خلاف ساز باز ہو جائے تو کچھ تعجب نہیں، لیکن تم جو اہل ایمان ہو تم میں اور منکرین قرآن میں مناسبت ہی کیا اور اشتراک کیسا؟'' (تفسیر ماجدی)

❺ جو اُن کا یار، انہی میں اس کا شمار:

★ قال ابن عباس فانه منهم في حكم الكفر اى ومن يتولهم في الدين وقال غيره: ومن يتولهم في الدنيا فانه منهم في الاخرة. (البحر المحيط)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ جو ان سے یاری کرے گا وہ کافر ہونے کے حکم میں انہی کے ساتھ شمار ہوگا تب یاری کرنے سے دین میں یاری کرنا مراد ہوگی۔ اور دوسرے مفسرین حضرات فرماتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو ان سے دنیا میں یاری کرے گا وہ آخرت میں انہی کے ساتھ ہوگا۔

★ من جملتهم وحكمه حكمهم وهذا تغليظ من الله وتشديد في وجوب مجانبة المخالف للدين. (المدارك)

یعنی جو ان سے یاری کرے گا انہی کا ایک فرد شمار ہوگا اور اس کا حکم بھی انہی کی طرح ہوگا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت تاکید اور سختی فرمائی گئی ہے دینی مخالفین سے دوستی کے معاملے میں۔

❻ دوستی تب ہوتی ہے جب دل میں ان کی عظمت ہوتی ہے:

”غیروں، بیگانوں، اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے دوستی ہو نہیں سکتی، جب تک پہلے ان کی عظمت یا محبت کا نقش دل پر نہ بیٹھ لے، اور مسلمان اپنی پختگی سے کچھ نہ کچھ ہٹ نہ لے، قومی تشخص اور ملت کی خودی کے لئے لازمی ہے کہ ملت اسلامی کے دوستانہ، رازدارانہ، برادرانہ تعلقات غیر مسلموں سے ممنوع قرار دے دیئے جائیں۔ یہ آئے دن کا مشاہدہ ہے کہ جو لوگ دشمنان دین سے خلا ملا، میل جول زیادہ رکھتے ہیں ان کے اندر سے فہم دین اور دینی تصلّب اور ملی خودداری رخصت ہو جاتی ہے، حدیث نبوی میں دوسری قوموں کے وضع ولباس اختیار کرنے، ان سے تشبہ پیدا کرنے کی جو ممانعت آئی ہے وہ عجیب نہیں کہ انہی حکمتوں اور مصلحتوں پر مبنی ہو۔“ (تفسیر ماجدی)

❼ کافروں سے یاری ہدایت سے محرومی:

”یعنی جو لوگ کہ دشمنان اسلام سے موالات کر کے خود اپنی جان پر اور مسلمانوں پر ظلم کرتے ہیں اور جماعت اسلام کے مغلوب ومقہور ہونے کا انتظار کر رہے ہیں، ایسی بدبخت، معاند اور دغاباز قوم کی نسبت یہ امید نہیں کی جاسکتی کہ وہ کبھی راہ ہدایت پر آئے گی۔ (تفسیر عثمانی)

★ لا یرشد الذین ظلموا انفسھم بموالاۃ الکفرۃ۔ (المدارک)

اللہ تعالیٰ رہنمائی نہیں فرماتا ان لوگوں کی جنہوں نے کافروں سے یاری کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔

نکتہ

اسلام دشمن کافروں سے لڑ کر شہید ہونے والوں کو قرآن پاک زندہ اور کامیاب کہتا ہے اور کافروں سے یاری کرنے والوں کو اپنی جان پر ظلم کرنے والا بتاتا ہے۔ بے شک قرآن پاک سچ فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اس کی سمجھ عطاء فرمائے۔ (آمین یا ارحم الراحمین)

سُوْرَۃُ المَائِدَۃِ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۵۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يُّسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ يَقُوْلُوْنَ

پھر تو ان لوگوں کو دیکھے گا جن کے دلوں میں بیماری ہے ان میں دوڑ کر جا ملتے ہیں کہتے ہیں کہ

نَخْشٰٓى اَنْ تُصِيْبَنَا دَآئِرَةٌ ؕ فَعَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ بِالْفَتْحِ اَوْ

ہمیں ڈر ہے کہ ہم پر زمانہ کی گردش نہ آجائے سو قریب ہے کہ اللہ تعالٰی جلدی فتح ظاہر فرمادے یا

اَمْرٍ مِّنْ عِنْدِهٖ فَيُصْبِحُوْا عَلٰى مَآ اَسَرُّوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ

کوئی اور حکم اپنے ہاں سے ظاہر کرے پھر یہ اپنے دل کی چھپی ہوئی بات پر

نٰدِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

شرمندہ ہوں گے

خلاصہ

جن کے دلوں میں نفاق ہے وہ دوڑ دوڑ کر یہود ونصاریٰ کی آغوش میں پناہ لیتے ہیں اور بھاگ بھاگ کر ان کی مدد کرتے ہیں۔ اور وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ہم برے حالات کے ڈر سے ایسا کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جب مسلمانوں کو فتح عطا فرمائے گا، اور اپنی قدرت کے کچھ اور معاملات ظاہر فرمائے گا تو ان منافقین کو اپنے خیالات پر پچھتانا پڑے گا۔

اقوال وحوالے

❶ مرض سے مراد نفاق:

☆فی قلوبهم مرض نفاق. (المدارک) یعنی ان کے دلوں میں نفاق کا مرض ہے۔

☆شك ونفاق ان کے دلوں میں شک اور نفاق ہے۔ (القرطبی)

❷ دوڑ دوڑ کر یاری اور مدد:

یسارعون فیهم فی معاونتهم علی المسلمین وموالاتهم. (المدارک)

یعنی دوڑ دوڑ کر ان کی مسلمانوں کے خلاف مدد کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے بڑھ کر ان سے یاری پکی کرتے ہیں۔

❸ یاری کی ایک وجہ اقتصادی ترقی:

☆یسارعون فی مودة الیهود ونصاریٰ نجران لانهم کانوا اهل ثروة وکانوا یعینو نهم

علی مهماتهم ویقرضو نهم۔ (التفسیر الکبیر)

وہ یہودیوں اور نجران کے عیسائیوں سے دوستی کے لئے خوب دوڑتے تھے کیونکہ وہ مالدار لوگ تھے وہ ان کی ضروریات کے لئے مالی تعاون کرتے تھے اور انہیں قرضے دیتے تھے۔

۴ وہ اس زمانے کے بینکرز تھے:

''مدینہ اور نواحِ مدینہ میں یہود کی حیثیت مہاجنوں، صرافوں اور بینکرز کی سی تھی اور عرب آبادی اپنی ہر مالی افتاد اور مصیبت کے وقت سہارا انہی کا ڈھونڈتی تھی۔'' (تفسیر ماجدی)

۵ آیت مبارکہ کی جامع تفسیر:

''یہ وہی لوگ ہیں جن کے دلوں میں شک اور نفاق کی بیماری ہے جن کو خدا کے وعدوں پر اعتماد اور مسلمانوں کی حقانیت پر یقین نہیں اسی لئے دوڑ دوڑ کر کافروں کی آغوش میں پناہ لینا چاہتے ہیں۔ تاکہ ان کے موہوم غلبہ کے وقت ثمرات فتح (یعنی فتح کے فوائد) سے متمتع ہو سکیں (یعنی فائدہ اٹھا سکیں) اور ان کے زعم میں جو گردشیں اور آفات جماعت اسلام پر آنے والی تھیں ان سے محفوظ رہیں نخشی ان تصیبنادائرۃ کے یہی معنیٰ ان کے دلوں میں مکنون تھے۔ لیکن یہی الفاظ نخشی ان تصیبنادائرۃ جب پیغمبر علیہ السلام اور مخلص مسلمانوں کے سامنے یہود سے دوستانہ رکھنے کی معذرت میں کہتے تھے تو گردش زمانہ کا یہ مطلب ظاہر کرتے کہ یہود ہمارے ساہوکار ہیں ہم ان سے قرض و دام لے لیتے ہیں۔ اگر کوئی مصیبت قحط وغیرہ کی پڑی تو وہ ہمارے دوستانہ تعلقات کی وجہ سے آڑے وقت میں کام آجائیں گے ان ہی خیالات کا جواب آگے دیا گیا ہے یعنی وہ وقت نزدیک ہے کہ حق تعالیٰ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فیصلہ کن فتوحات اور غلبہ عطاء فرمائے اور مکہ معظمہ میں بھی جو تمام عرب کا مسلمہ مرکز تھا حضور کو فاتحانہ داخل کرے یا اس کے ماسوا اپنی قدرت اور حکم سے کچھ اور امور بروئے کار لائے جنہیں دیکھ کر ان منافقین کی ساری باطل توقعات کا خاتمہ ہو اور انہیں منکشف ہو جائے کہ دشمنان اسلام کی موالات کا نتیجہ دنیوی ذلت و رسوائی اور اخروی عذاب الیم کے سوا کچھ نہیں، جب فضیحت اور خسران کے یہ نتائج سامنے آجائیں گے اس وقت بجز پچھتانے اور کف افسوس ملنے کے کچھ حاصل نہ ہوگا الآن قدندمت ولا ینفع الندم۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا اسلام کے غلبہ اور فتح مکہ وغیرہ کو دیکھ کر تمام اعدائے اسلام کے حوصلے پست ہو گئے بہت سے یہود مارے گئے بہت سے جلا وطن ہوئے، منافقین کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا، مسلمانوں کے سامنے صریح طور پر جھوٹے ثابت ہوئے۔ موالات یہود میں جو کوششیں کی تھیں وہ اکارت گئیں اور خسران دنیوی اور ہلاکت ابدی کا طوق گلے میں پڑا۔ (تفسیر عثمانی)

❻ نفاق سے بزدلی پیدا ہوتی ہے:

’’جن کے دلوں میں مرض نفاق ہے وہ ڈر کے مارے مقاطعہ میں شامل نہیں ہوں گے نفاق کا خاصہ بزدلی ہے اور توحید کا خاصہ جرأت ہے‘‘۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

❼ امر من عندہ سے کیا مراد؟

ارشاد فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح دے دے یا اپنی طرف سے کوئی اور معاملہ ظاہر فرمادے۔ ’’کوئی اور معاملہ‘‘ سے کیا مراد ہے حضرات مفسرین نے کئی اقوال نقل فرمائے ہیں امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

معناه أو امر من عنده لايكون للناس فيه فعل البتة، كبنى النضير الذين طرح الله فى قلوبهم الرعب فاعطوا بايديهم من غير محاربة ولا عسكر.

یعنی مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا معاملہ ظاہر فرمادے جو خالص اسی کی طرف سے ہو اور اس میں لوگوں کے عمل کا بالکل کوئی دخل نہ ہو۔

جیسے یہود بنی نضیر کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور انہوں نے بغیر جنگ اور لشکر کے ہتھیار ڈال دیئے۔ (التفسیر الکبیر)

بعض مفسرین کے نزدیک امر من عندہ سے منافقین کے ناموں کا وحی کے ذریعے ظاہر کرنا ہے۔ (کما فی بیان القرآن)

سُورَۃُ المَائِدَۃِ مَدَنِیَّۃٌ آیت ۵۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ

اور مسلمان کہتے ہیں کیا یہ وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے نام کی پکی قسمیں کھاتے تھے کہ

اَيْمَانِهِمْ ۙ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۭ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿۵۳﴾

ہم تمہارے ساتھ ہیں ان کے اعمال برباد ہو گئے پھر وہ نقصان اٹھانے والے ہو گئے

خلاصہ

جب مسلمانوں کو فتح مل جائے گی اور منافقوں کا نفاق کھل جائے گا تو مسلمان اس بات پر تعجب کریں گے کہ یہ لوگ تو ہمارے سامنے قسمیں کھا کھا کر خود کو ہمارا ساتھی کہا کرتے تھے۔ (یہ لوگ کیسے جھوٹے اور منافق نکلے) منافقوں کے سارے اعمال غارت اور وہ خود سراسر نقصان میں۔

فائدہ

اصل مفہوم تو ’’خلاصۂ تفسیر‘‘ میں آ گیا بعض مفسرین نے یہ احتمال بھی لکھا ہے کہ جب مسلمان دیکھیں گے کہ منافق جنگوں میں یہودیوں کا ساتھ نہیں دے رہے تو وہ حیرانی کے ساتھ یہودیوں سے پوچھیں گے کہ یہ منافق بڑی قسمیں کھا کر تمہیں اپنے تعاون کا یقین دلاتے تھے مگر اب جبکہ تم مار کھا رہے ہو وہ تمہاری مدد کے لئے نہیں آتے۔ (البحر المحیط)

مسلمانوں کا تعجب

’’مسلمان متعجب ہو کر کہیں گے یہ تو ہماری جماعت میں شمولیت کے حتمی دعوے کیا کرتے تھے۔‘‘ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

نفاق کھل جاتا ہے

بہت سے منافق کافی احتیاط اور تدبیر سے کافروں کا ساتھ دیتے ہیں اور چھپ چھپ کر ان کی مخبریاں کرتے ہیں، اور خفیہ طور پر ان کے تنخواہ دار ملازم بن کر مسلمانوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔ اس طرح کے ماہر اور مکار منافقوں کا ’’نفاق‘‘ چھپا رہتا ہے اور مسلمان انہیں اپنا پکا ساتھی سمجھتے ہیں کیونکہ اس طرح کے منافق ہر موقع پر مسلمانوں کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کرتے رہتے ہیں اور کافروں کے لئے ان کی خدمات خفیہ ہوتی ہیں۔ ایسے منافقوں اور خفیہ جاسوسوں کا پتہ کافروں کی شکست کے بعد ہی مختلف ذرائع سے مسلمانوں کو لگتا ہے۔ ممکن ہے آیت مبارکہ میں اس طرح کے منافقوں کی طرف اشارہ ہو۔ (واللہ اعلم بالصواب)

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۵۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ

اے ایمان والو! جو کوئی تم میں سے اپنے دین سے پھر جائے گا تو عنقریب

يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗٓ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ

اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو لائے گا کہ اللہ تعالیٰ ان کو چاہتا ہے اور وہ اس کو چاہتے ہیں مسلمانوں پر نرم دل ہوں گے

اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ

اور کافروں پر زبردست اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑیں گے اور کسی کی

لَوْمَةَ لَآئِمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ

ملامت سے نہیں ڈریں گے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ

وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾

کشائش والا جاننے والا ہے

خلاصہ

کسی ’’مسلمان‘‘ کے مرتد ہونے سے اسلام کا کوئی نقصان نہیں ہوگا اور نہ اس کا کام بند ہوگا بلکہ اللہ تعالیٰ ان مرتدوں کی جگہ اپنے ایسے محبوب بندوں کو لے آئے گا جو اللہ تعالیٰ سے سچی محبت رکھتے ہوں گے۔ وہ مسلمانوں کے لئے نرم اور کافروں کے لئے سخت ہوں گے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے ہوں گے اور وہ دین اور جہاد کے معاملے میں کسی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے۔

ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوگا۔ اللہ پاک کی مرضی جسے چاہے اپنا فضل عطاء فرمائے۔

جامع تفسیر

۱ اسلام کی حفاظت اور بقاء کی عظیم پیشین گوئی

’’اس آیت میں اسلام کی ابدی بقا اور حفاظت کے متعلق عظیم پیشین گوئی کی گئی ہے۔ پچھلی آیات میں کفار کی موالات سے منع کیا گیا تھا۔ ممکن تھا کہ کوئی شخص یا قوم موالات کفار کی بدولت صریحاً اسلام سے پھر جائے جیسا کہ ومن يتولهم منكم فانه منهم میں تنبیہ کی گئی ہے۔ قرآن کریم نے نہایت قوت اور صفائی سے آگاہ کر دیا کہ ایسے لوگ اسلام سے پھر کر کچھ اپنا ہی نقصان کریں گے، اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے، حق تعالیٰ مرتدین کے بدلے

میں یا ان کے مقابلہ پر ایسی قوم لے آئے گا جن کو خدا کا عشق ہو اور خدا ان سے محبت کرے وہ مسلمانوں پر شفیق ومہربان اور دشمنانِ اسلام کے مقابلہ میں غالب اور زبردست ہونگے۔ یہ پیشین گوئی بحول اللہ وقوتہ ہر قرن (یعنی ہر زمانہ) میں پوری ہوتی رہی۔ ارتداد کا سب سے بڑا فتنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے عہد میں پھیلا کئی طرح کے مرتدین اسلام کے مقابلہ میں کھڑے ہوگئے، مگر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی ایمانی جرأت اور اعلیٰ تدبر اور مخلص مسلمانوں کی سرفروشانہ اور عاشقانہ خدمات اسلام نے اس آگ کو بجھایا اور سارے عرب کو متحد کر کے از سر نو اخلاص وایمان کے راستہ پر گامزن کر دیا۔

آج بھی ہم مشاہدہ کرتے رہتے ہیں کہ جب کبھی چند جاہل اور طامع افراد اسلام کے حلقہ سے نکلنے لگتے ہیں تو ان سے زیادہ اور ان سے بہتر تعلیم یافتہ اور محقق غیر مسلموں کو اسلام فطری کشش سے اپنی طرف جذب کر لیتا ہے اور مرتدین کی سرکوبی کے لئے خدا ایسے وفادار اور جانثار مسلمانوں کو کھڑا کر دیتا ہے جنہیں خدا کے راستہ میں کسی کی ملامت اور طعن وتشنیع کی پروا نہیں ہوتی۔ انسان کی بڑی سعادت اور اس پر خدا کا بڑا فضل یہ ہے کہ وہ فتنہ کے وقت خود جادہ حق پر ثابت قدم رہ کر دوسروں کو ہلاکت سے بچانے کی فکر کرے۔ خدا جن بندوں کو چاہے اس سعادت کبریٰ اور فضل عظیم سے حصہ وافر عطاء فرماتا ہے اس کا فضل غیر محدود ہے اور وہ ہی جانتا ہے کہ کونسا بندہ اس کا اہل اور مستحق ہے۔ (تفسیر عثمانی)

۲ کلام برکت:

جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر (کچھ) عرب دین سے پھرے تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یمن سے مسلمان بلائے ان سے جہاد کروایا کہ تمام عرب مسلمان ہوئے یہ ان کے حق میں بشارت ہے۔ (موضح القرآن)

۳ جو کافروں سے یاری نہ چھوڑے گا:

اے مسلمانو! اگر تم نے خدائے تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کر کے دشمنان خدا سے علیحدگی اختیار نہ کی تو اللہ تعالیٰ دوسری جماعت پیدا کر دے گا جو مؤمنوں پر نرم اور اعدائے اسلام کے حق میں سخت گیر ہوگی۔ (حاشیہ حضرت لاہوری رحمہ اللہ)

۴ خطاب قیامت تک کے لئے ہے:

وابن کعب والضحاک و الحسن وقتادۃ وابن جریج وغیرھم: نزلت خطابا للمومنین عامۃ الی یوم القیمۃ۔ (البحر المحیط)

اس آیت میں قیامت تک کے مسلمانوں سے عام خطاب ہے۔ (پس اس سے یہ بھی ثابت ہوگیا کہ جہاد قیامت تک جاری رہے گا اس لئے کہ اس آیت میں ایسی جماعت کے موجود ہونے کی خبر ہے جو جہاد کرنے والی ہوگی۔)

۵ ابتدائی مرتد:

آیت کے پہلے جملے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ مرتد ہوں گے اور آئندہ بھی ہوتے رہیں گے۔ تو یہ بدبختی

ابتدائی طور پر کس کے حصے میں آئی۔ حضرات مفسرین نے عموماً گیارہ فرقوں کا تذکرہ کیا ہے ان میں سے تین (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں، سات حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور ایک حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مرتد ہوا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ تین قبیلے مرتد ہوئے۔

❶ مذحج: ان کے سردار کا نام اسود عنسی (عبہلہ بن کعب ذوالخمار) تھا۔ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک دن پہلے قتل ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کے قتل کی خبر دی اور قاتل کا نام بتایا۔ اس کے قاتل کا نام "فیروز" تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر بذریعہ وحی دی تھی ورنہ عوامی خبر تو ربیع الاول کے آخر تک مدینہ منورہ پہنچی تھی۔

❷ بنو حنیفہ: ان کے سردار کا نام مسیلمہ کذاب تھا۔ یہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں قتل ہوا۔

❸ بنو اسد: ان کے سردار کا نام طلیحہ بن خویلد تھا ان کو حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے شکست دی۔ طلیحہ فرار ہو گئے مگر پھر مسلمان ہو گئے اور اچھے مسلمان ثابت ہوئے۔

ان تینوں مرتد جماعتوں کے سرداروں نے نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تھا۔

اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں یہ سات گروہ مرتد ہوئے۔

❶ فزارہ: عیینہ بن حصن کی قوم

❷ غطفان: قرۃ بن سلمۃ القشیری کی قوم

❸ سلیم: فجاۃ بن عبد یا لیل کی قوم

❹ یربوع: مالک بن نویرہ کی قوم

❺ تمیم: (کے بعض لوگ) سجاح بنت منذر کی قوم۔ (اس عورت نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور مسیلمہ کذاب سے شادی کی تھی)

❻ کندۃ: اشعث کی قوم

❼ بکر بن وائل: (البحرین) حطم بن یزید کی قوم

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں اللہ تعالیٰ نے ان سب کا علاج فرمایا۔

اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں غسان کے لوگ مرتد ہوئے جو جبلہ بن ایہم کی قوم سے تھے۔ جبلہ مسلمان ہوا تھا ایک مسلمان کو اس نے تھپڑ مارا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے مسلمان کے معاف نہ کرنے کی

صورت میں بدلے کا حکم دیا اس سے وہ بھاگ کر روم چلا گیا اور عیسائی ہوگیا۔ (تفسیر البحر المحیط)

❻ ابتدائی محبوب:

وہ کون سے خوش نصیب ہیں جو ابتدائی طور پر سب سے پہلے یأتی اللہ بقوم یعنی اس قوم کا مصداق بنے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اور اس کی صفات اس آیت میں مذکور ہیں۔ امام ابوحیان رحمہ اللہ نے یہ اقوال لکھے ہیں:

❶ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور آپ کے رفقاء

❷ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور ان دونوں کے رفقاء

❸ حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کی قوم

❹ اہل یمن، دو ہزار سمندری علاقے کے، پانچ ہزار کندہ اور جیلہ قبائل کے اور تین ہزار ان کے مختلف قبائل سے انہوں نے قادسیہ میں جہاد کیا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانے میں۔

❺ انصار مدینہ

❻ حضرات مہاجرین

❼ یمن کے وہ قبائل جن کے ذریعے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مرتدین سے قتال فرمایا۔

❽ القربیٰ

❾ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ۔ جب آپ نے خوارج سے قتال فرمایا۔ ان نو (۹) اقوال کو ذکر کرنے کے بعد ابوحیان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وفی المستدرک لابی عبداللہ الحاکم باسناد: انه لما نزلت اشار رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم الی ابی موسیٰ الاشعری فقال قوم هذا وهذا اصح الاقوال۔ (البحر المحیط)

یعنی مستدرک حاکم میں روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے ارشاد فرمایا کہ اس سے ان کی قوم مراد ہے۔

ابوحیان رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ قول زیادہ درست ہے۔ (البحر المحیط)

❿ صاحب کشاف لکھتے ہیں:

"وقیل سئل رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم عنهم فضرب یده علیٰ عاتق سلمان وقال: "هذا وذووه" ثم قال: لو کان الایمان معلقاً بالثریا لنا له رجال من ابناء فارس۔

یعنی ایک قول یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قوم کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے اپنا ہاتھ مبارک حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کی گردن پر رکھ کر فرمایا: یہ اور اس جیسے۔ پھر ارشاد فرمایا: اگر ایمان ثریا ستارے پر بھی معلق ہو تو اہل فارس کے مرد اسے حاصل کرلیں گے۔ (کشاف)

ایک زبردست علمی تحقیق

صاحب تفسیر حقانی نے اس آیت کا اولین مصداق حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو قرار دیا ہے اور لکھا ہے کہ اس آیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کا برحق ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔اس موقع پر حضرت مصنف رحمہ اللہ نے روافض کے مغالطوں کا بھی بھرپور جواب دیا ہے یہ پوری تحقیق پڑھنے اور سمجھنے کے لائق ہے شائقین ملاحظہ فرمائیں تفسیر حقانی۔

حاصل کلام

آیت کا مفہوم بالکل عام ہے۔جو بھی قیامت تک مرتد ہوگا وہ ذلیل و ناکام ہوگا اور اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں ان کی جگہ اپنے محبوب، مقرب اور مجاہد بندوں کو لے آئے گا۔ایسا ماضی میں ہوتا رہا ہے اور ہمیشہ ہوتا رہے گا۔علامہ آلوسی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

شروعٌ فی بیان حال المرتدین علی الا طلاق بعد أن نهیٰ سبحانه فیما سلف عن موالاة الیهود والنصاریٰ وبین ان موالاتهم مستد عیة للارتدادعن الدین.

یعنی اس آیت میں مطلق طور پر مرتدین کا حال بیان کیا جارہا ہے اس سے پہلے پچھلی آیات میں یہود و نصاریٰ کی دوستی سے منع فرمایا اور اب یہ بیان فرمایا کہ ان کے ساتھ دوستی مسلمانوں کے لئے دین سے مرتد ہونے کا ذریعہ بنتی ہے۔(روح المعانی)

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

معنیٰ الایة یا ایها الذین اٰمنو من یتول منکم الکفار فیر تد عن دینه فلیعلم ان الله تعالیٰ یأتی باقوام آخرین ینصرون هذا الدین علیٰ ابلغ الوجوه.

یعنی آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو! جو تم میں سے کافروں سے یاری کرے گا اور اپنے دین سے مرتد ہوجائے گا تو وہ خوب جان لے کہ اللہ تعالیٰ دوسری ایسی اقوام کو لے آئے گا جو بھرپور طریقے پر اس دین کی نصرت کریں گے۔(التفسیر الکبیر)

اکثر مفسرین حضرات نے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس آیت میں مستقبل کی ایک غیبی خبر ہے کہ آئندہ کچھ لوگ اسلام سے مرتد ہوں گے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا تو یہ خبر بھی معجزات میں سے ہے۔امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقالت عائشة رضی الله عنها:مات رسول الله صلی الله علیه وسلم وارتدت العرب واشتهر النفاق ونزل بأبی مالو نزل بالجبال الراسیات لها ضها.

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو عرب مرتد ہو گئے اور نفاق پھیل گیا اور میرے والد پر وہ حالات آئے جو اگر مضبوط پہاڑوں پر آتے تو ان کو ہلا دیتے۔ (التفسیر الکبیر)

ان تمام حوالہ جات سے یہی ثابت ہوا کہ آیت مبارکہ قیامت تک کے لئے عام ہے اور ہر زمانے میں مسلمانوں کو یہ حالات پیش آ سکتے ہیں۔ اور ہر زمانے میں دین کی نصرت کے لئے اللہ تعالیٰ کے محبوب و مجاہد بندے کمر بستہ رہیں گے۔ جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔ اور اس دین کے خادموں اور سرفروشوں کی جماعت ہر زمانے میں نصرت حق کی تاریخ رقم کرتی رہے گی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان

اللہ تعالیٰ کی محبوب اس مجاہد قوم کی صفت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:

هم للمومنين كالوالد للولد والسيد للعبد وهم فى الغلظة على الكفاركالسبع على فريسته۔ (القرطبی)

وہ ایمان والوں کے لئے ایسے ہوں گے جس طرح والد اپنے بیٹے کے لئے اور مالک اپنے غلام کے لئے اور وہ (اسلام دشمن) کافروں پر ایسے سخت ہونگے جس طرح شیر اپنے شکار پر۔

خلفائے راشدین کی حقانیت

امام قرطبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فدل بهذا تثبيت امامة ابى بكر وعمر وعثمان و على رضى الله عنهم لا نهم جاهدوا فى الله عزوجل فى حياة رسول الله صلى الله عليه وسلم وقاتلوا المرتدين بعده ومعلوم ان من كانت فيه هذه الصفات فهو ولى الله تعالىٰ. (القرطبى)

اس آیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کی تصدیق ہوئی کیونکہ ان حضرات نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی مرتدین سے قتال کیا اور یہ بات واضح ہے کہ یہ صفات جس میں بھی ہوں گی وہ اللہ تعالیٰ کا ولی ہے۔ (القرطبی)

ملامت کی پرواہ کس چیز میں؟

اکثر بڑے مفسرین حضرات نے اس کی تفسیر میں یہی لکھا ہے کہ وہ لوگ جہاد اور دین کی نصرت کے معاملے میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے اور وجہ یہ لکھی ہے کہ منافقین اپنے کافر یاروں کی ملامت اور تنقید کے ڈر سے جہاد میں نہیں جاتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہاد سے روکنے کے لئے کافر قومیں ہمیشہ ملامت، اعتراضات اور تنقید

کا جال بچھاتی ہیں۔ مگر جو پختہ ایمان والے ہوتے ہیں وہ ان کے اعتراضات، تنقید اور ملامت کی پروا نہیں کرتے۔ مگر وہ منافق جو کافروں کے ہاں مقبولیت چاہتے ہیں اس تنقید سے گھبرا جاتے ہیں اور خود کو جہاد سے لاتعلق ظاہر کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمایئے تفسیر کبیر بیان القرآن اور قرطبی وغیرہ۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

اور دین اور جہاد کے مقدمہ (یعنی معاملہ) میں وہ لوگ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے جیسا کہ منافقین کا حال ہے کہ دبے دبائے جہاد میں جاتے تھے مگر اندیشہ لگا رہتا تھا کہ کفار جن سے دل میں دوستی ہے ملامت کریں گے یا اتفاق سے جن کے مقابلہ میں جہاد ہے وہی اپنے دوست یا عزیز ہوں تو سب دیکھتے سنتے طعن کریں گے کہ ایسوں کو مارنے گئے تھے؟ (بیان القرآن)

عجیب نکتہ

اس سے یہ نکتہ معلوم ہوا کہ کافر ہر زمانے میں جہاد کے خلاف تنقید اور اعتراضات کا طوفان اٹھاتے ہیں پس جہاد پر وہی ثابت قدم رہ سکتا ہے جو اس نام نہاد بدنامی سے نہ گھبرائے اور وہ عظیم کام کرتا چلا جائے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم دیا ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

یجاھدون فی سبیل اللہ

اللہ تعالیٰ کے ان محبوب بندوں کی اہم صفت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ امام نسفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یقاتلون الکفار یعنی کفار سے قتال کریں گے۔ (المدارک)

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت

امام ابن کثیرؒ لکھتے ہیں:

وفی صفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ الضحوک القتال فھوضحوک لاولیائہ قَتّالٌ لاعدائہ۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں سے ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوب ہنس مکھ اور بہت جہاد فرمانے والے تھے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء کے لئے ضحوک (خوب ہنس مکھ) اور اپنے دشمنوں کے ''قَتّال'' (خوب جہاد فرمانے والے) تھے۔ (تفسیر ابن کثیر رحمہ اللہ)

اسباق

آیت مبارکہ سے بہت سے اسباق ملتے ہیں مثلاً:

1. دین اسلام کسی کا محتاج نہیں ہم سب دین اسلام کے محتاج ہیں، کسی قبیلے قوم اور شخص کا اسلام محتاج نہیں جو کوئی بھی مرتد ہوگا تو صرف اپنا نقصان کرے گا۔

❷ فتنہ ارتداد کا علاج جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

❸ اللہ تعالیٰ کی محبت مسلمان میں غیرت پیدا کرتی ہے اور اسے جہاد پر کھڑا کرتی ہے چنانچہ پہلے فرمایا گیا: یحبھم ویحبونہ اور پھر فرمایا گیا یجاھدون فی سبیل اللہ ۔

❹ فتنہ ارتداد کے وقت مسلمانوں کے درمیان باہمی اتحاد کی سخت ضرورت ہوتی ہے چنانچہ فرمایا گیا: اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین

❺ محبت اور نفرت کے لئے معیار ایمان اور کفر ہے، قوم، قبیلہ زبان یا علاقہ نہیں چنانچہ فرمایا گیا کہ وہ ایمان والوں کے لئے نرم یعنی سراپا محبت وشفقت اور کافروں کے لئے بہت ہی سخت ہوں گے۔ ایمان والے کوئی بھی ہوں۔ اور کافر جو کوئی بھی ہوں۔ پس وہ تمام تحریکیں باطل ہیں جو علاقہ اور زبان کی بنیاد پر کفر واسلام کا فرق مٹانے کے لئے کھڑی ہوئی ہیں۔

❻ مسلمانوں کے درمیان اتحاد کے لئے اہم کردار صاحب حیثیت اور صاحب قوت مسلمانوں کو ادا کرنا ہوگا۔ جیسا کہ اذلۃ کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے لئے جھکیں گے اور نرمی کریں گے۔ حضرات مفسرین نے لکھا ہے کہ وہ مسلمانوں کے لئے تواضع اختیار کریں گے۔ ظاہر بات ہے جھکتا وہی ہے جو بلند ہو اور تواضع وہی اپناتا ہے جو صاحب حیثیت ہو ورنہ کمزور اور محتاج لوگ تو ویسے ہی جھکے ہوئے ہوتے ہیں۔

❼ مسلمان کو جہاد پر کھڑا کرنے کے لئے تین جذبے ضروری ہیں:

★ ”اللہ تعالیٰ کی محبت“

★ ”مسلمانوں کے لئے ہمدردی“

★ ”اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے نفرت“

اور جہاد پر استقامت کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں:

★ جہاد کے معاملہ میں ملامت اور ظاہری بدنامی کی پرواہ نہ کرنا۔

★ اور جہاد کو اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کا فضل سمجھنا نہ کہ اپنا احسان۔

یہ ساتوں اسباق اس آیت میں ہم تمام مسلمانوں کے لئے موجود ہیں۔ (واللہ اعلم بالصواب)

اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین ثم آمین)

☆☆☆

سُوْرَةُ الْمَآئِدَة مَدَنِيَّة آیت ۵۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ

تمہارا دوست تو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اور ایمان دار لوگ ہیں جو نماز

الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾

قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ عاجزی کرنے والے ہیں

خلاصہ

مسلمانوں کے حقیقی دوست صرف اللہ تعالیٰ ہیں اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہ مسلمان ہیں جو نماز اور زکوٰۃ کے پکے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں۔ پس مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ صرف انہی تین سے یاری رکھیں اور انہی کی یاری کو اپنے لئے کافی سمجھیں۔

ربط

انہ تعالیٰ لما نہیٰ فی الایآت المتقدمۃ عن موالاۃ الکفار امر فی ھذہ الایۃ بموالاۃ من یجب موالاتہ۔ (التفسیر الکبیر)

پچھلی آیات میں جب اللہ تعالیٰ نے کفار کی یاری سے منع فرمایا تو اس آیت میں ان لوگوں سے موالات (قلبی یاری) کا حکم دیا جن کی موالات واجب ہے۔

آیت عام ہے

امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں پہلا قول یہ ہے کہ یہ آیت تمام مؤمنین کے لئے عام ہے چنانچہ جب حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے یہودیوں سے اعلان برأت کیا اور فرمایا میں بنی قریظہ اور بنی نضیر کا حلیف بننے سے اللہ تعالیٰ کے حضور اعلان برأت کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ولی (قلبی یار) بناتا ہوں تو یہ آیت ان کی موافقت میں نازل ہوئی اور یہ روایت بھی ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہماری قوم (یہود) نے ہمیں چھوڑ دیا ہے اور قسم کھائی ہے کہ وہ ہمارے ساتھ نہیں بیٹھیں گے اور ہم گھروں کی دوری کی وجہ سے آپ کے صحابہ کے ساتھ نہیں بیٹھ پاتے اس پر یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور ایمان والوں کی دوستی پر راضی ہیں۔ آگے امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

فعلیٰ ھذا الآیۃ عامۃ فی حق کل المومنین فکل من کان مؤمنا فھو ولی کل المومنین۔

پس یہ آیت تمام مؤمنین کے حق میں عام ہے جو شخص بھی مؤمن ہوگا وہ تمام مؤمنین کا دوست ہے۔ (التفسیر الکبیر)

ولی کے تین معنیٰ

وفسر الولی ھنا بالناصر او المتولی الامر او المحب.

ولی کا معنیٰ اس آیت میں ناصر ہے یعنی مددگار یا متولی الامر ہے یعنی معاملات کو چلانے والا یا محب ہے یعنی محبت کرنے والا۔ (البحر المحیط)

ولیکم یہاں ولی اس معنیٰ میں ہے کہ وہ جس سے تمہیں دوستی رکھنا چاہیے یعنی تمہارے حقیقی دوست۔ (تفسیر ماجدی)

ان تین کے سوا مسلمانوں کا کوئی رفیق نہیں ہوسکتا

''پچھلی آیتوں میں یہود ونصاریٰ کی موالات اور رفاقت سے مسلمانوں کو منع کیا گیا تھا جس کو سننے کے بعد طبعی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر مسلمانوں کے تعلقاتِ محبت ووداد اور معاملاتِ رفاقت کن سے ہونے چاہئیں۔ اس آیت میں بتلا دیا گیا کہ ان کا رفیقِ اصلی خدا اور پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام اور مخلص مسلمانوں کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔'' (تفسیر عثمانی)

یہ ہے عالمی اسلامی برادری

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی ''اسلامی عالمی برادری'' کی تشکیل فرمادی۔ ایک سچی، مخلص اور مضبوط برادری۔ جس میں ہر رنگ، نسل اور قبیلے کا فرد پوری برابری اور مساوات کے ساتھ شامل ہوسکتا ہے۔ ایسی برادری جس میں گورے کو کالے پر اور کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں۔ ایسی برادری جس میں عرب وعجم کے درمیان کوئی فرق اور امتیاز نہیں۔ ایسی برادری جسے ملکوں کا جغرافیہ اور سمندروں کے فاصلے ایک دوسرے سے نہیں توڑ سکتے۔ ایسی برادری جس میں شامل ہونے کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے۔ ایسی برادری جو ایک جسم اور جان کی طرح اور اس مضبوط دیوار کی طرح ہوتی ہے جسے نہ توڑا جاسکتا ہے اور نہ تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ اور مسلمانوں سے موالات۔ بس یہی تین نکات اس برادری کو دنیا کی مضبوط ترین قوت بنادیتے ہیں۔ تب ان کے سامنے کوئی نہیں ٹھہر سکتا ان کو کوئی نہیں روک سکتا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ایک شبہ کا جواب

شبہ کیا جاسکتا ہے کہ اگر یہ برادری اتنی محدود ہوگئی تو وہ دنیا بھر کے انسانوں کو فائدہ نہیں پہنچا سکے گی۔ اس کا جواب بالکل واضح ہے کہ جب تک اپنا گھر مضبوط نہ ہو باہر والوں کی مدد کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی باہمی برادری قائم کر کے ان کو ایسی منظم قوت بنایا جنہوں نے ساری دنیا کی خدمت کی۔ اور جب مسلمانوں نے اپنی غفلت سے اس برادری کو توڑ دیا تو وہ اپنوں کے کام آسکے نہ غیروں کے۔

بے نمازی طبقہ

آیت مبارکہ میں واضح شرط بتادی کہ مسلمانوں کا ہمدرد اور مخلص دوست صرف وہی مسلمان ہوسکتا ہے جو نماز

قائم کرنے والا، زکوٰۃ ادا کرنے والا اور اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کرنے والا ہو۔ پس ثابت ہوا کہ نماز کے معاملہ میں بے پرواہی کرنے والے افراد خود کو لاکھ مسلمان بتائیں وہ اسلامی برادری کے کسی کام نہیں آسکتے۔ آج مسلمانوں کی سیاسی قیادت اسی بے نمازی طبقہ کے ہاتھ میں ہے۔ ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ اٹل ہے۔ اور ان لوگوں کے اقدامات سے مسلمانوں کو فائدہ کی بجائے نقصان ہی پہنچ رہا ہے۔

صفتِ خشوع

اسلامی برادری کے قیام کے لئے اور اسلامی لشکر کی قوت کے لئے ''صفت خشوع'' کا ہونا ضروری ہے۔ تمام عبادات کا اصل فائدہ تبھی ظاہر ہوتا ہے جب دل اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا ہوا ہو۔ اور اس میں ذکر اللہ سے نرمی اور گداز پیدا ہوتا ہو۔ خشوع کی صفت تیزی سے اٹھ رہی ہے عبادات کا صرف جسم باقی رہ گیا ہے اور ان کی روح فنا ہوتی جا رہی ہے۔ جس کا واضح نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمان باہمی محبت اور ولایت سے محروم ہو کر مختلف اکائیوں میں تقسیم ہوتے جا رہے ہیں اور تقسیم در تقسیم کا یہ سلسلہ بڑھتا ہی چلا جا رہا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اپنی رضا والا ''خشوع'' عطاء فرمائے۔

سُوْرَةُ الْمَآئِدَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۵۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور ایمانداروں کو دوست رکھے تو اللہ تعالیٰ کی جماعت وہی غالب ہونے والی ہے

خلاصہ

مسلمان اگر اس حکم کو پورا کریں اور صرف اللہ تعالیٰ سے اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اور مسلمانوں سے دوستی رکھیں تو وہ "حزب اللہ" اللہ تعالیٰ کی جماعت بن جائیں گے اور اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ "حزب اللہ" کیلئے غلبہ ہے۔

حزب اللہ کون؟

❶ ای من فوض امره الی الله، وامتثل امر رسوله ووالی المسلمین فهو حزب الله. (القرطبی)

یعنی جو اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردے۔ (یعنی صرف اسی پر توکل اور بھروسہ رکھے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو پورا کرے اور مسلمانوں سے ہی موالات (قلبی دوستی) رکھے وہ حزب اللہ ہے۔

❷ وقیل ای ومن یتولی القیام بطاعة الله ونصرة رسوله والمومنین۔ (القرطبی)

اور ایک قول یہ ہے کہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت، اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان والوں کی نصرت کا اہتمام کرے وہ "حزب اللہ" ہے۔

قال الحسن: حزب الله جندالله (القرطبی)

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حزب اللہ کے معنیٰ جنداللہ یعنی اللہ کا لشکر۔ وقال غیره انصار الله اور دیگر مفسرین کے نزدیک حزب اللہ کے معنیٰ انصار اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کے مددگار۔ (القرطبی)

تردد کا ازالہ

"کفار کی کثرت اور مسلمانوں کی قلت عدد کو دیکھتے ہوئے ممکن تھا کہ کوئی ضعیف القلب اور ظاہر بین مسلمان اس تردد میں پڑ جاتا کہ تمام دنیا سے موالات منقطع کرنے اور چند مسلمانوں کی رفاقت پر اکتفا کر لینے کے بعد غالب ہونا تو درکنار، کفار کے حملوں سے اپنی زندگی اور بقاء کی حفاظت بھی دشوار ہے ایسے لوگوں کی تسلی کے لئے فرمادیا کہ

مسلمانوں کی قلت اور ظاہری بے سروسامانی پر نظر مت کرو۔ جس طرف خدا اور اس کا رسول اور سچے وفادار مسلمان ہونگے وہی پلہ بھاری رہے گا۔" (تفسیر عثمانی)

مسلمانوں کی مغلوبیت کا سبب

"اہل ایمان جب ایمان پر جمے رہیں، نافرمانیوں سے بچتے رہیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں، احکام الٰہیہ کے مطابق زندگی گذاریں اور اخلاص کے ساتھ کافروں سے جنگ کریں تو ضرور یہی لوگ غالب ہوں گے کسی بے تدبیری یا معصیت کی وجہ سے کبھی کوئی زک پہنچ جائے تو یہ دوسری بات ہے۔ آیت کا یہ مطلب نہیں کہ کبھی کوئی مسلمان کافروں کے ہاتھ سے نہ مارا جائے گا اور شہید نہ ہوگا مطلب یہ ہے کہ انجام کار کے طور پر فتح، نصرت اور غلبہ اہل ایمان ہی کو حاصل ہوگا۔ تاریخ شاہد ہے کہ اہل ایمان جب تک ایمان پر قائم رہے اخلاص کے ساتھ کافروں سے لڑتے رہے اللہ تعالیٰ کے دین کو بلند کرنے کے جذبہ سے سرشار رہے عالم میں فتح یابی کے ساتھ آگے بڑھتے رہے، قیصر وکسریٰ کی حکومتیں ان کے جہاد کی وجہ سے پاش پاش ہوئیں، بڑے بڑے ممالک ان کے زیر نگیں آگئے اور کفار پیچھے ہٹتے چلے گئے، لیکن جب سے اعمال شرعیہ کی پابندی چھوڑی اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں پر اتر آئے دنیا کو مقصود بنالیا۔ کافروں کی دوستی کا دم بھرنے لگے تو ان کے قبضہ میں جو ممالک تھے وہ بھی ہاتھ سے نکل گئے اور کافروں نے عالمی ادارے بنا کر مسلمانوں کو ان کا ممبر بنالیا اور مسلمانوں میں پھوٹ ڈال دی اور پس پردہ کٹھ پتلی کی طرح انہیں نچادیا، مسلمان اب بھی صحیح طریقہ پر حزب اللہ یعنی اللہ کی جماعت بنیں تو اب بھی غلبہ پاسکتے ہیں۔" (انوار البیان)

غلبے کا نصاب موجود ہے

مسلمانوں کے لئے غلبے کا پورا نصاب ان آیات میں موجود ہے یہود ونصاریٰ اور تمام دشمنانِ اسلام سے یاری منقطع کردیں۔ اللہ تعالیٰ سے سچی محبت اور وفاداری اپنے دل میں پیدا کریں۔ مسلمانوں کے لئے سراپا محبت اور ہمدردی بن جائیں۔ اسلام دشمنوں سے شدید نفرت رکھیں۔ جہاد فی سبیل اللہ کو بھرپور طریقے پر زندہ کریں۔ جہاد کے بارے میں منفی تنقید اور ملامت کی پرواہ نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت اور مسلمانوں کی دوستی اور نصرت کو معیار بنا کر اپنی اسلامی برادری قائم کریں۔ تو وہ پوری دنیا پر چھاجائیں گے اور غالب آجائیں گے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

نصاب مشکل نہیں ہے

ماضی کے جن مسلمانوں نے اس نصاب پر عمل کیا وہ بھی ہماری طرح انسان تھے۔ مگر انہوں نے ہمت سے کام لیا اور دنیا سے نظریں ہٹا کر آخرت کو سامنے رکھا۔ اگر وہ بھی ہماری طرح حالات کی سختی کا بہانہ بنا کر بیٹھ جاتے تو یہ دین ہم تک نہ پہنچتا اور چند شہروں تک محدود ہو کر رہ جاتا۔ مگر انہوں نے حالات کو نہیں اللہ تعالیٰ کے حکم کو دیکھا اور پھر اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر کھڑے ہوگئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق انہیں غلبہ عطاء فرمادیا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حالات پہلے بھی سخت تھے

ایسا بہت کم ہوتا ہے کہ اس نصاب پر عمل کرنے کے لئے حالات نرم اور آسان ہوں۔ جنت کا راستہ تکلیفوں اور مشقتوں سے بھرا ہوا ہے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر جو مشکل حالات آئے ہم ان کا تصور بھی اپنے لئے نہیں کر سکتے۔ اس لئے یہ عذر کرنا کہ اب زمانہ کافی آگے جا چکا ہے۔ اب ہم جنگ اور جہاد میں کبھی دشمن کو شکست نہیں دے سکتے بالکل جھوٹا اور بے کار عذر ہے۔ ہر انسان کے پاس ایک جان ہے۔ یہ جان تلوار سے بھی نکل جاتی ہے اور ایٹم بم سے بھی۔ روم وفارس کی طاقتیں اس وقت کے تمام مسلمانوں کو مٹانے پر اتنی قدرت رکھتی تھیں جتنی آج کی طاقتیں نہیں رکھتیں۔ اس لئے صرف ایٹم بم، ہائیڈروجن بم، اور فضائی قوت کو دیکھ کر دل ہار بیٹھنا اور ایمان بیچ ڈالنا مسلمان کا کام نہیں ہے۔ ہم کافروں کے یار ہو کر بھی اتنے ہی دن زندہ رہیں گے جتنے دن ان کے دشمن بن کر زندہ رہ سکتے ہیں۔ کسی کی یاری اور حفاظت زندگی کے دن بڑھا نہیں سکتی اور کسی کی دشمنی موت کو وقت سے پہلے لا نہیں سکتی۔ (واللہ اعلم بالصواب)

ہم کہاں جائیں؟

مسلمان ملکوں، قوموں، زبانوں، فرقوں، جتھوں اور جماعتوں میں بٹ گئے ہیں۔ اب اگر کوئی اس نصاب پر عمل کرنا چاہے تو کس کے ساتھ شامل ہو؟ جواب آسان ہے کہ فرقے اور جتھے ہر زمانے میں موجود تھے اسلئے یہ آزمائش بھی کوئی نئی نہیں ہے۔ سب سے پہلے اپنا دل ٹھیک کریں، اس میں سے دنیا کی محبت اور یہاں ہمیشہ رہنے اور فضول جائیدادیں بنانے کا شوق نکالیں۔ دل میں اسلام کے غلبے کی فکر بھریں اور پھر سچے دل سے خود کو اور اپنی جان کو اسلام کی خاطر اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کریں۔ پھر سچے دل سے قبولیت کی دعاء کریں۔ یہ سب کچھ خفیہ ہو اور خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہو۔ تب راستہ خود مل جائے گا۔ اور منزل سامنے آجائے گی۔ باقی حق جماعت کی علامات ابھی اسی سورۃ کی آیت (۵۴) میں گزر چکی ہیں۔ وہ اہل دین جو جہاد میں مشغول ہوں ان کے ساتھ وابستگی میں خیر ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

آسان ترین نسخہ

اس نصاب پر عمل کرنے کا آسان ترین نسخہ صرف یہی ہے کہ ہم اپنے دل کی خواہش کو درست کرلیں۔ ہم دنیا چاہتے ہیں یا آخرت؟ ہم اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں یا دنیا کا فانی عیش و آرام؟ اگر ہم اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت چاہتے ہیں تو پھر سب کچھ آسان ہے حتی کہ اکیلے نکل کر ساری دنیا کے کافروں کے مقابلے میں کھڑا ہو جانا بھی آسان ہے۔ لیکن اگر ہم دنیا کے طالب ہیں تو پھر سب کچھ مشکل ہے حتی کہ سال میں ایک بار اپنے مال کا چالیسواں حصہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں دے دینا بھی مشکل ہے۔ جب اتنا آسان کام بھی مشکل ہے تو باقی کاموں کا خود اندازہ لگالیں۔ تب ایسے لوگ بہانے بناتے ہیں اور اس نصاب کو ناممکن قرار دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں نفس وشیطان کے شر سے بچائے۔ آمین

کچھ لوگ موجود رہیں گے

اسلام سچا دین ہے۔قرآن پاک سچی کتاب ہے۔یہ ممکن نہیں ہے کہ سب لوگ ہی اس پر عمل چھوڑ دیں۔اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں سے یہ دنیا کبھی خالی نہیں رہتی۔ہمیں چاہیے کہ ہم قرآن پاک کی بیان فرمودہ علامات کے ذریعے انہیں تلاش کریں۔اور اللہ تعالیٰ سے دعاء کریں کہ وہ ہمیں بھی انہیں کا حصہ بنادے۔(وماذلك على الله بعزيز۔)

سُوْرَةُ الْمَائِدَةِ مَدَنِيَّةٌ آیت ۸۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ

تو سب لوگوں سے زیادہ مسلمانوں کا دشمن یہودیوں اور مشرکوں

اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا

کو پائے گا اور تو سب سے نزدیک محبت میں مسلمانوں سے ان لوگوں کو پائے گا جو کہتے ہیں کہ

اِنَّا نَصٰرٰى ۗ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ

ہم نصاریٰ ہیں یہ اس لیے کہ ان میں علماء اور فقراء ہیں اور اس لیے

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٨٢﴾

کہ وہ تکبر نہیں کرتے

خلاصہ

مسلمانوں کے سب سے سخت دشمن یہودی اور مشرکین ہیں۔ اور مسلمانوں سے دوستی رکھنے کے قریب تر وہ عیسائی ہیں جن میں علم دوست افراد اور تارک دنیا راہب موجود ہوں اور وہ تکبر بھی نہ کرتے ہوں۔

شانِ نزول

تفسیر قرطبی وغیرہ میں ہے کہ جب مشرکین مکہ کو غزوہ بدر میں شکست ہوئی تو انہوں نے اپنے مقتولین کا بدلہ ان مسلمانوں سے لینے کا ارادہ کیا جو ہجرت کر کے حبشہ چلے گئے تھے، انہوں نے حبشہ کے حکمران نجاشی کے پاس ہدیے، تحفے اور وفد بھجوایا تا کہ نجاشی وہاں موجود مسلمانوں کو مشرکین کے حوالے کر دے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتا چلا تو آپ نے بھی نجاشی کے نام نامہ مبارک دے کر حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔ نجاشی نے خط مبارک پڑھا تو مہاجر مسلمانوں کو بلوایا اور اپنے علماء اور درویشوں کو بھی جمع کیا پھر حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو قرآن پاک پڑھنے کے لئے کہا انہوں نے سورۃ مریم کی تلاوت کی تو عیسائی علماء، درویش کھڑے ہو گئے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ (القرطبی)

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

مکہ میں کافروں نے جب مسلمانوں پر ظلم کیا تو حضرت نے اذن دیا کہ ملک سے نکل جاؤ قریب اسی آدمی مسلمان بعضے تنہا بعضے گھر سمیت ملک حبشہ میں جا رہے وہاں کا بادشاہ خوب منصف تھا۔ پھر مکے کے کافروں نے اس کو

بہکایا کہ اس قوم کو رہنے نہ دو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو غلام کہتے ہیں تب بادشاہ نے مسلمانوں کو بلا کر پوچھا اور قرآن پڑھوا کر سنا وہ اور اس کے علماء بہت روئے اور کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ہم کو اسی کے موافق پہنچا ہے اور ہم کو خبر دی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہ میرے بعد پیش از قیامت ایک اور نبی آئے گا وہ بے شک یہی نبی ہے۔ وہ بادشاہ خفیہ مسلمان ہوا ان کے حق میں یہ آیتیں ہیں۔ (موضح القرآن)

مشروط نرمی

یہود و مشرکین کی دشمنی تو بالکل واضح ہے، یہ ہر زمانے میں رہی ہے اور اب تک موجود ہے اور قرب قیامت میں یہودیوں کا مکمل خاتمہ مسلمانوں کے ہاتھوں سے ہونا صحیح احادیث میں وارد ہے۔ باقی رہی عیسائیوں کی نرمی تو وہ تین شرطوں کے ساتھ مشروط ہے علم، ترک دنیا اور تواضع۔ دراصل مسلمانوں کے خلاف دشمنی پیدا ہوتی ہے جہالت حب دنیا اور تکبر سے۔ جب ان میں قسیس یعنی علم دوست لوگ موجود تھے تو جہالت کم تھی، رہبان یعنی تارک الدینا لوگ موجود تھے تو حب دنیا کم تھی اور وھم لا یستکبرون فرما کر بتایا گیا کہ ان میں تواضع بھی تھی۔ یہ تین شرطیں جب بھی عیسائیوں میں پائی جائیں گی وہ مسلمانوں کے قریب آئیں گے اور حق کو سنیں گے اور قبول کریں گے۔ لیکن جب یہ تین شرطیں نہیں پائی جاتیں تو وہ بھی دیگر کفار و مشرکین کی طرح اسلام اور مسلمانوں سے عداوت رکھتے ہیں۔ جس طرح اس زمانے کے اکثر عیسائی رکھتے ہیں۔ ویسے قرب قیامت کی بعض بڑی جنگوں میں مسلمانوں کا عیسائیوں سے اتحاد بھی ہوگا اور پھر یہ اتحاد ٹوٹ کر جنگ کی شکل اختیار کرلے گا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

حضرت عثمانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ان آیات میں (عیسائیوں کی) اسی (خاص) جماعت کا حال بیان فرمایا ہے قیامت تک کے لئے کوئی خبر نہیں دی گئی کہ ہمیشہ عیسائیوں اور یہود و مشرکین وغیرہ کے تعلقات کی نوعیت اسلام و مسلمین کے ساتھ یہ ہی رہے گی، آج جو لوگ عیسائی کہلاتے ہیں ان میں کتنے قسیس اور رہبان اور متواضع اور منکسر المزاج ہیں؟ اور کتنے ہیں جن کی آنکھوں سے کلام الٰہی سنکر آنسو ٹپک پڑتے ہیں؟ جب اقربهم مودة کی علت ہی جو ذلك بان منهم قسيسين ...... الخ سے بیان کی گئی، موجود نہیں تو معلول یعنی ''قرب مودت'' کیوں موجود ہوگا، بہر حال جو اوصاف عہد نبوی کے عیسائیوں اور یہود و مشرکین کے بیان ہوئے وہ جب کبھی اور جہاں کہیں جس مقدار میں موجود ہوں گے اسی نسبت سے اسلام و مسلمین کی محبت و عداوت کو خیال کرلیا جائے۔ (تفسیر عثمانی)

حب دنیا کا نتیجہ

امام رازی رحمہ اللہ نے لکھا ہے:

عیسائیوں کا کفر یہودیوں کے کفر سے زیادہ سخت تھا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بھی غلط عقیدہ رکھتے تھے۔

پھر بھی اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو زیادہ سخت دشمن قرار دیا اس لئے کہ ان میں حب دنیا بہت زیادہ تھی۔ پس حب دنیا ان پر زیادہ لعنت کا ذریعہ ہے اسی پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان تنبیہ کرتا ہے:

حب الدنیا رأس کل خطیئة کہ دنیا کی محبت ہر برائی کی جڑ ہے۔ (ملخص کبیر)

اس علمی نکتے سے معلوم ہوا کہ حب دنیا میں جو قوم جتنی زیادہ مبتلا ہوگی وہ مسلمانوں کی اتنی زیادہ دشمن ہوگی۔ اور جب خدانخواستہ خود مسلمانوں میں حب دنیا کا مرض عام ہو جائے گا تو وہ مغلوب ہو جائیں گے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

دعاء

یا اللہ ہم سب مسلمانوں کو اپنی محبت عطاء فرما اور ہم سب کی حب دنیا کے مرض سے حفاظت فرما۔ (آمین یا ارحم الراحمین)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تعارف

الحمدللہ رب العالمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین ایاک نعبد وایاک نستعین اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین آمین۔

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ...... سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین والحمدللہ رب العالمین...... اللّٰھم صلی علی سیدنا محمد وعلیٰ اٰلِ سیّدنا محمد کما صلیت علی سیّدنا ابراھیم وعلیٰ اٰلِ سیّدنا ابراھیم انک حمید مجید اللّٰھم بارک علیٰ سیّدنا محمد وعلیٰ اٰلِ سیّدنا محمد کما بارکت علیٰ سیّدنا ابراھیم وعلیٰ اٰلِ سیّدنا ابراھیم انک حمید مجید...... اللھم لک الحمد کما ینبغی لجلال وجھِکَ ولِعَظِیْمِ سلطانک......

اما بعد

❶ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے قبول فرمائے اس تالیف کا نام ''فتح الجواد فی معارف آیات الجہاد'' ہے کتاب کی یہ جلد اوّل سورۃ البقرۃ، ال عمران، النساء اور المائدہ کی ۱۵۹ آیات کے جہادی مضامین پر مشتمل ہے۔ جبکہ اکتیس آیات کے اشارات جہاد کو بھی مختصراً بیان کیا گیا ہے۔

❷ کتاب کی تالیف سے پہلے قرآن پاک کی کئی بار تلاوت کی گئی اور مضامین جہاد کے حوالے سے چار فہرستیں مرتب کی گئیں۔ یہ چاروں فہرستیں اس کتاب میں پیش کردی گئیں ہیں تاکہ طلبہ علم کے لئے آسانی ہو اور اہل علم حضرات تحقیق فرماسکیں۔

❸ پہلے ارادہ یہ تھا کہ جلد اوّل سورۃ الانفال تک ہو مگر سورۃ الانفال کے جہادی مضامین قدرے تفصیل سے لکھے گئے ہیں اس لیے اگر سورۃ الانفال کو بھی جلد اوّل میں شامل کیا جاتا تو کتاب کی ضخامت بڑھ جاتی اس لیے سورۃ المائدہ تک کے مضامین کو جلد اوّل میں شائع کیا جارہا ہے۔

❹ اس کتاب کی تالیف میں مستند عربی اور اردو تفاسیر سے استفادہ کیا گیا ہے اور زیادہ کوشش اسی بات کی رہی

ہے کہ کوئی مضمون بے حوالہ اور غیر مستند نہ رہے۔ تالیف کے دوران جو بات بھی ذہن میں آئی اس کے لئے مستند تفاسیر سے تائید اور حوالہ ڈھونڈنے کی پوری محنت کی گئی۔ یوں الحمدللہ اس کتاب کا بیشتر حصہ مستند اور معتبر مفسرین حضرات کی علمی تحقیقات پر مشتمل ہے۔

❺ اس کتاب میں جن عربی تفاسیر سے استفادہ کیا گیا ہے ان میں سرفہرست تفسیر قرطبی، تفسیر مدارک، تفسیر کبیر، روح المعانی، جلالین، البحر المحیط، ابن کثیر وغیرھا شامل ہیں۔ آپ کو جا بجا ان کتابوں کے حوالے اور عبارتیں اس کتاب میں ملیں گی۔ عربی عبارات کا اردو ترجمہ بھی ساتھ دے دیا گیا ہے بعض مقامات پر عربی عبارات کا ترجمہ اس لیے نہیں دیا گیا کہ کسی معتبر اردو تفسیر کے حوالے سے وہی بات اسی مقام پر بیان ہو چکی ہے۔

تفاسیر کا حوالہ دیتے وقت صفحات کا نمبر نہیں دیا گیا صرف تفسیر کا نام دینے پر اکتفا کیا گیا ہے۔ اگر آپ وہ حوالہ اصل تفسیر میں دیکھنا چاہتے ہیں تو اسی آیت کی تفسیر میں وہ حوالہ آسانی سے مل جائے گا۔

❻ اردو کی مستند تفاسیر میں سے زیادہ انحصار حضرت شاہ عبدالقادر صاحب نور اللہ مرقدہ کی تفسیر موضح القرآن (موضح قرآن) پر کیا گیا ہے۔ قرآن پاک کی آیات سے جہادی مضامین سمجھنے اور سمجھانے کے حوالے سے حضرت شاہ صاحبؒ ''امام'' کا درجہ رکھتے ہیں باقی تمام مفسرین اس باب میں ان کے مقتدی ہیں۔ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ نے بھی حضرت شاہ صاحبؒ کے طریقے کو آگے بڑھایا ہے اور اپنے لاجواب حواشی میں مضامین جہاد کو خوب کھولا ہے۔ حضرت اقدس تھانویؒ نے تفسیر بیان القرآن میں حیرت انگیز علمی شان کے ساتھ مضامین جہاد کو واضح فرمایا ہے۔ جبکہ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے بھی اس موضوع کا حق ادا کرنے کی پوری کوشش فرمائی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان چاروں حضرات کے درجاتِ عالیہ کو مزید بلندی عطاء فرمائے اس کتاب کی تالیف میں ان چاروں حضرات کی تحقیقات کو اکثر لیا گیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ، حضرت تھانویؒ اور حضرت لاہوریؒ کے نزدیک مزید کئی آیات کا تعلق بھی جہاد سے بنتا ہے۔ اس کتاب میں ان آیات کی طرف بھی اشارہ کر دیا گیا ہے مگر چونکہ اُن آیات کا جہاد کے ساتھ تعلق ربط کی بناء پر زیادہ اور مضمون کے اعتبار سے کم ہے اس لئے باقاعدہ طور پر اُن کے مضامین کو بیان نہیں کیا گیا۔ ان چار تفاسیر کے علاوہ تفسیر حقانی سے بھی خوب استفادہ ہوا یہ تفسیر دراصل امام رازیؒ کی تفسیر کبیر سے مستفاد ہے۔ حضرت دریا آبادیؒ کی تفسیر ماجدی نے بھی کئی مقامات پر ساتھ دیا وہ تاریخ اور جغرافیے کے ماہر ہیں۔ نیز معارف القرآن، تفسیر الفرقان، ترجمان القرآن اور انوار البیان بھی زیر مطالعہ رہیں۔

اردو تفاسیر کا حوالہ ڈھونڈنے کا طریقہ بھی وہی ہے کہ بس متعلقہ آیت کھولئے اور حوالہ ملاحظہ فرمالیجئے دو چار جگہ ایک آیت کا حوالہ دوسری آیت کے ساتھ لگایا گیا ہے تو ساتھ وضاحت کر دی گئی ہے کہ مفسر صاحب نے یہ بات فلاں آیت کی تفسیر میں لکھی ہے۔ حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا چونکہ بہت احسان ہے اس لیے ان کی عبارتوں کے شروع

میں اکثر کلام برکت کا عنوان دے دیا گیا ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ کی تفسیر کا نام ''موضح القرآن'' معروف ومشہور ہے مگر بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اصل نام موضح قرآن ہے اور یہ تاریخی نام ہے یعنی ابجد کے حساب سے اس نام میں تاریخ تالیف بیان کی گئی ہے۔

❼ جہاد امت مسلمہ کا مقبول موضوع ہے اس لئے حضرات مفسرین اس پر دل کھول کر لکھتے ہیں۔ اگر مفسرین کے تمام اقوال اور عبارتیں لکھی جاتیں تو کتاب بہت ضخیم ہو جاتی۔ اسی طرح اگر ہر آیت کے مناسب احادیث مبارکہ اور حضرات فقہاء کرام کے اقوال بھی لکھے جاتے تو ہر آیت کے مضامین میں کئی صفحات کا اضافہ ہو سکتا تھا۔ اسی طرح اگر دعوت اور وعظ کا انداز اختیار کیا جاتا اور ہر آیت کے مضمون کو وعظ کے انداز میں بیان کیا جاتا تو بات کافی لمبی ہو جاتی۔ چنانچہ ان تمام چیزوں کو چھوڑ دیا گیا ہے اور طریقہ یہ اختیار کیا گیا ہے کہ ہر آیت کے مضمونِ جہاد کو واضح کر دیا جائے اور مستند عبارتوں کے ذریعے اُس کی پوری وضاحت کر دی جائے۔ تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ قرآن پاک کی یہ آیت انہیں کیا سمجھا رہی ہے۔ اور انہیں اس بات کا یقین ہو جائے کہ جہاد اسلام کا ایک محکم اور قطعی فریضہ اور اللہ تعالیٰ کا بالکل واضح حکم ہے۔

اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ کوشش الحمدللہ کامیاب رہی ہے اور ہر آیت کا جہادی مضمون اس طور پر واضح ہو گیا ہے کہ بے شمار اعتراضات اور وساوس کا جواب خود بخود معلوم ہو جاتا ہے۔ اور یہ بات اچھی طرح دل میں بیٹھ جاتی ہے کہ جہاد مولویوں کا گھڑا ہوا مسئلہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا بالکل واضح اور تاکیدی حکم ہے اور جہاد کا اصل معنیٰ کیا ہے۔ البتہ بعض آیات کے ساتھ ان سے سمجھے گئے اسباق اور عصر حاضر کے ساتھ ان کی مطابقت کو بھی عرض کر دیا گیا ہے۔

❽ قرآن پاک اوّل تا آخر اللہ تعالیٰ کی سچی اور قدیم کتاب ہے۔ اس پوری کتاب پر ایمان لانا فرض ہے۔ قرآن پاک کی کسی ایک آیت کا انکار بھی کفر ہے۔ اور ایمان لانے کے اعتبار سے قرآن پاک کو تقسیم کرنا کہ بعض کو مانا جائے اور بعض کو نہ مانا جائے یہ کافروں اور ظالموں کا طریقہ ہے۔ ہم پورے قرآن پاک پر ایمان لائے ہیں اور الحمدللہ ایمان رکھتے ہیں۔ ماضی میں اسلاف نے قرآن پاک کے مختلف حصوں کی الگ الگ تفاسیر لکھی ہیں۔ کسی نے آیات الاحکام پر تفسیر لکھی تو کسی نے قصص القرآن کو الگ بیان فرمایا کسی نے شان نزول پر کتاب لکھی تو کسی نے نماز والی آیات کو چھانٹا اور جمع فرمایا۔ اس لیے ''جہادی آیات'' کی الگ تالیف کوئی نئی چیز نہیں ہے بلکہ یہ بھی قرآن پاک اور دین کی خدمت کی ایک ادنیٰ سی کوشش ہے۔ اس زمانے میں قرآن پاک کے حکم جہاد کے خلاف بہت تدبیریں، مکر اور کوششیں ہو رہی ہیں۔ اور مسلمانوں کو اس گمراہی کی طرف بلایا جا رہا ہے کہ وہ غیر جہادی اسلام کو اختیار کریں۔ ان حالات میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی توفیق سے قرآن پاک کی ان آیات کو بیان کیا جا رہا ہے جن میں جہاد کا بیان ہے۔ کافروں کی طاقت اپنی جگہ، دنیا کے تقاضے اپنی جگہ، مسلمانوں کی کمزوری اپنی جگہ۔ مسلمانوں سے ہماری

صرف اتنی سی درخواست ہے کہ وہ ایک بار ان آیات اور ان کے مستند مضامین کو پڑھ لیں۔ اور کچھ نہیں تو صرف ان آیات کا ترجمہ ہی پڑھ لیں۔ اور پھر فیصلہ کریں کہ۔ ہم نے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا۔ اور یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ صرف وہی دین اور اسلام ہی سچا اور معتبر ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمایا ہے اور جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول وعمل سے بیان فرمایا ہے۔

❾ اس کتاب میں قرآن پاک کی جن آیات کو بیان کیا گیا ہے وہ آیات جب نازل ہو رہی تھیں تو مسلمان کمزور تھے، بہت کم تھے اور دنیا کے صرف ایک خطے میں موجود تھے۔ ان مسلمانوں نے ان آیات کو پڑھا تو اپنی کمزوری اور قلت کا عذر نہیں کیا بلکہ ان آیات کو اللہ تعالیٰ کا حکم سمجھ کر عمل کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ نتیجہ کیا نکلا یہ ہم سب کے سامنے ہے اور آج ہم بھی اسی لیے مسلمان ہیں کہ ماضی کے مسلمانوں نے ہمت سے کام لیا اور قرآن پاک پر عمل کیا۔

آج پندرھویں صدی ہجری میں جب ان آیات کو جمع کر کے مسلمانوں کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے تو بھی مسلمان کمزور اور کسی حد تک مغلوب ہیں۔ مگر پھر بھی مسلمانوں کی تعداد کافی ہے اور ان کے پاس وسائل بھی بالکل ابتدائی زمانے کے مسلمانوں سے زیادہ ہیں۔ چنانچہ ان آیات کو پڑھ کر یہ کہنا کہ یہ ہمارے لیے نہیں ہیں کیونکہ ہم کمزور ہیں ایک بہت ہی عجیب بات ہوگی۔ ہم سب کو چاہئے کہ ہم کامیابی اور عزت کے اِن نسخوں اور غلبے کے ان طریقوں کو عمل کی نیت سے پڑھیں اور اللہ تعالیٰ سے ایمانِ کامل اور توفیقِ عمل کی دعاء کریں۔

❿ آیاتِ جہاد جمع کرنے کا سلسلہ ۱۹۹۵ء سے شروع ہوا تھا۔ ابتدائی طور پر چار سو سولہ آیات کی فہرست تیار ہوئی اور تعلیم الجہاد حصہ چہارم کے عنوان سے ان آیات کا ترجمہ اور مختصر تشریح شائع ہوئی۔ قید سے آزادی کے بعد کتابوں تک رسائی ہوئی اور مطالعہ کا موقع ملا تو دیگر آیات کے جہادی مضامین بھی علم میں آئے۔ اس دوران دوبار سورۃ الانفال کا اور دوبار آیاتِ جہاد کا دورہ پڑھانے کی سعادت بھی ملی۔ اس تالیف کے دوران کراچی، ملاکنڈ، مردان اور کوہاٹ میں منعقد ہونے والے ان دوروں کی تقاریر (جو کیسٹوں سے لکھی گئی ہیں) الحمدللہ کافی کام آئیں......

کوہاٹ کے دورے کے بعد یہ دورہ خود تو پڑھانے کی توفیق نہ مل سکی البتہ اللہ تعالیٰ نے کئی رفقاء کرام کو یہ سعادت نصیب فرمادی۔ اب الحمدللہ کئی سال سے یہ چھ حضرات پابندی کے ساتھ یہ دورہ پڑھا رہے ہیں۔ اور اب تک کئی ہزار مسلمان اس دورے کے توسّط سے قرآن پاک کا حکم جہاد سمجھ چکے ہیں۔ گزشتہ سال ان چھ رفقاء کرام کی خدمت میں جو خط بھیجا گیا تھا وہ بھی اس تعارف کے آخر میں شامل کیا جا رہا ہے۔ امید ہے کہ اہل علم حضرات کو انشاء اللہ اس خط کے ذریعے اس دورے کی افادیت سمجھنے میں آسانی ہوگی۔

⓫ قرآن پاک کے جہادی مضامین جب ہزاروں لاکھوں مسلمانوں تک پہنچے تو اس بات کا تقاضہ بڑھ گیا کہ آیات جہاد کو تحریری طور پر بھی جمع کر لیا جائے۔ گزشتہ سال عیدالاضحیٰ سے کچھ پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ کام شروع کرنے کی

توفیق عطاء فرمادی۔ پہلے فہرستیں تیار کی گئیں اور پھر سورۃ البقرۃ سے کام کا آغاز ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ کا بے حد شکر ہے کہ بہت کم عرصے میں یہ مشکل کام سورۃ الانفال کے آخر تک جا پہنچا۔ مگر اس کے بعد مزید کام نہیں ہو سکا۔ اب اگر اللہ تعالیٰ نے چاہا اور اپنا احسان اور فضل فرمایا تو سورۃ التوبہ سے یہ کام دوبارہ شروع کیا جائے گا۔ تمام مسلمان قارئین اور قارئات سے دعاء کی درخواست ہے۔

⓬ اب تک جتنا کام ہوا ہے یہ بھی میرے بس میں نہیں تھا۔ اور نہ ہی میں اس کام کا اہل ہوں۔ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کہ اس نے توفیق عطاء فرمادی۔ اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر ہے کہ اس نے مجھے مقبول دعائیں دینے والے والدین عطاء فرمائے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ان دو بندوں نے دل کی محبت اور توجہ سے مجھے خوب دعائیں دیں۔ جب بھی کام رُکا وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑائے اور مالک الملک نے دروازے کھول دیئے۔ اللہ تعالیٰ میرے والدین کریمین کو جزائے خیر اور دنیا آخرت میں ان احسانات کا بہترین بدلہ عطاء فرمائے۔ اس کتاب کو پڑھنے والے تمام مسلمانوں سے بھی ان کے لئے دعاء کی التماس ہے۔ اور کس کس کے احسانات کا تذکرہ کروں؟ الحمد للہ ہر کسی نے اپنی بساط سے بڑھ کر میرے ساتھ معاونت کی۔ اور خوب خوب دعاؤں سے نوازا۔ کسی کا نام لکھوں تو کسی کا رہ جائے گا۔ جبکہ ان سب نے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی رضاء کے لئے کیا اور اللہ تعالیٰ تو سب کو جانتا ہے اور وہ تو شکور ہے شکور بے حد قدر دان۔ اسی سے دعاء ہے کہ وہ ان سب کو اجر عظیم عطاء فرمائے۔

یا اللہ اس ادنیٰ سی ناچیز کوشش کو اپنی رضاء کے لئے قبول فرما...... قبول فرما...... قبول فرما

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم
و صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیّدنا محمّد وعلیٰ آلہ واصحابہ
وازواجہ وبناتہ واتباعہ اجمعین وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا۔

محمد مسعود ازہر

۳؍ صفر الخیر ۱۴۲۸ھ

یوم الاربعاء

آیات جہاد کا دورہ پڑھانے والے علماء کرام کی خدمت میں ایک گذارش نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

چار فہرستیں حاضر خدمت ہیں:

1. مدنی سورتوں میں مضامین جہاد والی آیات کی فہرست۔ اس میں کل ۵۵۸ آیات کی نشاندہی کی گئی ہے۔ **فتح الجواد** کا کام شروع کرنے سے پہلے کئی بار پورے قرآن پاک کی تلاوت کی گئی اور ترجمہ پڑھا گیا جس کے بعد یہ فہرست مرتب ہوئی ہے۔ جن جدید آیات کو اس فہرست میں شامل کیا گیا ہے اُن کے مضامینِ جہاد کو سمجھنے کے لئے حاشیہ حضرت لاہوریؒ موضح القرآن (موضح قرآن) اور تفسیر کبیر کا مطالعہ فرمائیں۔
2. دوسری فہرست مدنی سورتوں میں اشاراتِ جہاد والی آیات کی ہے۔ ادنیٰ تامل اور مطالعے سے اس فہرست کے اشارات کو سمجھا جاسکتا ہے۔
3. تیسری فہرست مکی سورتوں کی ان آیات مبارکات کی ہیں جن میں جہادی اشارات بالکل واضح ہیں۔
4. چوتھی فہرست ان آیات کی ہیں جو ہماری فہرست میں شامل نہیں ہیں مگر حضرت لاہوریؒ نے ان کو ربط کی بناء پر (نہ کہ مضمون کی بناء پر) جہادی آیات قرار دیا ہے۔

مبارکباد

احادیث وآثار سے بالکل صاف طور پر یہ بات سمجھ آتی ہے کہ آخری زمانے میں پھر جہاد فی سبیل اللہ پوری آب وتاب اور شان وشوکت سے جاری ہوگا اور زمین پر خلافت علی منہاج النبوۃ قائم ہوگی۔ آپ حضرات کا یہ دورہ آیات الجہاد پڑھانا انہی بشارتوں کے قائم ہونے کا اشارہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر جتنا شکر ادا کریں کم ہے اور اس نعمت کی جس قدر ہوسکے قدر کریں۔

اُلجھن کی حاجت نہیں

بار بار آیات کی تعداد میں تبدیلی سے کوئی الجھن پیدا نہ ہو۔ ہم نے کبھی بھی کسی تعداد میں حصر کا دعویٰ نہیں کیا۔ مقصد جہاد فی سبیل اللہ کا احیاء ہے۔ جیسے ہی اس بارے میں علم کا اضافہ ہوتا ہے ہم یہ امانت مسلمانوں تک پہنچانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تفسیر میں رائے کا دخل نہیں ہے جب بھی اسلاف کی طرف سے مستند اقوال سامنے آتے ہیں ہم ان کی پیروی کرتے ہیں اور اپنی رائے کو قطعاً کوئی دخل نہیں دیتے۔ ماضی کے دوراتِ تفسیر کی کیسٹیں سن لیں ہر دورے

میں یہی عرض کیا گیا ہے کہ کسی تعداد میں حصر کا دعویٰ نہیں ہے۔ اب چونکہ تحریری کام شروع کرنا تھا اس لیے از سر نو محنت کی گئی ہے۔

غزوات کی تعلیم

دورہ تو قرآنی ترتیب سے پڑھائیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی جو ترتیب قائم فرمائی ہے اسی میں خیر اور حکمت ہے چنانچہ پہلے سورۃ بقرۃ کی آیات پھر آل عمران کی اسی طرح هلمّ جرًّا ...... مگر جب کسی غزوے یا سریے کی آیات آئیں تو سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے اس کی تعلیم کرادی جائے۔ اور مزید جو کچھ کہنا ہو وہ زبانی کہہ دیا جائے۔ اس سے ایک تو طلبہ کی مستند ماخذ تک رسائی ہو جائے گی دوسرا دورے کا ماحول بھی ان شاء اللہ پر جوش ہو جائے گا۔

سورۃ انفال کی تقریر

کراچی میں سورۃ انفال کا جو دورہ ہوا تھا وہ کافی مفصل تھا اگر تمام اساتذہ کرام ایک بار اس کو سن لیں یا اس کی لکھی ہوئی تقریر پڑھ لیں تو ان شاء اللہ کافی فائدہ ہوگا...... لکھی ہوئی تقریر میں کتابت کی کافی اغلاط ہیں۔

تازہ تحفے

کوہاٹ کا دورہ بھی لکھا جا چکا ہے اور مردان کا بھی۔ لکھائی کافی صاف اور غلطیاں بہت کم ہیں۔ ان کی نقل (کاپی) حاصل کرلیں تو انشاء اللہ فائدہ ہوگا...... فتح الجواد بھی سورۃ براۃ تک ہو چکی ہے (براۃ شامل نہیں ہے) اگر سہولت سے اس کی کاپی مل جائے تو انشاء اللہ مفید رہے گی۔ مگر اس میں ''خصوصی ابحاث'' کا اضافہ باقی ہے۔

تنقید سے احتراز

جہاد پر قرآنی دلائل دلوں کی شفاء کے لئے کافی ہیں اس لیے صراحۃً یا تعریضاً تبلیغی جماعت اور خانقاہوں وغیرہ پر ہرگز ہرگز تنقید نہ کریں۔ اپنی بات پوری قوت سے بیان کردیں ان شاء اللہ وہی کافی ہو جاتی ہے......

تاثرات

اگر ممکن ہو تو دورے کے بعد طلبہ کو عموماً اور شریک دورہ علماء و خواص کو خصوصاً اپنے تاثرات لکھنے کی دعوت دی جائے پھر انہیں محفوظ کر کے شعبہ دعوت تک پہنچادیں۔

میں نہیں

بندہ کی رائے یہ ہے...... میرا خیال یہ ہے...... احقر کی رائے یہ ہے جیسے جملوں سے بچیں۔ ہم امت کے چھوٹے لوگ ہیں ہمیں بڑوں والی باتیں زیب نہیں دیتیں۔ علم سارا لکھا جا چکا ہے اس لیے نہ کوئی تازہ تحقیق ہے اور نہ کسی کا تفرّد۔ کوئی بات ذہن میں آجائے اور پھر کتاب میں مل جائے تو توافق کا نعرہ لگانے سے بچیں۔ آج کل حافظے

کمزور ہیں اس لیے اس دعوت میں غلطی ہو سکتی ہے ممکن ہے ماضی میں ہم نے یہ تحقیق کسی سے سنی ہو یا کسی کتاب میں پڑھی ہو...... ویسے بھی اس طرح کے نعرے اور دعوے ہم جیسے طالبعلموں پر علم کا دروازہ بند کر سکتے ہیں کیونکہ مستکبر کو علم نصیب نہیں ہوتا...... بس خود کو اسلاف کی باتوں کا ناقل بتائیں اور اپنے دل میں بھی خود کو ایسا ہی سمجھیں......

عصر حاضر

اسباق کے دوران عصر حاضر کی تحریکوں کا تعارف بھی آ جائے۔ مسلک حقہ کی دعوت بھی ضمناً چلتی رہے اور اپنی جماعت کی طرف پورے شرح صدر کے ساتھ مسلمانوں کو متوجہ کیا جائے۔

ایک رنگ میں برکت

اگر سب ساتھی اپنی طرز ایک رکھیں...... اور ایک "رنگ" میں پڑھانے کی کوشش کریں تو اس میں فائدہ ہوگا اور یہ نامعلوم عرصے تک صدقہ جاریہ رہے گا۔ ان شاء اللہ

دعاء کا اہتمام

سبق سے پہلے اور دورے کے دوران صلوٰۃ الحاجۃ اور دعاء کا خاص اہتمام رہے تا کہ اوپر سے مدد آتی رہے ...... ایک غریب مسافر بھی آپ کی دعاؤں کا محتاج ہے......

والسلام

خویدم

محمد مسعود ازہر

آیاتِ جہاد کی چار فہرستیں

۱ مدنی سورتوں میں آیاتِ جہاد

۲ مدنی سورتوں میں اشاراتِ جہاد

۳ مکّی سورتوں میں اشاراتِ جہاد

۴ مزید اشارات جہاد حضرت لاہوریؒ کے نزدیک

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

بقرہ ۳۵	آل عمران ۶۲	نساء ۴۲	مائدہ ۲۰	انفال ۷۵	توبہ ۱۲۹	حج ۱۷	نور ۴	احزاب ۲۲	محمد ۳۸
۱۰۹	۱۲	۶۹ تا ۸۵	۲	مکمل سورۃ	مکمل سورۃ	۱۹ تا ۲۴	۵۳	۹ تا ۲۷	مکمل سورۃ
۱۱۴	۱۳	۸۸ تا ۹۱	۳			۳۸ تا ۴۱	۵۴	۶۰	
۱۵۳ تا ۱۵۷	۲۸	۹۴ تا ۱۰۴	۱۱ تا ۱۳			۵۵	۵۵	۶۱	
۱۷۷	۱۱۰ تا ۱۱۲	۱۳۸ تا ۱۴۷	۲۰ تا ۲۶			۵۸ تا ۶۴	۶۲	۶۲	
۱۹۰ تا ۱۹۵	۱۱۸ تا ۱۲۹		۳۵			۷۸			
۲۰۷	۱۳۹ تا ۱۷۵		۵۱ تا ۵۶						
۲۱۴ تا ۲۱۸	۱۹۳ تا ۲۰۰		۸۲						
۲۳۹									
۲۴۳ تا ۲۵۲									
۲۶۱									
۲۶۲									
۲۷۳									
۲۸۶									

مدنی آیاتِ جہاد

کل آیات ۵۵۸

فتح ۲۹	حجرات ۵	حدید ۴	مجادلہ ۹	حشر ۱۷	ممتحنہ ۱۳	صف ۱۴	منافقون ۱۱	تحریم ۱	عادیات ۸	نصر ۳
مکمل سورۃ	۶	۱۰	۱۴ تا ۲۲	۱ تا ۱۷	مکمل سورۃ	مکمل سورۃ	مکمل سورۃ	۹	۱ تا ۸	مکمل سورۃ
	۹	۱۱								
	۱۰	۱۹								
	۱۴	۲۵								
	۱۵									

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

مدنی اشاراتِ جہاد

کل آیات ۳۱

مائدہ ۸	ال عمران ۱۸	بقرہ ۵
۵۷	۱۴	۳۰
۵۸	۱۵	۳۶
۵۹	۱۹	۵۸
۶۰	۲۶، ۲۷	۵۹
۶۱	۵۵	۸۹
۶۲	۵۶	
۶۳	۸۱	
۶۷	۱۰۰تا۱۰۴	
	۱۳۰تا۱۳۴	

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مکّی قصص واشاراتِ جہاد

کل آیات ۷۰

نحل ۲	بنی اسرائیل ۱	کہف ۱۵	انبیاء ۳	فرقان ۱	نمل ۲۳	قصص ۱	عنکبوت ۵
۱۱۰	۸۱	۸۳تا۹۷	۱۸	۵۲	۲۳تا۳۶	۸۵	۲
۱۲۶			۴۴				۳
			۱۱۲				۵
							۶
							۶۹

روم ۷	سبا ۱	صافات ۳	ص ۱	مؤمن ۱	طور ۱	مزمل ۱	بلد ۱
۱تا۷	۱۱	۱۷۲	۳۱	۵۵	۴۷	۲۰	۲
		۱۷۳					
		۱۷۷					

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

بقرہ ۵	ال عمران ۷	نساء ۳	مائدہ ۱	نور ۱	عنکبوت ۶۹	روم ۶۰	حجرات ۱۸	حدید ۲۹
۱۱۰	۱۴	۸۵	۳۲	۵۷	مکمل سورۃ	مکمل سورۃ	مکمل سورۃ	مکمل سورۃ
۱۸۷	۱۵	۱۱۰						
۱۹۶	۱۳۰	۱۵۰						
۲۱۹	۱۳۱							
۲۲۰	۱۳۲							
	۱۳۳							
	۱۳۴							

اشاراتِ جہاد
حضرت لاہوری رحمہ اللہ

کل آیات ۱۹۳

فہرست

سُورَۃُ البَقَرَۃ

سُوْرَةُ آلِ عِمْرَان

سُوْرَةُ النِّسَآءِ

سُورَةُ المَآئِدَة